میزان الحق

یعنی

دیوبندی بریلوی اختلاف کا

شرعی فیصلہ

مکمل تین حصے

[illegible]

مرتبہ

مولوی سید مشتاق علی شاہ

مکتبہ قاسمیہ (17) اردو بازار

فون ۔ [illegible]

میزان الحق

یعنی

دیوبندی، بریلوی اختلاف کا

شرعی فیصلہ

مکمّل تین حصّے

اس کتاب میں مسئلہ علم غیب، حاضر و ناظر، مختارِ کل، نور و بشر، یا رسول اللہ کہنا، غیر اللہ سے مدد مانگنا۔ بدعت کے لغوی و شرعی معنی اور اقسام اور موجودہ دور میں پائی جانے والی تمام بدعات پر تبصرہ، علمائے دیوبند پر کیے گئے تمام اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں اور بریلویوں کے پچاس عقیدے بھی آخر میں نقل کیے گئے ہیں۔

مُرتّب:

پیر جی سیّد مشتاق علی شاہ

ناشر: مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ پاکستان

نام کتاب ــــــــ میزان الحق

مرتب ــــــــ سید مشتاق علی شاہ

تاریخ طباعت اوّل ــــــــ نومبر ۱۹۹۳ء

قیمت ــــــــ 150/- روپے

تعداد ــــــــ گیارہ سو ۱۱۰۰

کتابت ــــــــ سید جعفر بخاری موضع کھیکے ضلع گوجرانوالہ

سرورق ــــــــ امان اللہ قادری

ناشر ــــــــ مکتبہ فاروقیہ ۸، گوبند گڑھ گوجرانوالہ

ملنے کے پتے

مکتبہ فاروقیہ ۸، گوبند گڑھ گوجرانوالہ

مکتبہ حنفیہ اردو بازار گوجرانوالہ

مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی

مقدمہ

محترم ناظرین ہم یہاں پر بہت مختصر طور پر دیوبندی بریلوی اختلافات کے متعلق کچھ عرض کرتے ہیں کہ یہ اختلاف کیسے واقعہ ہوا اور کن کن باتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

کیونکہ دیوبندیوں اور بریلویوں کا دعویٰ ایک ہے۔ دونوں اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت حنفی کہلاتے ہیں اور تصوف کے چاروں سلسلوں قادری چشتی۔ نقشبندی۔ سہروردی میں بیعت کرتے کراتے ہیں یہ دونوں فریق امام ابوحنیفہؒ کے مقلد بھی ہیں اور عقائد میں دونوں فریق امام ابوالحسن اشعریؒ اور امام ابومنصور ماتریدیؒ کو امام اور مقتدا مانتے ہیں۔ ہمارے نزدیک دیوبندیوں اور بریلویوں میں بنیادی طور پر تین اختلاف ہیں۔

(۱) کفر (۲) شرک (۳) بدعت

ان کی تفصیلات کو اصل کتاب میں ہی ملاحظہ فرمائیں۔ ہم نے اس کتاب کے تین حصے ہی بنائے ہیں۔ پہلے حصہ میں کفر کی بحث دوسرے میں شرک اور تیسرے حصہ میں بدعت کی بحث کی ہے۔

اختلاف کہاں سے شروع ہوا

برصغیر پاک وہند میں شروع ہی سے اہلسنت والجماعت حنفی چلے آرہے تھے اور ان میں آپس میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ برصغیر میں شیعہ سنی اختلاف تو کافی عرصہ کا تھا مگر اہلسنت کا آپس میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ المتوفی ۱۰۳۴ھ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ المتوفی ۱۰۵۲ھ، علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی ۱۰۶۷ھ، امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۳ھ، شاہ عبدالقادر محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۰ھ، شاہ عبدالغنی المتوفی ۱۲۲۷ھ

شاہ اسماعیل شہیدؒ محدث دہلوی ۱۲۴۶ھ ۔ سید احمد شہیدؒ بریلوی سے ۔ شاہ اسحاق محدث دہلویؒ سے ۔ مولوی عبدالقیوم بڈھانوی ۱۲۹۹ھ ، مولوی سید نصیر الدین دہلوی م ۱۲۵۶ھ ، مولوی عبدالخالق دہلوی سے شیخ محمد محدث تھانوی سے شاہ عبدالغنی مجددی محدث دہلوی ۔ نواب قطب الدین محدث دہلوی ، سے شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے مفتی عنایت احمد کاکوروی سے ، مولوی نورالحسن کاندھلوی سے مولانا احمد علی محدث سہارنپوری المتوفی سے ، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے ۔ مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے مفتی صدرالدین آزردہ سے ، مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے حاجی امداد اللہ مہاجرؒ مکی سے تک دیوبندی ، بریلوی اختلاف کا بالکل نام ونشان نہیں ملتا ۔

بریلوی فرقے کے بانی

مولانا مولوی احمد رضا خان بریلوی

مولانا احمد رضا خان بریلوی المتوفی ۱۳۴۰ھ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اہل سنت والجماعت میں تفریق اور نفرت کا بیج بویا ان کی پوری کوشش تھی کہ جس طرح بھی بن آئے مسلمانان ہند کا اعتماد ان محدثین دہلی (یعنی شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان) سے اٹھا دیا جائے اور دہلی کے اس علمی خاندان کو اس طرح بدنام کیا جائے کہ مسلمان پھر ایک جھنڈے کے نیچے کبھی جمع نہ ہوسکیں ۔ انگریز ہندوستان میں تفریق ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی لے کر آئے تھے اور ان کی کامیابی کا راز اسی تفرقہ بازی میں مضمر تھا ۔ مولوی احمد رضا خان صاحب نے نہ صرف یہ کام کیا کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے خلاف رسالے لکھے ، دہلی کے اس مرکزِ علمی کو بدنام کیا بلکہ تفریق بین المسلمین کے اس محاذ پر اپنی زندگی کے پچاس سال لگا دیئے ۔ ملتِ اسلامی کا کوئی خیر خواہ اس پر افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے اپنی زندگی آخر کس کام پر لگائی ۔ آپ کے ایک معتقد قاری احمد پیلی بھیتی سوانح اعلیٰحضرت کے مقدمے (کلام اول) میں لکھتے :

"۱۲۹۰ھ میں مولانا شاہ احمد رضا خاں نے قلم اٹھایا۔ کثرت سے کتابیں لکھیں، فتوے صادر کئے، حرمین شریفین کے سفر میں مشاہیرِ علماء حرمین شریفین سے علماء دیوبند کی تحریروں کے خلاف تصدیقات حاصل کیں جن کو حسام الحرمین کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا۔ مولانا احمد رضا خاں پچاس[1] سال مسلسل اسی جدّ و جہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ مستقل دو مکتبہ فکر قائم ہو گئے، بریلوی اور دیوبندی۔ دونوں جماعتوں کے علماء اور عوام کے درمیان تخالف و تصادم کا یہ سلسلہ آج بھی بند نہیں ہوا ہے۔ (سوانح اعلیٰ حضرت ص۵)

مولانا احمد رضا نے تفریق بین المسلمین کے سلسلہ میں تقریباً اپنے علاوہ ہر مسلمان کی توہین و تکفیر کی۔

محدثینِ دہلی کے نقشبندی سلسلے پر عتاب اور مجدّد الف ثانیؒ کی توہین

محدثین دہلی کا بیعت و ارشاد کا سلسلہ زیادہ تر نقشبندی تھا۔ مشائخ نقشبندی شرک و بدعت کے سخت خلاف تھے اس لئے مولوی احمد رضا خاں کو نقشبندی سلسلے کے بزرگ حضرت امام ربانی سیدنا مجدّد الف ثانیؒ (۱۰۳۵ھ) سے کچھ کدسی تھی، انہوں نے جہاں کہیں آپ کا ذکر کیا ہے کہیں آپ کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ بھی نہیں لکھا وہ انہیں اپنے بزرگوں میں ہی تسلیم نہیں کرتے، ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

"کوئی مجدّدی ان کے قول سے استدلال کرے اس کو وہ جانے[2] ہم ایسے شیخ کے غلام ہیں جس نے جو بتایا صحوا صحیح ہوش) سے بتایا، خدا کے فرمانے

---

[1] ۱۲۹۰ھ سے ۱۳۴۰ھ تک ۴۰ سال بنتے ہیں معلوم ہوتا ہے یہ قاری جی حساب نہیں جانتے تھے۔
[2] گویا مجدّد الف ثانیؒ آپ کے کچھ نہیں لگتے وہ جس کے ہیں وہ ان کو جانے۔

سے کہا تمام جہاں کے شیوخ نے جو زبانی دعوے کیے ہیں[1] ظاہر کر دیا ہے کہ ہمارا شکر (نشہ) ہے اور ایسی غلطیاں دو وجہ سے ہوتی ہیں۔ ناواقفی یا شکر۔ شکر تو یہی ہے[2]"

مولانا احمد رضا خان پھر بڑے طنز سے انھیں خاندان دہلی کا بڑا لکھتے ہیں:

تمام خاندان دہلی کے آقائے نعمت[3]

اس اندازِ کلام سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولوی احمد رضا خان صرف مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے ہی خلاف نہ تھے۔ پورا خاندانِ دہلی ان کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا وہ ان کو ہی نہیں ان کے سب پیران و مشائخ کو بھی غیر آنکھ سے دیکھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس پورے خاندان سے علم و معرفت کے چشمے جاری تھے توحید و سنت کی حمایت میں ان کا نقطۂ نظر ایک سا تھا۔ ان کی فکر و نظر میں سُنّت سے محبت اور بدعت سے نفرت کا بیج مجدّد الف ثانیؒ حضرت شیخ احمد سرہندی نے ہی بویا ہوا تھا اور یہی نقشبندی شیوخ تھے جو ہندوستان میں شریعت کے چشمۂ صافی کے گرد پہرہ دے رہے تھے اور ایک ایک بدعت کا انکار کر رہے تھے۔ مولوی احمد رضا خاں کو اس لحاظ سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شخصیت سے کوئی عقیدت نہ تھی اور یہ حق ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے ان اکابر دہلی کی مخالفت سے سنت کی خدمت نہیں کی بدعات کو فروغ دیا ہے۔

فقہ اور حدیث میں کھرے کھوٹے کی پہچان اور کتاب و سنّت کی صحیح تعبیر ان دونوں

---

[1] کیا حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے دعوے صرف زبانی جمع خرچ تھے اور کیا سب بے ہوشی کا نتیجہ تھے (معاذ اللہ) حضرت کی شان میں کس قدر گستاخی ہے۔

[2] ملفوظات مولوی احمد رضا خاں حصہ سوم ص۴۵ مکتبہ عثمانیہ گوجرانوالہ

[3] الکوکبۃ الشہابیہ ص۴۶ مکتبہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ

ہندوستان میں ان محدثین دہلی سے وابستہ تھی۔ اس خاندان کی مخالفت شاہراہِ اسلام سے بغاوت اور انتشار کی طرف ایک نیا قدم تھا۔

شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی اور احمد رضا

بریلوی حضرات شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی کا بہت ذکر کیا کرتے ہیں اور ان کی مشہور کتاب مدارج النبوت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر انہوں نے لکھی ہے اس کے اکثر حوالے دیتے ہیں مگر ان کے اعلیٰ حضرت مدارج النبوت کے بارے میں کیا کہتے ہیں وہ ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں۔

بریلوی حضرات ایک حدیث رسولؐ پیش کیا کرتے ہیں جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

اَوّلَ مَاخلَقَ اللّٰہُ نُورِی اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا بریلوی حضرات اس حدیث سے حضور اکرمؐ کا نور ہونا ثابت کرتے ہیں۔ علمائے دیوبند اس حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں بریلویوں کو چاہیئے کہ اس کی سند بیان کریں یہ حدیث کس صحابیؓ نے حضور اکرمؐ سے سنی ہے اور کس محدث نے اس کو اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جب تک اس کی سند کا علم نہیں ہوتا۔ اس سے استدلال درست نہیں۔ بریلویوں پر لازم ہے کہ اس بات کا ثبوت پیش کریں کہ یہ روایت حدیث کی فلاں کتاب میں فلاں محدث نے اپنی سند سے نقل کی ہے۔ تاکہ اس کی سند چیک کی جائے۔ مگر آج تک کوئی مائی کا لال بریلوی علماء میں سے اس بات کو پورا نہ کر سکا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ شیخ عبدالحقؒ نے اپنی کتاب مدارج النبوت میں اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ اسکی کچھ اصل ہے۔

علماء دیوبند یہ جواب دیتے ہیں کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا یہ کہنا درست نہیں کیونکہ جب تک اس کی سند معلوم نہ ہو تو کسی طرح بھی شیخ عبدالحق کی بات درست نہیں ہو سکتی۔ شیخ عبدالحق کا ادب و احترام اپنی جگہ پر مگر ایک بے سند روایت کے متعلق بلاتحقیق یہ حکم لگانا بالکل غلط

ہے۔ بریلوی کہتے ہیں کہ دیکھو علمائے دیوبند شیخ کی بات تسلیم نہیں کرتے۔ اس کے جواب میں ہم بھی صرف ایک حوالہ ذکر کرتے ہیں جس میں اعلیٰحضرت نے اس کا رد کیا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے استاذ حدیث اور مدارج النبوت کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں

مولانا احمد رضا نقل کرتے ہیں

تنبیہہ: بعض حنفی بننے والے یہاں یہ عذر بے معنی پیش کرتے ہیں کہ مدارج النبوت میں ہے۔ وا لان درحرمین شریفین متعارف ست کہ چوں خبر می رسد کہ فلاں مرد صالح در بلدے از بلاد اسلام فوت کردہ است شافعیہ نماز بروئے میکنند و بعضے حنفیہ با ایشاں شریک مے شوند از قاضی علی بن جار اللہ کہ شیخ حدیث این فقیر بود پرسیدہ شد کہ حنفیہ چوں شریک می شوند درگزاردن ایں نماز گفت دعائے است کہ میکنند فلا باس بہ۔

(نوٹ اس فارسی عبارت کا ترجمہ عوام کے فائدہ کے لئے ہم مدارج النبوت اردو۔ مترجم الحاج مفتی غلام معین الدین نعیمی بریلوی سے نقل کرتے ہیں۔

آج بھی حرمین شریفین زادھما اللہ تعظیما و تشریف میں متعارف ہے کہ جب خبر پہنچے کہ فلاں مرد صالح کسی اسلامی شہروں میں فوت ہو گیا ہے تو شوافع اس پر نماز پڑھتے ہیں اور بعض احناف بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں قاضی علی بن جار اللہ جو اس فقیر کے یعنی صاحب مدارج النبوت کے شیخ حدیث ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ احناف ایسی نماز غائبانہ پڑھنے میں کیوں شریک ہوتے ہیں تو فرمایا یہ دعا ہے جو کرتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔

(مدارج النبوت اردو صفحہ ۶۲۸/۲ مطبوعہ کراچی) اس عبارت کا رد کرتے ہوئے احمد رضا صاحب لکھتے ہیں۔

تمام نصوص صریحہ کتب معتمدہ و اجماع جمیع ائمہ مذہب کے مقابل گیارھویں صدی کے ایک فاضل قاضی کی حکایت پیش کرتے ہوئے شرم چاہیئے تھی۔ کچھ آگے چل کر نقل کرتے ہیں پھر جسے ادنیٰ لیاقت اجتہاد بھی نہیں جمیع ائمہ مذاہب کے خلاف اس کی بات کیا قابل التفات۔ ص۳۰

پر نقل کرتے ہیں اجماع آئمہ مذاہب کے خلاف ایسی بے معنی استناد کیسی سخت جہالت شدیدہ ہے شک نہیں کہ قاضی ممدوح گیارھویں صدی کے ایک عالم تھے مگر عالم سے لغزش بھی ہوتی ہے۔ پھر اس کی لغزش سے بچنے کا حکم ہے نہ کہ اتباع کا۔

صـ۳۵ پر لکھتے ہیں خدا را انصاف ذرا یوں نظر کر دیکھئے کہ کتب مذہب میں جواز نماز غائب تکرار جنازہ کی عام تصریحات ہوتیں اور ایک قاضی ممدوح نہیں ان جیسے دو سو قاضی اسے ناجائز بتاتے اور کوئی شخص کتب مذہب کے مقابل ان دو سو سے سند لاتا تو دیکھئے کہ یہ حضرات کس قدر غل مچاتے اچھل اچھل پڑتے کہ دیکھو کتب مذہب میں تو جواز کی صاف تصریح ہے اور یہ شخص ان سب کے خلاف گیارھویں کے دو قاضیوں کی سند دیتا ہے ہم ان کی مانیں یا کتب مذہب کو حق جانیں اور اب جو اپنی باری ہے تو تمام آئمہ مذہب کا اجماع تمام کتب مذہب کا اتفاق سب بالائے طاق اور تنہا قاضی ممدوح کو تقلید کا استحقاق اس ظلم صریح وجہل قبیح کی کوئی حد ہے مگر یہ ہے کہ جب کہیں کچھ نہ پایا۔ الغریق یتشبث بالحشیش ڈوبتا سوار پکڑتا ہے۔۔۔۔۔ و باالله العصمة۔ مدارج النبوت نہ کوئی فقہ کی کتاب ہے۔

(الہادی الحاجب صـ۳۳ صـ۳۴ صـ۴۴ مطبوعہ بزم فکر وعمل کراچی)

شاہ اسمٰعیل شہید اور مولانا احمد رضا خان بریلوی

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ المتوفی ۱۲۴۶ھ کے مخالف لوگوں میں علامہ فضل حق خیر آبادی، فضل رسول بدایونی۔ عبد القادر بدایونی مولانا نقی علی خان (والد ماجد مولانا احمد رضا) کے بعد مولانا احمد رضا کا نمبر آتا ہے مولانا احمد رضا نے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے خلاف بہت

لے ہم نے صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ احمد رضا نے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی مخالفت کی ہے اور ہمارے خیال میں جتنی مخالفت شاہ صاحب کی ہے کسی اور کی نہیں کی ہوگی شاہ صاحب کے متعلق احمد رضا کی تحریرات میں تضاد پائے جاتے ہیں۔ (ملاحظہ فرمائیں عبارات اکابر صـ۱۰۳ تا ۱۰۹)

نے فتوے دیئے اور کئی رسالے بھی لکھے جن میں سے الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ اور سل السیوف الہندیہ علی کفریات بابا النجدیہ معروف بہ کفریات بابائے وہابیہ سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں اور فتاویٰ رضویہ، ملفوظات، عرفان شریعت، احکام شریعت اور اپنی دیگر تصانیف میں شاہ صاحب کا رد کیا ہے صرف الکوکبۃ الشہابیہ ہی میں ستر کفریات نقل کئے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں یہ بطور نمونہ طائفہ حائفہ اور اس کے امام کے کفری اقوال اور ان پر کتب آئمہ دین سے احکام کفر واشد الضلال تھے جن کا شمار بحمداللہ ستر کفریات تک پہنچا اور حقیقۃً دیکھئے تو بے شمار ہیں کہ سات سے گیارہ تک پانچ کفریوں کے کلمات میں ہر کلمہ صد ہزار کفریہ کا خمیرہ ہے یوں ہیں کفریہ ۲۲ و ۲۹ بھی مجمع کفریات کثیرہ یہ ستر کیا ان میں سے جس ایک کو چاہیئے ستر کر دکھایئے تو اب ان کفریات کو ستر کہیئے خواہ ستر ہزار کفریات ٹھہرایئے (الکوکبۃ الشہابیہ ص۵۶ مطبوعہ مکتبہ رضائے مصطفےٰ دارالسلام گوجرانوالہ) ناظرین ہم یہاں پر صرف ایک ہی حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ اس مسئلہ پر ہم یک روزی کے مقدمہ میں مفصل بحث کریں گے انشاء اللہ۔ اور کافی کتابیں اس مسئلہ پر پہلے آپ کی ہیں مثلاً (شاہ اسمٰعیل شہید) اور (نماز کا مقام توحید) از علامہ خالد محمود صاحب (شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات) از مولانا محمد منظور نعمانی۔ شاہ اسمٰعیل از عبداللہ بٹ۔ حیات طیبہ مرزا حیرت دہلوی غیر مقلد سید احمد شہیدؒ۔ جماعت مجاہدین۔ سرگزشت مجاہدین۔ غلام رسول مہر اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان عزیز الدین مراد آبادی غیر مقلد۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے ناقدین۔ مولانا اخلاق حسین دہلوی، شاہ اسمٰعیل شہید۔ نسیم فریدیؒ صاحب الجنۃ لاھل السنۃ از مولانا عبدالغنی خان۔ عبارات اکابر حصہ اول شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ فضل حق خیر آبادی اور جہاد آزادی مرتب سعید الرحمٰن علوی وغیرہ۔

علمائے دیوبند

(مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ۔ مولانا اشرف تھانویؒ) اور

مولانا احمد رضا خاں بریلوی

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے شوق تکفیر کو پورا کرنے کے لئے موصوف الصدر بزرگان ملت و اساطین امت کو منتخب کیا چنانچہ زندگی بھر وہ خود اور اس کے بعد آج تک ان کی پارٹی مذکورہ بالا بزرگان دین کی تکفیر سازی و بدزبانی میں مصروف ہو کر اپنے نامۂ اعمال کی سیاہی اور ان حضرات کے مراتب و حسنات میں اضافہ کر رہی ہے خانصاحب بریلوی نے مذکورہ بالا بزرگان ملت محافظین سنت شریعت کی جانب اپنے دماغ و ذہن کے نکالے ہوئے ایسے ایسے گندے و ناپاک عقیدے منسوب کئے جن کی نقل سے بھی ایمانی روح کانپتی و اسلامی شرافت سرنگوں ہو جاتی ہے اس فرضی و دماغی عقیدوں کی بنا پر احمد رضا نے یہ فتویٰ دیا کہ معاذ اللہ یہ مقدس حضرات سب کے سب ایسے قطعی و یقینی کافر و مرتد ہیں کہ جو ان کے کفر و ارتداد میں شک کرے یا ان کو اچھا جانے تو وہ بھی کافر و جہنمی ہے آگے آپ اصل حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں گے۔

اکابر علمائے دیوبند کی تکفیر

یعنی

(۱) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند

(۲) شمس الاسلام فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(۳) امام المحدثین حضرت مولانا خلیل احمدؒ سہارنپوری

(۴) حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کی تکفیر

(۱) مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنی کتاب حسام الحرمین کے ص۲۰ پر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مولانا رشید احمد گنگوہی اور ص۲۲ پر مولانا خلیل احمد سہارنپوری کا نام لئے بغیر ان کے متعلق لکھا ہے (گنگوہی کے دم چھلے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب براہین قاطعہ) اور ص۲۸ پر مولانا اشرف علی تھانویؒ کے متعلق لکھا ہے۔

(اس فرقہ وہابیہ شیطانیہ کے بڑوں میں ایک اور شخص اسی گنگوہی کے دم چھلوں میں ہے جسے اشرفعلی تھانویؒ کہتے ہیں) ان چاروں کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں ص۳۲ پر لکھتا ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ طائفے سب کے سب کافر مرتد ہیں باجماع امت اسلام سے خارج ہیں۔

(حسام الحرمین مترجم ص۳۲ مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور)

اسی ص۳۲ پر کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

جو ان کے کفر و عذاب میں شک کرے خود کافر ہے۔

(۲) ایسے ہی وہابی دیوبندی نیچری چکڑالوی جملہ مرتدین ہیں کہ ان کے مرد یا عورت کا تمام جہاں میں جس سے نکاح ہوگا مسلم ہو یا کافر اصلی یا مرتد انسان ہو یا حیوان محض باطل اور زنا رخالص ہوگا اور اولاد ولد الزنا (ملفوظات حصہ دوم ص۱۰۵ مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ گوجرانوالہ)

(۳) آج کل کے وہابی، رافضی، قادیانی، نیچری، چکڑالوی، جھوٹے صوفی کہ شریعت پر ہنستے ہیں حکم دنیا میں سب سے بدتر مرتد ہے۔ اس سے جزیہ نہیں لیا جاسکتا اس کا نکاح کسی مسلم کافر مرتد اس کے ہم مذہب ہوں یا مخالف مذہب غرض انسان حیوان کسی سے نہیں ہو سکتا جس سے ہوگا۔ محض زنا ہوگا، مرتد مرد ہو یا عورت۔ مرتدوں میں سب سے بدتر مرتد منافق ہے۔ یہی ہے وہ کہ اس کی صحبت ہزار کافر کی صحبت سے زیادہ مضر ہے کہ یہ مسلمان بن کر کفر سکھاتا ہے۔

خصوصاً وہابیہ دیوبندیہ کہ اپنے آپ کو خاص اہل سنت و جماعت کہتے. حنفی بنتے چشتی نقشبندی بنتے نماز روزہ ہمارا سا کرتے ہماری کتابیں پڑھتے پڑھاتے اور اللہ و رسولؐ کو گالیاں دیتے ہیں. یہ سب سے بدتر زہر قاتل ہیں.

(احکام شریعت حصہ اوّل ص۱۱۲ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

(۴) مولانا احمد رضا خان بریلوی ذبیحہ کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے دیوبندیوں کو مرتد قرار دیتے ہیں ہم یہاں پر سوال جواب دونوں نقل کرتے ہیں.

مسئلہ۴۴ : ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں کہ ذبیحہ رافضی و وہابی اور قادیانی کا جائز ہے یا نہیں جب کہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے؟ اور کافر اہل کتاب عیسائی یہودی کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے جب کہ وہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کریں اور مسلمان عورت بھی ذبح کر سکتی ہے یا نہیں جب کہ کوئی مرد مکان میں نہ ہو؟ بینوا توجروا.

الجواب: عورت کا ذبیحہ جائز ہے جب کہ ذبح صحیح طور پر کر سکے. یہودی کا ذبیحہ حلال ہے جب کہ نام الٰہی عز جلالہ لے کر ذبح کرے. یونہی اگر کوئی واقعی نصرانی ہو نہ نیچری دہریہ جیسے آج کل کے عام نصاریٰ ہیں. کہ نیچر کلمہ گو مدعی اسلام کا ذبیحہ تو مرادہے نہ کہ مدعی نصرانیت کا. رافضی تبرائی. وہابی دیوبندی. وہابی غیر مقلد، قادیانی، چکڑالوی، نیچری ان سب کے ذبیحے محض نجس و مردار حرام قطعی ہیں اگرچہ لاکھ بار نام الٰہی لیں اور کیسے ہی متقی پرہیزگار بنتے ہوں کہ یہ سب مرتدین ہیں ولا ذبیحۃ المرتد ہاں غیر تبرائی یعنی تفضیلیہ کا ذبیحہ حلال ہے جبکہ ضروریاتِ دین سے نہ کسی شے کا خود منکر ہو نہ اس کے منکر رافضی وغیرہ کو مسلمان جانتا ہو. واللہ تعالیٰ اعلم.

(احکام شریعت ص۱۲۲/۱۲۳ حصہ اوّل)

(۵) احکام دنیا میں سب سے بدتر مرتد ہے اور مرتدوں میں سب سے خبیث تر مرتد منافق رافضی وہابی. قادیانی، نیچری. چکڑالوی کہ کلمہ پڑھتے. اپنے آپ کو مسلمان کہتے نماز وغیرہ افعال اسلام

بظاہر بجالاتے۔ بلکہ وہابی وغیرہ قرآن وحدیث کا درس دیتے۔ اپنے اور دیوبندی کتب فقہ کے ملنے میں بھی شریک ہوتے بلکہ چشتی، نقشبندی وغیرہ بن کر پیری مریدی کرتے۔ اور علماء و مشائخ کی نقل اتارتے اور باایں ہمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرتے یا ضروریات دین سے کسی شئے کا انکار رکھتے ہیں۔ ان کی اس کلمہ گوئی وادعائے اسلام اور افعال واقوال میں مسلمانوں کی نقل اتارنے ہی نے ان کو اخبث وافر اور ہر کافر اصلی، یہودی، نصرانی، بت پرست، مجوسی، سب سے بدتر کردیا کہ یہ آکر پیٹنے دیکھ کر اُ لٹے، واقف ہو کر ادندھے۔

(احکام شریعت حصہ اول ص ۱۲۴)

(۶) عرض: اسماعیل دہلوی کو کیسا سمجھنا چاہیئے۔

ارشاد: میرا مسلک یہ ہے کہ وہ یزید کی طرح ہے اگر کوئی کافر کہے ہم منع نہ کریں گے اور خود کہیں گے نہیں البتہ غلام احمد، سید احمد، خلیل احمد، رشید احمد، اشرف علی کے کفر میں جو شک کرے وہ خود کافر مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ۔

(ملفوظات حصہ اول ص ۱۱۵، مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ جلیل ٹاؤن گوجرانوالہ)

(۷) احمد رضا خان بریلوی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانویؒ کا نام ذکر کرنے کے بعد آگے لکھتے ہیں۔

یہ سب کفار مرتدین ہیں اور یہ کہ من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر نہ کہ ان کو پیشوا اور سرتاج اہل سنت جاننا بلاشبہ جو ایسا جانے ہرگز ہرگز صرف بدعتی و بدمذہب نہیں قطعاً کافر و مرتد ہے اور ان تمام احادیث کا کہ سوال میں فتاویٰ الحرمین سے منقول ہوئیں مورد ہے بلاشبہ اس سے دور بھاگنا اور اسے اپنے سے دور کرنا اس سے بغض کرنا حرام۔ اس کے پاس بیٹھنا حرام۔ اس کے ساتھ کھانا پینا حرام اس کے ساتھ شادی بیاہت حرام اور قربت زنائے خالص اور بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام۔ اس پر نماز جنازہ پڑھنا حرام بلکہ کفر اس کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھانا

اس کے جنازہ کی مشایعت حرام۔ اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام اس کی قبر پر کھڑا ہونا حرام اس کے لئے دعائے مغفرت یا ایصال ثواب حرام بلکہ کفر۔ والعیاذ باللہ رب العلمین واللہ تعالیٰ اعلم۔ (عرفان شریعت حصہ دوم ص۵۹ مسئلہ ۲۴ مطبوعہ نذیر سنز پبلشرز لاہور)

احمد رضا نے یہاں پر بارہ دفعہ لفظ حرام کی گردان کی ہے۔

مولانا قاسم نانوتویؒ کی تکفیر کی وجہ

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند المتوفی ۱۲۹۷ھ نے ایک کتاب... تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباسؓ لکھی تھی اس کی وجہ تالیف کیا بنی تھی وہ ہم یہاں پر ذکر کرتے ہیں۔

تحذیر الناس کی وجہ تالیف

مولانا محمد احسن بریلی میں علوم اسلامی کی گرانقدر خدمات انجام دے رہے تھے مولانا کے مطبع صدیقی سے اسلامی تبلیغی لٹریچر خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم و افکار کی خوب نشر و اشاعت ہو رہی تھی۔ مولانا بریلی کالج کے علاوہ طلباء کو گھر پر بھی درس دیتے تھے تصنیف و تالیف کا سلسلہ قائم تھا۔ مدرسہ مصباح التہذیب بریلی کے ذریعہ اسلامی علوم و فنون کی تعلیم جاری تھی مولانا محمد احسن کی یہ علمی و مذہبی خدمات بعض مسائل میں اختلاف کی وجہ سے بعض علماء کو ناگوار ہوئیں جن میں مولوی نقی علی خاں[1] بریلوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ صورت یہ ہوئی کہ ۱۲۸۸ھ ۱۸۷۱ء میں شیخو پور ضلع بدایوں میں مسئلہ امکان و امتناع نظیر پر مولانا عبدالقادر بدایونی (المتوفی ۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء) اور شمس العلماء امیر احمد سہسوانی کے درمیان ایک مناظرہ منعقد ہوا

---

[1] مولوی نقی علی خان بن مولوی رضا علی خان بھڑیچ ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۰ء میں بریلی میں پیدا ہوئے ۱۲۹۴ھ ۱۸۷۷ء میں شاہ آل رسولؒ مارہروی سے بیعت ہوئے یہ عمر کا آخری زمانہ تھا ۱۲۹۷ھ ۱۸۸۰ء میں انتقال ہوا۔ مولوی نقی علی خان کی تالیفات میں سرور القلوب فی ذکر المحبوب اور جواہر البیان اسرار الارکان مشہور ہیں (تذکرہ علمائے ہند ص۵۳)

مولوی محمد نذیر سہسوانی (المتوفی ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء) نے ہر دو فریق کے مفصل حالات و تحریرات پر مشتمل ایک کتاب "مناظرہ احمدیہ" کے نام سے طبع کرا دی تحریرات مناظرہ میں اثر ابن عباسؓ "ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کا آدمکم و نوح کنوحکم وابراہیم کابراھیمکم و موسیٰ کموسٰکم و عیسیٰ کعیسٰکم و نبیٌ کنبیکم" بھی زیر بحث آیا مرتب رسالہ مولوی محمد نذیر سہسوانی نے آخر کتاب میں ایک جملہ یہ بھی لکھ دیا[1]

مولوی محمد احسن صدیقی نانوتوی بھی اسی (صحت اثر ابن عباسؓ) کے معتقد ہیں اور اسی مضمون پر ان کی مہر ثبت ہے اور اسی کے علمائے دین قائل اور معتقد ہیں۔"

صحت اثر ابن عباسؓ کے متعلق مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی نے ایک فتویٰ مرتب کیا تھا جس پر مفتی سعداللہ مراد آبادی کی تصدیق تھی مولانا عبدالحیٔ فرنگی محل نے اس فتویٰ پر مولانا محمد احسن سے بھی تصدیق و تصویب کے لئے مہر کرائی تھی اس کا حوالہ محمد نذیر سہسوانی نے مندرجہ بالا اقتباس میں دیا ہے۔

محمد نذیر سہسوانی کے نقل کردہ اقتباس پر مولانا محمد احسن کی تکفیر کی گئی۔ رجب ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء میں مدرسہ مصباح التہذیب ختم ہو گیا۔ مخالفت کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ نماز عید الفطر (شوال ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء) کے موقع پر مولوی نقی علی خان نے عیدگاہ میں مولانا محمد احسن کے نماز پڑھانے کو بھی پسند نہیں کیا اگرچہ مولانا محمد احسن ایک مدت سے عیدین کی امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مولانا محمد احسن نے اس صورت حال کو دیکھ کر درج ذیل تحریر لکھنی ضروری سمجھی۔[2]

اگر سید احمد شاہ صاحب نماز عیدگاہ میں پڑھا دیں گے تو کسی طرح کا نزاع اور تکرار پیش نہ ہوگا۔ نہ ہماری طرف سے نہ ہمارے دوستوں کی طرف سے اور در صورت نہ ہونے

---

[1] مناظرہ احمدیہ مرتبہ محمد نذیر سہسوانی ص۲۲ / مطبع شعلہ طور کانپور ۱۲۸۹ھ

[2] تنبیہ الجہال ص۱۱

یا انکار کرنے سید صاحب کے قاضی غلام حمزہ صاحب کا امام ہونا مناسب ہے اس پر بھی کچھ تکرار نہ ہوگی اگر انہوں نے بھی قبول نہ کیا تو ہم کو کچھ بحث نہیں کسی کی امامت سے ہماری طرف سے نزاع نہ ہوگی۔" مگر صورت حال میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تو پھر مولانا محمد احسن نے مولوی نقی علی خان کو عیدگاہ سے یہ پیغام بھجوایا کہ [1]

" میں نماز پڑھنے کو آیا ہوں پڑھانا نہیں چاہتا آپ تشریف لائیے جسے چاہیے امام کیجئے میں اس کا اقتدار کرلوں گا۔"

مگر عیدگاہ میں نماز مولانا محمد احسن ہی نے پڑھائی۔ دوسرے لوگوں نے مولوی نقی علی خان کے اقتدار میں حسین باغ (بریلی) میں نماز عید ادا کی۔ نماز عید کے بعد مولوی نقی علی خان نے اثر ابن عباسؓ کی صحت تسلیم کرنے کی وجہ سے مولانا محمد احسن کی تکفیر کی مولانا محمد احسن نے آخر میں مولوی نقی علی خان کے ایک ساتھی رحمت حسین کو یہ لکھا ہے [2]

" جناب مخدوم و مکرم بندہ دام مجدہم۔ پس از سلام مسنون التماس یہ ہے کہ واقع میں جواب مرسلہ مولوی نقی علی خاں صاحب میری تحریر کے مطابق ہے میں نے یہ جواب اس جواب کا خلاصہ لکھا تھا جو مولوی عبدالحیؒ فرنگی محلی نے لکھا تھا اور اس پر تصدیق مفتی سعداللہ صاحب کی بھی ہے۔ اور مطبع علوی علی بخش خاں (لکھنو) میں چھپا ہے اور زبانی سامنے شاہ نظام حسین صاحب کے میں نے یہ اقرار کیا کہ مجھ کو اس تحریر پر اصرار نہیں۔ جس وقت علماء کے اقوال باکتب مستندہ سے آئیں۔ غلطی ثابت ہوگی میں فوراً اس کو مان لوں گا مگر مولوی صاحب نے براہ مسافر نوازی کوئی غلطی تو ثابت نہ کی اور نہ مجھ کو اس کی اطلاع دی بلکہ اول ہی کفر کا حکم شائع فرمایا اور تمام بریلی میں لوگ اس طرح کہتے پھرے خیر میں نے خدا کے حوالے کیا اگر اس تحریر سے میں عنداللہ کافر ہوں خدا تعالیٰ قبول کرے زیادہ نیاز ۔۔۔۔۔۔۔ عاصی محمد احسن عفی عنہٗ "

---

[1] تنبیہ الجہال ص۱۵ [2] تنبیہ الجہال ص۱۵

مولوی نقی علی خان اس تحریر سے بھی مطمئن نہ ہوئے ان کی رائے میں اثر ابن عباسؓ کی صحت قبول کرنے کے بعد مولانا محمد احسن منکر خاتم النبیین ٹھہرتے تھے اس نے مولوی نقی علی خاں نے رام پور سے ایک فتویٰ منگوایا جس کی رو سے مولانا محمد احسن کی تکفیر مشتہر کی گئی[1] اس کے بعد مولانا محمد احسن نے اپنی صفائی بہ اشتہار ذیل پیش کی ہے

"عیدالفطر کے روز چرچا ہو رہا تھا کہ مولوی نقی علی خان صاحب نے ایک استفتاء رام پور سے منگوایا ہے جس کی رو سے میری تکفیر مشتہر کی وہ استفتاء میری نظر سے بالتفصیل نہیں گزرا بعد تشریف آوری مولوی محمد یعقوب علی خاں صاحب کے اس کی نقل میں نے مفصل دیکھی اور اس عقیدہ والے کی تکفیر پر میں بھی علماء کے ساتھ متفق ہوں یعنی جو شخص خاتم النبیین سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے کو جانے اور آپ کی نبوت کو مخصوص کسی طبقے کے ساتھ مانے وہ شخص میرے نزدیک بھی خارج از دائرہ اسلام اور کافر ہے لہٰذا بر نظر دور کرنے مظنہ عوام کے یہ اشتہار دیتا ہوں کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا نہ کوئی نبی خاتم النبیین ہوا نہ ہوگا پس خلاف اس عقیدہ کے غیر صحیح اور غلط تصور کیا جائے۔" المشتہر محمد احسن صدیقی۔

مولانا محمد احسن نے مندرجہ ذیل استفتاء اثر ابن عباسؓ کے متعلق مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کو بھیجا[2]

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ زید نے بہ تتبع ایک عالم کے جس کی تصدیق ایک مفتی مسلین نے بھی کی تھی دربارۂ قول ابن عباسؓ جو در منثور وغیرہ میں ہے ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم و نوح کنوحکم و ابراھیم کابراھیمکم و عیسیٰ کعیسیٰ و نبی کنبیکم کے یہ عبارت تحریر کی میرا یہ عقیدہ ہے کہ حدیث مذکور صحیح اور معتبر ہے اور

---

[1] اس فتوے کے لئے دیکھئے تنبیہ الجہال ص ۲۵-۲۹

[2] تنبیہ الجہال ص ۲۲-۲۳ ہے مجموعۃ الفتاویٰ از مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی جلد اول ص ۱۴۴-۱۴۵ مطبع لکھنؤ ۱۳۲۱

زمین کے طبقات جُدا جُدا ہیں اور ہر طبقہ میں مخلوق الٰہی ہے اور حدیث مذکور سے ہر طبقہ میں انبیاء کا ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن اگرچہ ایک ایک خاتم کا ہونا طبقات باقیہ میں ثابت ہوتا ہے۔ مگر اس کا مثل ہونا ہمارے خاتم النبیین کے ثابت نہیں اور نہ یہ میرا عقیدہ ہے کہ خاتم مماثل آنحضرتؐ کے ہوں اس لئے کہ اولاد آدم جس کا ذکر لقد کرمنا بنی آدم میں ہے اور سب مخلوقات سے افضل ہے تو بلاشبہ آپ تمام مخلوقات سے افضل ہوئے پس دوسرے طبقات کے خاتم جو مخلوقات میں داخل ہیں آپ کے مماثل کسی طرح نہیں ہوسکتے انتہی اور باوجود اس تحریر کے مزید یہ کہتا ہے کہ اگر شرع سے اس کے خلاف ثابت ہوگا تو میں اس کو مان لوں گا میرا اصرار اس تحریر پر نہیں پس علمائے شرع سے استفسار یہ ہے کہ الفاظ حدیث ان معنوں کے متحمل ہیں یا نہیں اور زید بوجہ اس تحریر کے کافر یا فاسق یا خارج اہل سنت والجماعت سے ہوگا یا نہیں بینوا توجروا۔"

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس کے جواب میں ایک مکمل رسالہ تحذیر الناس تحریر فرمایا۔ تحذیر الناس کے آخر میں مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کا جواب بھی شامل ہے اور اس پر مفتی محمد نعیم کی بھی تصویب ہے۔

مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی (ف ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء) نے اس موضوع پر (۱) زجر الناس علیٰ انکار اثر ابن عباس (۲) الآیات البینات علیٰ وجود الانبیاء فی الطبقات (۳) دافع الوسواس فی اثر ابن عباس تین مستقل رسالے لکھے ہیں[1] آخر الذکر رسالہ ہمارے پیش نظر ہے یہ رسالہ مولانا عبدالحیؒ نے کشف الالتباس فی اثر ابن عباس کے رد میں لکھا ہے[2] اس موضوع پر مولانا عبدالحیؒ فرنگی کے مجموعۃ الفتاویٰ جلد اوّل میں تین فتوے بھی شامل ہیں۔ جن پر مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کے علاوہ دوسرے علماء مفتی محمد سعداللہ محمد لطف اللہ، محمد نعیم، محمد ابراہیم بن مولوی علی محمد، مولوی محمد عبداللہ حسینی، ابوالخیر محمد معین الدین، مولوی امیر احمد سہسوانی، مولوی محمد حسین حفیظ اللہ، شریف حسین، محمد عبدالعلی، محمد عبدالعزیز شہاب الدین

---

[1] مقدمہ عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ از مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی ص ۲۹-۳۲ (مطبع یوسفی لکھنؤ ۱۹۲۲ء)

[2] دافع الوسواس فی اثر ابن عباس از مولانا عبدالحیؒ ص ۲ (مطبع علوی لکھنؤ ۱۹۲۲ء)

غزنوی، عبدالغفور لاہوری اور محمد عبدالغفار ٹونکی کی تصدیق وتصویب موجود ہیں اس مسئلہ کی تائید میں ایک رسالہ نصر المومنین فی رد قول الجاہلین بھی لکھا گیا مگر اس کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی [1]

تحذیر الناس پہلی بار سنہ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء میں تالیف کی گئی تحذیر الناس کے تیس ۳۰ سال بعد سنہ ۱۳۲۰ھ میں مولانا فضل رسول بدایونی اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی وفات کے ۲۳ سال بعد کتاب المعتقد المنتقد کے حاشیہ المعتمد المستند میں تحذیر الناس کے تین مقام سے عبارتیں لے کر اور ان کو آگے پیچھے کر کے کفر کا فتویٰ لگا۔ تفصیل اصل کتاب کے حصہ اول میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی کی تکفیر کی وجہ

احمد رضا نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ پر الزام لگایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے اس کے ثبوت میں وہ کہتا ہے کہ گنگوہیؒ نے ایک فتویٰ دیا ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے حالانکہ یہ بات صریح جھوٹ ہے۔ حضرت کی کسی کتاب میں یہ لکھا ہوا نہیں ملتا اور حضرت کے فتاویٰ کا مجموعہ فتاویٰ رشیدیہ میں کوئی فتاویٰ ایسا نہیں ہے بلکہ اس عقیدہ کا حضرت نے رد کیا ہے جیسا کہ اس کتاب کے حصہ اول میں آپ پڑھیں گے۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی تکفیر کی وجہ

مولانا خلیل احمدؒ نے ایک کتاب مولانا عبدالسمیع رامپوری کے جواب میں لکھی تھی جس کا نام (البراھین القاطعہ علی ظلام الانوارِ الساطعہ الملقب بالدلائل الواضحہ علی کراھۃ المروج من المولود والفاتحہ) ہے یہ کتاب کیوں لکھی گئی اس کا مختصر سا ذکر ہم یہاں

---

[1] مجموعۃ الفتاویٰ از مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی جلد اول ص ۱۰۱۔ ۱۱۲ ص ۹۹ ص ۱۴۴۔ ۱۴۵

[2] تنبیہ الجہال ص ۶۱۔

پر کرتے ہیں۔

براھین القاطعہ کی وجہ تالیف

مولانا عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں۔ تیرھویں صدی میں لوگوں کا کیا عجب حال تھا اب چودھویں شروع ہو دیکھئے کیا قیامت ہو دنیا میں کیا خرابی اور دین میں کیا مصیبت ہو۔ ان ایام میں دہلی کے تین نفر اور چند علماء دیوبند و گنگوہ و سہارنپور کی جن توجہ سے اور مطبع خاص ہاشمی میرٹھ کی سعی سے ایک فتویٰ چار ورق پر چھپ کر اکثر اطراف میں تشہیر کیا گیا ہے حاصل نتیجہ اس کا یہ ہے کہ محفلِ مولد شریف علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام گناہ ہے اور اسی طرح اموات کا فاتحہ درود جو ہندوستان میں رائج ہیں یہ سب خراب و تباہ ہے کچھ دن اس پر نہ گزرے تھے کہ ایک فتویٰ دوسرا جو بیس صفحہ مطبع ہاشمی میں چھپ کر در بدر پھرنے لگا۔

(انوار الساطعہ مدرج براہین القاطعہ ص ۸-۹)

اس فتویٰ کے جواب میں مولوی عبدالسمیع رامپوری نے انوار ساطعہ تالیف کی جس کے جواب میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے براھین قاطعہ لکھی۔ مولانا احمد رضا نے براھین قاطعہ کی ایک عبارات کی وجہ سے حضرت سہارنپوری کی تکفیر کی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تکفیر کی وجہ

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے ایک رسالہ حفظ الایمان کے نام سے لکھا ہے۔ یہ رسالہ کسی سائل کے تین سوالات پر مشتمل ہے اس میں ایک سوال یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارک پر علم الغیب کا اطلاق درست ہے یا نہیں۔ اس کا جواب جو حضرت تھانویؒ نے دیا۔ اس پر احمد رضا کو اعتراض ہے۔ جس کی وجہ سے حضرت تھانویؒ کی تکفیر کی ہے۔ پوری بحث اصل کتاب میں ہی ملاحظہ فرمائیں۔

ہم نے مختصر طور پر وجہ تکفیر نقل کر دی ہے۔ بریلویوں سے پہلا اختلاف ان ہی عبارات کا ہے۔ وہ ان عبارات کی وجہ سے علماء دیوبند کو کافر کہتے ہیں جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔ جس کی وجہ

سے کفر اور اسلام کا اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور اہل سنت کے درمیان ایسا اختلاف رونما ہوا جو آج تک ختم نہیں ہوا۔ احمد رضا نے جو الزامات لگائے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے۔ وہ آپ حصہ اول میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ بہرحال احمد رضا کے فتویٰ سے بریلوی اور دیوبندی اختلاف رونما ہوا۔

دوسرا اختلاف شرک کی تعریف میں

علمائے اہلسنت والجماعت (جن کی اس پہچان دیوبندی ہے) قرآن، سنت صحابہ کرام کے ارشادات اور اقوال سلف صالحین۔ اور آئمہ مجتہدین خصوصاً فقہائے احناف کی روشنی میں جو شرک کی تعریف کرتے ہیں بریلوی حضرات اسے تسلیم نہیں کرتے مثلاً مسئلہ استعانت لغیر اللہ۔ مسئلہ علم غیب۔ مسئلہ حاضر و ناظر مسئلہ نور و بشر مسئلہ مختار کل۔ مسئلہ غیر اللہ کے لئے نذر و نیاز۔ غیر اللہ کو سجدہ کرنا وغیرہ کو علماء دیوبند شرک کہتے ہیں مگر بریلوی ان مسائل کو دین کا جز قرار دیتے ہیں ہم نے حصہ دوم میں ان ہی مسائل پر بحث کی ہے۔

تیسرا اختلاف بدعت کی تعریف میں

یہ مسئلہ بھی شرک ہی کی طرح ہے۔ بدعت کی تعریف جو علمائے دیوبند شریعت کی روشنی میں کرتے ہیں۔ بریلوی اسے تسلیم نہیں کرتے۔ مثلاً عرس کرنا۔ محفل میلاد کرنا۔ عید میلاد النبیؐ۔ قبروں پر چراغ جلانا وغیرہ وغیرہ۔

ہم نے شروع میں کہا تھا کہ بریلویوں سے ہمارے تین اختلاف ہیں۔ وہ ہم نے یہاں پر ذکر دیئے ہیں مگر ان تینوں میں سے بریلوی حضرات پہلے اختلاف کو ہی اصل قرار دیتے ہیں۔ بریلویوں کے ایک عالم مولانا محمد عبدالحکیم اشرف قادری لکھتے ہیں

بریلوی (اہل سنت والجماعت) اور دیوبندی اختلاف کی نوعیت بھی ایسی ہی ہے،

یہ دوسری بات ہے کہ عوام کو مغالطہ دینے کے لئے ایصال ثواب، عرس، گیارھویں شریف

نذر و نیاز، میلاد شریف، استمداد، علم غیب، حاضر و ناظر اور نور و بشر وغیرہ مسائل پر دھواں دار تقریریں کر کے یہ یقین دلانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اختلاف انہی مسائل میں ہے۔ حالانکہ اصل اختلاف ان مسائل میں نہیں ہے۔ بلکہ بنائے اختلاف وہ عبارات ہیں۔ جن میں بارگاہِ رسالت علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں کھلم کھلا گستاخی اور توہین کی گئی ہے (حسام الحرمین کا پیرایہ آغاز ص۴)

شرف قادری صاحب ہی ص۸ پر لکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز نے تحذیر الناس کی تصنیف کے تیس سال بعد، براہین قاطعہ کی اشاعت کے قریباً سولہ سال بعد اور حفیظ الایمان کی اشاعت کے قریباً ایک سال بعد

۱۳۲۰ میں المعتقد المنتقد کے حاشیہ المعتمد المستند میں مرزائے قادیانی اور مذکورہ بالا قائلین

مولوی محمد قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی۔ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور اشرف علی تھانویؒ کے بارے میں ان کی عبارات کی بناء پر فتاویٰ کفر صادر کیا۔ (حسام الحرمین ص۸)

علمائے دیوبند کے علاوہ احمد رضا نے کس کس کی تکفیر کی اور احمد رضا کے علاوہ دیگر بریلوی علماء نے اس بارے میں کیا کیا فتوے صادر کئے، سب۔ بریلوی فتویٰ نامی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔ ہم اس بحث کو یہاں ہی ختم کرتے ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ۔

والسلام مشتاق علی ۲۹ — ۱۰ — ۹۳

33

حصہ اوّل

(۱)

حضرت مولٰنا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ
پر
انکارِ ختمِ نبوّت کا بہتان

مولوی احمد رضا خان صاحب حسام الحرمین صفحہ ۱۲-۱۳ پر (جہاں سے اکابر علمائے اہل سنت کی تکفیر کا سلسلہ شروع ہوتا ہے) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (بانی دار العلوم دیوبند) کے متعلق لکھتے ہیں:-

قاسم النانوتوي صاحب تحذير
الناس وهو القائل فيه لو فرض في
زمنه صلى الله تعالى عليه وسلم بل لو
حدث بعده صلى الله تعالى عليه
وسلم نبي جديد لم يخل ذلك
بخاتميته وانما يتخيل العوام انه
صلى الله تعالى عليه وسلم خاتم

قاسم نانوتوی جس کی تحذیر الناس ہے اور
اس نے اپنے اس رسالہ میں لکھا ہے بلکہ بالفرض
آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب
بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے بلکہ اگر
بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی
خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ عوام کے
خیال میں رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ

تحذیر الناس میں رسول اللہ کے بعد صلعم چھپا ہوا ہے۔ ہر شخص آج بھی دیکھ سکتا ہے۔ لیکن مولوی احمد رضا خان صاحب نے مسلمانوں کو بدظن کرنے کے لیے اس کو اڑا دیا، یہ ہے ان کی دیانت۔ ۱۲

النبيين بمعنى آخر النبيين انه لا	آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ
فضل فيه اصلا عند اهل الفهم الى	تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں الخ
آخرما ذكر من الهذيانات وقد قال	حالانکہ فتاوے تتمہ اور الاشباہ والنظائر وغیرہما
في التتمة والاشباه وغيرهما اذا	میں تصریح فرمائی کہ اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
لم يعرف ان محمدا صلى الله تعالى	کو سب سے پچھلا نبی نہ جانے تو مسلمان نہیں کہ
عليه وسلم آخر الانبياء فليس بمسلم	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر الانبیاء ہونا سب
لانه من الضروريات ۔	انبیاء سے زمانہ میں پچھلا ہونا ضروریات دین سے
(حسام الحرمین ص ۱۲)	ہے۔ (ترجمہ حسام الحرمین ص ۱۲)

یہ بندہ عرض کرتا ہے کہ خاں صاحب بریلوی نے اس عبارت میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے متعلق کفر کا جو حکم لگایا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک وہ دھوکا اور فریب کے سوا کچھ بھی نہیں۔ خاں صاحب موصوف اتنے بے علم اور کم سمجھ بھی نہیں تھے کہ ان کے اس فتوے کو ان کی کم علمی اور ناسمجھی کا نتیجہ سمجھا جا سکے۔ واللہ اعلم!

اس فتوے کے غلط اور محض بے بنیاد و فریب ہونے کے چند وجوہ یہ ہیں:-

پہلی وجہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اس تحذیر الناس کی عبارت نقل کرنے میں نہایت افسوسناک تحریف سے کام لیا ہے جس کے [illegible] طرح اس کو تحذیر الناس کی عبارت نہیں کہا جا سکتا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ عبارت

"تحذیر الناس" کے تین مختلف صفحات کے متفرق فقروں کو جوڑ کر بنائی گئی ہے۔ اس طرح کہ ایک فقرہ صہ۳ کا ہے اور ایک صفحہ ۱۴ کا، اور ایک صفحہ ۲۸ کا۔ اور صفحات کا نمبر درکنار، فقروں کے درمیان امتیازی خط (ڈیش) تک نہیں دیا گیا ہے جس کی وجہ کسی طرح دیکھنے والا یہ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ مختلف مقامات کے فقرے ہیں بلکہ وہ یہی سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ یہ مسلسل ایک عبارت ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ خالص کفر کا مضمون بنانے کے لیے خاں صاحب موصوف نے فقروں کی ترتیب بھی بدل دی ہے۔ اس طرح کہ پہلے صفحہ ۱۴ کا فقرہ لکھا ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۲۸ کا۔ پھر صفحہ ۳ کا۔

خاں صاحب کے اس ترتیب بدل دینے کا یہ اثر ہوا کہ تحذیر الناس کے تینوں فقروں کو اگر علیحدہ علیحدہ اپنی جگہ پر دیکھا جائے تو کسی کو انکارِ ختمِ نبوت کا وہم بھی نہیں ہو سکتا لیکن یہاں انھوں نے جس طرح تحذیر الناس کی عبارت نقل کی ہے اس سے صاف ختمِ نبوت کا انکار مفہوم ہوتا ہے۔ اور یہ صرف آپ کی قلم کاری کا نتیجہ ہے ورنہ مصنف تحذیر الناس کا دامن اس سے بالکل پاک ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ ہمارے آئندہ بیان سے مفصل معلوم ہو جائے گا اور تحذیر الناس کی ان عبارات کا جو عربی ترجمہ آپ نے علماء حرمین کے سامنے پیش کیا ہے، اُس میں تو اور بھی غضب ڈھایا ہے اور دیدہ دلیری کے ساتھ جعلسازی کی انتہا کر دی ہے۔ حرکت یہ کی ہے کہ صفحہ ۱۴ اور صفحہ ۲۸ کے پہلے دونوں فقروں کو توڑ پھوڑ کے ایک ہی فقرہ بنا ڈالا ہے اس طرح کہ پہلے فقرہ کا مسند الیہ حذف کیا اور دوسرے ہی کے مسند الیہ کو پہلے کا بھی مسند الیہ بنا دیا جس

کے بعد کسی کو وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ مختلف جگہ کی عبارتیں ہیں اور انھیں کاررروائیوں کو قرآن کی زبان میں تحریف کہتے ہیں۔

قرآن عزیز میں بنی اسرائیل کی تحریف کا ذکر اِن الفاظ میں کیا گیا ہے "یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ" اور خود خاں صاحب موصوف نے بھی ایک جگہ اس قسم کی کارروائی کو "خوفناک تحریف" بتلایا ہے کسی شخص نے جس کا فرضی نام خاں صاحب کے رسالہ "بریق المنار" میں زید لکھا گیا ہے۔ تَتَّخِذُوْنَ عَلَیْھِمْ مَسٰجِدَ کو قرآن عظیم کا لفظ لکھ دیا تھا۔ اس کے متعلق موصوف اسی "بریق المنار" کے صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں کہ

"سب سے زیادہ خوفناک تحریف یہ ہے کہ تَتَّخِذُوْنَ عَلَیْھِمْ مَسٰجِدَ کو قرآن عظیم کا لفظ کریم بنا لیا حالانکہ یہ جملہ قرآن عظیم میں کہیں نہیں۔ یہ تینوں لفظ متفرق طور پر قرآن عظیم میں ضرور آئے ہیں۔"

خاں صاحب کی اس عبارت سے صاف معلوم ہو گیا کہ کسی کتاب کے متفرق جگہ کے الفاظ کو جوڑ کر ایک مسلسل عبارت بنا کر اس کتاب کی طرف منسوب کر دینا نہایت خوفناک تحریف ہے اور اس قسم کی تحریفات سے اصل مضمون کا بدل جانا اور کسی اسلامی کلام کا خالص کفر ہو جانا بالکل بعید نہیں۔ تصنیف الناس تو بہر حال ایک بشر کی کتاب ہے اگر کوئی بدنصیب کلام اللہ میں اس قسم کی تحریف کر کے کفریہ مضامین بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے بلکہ اس کو شاید اتنی محنت بھی کرنی نہ پڑے جتنی کہ خاں صاحب نے کی کہ ایک فقرہ صفحہ ۱۴ کا لیا اور ایک صفحہ ۲۸ کا۔ اور ایک صفحہ ۳ کا۔ وہ قرآن حکیم کی ایک ہی سورۃ بلکہ ایک ہی

آیت میں اس قسم کا ردّ و بدل کر کے کفریہ مضامین نکال لے گا۔ مثلاً قرآن عزیز میں ارشاد ہے "اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ" اور اس کا مطلب یہ ہے کہ "نیکوکار جنت میں رہیں گے اور بدکار دوزخ میں"۔ اب اگر خاں صاحب کا کوئی مرید یا شاگرد خاں صاحب کی سنت پر عمل کر کے اس آیت کریمہ میں صرف اس قدر تحریف کر دے کہ "نعیم کی جگہ "جحیم" پڑھے اور "جحیم" کی جگہ "نعیم" تو مطلب بالکل الٹا ہو جائے گا اور کلام صریح کفر ہو گا۔ حالانکہ اس میں سب لفظ قرآن ہی کے ہیں صرف دو لفظوں کی جگہ بدل گئی ہے ——— یہ صرف ایک مثال عرض کر دی گئی ہے۔ اگر ناظرین غور فرمائیں تو اس قسم کی سیکڑوں اور ہزاروں مثالیں نکل سکتی ہیں بلکہ یہاں تو الفاظ کی جگہ بدلی ہے بعض صورتوں میں تو صرف حرکات کی جگہ بدل جانے سے بھی کفر کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے: "وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی"۔ اگر کوئی بدبخت دیدہ و دانستہ "آدم" کی "میم" اور "ربّہ" کی "با" کی حرکتیں بدل دے اس طرح کہ "میم" پر پیش کی جگہ زبر پڑھے اور "با" پر زبر کی جگہ پیش۔ تو یہی پاکیزہ کلام جس کی تلاوت باعث ثواب ہے صرف اسی قدر ردّ و بدل سے خالص کفر ہو جائے گا۔

بہر حال یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ بعض اوقات کلام میں معمولی سی تحریف کر دینے سے مضمون بدل جاتا ہے اور اس میں اسلام و کفر کا فرق ہو جاتا ہے چہ جائیکہ اس قدر زبردست الٹ پلٹ کی جائے کہ مختلف صفحات کے فقروں کو توڑ پھوڑ کر ایک مسلسل عبارت بنائی جائے اور فقروں کی ترتیب بھی بدل دی جائے۔ پس چونکہ خاں صاحب نے

تحذیر الناس کی عبارتوں میں اس قسم کی تحریف کر کے کفر کا حکم لگایا ہے اور ان کی اس تحریف اور اُلٹ پلٹ نے تحذیر الناس کی عبارت کا مطلب بالکل بدل دیا ہے اور اُس میں ختمِ نبوت زمانی کے انکار کے معنی پیدا کر دیے ہیں۔ اس لیے ہم ان کے اس فتوے کو دانستہ فریب اور معاندانہ تلبیس سمجھنے پر مجبور ہیں ۔

دُوسری وجہ دوسری وجہ اور دوسری دلیل ہمارے اس خیال کی یہ ہے کہ خاں صاحب نے عبارت تحذیر الناس کے عربی ترجمہ میں ایک نہایت افسوسناک خیانت یہ کی ہے کہ تحذیر صفحہ ۳ کی عبارت اس طرح تھی :

"مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں"۔

ظاہر ہے کہ اس میں صرف فضیلت بالذات کی نفی کی گئی ہے جو بطریقِ مفہوم مخالف فضیلت بالعرض کے ثبوت کو مستلزم ہے[1]۔ مگر خاں صاحب نے اس کا عربی ترجمہ اس طرح کر دیا :

" مع انه لا فضل فيه اصلا عند اهل الفهم "

جس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے میں اہلِ فہم کے نزدیک بالکل فضیلت نہیں اور اس میں ہر قسم کے فضیلت کی نفی ہو گئی اور ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے (کما لا یخفیٰ)

---

[1] یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ مفہوم مخالف مصنفین کے کلام میں معتبر ہے۔ علامہ شامی ردالمحتار میں ارقام فرماتے ہیں : " فی انفع المسائل مفهوم التصنيف حجة " ردالمحتار ج ۳ صفحہ ۶۴۴ اور اس مسئلہ میں حنفیہ اور شافعیہ کا جو اختلاف مشہور ہے وہ صرف نصوصِ شرعیہ تک محدود ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہٗ

تیسری وجہ تیسری وجہ اور تیسری دلیل ہمارے اس خیال کی یہ ہے کہ "تحذیر الناس" کے جو فقرے خاں صاحب نے اس موقع پر نقل کیے ہیں۔ ان کا "ماسبق و مالحق" جس سے ان کا صحیح مطلب واضح ہو جاتا اور ناظرین کو غلط فہمی کا موقع نہ رہتا) حذف کر دیا ہے (اس کا ثبوت آگے آتا ہے)

چوتھی وجہ ہمارے خیال کی چوتھی وجہ اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ خاں صاحب کے اس حکمِ کفر کی تمام تر بنیاد اس پر ہے کہ "تحذیر الناس" میں ختمِ نبوت کا انکار کیا گیا ہے۔ حالانکہ اُس میں اول سے آخر تک ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی کا انکار نکل سکے۔ بلکہ تحذیر الناس کا تو موضوع ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر قسم کی خاتمیتِ ذاتی، زمانی، مکانی وغیرہ کی حمایت اور حفاظت ہے اور بالخصوص ختمِ زمانی کے متعلق تو اس میں نہایت صاف اور واضح تصریحات ہیں۔ چنانچہ "تحذیر الناس" صفحہ ۲ پر اس فقرہ کے بعد جس کو فاضل بریلوی نے سب سے آخر میں نقل کیا ہے۔ مولانا مرحوم تحریر فرماتے ہیں :

' بلکہ بناءِ خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخرِ زمانی اور سدِ باب مذکور (یعنی سدِ باب مدعیانِ نبوت) خود بخود لازم آجاتا ہے اور فضیلتِ نبوی دو بالا ہو جاتی ہے '۔

نیز اسی تحذیر الناس کے صفحہ ۱۰ پر مولانا مرحوم اپنے اصل مدعا کی توضیح سے فارغ ہو کر تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوتِ خاتمیتِ زمانی ظاہر ہے۔ ورنہ تسلیم لزومِ خاتمیتِ زمانی بدلالتِ التزامی ضرور ثابت ہے ادھر تصریحاتِ نبوی مثل انت منی بمنزلة هارون من موسٰی الا انه لا نبي بعدي اوکما قال۔ جو بظاہر بطرزِ مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا، گو الفاظِ مذکور بسندِ متواتر منقول نہ ہوں، سو یہ عدمِ تواترِ الفاظ باوجود تواترِ معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا تواترِ اعدادِ رکعاتِ فرائض و وتر وغیرہ۔ باوجودیکہ الفاظِ احادیث مشعرِ تعدادِ رکعات متواتر نہیں جیسا اس کا منکر کافر ہے۔ ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔"

اس عبارت میں مولانا مرحوم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی کو پانچ طریقوں سے ثابت فرمایا ہے۔

لہ یہاں یہ بات خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے کہ ختمِ زمانی پر صراحۃً [illegible] کرنے والی "لانبی بعدی" جیسی حدیثیں بھی حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے نزدیک قرآن کریم کے لفظ "خاتم النبیین" ہی سے ماخوذ ہیں یعنی مولانا موصوف کا یہ خیال اور دعویٰ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حدیثوں میں اپنا سب سے آخری نبی ہونا اور اپنے بعد کسی اور نبی کا نہ آنا بیان فرمایا ہے وہ قرآن پاک کے لفظ خاتم النبیین ہی سے ماخوذ ہے اور گویا اُسی کی تفسیر اور تشریح ہے اس صاف اور واضح تصریح کے ہوتے ہوئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ختمِ نبوت زمانی کا منکر قرار دینا یا یہ کہنا کہ وہ قرآن مجید کے لفظ خاتم النبیین سے خاتمیتِ زمانی کا مطلب نکالنے کو عامیانہ خیال سمجھتے ہیں کیسی بے شرمی کی بات ہے مولانا نے تو صرف حصر کو عوام کا خیال بتلایا ہے جس کی تفصیل اور توضیح آگے آتی ہے۔

۱۔ یہ کہ حضورِ اقدس کے لیے خاتمیت زمانی نصّ "خاتم النبیین" سے بدلالت مطابقی ثابت ہو، اس طور پر کہ خاتم کو ذاتی اور زمانی سے مطلق مانا جائے۔

۲۔ یہ کہ بطورِ عمومِ مجاز لفظِ خاتم کی دلالت دونوں قسم کی خاتمیت پر مطابقی ہو۔

۳۔ یہ کہ دونوں میں سے ایک پر مطابقی ہو اور دوسرے پر التزامی، اور ان تینوں صورتوں میں خاتمیت زمانی نصِّ قرآن سے ثابت ہوگی۔

۴۔ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی احادیث متواترۃ المعنیٰ سے ثابت ہے۔

۵۔ یہ کہ خاتمیت زمانی پر امت کا اجماع ہے۔

ان پانچ طریقوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی ثابت کرنے کے بعد مولانا مرحوم نے یہ بھی تصریح فرمادی کہ خاتمیت زمانی کا منکر ایسا ہی کافر ہے جیسا کہ دوسرے ضروریات وقطعیات دین کا۔

"تحذیر الناس" کی ان واضح تصریحات کے باوجود یہ کہنا کہ اس میں ختمِ نبوت زمانی انکار کیا گیا ہے سخت ظلم اور فریب نہیں تو کیا ہے۔

پھر اس قسم کی تصریحات تحذیر الناس میں ایک ہی دو جگہ نہیں، بلکہ مشکل سے اس کوئی صفحہ اس کے ذکر سے خالی ہوگا۔ اس وقت ہم تحذیر الناس کی صرف ایک عبارت ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جس میں مولانا نانوتوی مرحوم نے ایک نہایت ہی عجیب و غریب فلسفیانہ انداز میں ختمِ نبوت زمانی کو بیان فرمایا ہے۔ تحذیر الناس کے صفحہ ۱۴ پر ہے،

"درصورتیکہ زمانے کو حرکت کہا جائے تو اس کے لیے کوئی مقصود بھی ہوگا جس کے آنے پر حرکت منتہی ہو جائے، سو حرکت سلسلۂ نبوت کے لیے نقطۂ ذاتِ محمدیؐ منتہیٰ ہے اور یہ نقطہ اس ساق زمانی اور ساق مکانی کے لیے ایسا ہے جیسے نقطۂ راس زاویہ تاکہ اشارہ شناسانِ حقیقت کو یہ معلوم ہو کہ آپ کی نبوت کون و مکان، زمین و زمان کو شامل ہے۔"

پھر اس کے چند سطر بعد اسی صفحہ پر فرماتے ہیں کہ

"منجملہ حرکات حرکتِ سلسلۂ نبوت بھی تھی، سو بوجہ حصول مقصود اعظم ذاتِ محمدی صلعم وہ حرکت مبدل بسکون ہوئی۔ البتہ اور حرکتیں ابھی باقی ہیں اور زمانۂ آخر میں آپ کے ظہور کی ایک یہ بھی وجہ ہے۔"

(تحذیر الناس صفحہ ۱۲)

پھر تحذیر الناس ہی پر منحصر نہیں، حضرت مرحوم کی دوسری تصانیف میں بھی بکثرت اس قسم کی تصریحات موجود ہیں محض بطور نمونہ مناظرۂ عجیبہ کی چند عبارتیں ملاحظہ ہوں۔ مناظرۂ عجیبہ کا مضمون جہاں سے شروع ہوتا ہے، اس کی پہلی سطر یہ ہے:

"حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلم ہے اور یہ بات بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ آپ اول المخلوقات ہیں۔"

پھر اسی کے صفحہ ۳۹ پر فرماتے ہیں:

"خاتمیتِ زمانی اپنا دین و ایمان ہے۔ ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں"۔

پھر اسی کے صفحہ ۵۰ پر فرماتے ہیں:

"خاتمیتِ زمانی سے مجھے انکار نہیں، بلکہ یوں کہیے کہ منکروں کے لیے گنجایشِ انکار نہ چھوڑی، افضلیت کا اقرار ہے بلکہ اقرار کرنے والوں کے پاؤں جما دیے اور نبیوں کی نبوت پر ایمان ہے پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر کسی کو نہیں سمجھتا"۔

پھر اسی کے صفحہ ۶۹ پر فرماتے ہیں:

"ہاں یہ مسلّم ہے کہ خاتمیتِ زمانی اجماعی عقیدہ ہے"۔

پھر اسی کے صفحہ ۱۰۳ پر ہے:

"بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں"۔

یہ پانچ عبارتیں صرف "مناظرۂ عجیبہ" کی ہیں۔ اس کے بعد حضرت نانوتوی مرحوم آخری تصنیف "قبلہ نما" سے ایک عبارت اور نقل کی جاتی ہے۔ "قبلہ نما" کے صفحہ ۱۱ ہے:

"آپ کا دین سب دینوں میں آخر ہے اور چونکہ دین حکمنامۂ خداوندی کا نام ہے تو جس کا دین آخر ہو گا، وہی شخص سردار ہو گا کیونکہ

اسی کا دین آخر ہوتا ہے جو سب کا سردار ہوتا ہے"

حضرت قاسم العلوم قدس سرہٗ کی یہ کُل دس عبارتیں ہوئیں۔ کیا ان تصریحات کے ہوتے ہوئے کوئی صاحبِ دیانت اور صاحبِ عقل کہہ سکتا ہے کہ یہ شخص ختم نبوتِ زمانی کا منکر ہے ؟ لیکن افترا پردازی کا کوئی علاج نہیں۔ ایسے ہی مفتریوں کے متعلق عارف جامیؒ نے کہا ہے :

چنیں کردند و خلقے در تماشا ہمیں گفتند حاشا ثم حاشا

کزیں روئے نکو بدکاری آید وزیں دلدار دل آزاری آید

حضرت نانوتوی مرحوم کی مختلف تصانیف کی مذکورہ بالا تصریحات اور دوسرے علمائے دیوبند کی وہ علمی اور عملی مساعی، جو قادیانی جماعت کے مقابلہ میں اسی مسئلہ ختمِ نبوت کے متعلق اب تک کتابوں اور مناظروں کی شکل میں ظہور پذیر ہو چکی ہیں اور جن سے تمام اسلامی دُنیا واقف ہے۔ ختمِ نبوت کے متعلق بانیٔ دارالعلوم دیوبند اور جماعت علمائے دیوبند کی پوزیشن واضح کرنے کے لیے انصاف والی دُنیا کے نزدیک کافی سے زائد ہیں۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○

اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ تحذیر الناس کے ان تینوں فقروں کا صحیح مطلب بھی عرض کر دیا جائے جن کو جوڑ توڑ کر مولوی احمد رضا خاں

صاحب نے اس کے مصنف پر ختم نبوت زمانی کے انکار کا بہتان لگایا ہے لیکن اس کے لیے ضرورت ہے کہ اختصار کے ساتھ قرآن مجید کے لفظ "خاتم النبیین" کی تفسیر کے متعلق مولانا نانوتوی مرحوم کا مسلک اور نقطۂ نظر واضح کر دیا جائے۔

حضرت نانوتوی مرحوم اور تفسیر "خاتم النبیین"

تمہید | اولاً بطورِ تمہید گزارش ہے کہ رسولِ خدا (روحی وقلبی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے نفس الامر میں دو قسم کی خاتمیت ثابت ہے، ایک زمانی جس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ آپ سب سے آخری نبی ہیں اور آپ کا زمانہ تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد ہے اور آپ کے بعد اب کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔

دوسرے خاتمیتِ ذاتی جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ وصفِ نبوت کے ساتھ بالذات موصوف ہیں، اور دوسرے انبیاء (علیہ وعلیہم السلام) بالعرض یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست نبوت عطا فرمائی، اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حضور کے واسطے سے جس طرح (بلا تشبیہ) خداوندِ تعالیٰ نے آفتاب کو بغیر کسی واسطے کے روشن فرمایا اور اس کی روشنی عالمِ اسباب میں کسی دوسری روشن چیز سے مستفاد نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کمالاتِ نبوت براہِ راست بلا کسی واسطے کے عطا فرمائے، اور آپ کی نبوت کسی دوسرے نبی کی نبوت سے مستفاد نہیں ——— اور جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے مہتاب اور دوسرے ستاروں

کو آفتاب کے واسطہ سے منور فرمایا، اور وہ اپنی نورانیت میں آفتاب کے نور کے محتاج ہیں۔ اِسی طرح انبیاء علیہم السلام کو کمالاتِ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے عطا فرمائے گئے، اور وہ حضرات باآنکہ حقیقۃً نبی ہیں لیکن اپنی نبوت میں آفتاب آسمانِ نبوت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فیض کے دست نگر ہیں (وھٰذا کلّہٗ باذنِ اللّٰہ تعالیٰ)۔ اور جس طرح کہ ہر موصوف بالعرض کا سلسلہ کسی موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے اور آگے نہیں چلتا، مثلاً تہ خانوں میں آئینوں کے ذریعہ جو روشنی پہنچائی گئی ہے، اس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ وہ آئینہ سے آئی اور آئینہ کی روشنی کو کہا جاسکتا ہے کہ وہ آفتاب کا عکس ہے لیکن آفتاب پر جا کر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور کوئی نہیں کہتا کہ آفتاب کی روشنی عالمِ اسباب میں فلاں روشن چیز کا عکس ہے۔ (کیونکہ آفتاب کو اللہ تعالیٰ نے خود روشن بنایا ہے) اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے متعلق تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت خاتم الانبیاءؐ کی نبوت سے مستفاد ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جا کر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور آپ کے متعلق کوئی نہیں کہ سکتا کہ آپ کی نبوت فلاں نبی کی نبوت سے مستفاد ہے، (کیونکہ آپ باذن اللہ تعالیٰ نبی بالذات ہیں) پس اسی کو خاتمِ ذاتی کہا جاتا ہے، اور اسی مرتبہ کا نام خاتمیتِ ذاتیہ ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد عرض ہے کہ حضرت مولانا نانوتوی مرحوم اور بعض دوسرے محققین کی تحقیق یہ ہے کہ قرآن عزیز میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین

فرمایا گیا ہے۔ اس سے آپ کے لیے دونوں قسم کی خاتمیت ثابت ہوتی ہے ذاتی بھی اور زمانی بھی اور عوام اس سے محض ایک قسم کی خاتمیت مراد لیتے ہیں یعنی صرف زمانی

بہرحال حضرت مولانا مرحوم اور عوام کا نزاع نہ ختم نبوت زمانی میں ہے نہ اس میں کہ قرآنی لفظ خاتم النبیین سے خاتمیتِ زمانی مراد لی جائے کیونکہ مولانا کو یہ دونوں چیزیں تسلیم ہیں) بلکہ نزاع صرف اس میں ہے کہ لفظِ خاتم النبیین سے خاتمیتِ زمانی کے ساتھ خاتمیتِ ذاتی بھی مراد لی جائے یا نہیں۔ حضرت مولانا اس کے قائل اور مثبت ہیں اور انھوں نے اس کی چند صورتیں لکھی ہیں:

ایک یہ کہ لفظ خاتم کو خاتمیتِ زمانی اور ذاتی کے لیے مشترک معنوی مانا جائے اور جس طرح مشترک معنوی سے اس کے متعدد افراد مراد لیے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں آیۂ کریمہ میں بھی دونوں قسم کی خاتمیت مراد لی جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک معنی کو حقیقی اور دوسرے کو مجازی کہا جائے اور آیۂ کریمہ میں لفظ خاتم سے بطورِ عموم مجاز ایک ایسے عام معنی مراد لیے جائیں جو دونوں قسم کی خاتمیت کو حاوی ہوں۔

ان دونوں صورتوں میں لفظِ خاتم کی دلالت دونوں قسم کی خاتمیت پر ایک ساتھ اور مطابقی ہوگی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے لفظِ خاتم سے صرف خاتمیت ذاتی مراد لی جائے، مگر چونکہ اس کے لیے بدلائلِ عقلیہ و نقلیہ خاتمیت زمانی لازم ہے لہٰذا اس

صورت میں بھی خاتمیت زمانی پر آیۂ کریمہ کی دلالت بطور التزام ہوگی۔

ان تینوں صورتوں کے لکھنے کے بعد "تحذیر الناس" کے صفحہ ۹ پر حضرت مولاناؒ نے جس کو خود اپنا مختار بتلایا ہے، وہ یہ ہے کہ خاتمیت کو جنس مانا جائے اور ختم زمانی و ختم ذاتی کو اس کی دو نوعیں قرار دیا جائے اور قرآن عزیز کے لفظ خاتم سے یہ دو نوعیں بیک وقت مراد لے لی جائیں جس طرح کہ آیۂ کریمہ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ میں بیک وقت "رِجْسٌ" سے ظاہری و باطنی دونوں قسم کی نجاستیں مراد لی جاتی ہیں بلکہ غور کیا جائے تو یہاں ختم زمانی اور ختم ذاتی میں اس قدر بُعد نہیں جس قدر شراب کی نجاست اور جوئے کی نجاست میں۔

لفظ خاتم النبیین کی تفسیر کے متعلق حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے جس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم زمانی بھی ہیں اور خاتم ذاتی بھی۔ اور یہ دونوں قسم کی خاتمیت آپ کے لیے قرآن کریم کے اسی لفظ خاتم النبیین سے نکلتی ہے۔

تحذیر الناس کی عبارتوں کا صحیح مطلب اس کے بعد ہم ان تینوں فقروں کا صحیح مطلب عرض کرتے ہیں جن کو جوڑ کر مولوی احمد رضا خاں صاحب نے کفر کا مضمون بنا لیا ہے:

ان میں سے پہلا فقرہ صفحہ ۱۴ کا ہے اور یہاں حضرت مرحوم اپنی مذکورۂ بالا تحقیق

کے موافق خاتمیتِ ذاتی کا بیان فرما رہے ہیں۔ اِس موقع پر تحذیر الناس کی پوری عبارت اس طرح تھی :

"غرض اختتام اگر بایں معنے تجویز کیا جائے جو مَیں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا، بلکہ اگر بالفرض[1] آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے"۔

خاں صاحب نے اِس عبارت کا خط کشیدہ حصّہ جس سے ہر شخص یہ سمجھ لیتا کہ مولانا کی یہ عبارت خاتمیتِ ذاتی کے متعلق ہے نہ کہ زمانی کے متعلق حذف کر کے ایک نا تمام ٹکڑا نقل کر دیا، اور پھر غضب یہ کیا کہ اس کو صفحہ ۲۸ کے ایک فقرہ کے ساتھ اس طرح جوڑا کہ صفحہ کے نمبر کا تو ذکر ہی کیا ہے، درمیان میں ختمِ فقرہ کی علامت (ڈیش) بھی نہیں دیا اور پھر اس دوسرے فقرہ کی نقل میں بھی صریح خیانت کی۔ اس موقع پر پوری عبارت اِس طرح تھی :

"ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصافِ ذاتی بوصفِ نبوّت لیجیے جیسا اس ہیچمداں نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افرادِ مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہ سکتے بلکہ اس صُورت میں فقط انبیاء کے افرادِ خارجی ہی پر آپ کی

---

[1] یہ بالفرض کا لفظ بھی قابلِ لحاظ ہے۔ ۱۲

فضیلت ثابت نہ ہوگی۔ افرادِ مقدرہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی، بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

اِس عبارت میں بھی مولوی احمد رضا خاں صاحب نے یہ کارروائی کی کہ اس کا ابتدائی حصہ (جس سے ناظرین کو صاف معلوم ہو سکتا تھا کہ یہاں صرف خاتمیّت ذاتی کا ذکر ہے نہ کہ زمانی کا۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے متعلق بھی مصنّفِ "تحذیر الناس" کا عقیدہ اس سے معلوم ہو جاتا) اس اہم حصہ کو خاں صاحب نے یک قلم حذف کر کے صرف آخری خط کشیدہ فقرہ نقل کر دیا اور دُوسری کارروائی یہ کی کہ اس ناتمام فقرہ کو بھی صفحہ ۳ کے ایک ناتمام فقرہ سے اِس طرح جوڑ دیا کہ وہاں بھی درمیان میں ڈیش تک نہیں دیا۔

بہرحال صفحہ ۱۴ اور صفحہ ۲۸ کے ان دونوں فقروں میں حضرت مرحوم صرف خاتمیتِ ذاتی کے متعلق فرما رہے ہیں کہ یہ ایسی خاتمیت ہے کہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد اور کوئی نبی ہو، تب بھی آپ کی اِس خاتمیت میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ رہی خاتمیتِ زمانی، اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں، اور نہ کوئی ذی ہوش یہ کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کسی نبی کے ہونے سے خاتمیتِ زمانی میں کوئی فرق نہیں آتا۔

ایک عام فہم مثال سے مولانا نانوتویؒ کے مطلب کی توضیح

بلاشبہہ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کسی ملک میں کوئی وبائی مرض پھیلا۔ بادشاہ کی طرف سے یکے بعد

دیگر سے بہت سے طبیب بھیجے گئے اور انھوں نے اپنی قابلیت کے موافق مریضوں کا علاج کیا۔ اخیر میں اس رحیم وکریم بادشاہ نے سب سے بڑا اور سب سے زیادہ حاذق طبیب جو پہلے تمام طبیبوں کا اُستاد بھی ہے بھیجا۔ اور اعلان کردیا کہ اب اس کے بعد کوئی طبیب نہیں آئے گا۔ آیندہ جب کبھی کوئی مریض ہو وہ اسی آخری طبیب کا نسخہ استعمال کرے، اُسی سے شفا ہوگی۔ بلکہ اس کے بعد جو شاہی طبیب ہونے کا دعویٰ کرے، وُہ جھوٹا اور واجب القتل ہے۔ چنانچہ دُنیا کا وُہ آخری طبیب آیا اور اُس نے آکر اپنا شفا خانہ کھولا۔ جوق جوق مریض اس کے دارالشّفا میں داخل ہوکر شفایاب ہوئے۔ بادشاہ نے اپنے اس طبیب کو ایک حکمنامہ میں خاتم الاطبّا، کا خطاب بھی دیا۔ اب عوام تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ طبیب زمانہ کے اعتبار سے سب سے آخری طبیب ہے اور اس کے بعد اب کوئی اور طبیب بادشاہ کی طرف سے نہیں آئے گا اور اہلِ فہم کا ایک گروہ (جو بالیقین جانتا ہے کہ یہ طبیب فی الواقع آخری ہی طبیب ہے) کہتا ہے کہ اس عظیم الشان طبیب کو خاتم الاطبّا صرف اسی وجہ سے نہیں کہا گیا ہے کہ وہ آخری طبیب ہے بلکہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تمام پہلے طبیبوں کی طب کا سلسلہ اسی جلیل القدر طبیب پر ختم ہے یعنی وہ سب اس کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے فنِ طب اسی سے سیکھا ہے۔ لہذا اس دوسری وجہ سے بھی وُہ خاتم الاطبا ہے۔ اور یہ دونوں قسم کی خاتمیت اُسی خاتم الاطبّا کے لفظ سے نکلتی ہے، بلکہ اگر تم غور کروگے تو تم کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ بادشاہ نے اس حاذق

طبیب کو جو سب سے آخر میں بھیجا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ فنِ طب میں سب سے فائق، سب سے ماہر اور سارے طبیبوں کا اُستاد ہے اور قاعدہ ہے کہ بڑے سے بڑے طبیب کی طرف اخیر ہی میں رجُوع کیا جاتا ہے۔ مقدمات تمام تحتانی مراحل طے کرنے کے بعد ہی بادشاہِ معظم کی عدالتِ عالیہ میں پہونچتے ہیں۔ بہرحال یہ طبیب صرف زمانہ ہی کے اعتبار سے خاتم نہیں ہے، بلکہ اپنے فن کے کمال کے اعتبار سے بھی خاتم ہے اور یہ دوسری خاتمیت ایسی ہے کہ اگر بفرض اس کے زمانہ میں یا اس کے بعد بھی کوئی طبیب آجائے تو اس کی اس خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

ناظرینِ انصاف فرمائیں کہ اہلِ فہم کے اس گروہ کے متعلق ان کے کسی معاند دشمن کا یہ کہنا کہ یہ لوگ اس خاتم الاطباء کو آخری طبیب نہیں مانتے اور اس کی اس حیثیت کے منکر ہیں، کتنی بڑی تلبیس اور کس قدر دغربازی بے حیائی ہے۔ جب کہ اہلِ فہم کا یہ گروہ اس شاہی طبیب کو ذاتی اور مرتبی حیثیت سے خاتم الاطباء ماننے کے ساتھ یہ بھی صاف صاف کہتا ہے کہ زمانہ کے لحاظ سے بھی یہی آخری طبیب ہے اور اس کے بعد اب کوئی طبیب بادشاہ کی طرف سے نہیں آئے گا۔ بلکہ جو کوئی اس کے بعد شاہی طبیب ہونے کا دعویٰ کرے، وہ واجب القتل ہے۔

یہاں تک تحذیر الناس کے صفحہ ۱۴ و ۲۸ کے فقروں کا صحیح مطلب عرض کیا گیا ہے۔ رہا تیسرا فقرہ جس کو خانصاحب نے سب سے اخیر میں نقل کیا ہے، وہ تحذیر الناس کے تیسرے صفحہ کا ہے اور یوں سمجھنا چاہیے کہ گویا تحذیر الناس وہیں سے شروع ہوتی

ہے۔ الفاظ یہ ہیں :

"بعد حمد و صلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنا چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں۔ مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تأخرِ زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں"۔

اس عبارت میں دو چیزیں قابلِ لحاظ ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں مولانا مرحوم مسئلۂ ختم نبوت پر کلام نہیں فرما رہے ہیں، بلکہ لفظ خاتم کے معنی پر کلام فرما رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خاتم سے ختمِ زمانی مراد لینے کو مولانا نے عوام کا خیال نہیں تبلایا بلکہ ختم زمانی میں حصر کرنے کو عوام کا خیال تبلایا ہے اور عوام کے اسی نظریہ سے مولانا کو اختلاف ہے ورنہ خاتمیت زمانی مع خاتمیت ذاتی مُراد لینا خود مولانا مرحوم کا مسلک مختار ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اور تحذیر الناس کے صفحہ ۸ و ۹ پر مولانا نے پوری تفصیل کے ساتھ اس کو بیان فرمایا ہے۔

بہرحال چونکہ خود حضرت مولانا کے نزدیک لفظ خاتم النبیین سے ختمِ زمانی بھی مُراد[1]

---

[1] اس پر پوری روشنی اوپر ڈالی جا چکی ہے اور مولانا مرحوم کی یہ تصریح چند صفحے پہلے گزر چکی ہے کہ اُن کے نزدیک ختمِ نبوت زمانی پر صراحتہً دلالت کرنے والی "لا نبي بعدي" جیسی ساری حدیثیں "خاتم النبیین" ہی کے لفظ سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ ۱۲

ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ یہاں صرف حصر کو مولانا نے عوام کا خیال بتلایا ہے اور مولانا کا مطلب صرف یہ ہے کہ عوام تو یہ سمجھتے ہیں کہ حضورؐ کے لیے لفظ "خاتم النبیین" سے صرف خاتمیتِ زمانی ہی ثابت ہوتی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں ثابت ہوتا اور اہلِ فہم کے نزدیک اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ مجید کے اس لفظ سے حضورؐ کے لیے خاتمیتِ زمانی بھی ثابت ہوتی ہے اور خاتمیتِ ذاتی بھی۔

یہیں سے مولوی احمد رضا خانصاحب کے اُس اعتراض کا بھی جواب ہو گیا جو اُنھوں نے تحذیر الناس کی اسی عبارت پر "الموت الاحمر" میں کیا ہے کہ "اس میں خاتم النبیین سے خاتم زمانی مُراد لینے کو عوام کا خیال بتلایا گیا ہے حالانکہ خاتم کے یہ معنی خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام سے بھی مروی ہیں۔ پس مصنف تحذیر الناس کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و تمام صحابۂ کرامؓ عوام میں داخل ہوئے (معاذ اللہ)

جواب کی تقریر و تفصیل یہ ہے کہ صاحبِ تحذیر الناس نے خاتم سے خاتم زمانی مُراد لینے کو عوام کا خیال نہیں بتلایا بلکہ ختم زمانی میں حصر کرنے کو عوام کا خیال بتلایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور کسی صحابی سے حصر ثابت نہیں بلکہ علماءِ راسخین میں سے بھی کسی نے حصر کی تصریح نہیں فرمائی اور کیونکر کوئی حصر کی جرأت کر سکتا ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیاتِ قرآنی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:۔

لِكُلِّ اٰيَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وَ بَطْنٌ وَ لِكُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ ۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر آیتِ قرآنی کے کم از کم دو مفہوم ضرور ہوتے ہیں اور اگر علمائے سلف میں سے کسی کے کلام میں حصر کا کوئی لفظ پایا بھی جائے تو وہ حصر حقیقی نہیں ہے جس کو مولانا نانوتوی مرحوم عوام کا خیال تبلاتے ہیں بلکہ اس سے مراد حصر اضافی بالنظر الی تاویلات الملاحدہ ہے۔

بہر حال جو شخص صاحب تحذیر الناس پر یہ بہتان رکھتا ہے کہ انھوں نے معاذ اللہ آنحضرت کی بیان کردہ تفسیر کو خیالِ عوام تبلا دیا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے ایک ہی روایت حصر کی ثابت کر دے۔

پھر یہ کہ مولانا مرحوم نے اپنے مکتوبات میں اس کی بھی تصریح فرما دی ہے کہ باب تفسیر میں عوام سے مُراد کون لوگ ہوتے ہیں۔ اس موقع پر حضرت مرحوم کے الفاظ یہ ہیں:

"و جُز انبیاء علیہم السلام یا راسخین فی العلم ہمہ عوام اند"	باب تفسیر میں سوائے انبیاء علیہم السلام اور علمائے راسخین کے سب عوام ہیں

(قاسم العلوم نمبر اول، مکتوب ۲ ص ۲)

ان تصریحات کے ہوتے صاحب تحذیر الناس کے متعلق یہ کہنا کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابۂ کرام کو عوام میں داخل کر دیا، سخت ترین بد دیانتی ہے

خاتم النبیین کی تفسیر میں حضرت مولانا نانوتوی کے مسلک کی تائید خود مولوی احمد رضا خانصاحب کی تصریحات سے

اس کے بعد ہم یہ بھی بتلا دینا چاہتے ہیں کہ جو لوگ لفظ خاتم النبیّین سے صرف ایک ہی معنی (خاتمِ زمانی) مُراد لیتے ہیں اور معنی خاتم النبیین کو اُسی میں حصر کرتے ہیں وُہ فاضل بریلوی کے نزدیک بھی عوام میں داخل ہیں، اہلِ فہم میں سے نہیں. فاضل موصوف "الدولۃ المکّیہ، صفحہ ۴۳ پر تحریر فرماتے ہیں:

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یفقہ الرجل کل الفقہ حتیٰ یجعل للقران وجوھا قلت اخرجہ عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن سعد فی الطبقات و ابن نعیم فی الحلیۃ و ابن عساکر فی تاریخہ و اوردہ مقاتل بن سلیمان فی صدر کتابہ فی وجوہ القرآن مرفوعًا بلفظ لا یکون الرجل فقیھا کل الفقہ حتی یری للقرآن وجوھا کثیرۃً۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن کے لیے متعدد وجوہ نہ نکالے (میں کہتا ہوں کہ تخریج کی ہے اس روایت کی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ابنِ سعد نے طبقات میں، اور ابو نُعیم نے حلیہ میں، اور ابنِ عساکر نے اپنی تاریخ میں، اور مقاتل بن سلیمان نے اپنی صدر کتاب میں، وجوہِ قرآن میں اس کو بدیں الفاظ مرفوعًا روایت کیا ہے کہ "آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن کے لیے وجوہ کثیرہ نہ دیکھے۔

قال فی الاتقان قد فسرہ بعضھم بان المراد ان یری اللفظ الواحد یحتمل

علامہ سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں کہ بعض

معانی متعددۃ فیحملہ علیھا اذا کانت غیر متضادۃ ولا یقتصر بہ علی معنی واحد

(انتہیٰ صفحہ ۴۳)

لوگوں نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ لفظ واحد جو متعدد معانی کے لیے محتمل ہو اس کو ان سب پر محمول کرے جبکہ وہ آپس میں ٹکراتے نہ ہوں اور ایک ہی معنی پر منحصر نہ کرے

مولوی احمد رضا خانصاحب کی اس عبارت بلکہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے صاف معلوم ہوگیا کہ جو شخص کسی آیت قرآنی سے صرف ایک ہی معنی مُراد لے اور اسی میں حصر کرے تو وہ عوام میں داخل ہے۔ اہلِ فہم (فقہاء) میں سے نہیں ہے۔ کامل فقیہ جب ہی ہوگا جب کہ ایک آیت کو بہت سے غیر متعارض معانی پر محمول کرسکے۔ جیسا کہ حضرت مولانا محمد قاسم ؒ نے ایک لفظ خاتم النبیین سے تین قسم کی خاتمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کی یعنی خاتمیت ذاتی، زمانی، مکانی۔

الحمدللہ تحذیر الناس کے تینوں فقروں کا صحیح مطلب بیان کر دیا گیا اور ناظرین کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ صفحہ ۳ کے فقرے میں حضرت نانوتوی مرحوم نے جن لوگوں کو عوام بتلایا ہے۔ وُہ فاضل بریلوی کے نزدیک بھی عوام ہی میں داخل ہیں۔ اس کے بعد ہم یہ بھی بتلا دینا چاہتے ہیں کہ یہ تحقیق کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم زمانی ہونے کے ساتھ خاتم مرتبی اور خاتم ذاتی بھی ہیں یعنی آپ نبی بالذات ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام نبی بالعرض۔ آپ کو کمالاتِ نبوت اللہ تعالیٰ نے براہِ راست عطا فرمائے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو آنحضرت ؐ کے واسطے سے۔ اس میں بھی حضرت نانوتوی مرحوم متفرد نہیں بلکہ

بہت سے اگلے علمائے محققین بھی اس کی تصریح فرما چکے ہیں۔ لیکن یہاں ہم ان کی عبارات نقل کر کے بات کو طویل کرنے اور کتاب کو ضخیم بنانے کی ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ خود مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی اس مسئلہ کو اس طرح لکھ دیا ہے کہ اس کے بعد کسی اور کی عبارت نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس لیے ہم ان ہی کی ایک عبارت اس سلسلہ میں نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

فاضل موصوف اپنے رسالہ" جزاء اللہ عدوہ" کے صفحہ ۲۲ پر لکھتے ہیں:

"اور نصوص متواترہ اولیاء کرام و ائمہ عظام و علماء اعلام سے مبرہن ہو چکا کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر، صغیر یا کبیر، جسمانی یا روحانی، دینی یا دنیوی، ظاہری یا باطنی۔ روز اول سے اب تک اور اب سے قیامت تک، قیامت سے آخرت، آخرت سے ابد تک، مومن یا کافر، مطیع یا فاجر، ملک یا انسان، جن یا حیوان، بلکہ تمام ماسوی اللہ میں جسے جو کچھ ملی یا ملتی ہے یا ملے گی، اس کی کلی انھیں کے صبائے کرم سے کھلی اور کھلتی ہے یا کھلے گی۔ انھیں کے ہاتھوں پر بٹی اور بٹتی ہے اور بٹے گی، یہ سر الوجود اور اصل الوجود، خلیفۃ اللہ الاعظم و ولی نعمت عالم ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ خود فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: انا ابو القاسم اللہ یعطی و انا اقسم۔ رواہ الحاکم فی المستدرک وصححہ واقرہ الناقدون"

فاضل بریلوی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عالم میں جو کچھ نعمت رُوحانی یا جسمانی، دُنیوی یا دینی، ظاہری یا باطنی کسی کو ملی ہے وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دستِ کرم کا نتیجہ ہے اور چونکہ نبوت بھی ایک اعلیٰ درجہ کی رُوحانی نعمت ہے، لہذا وہ بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حضورؐ ہی کے واسطہ سے ملی ہے اور اسی حقیقت کا نام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی اصطلاح میں خاتمیتِ ذاتی اور خاتمیتِ مرتبی ہے۔

اِس وقت ہم اس بحث کو اسی پر ختم کرتے ہیں اور مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہیؒ پر تکذیب رب العزت جل جلالہٗ کا جو بہتان لگایا ہے، اب اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

۲

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز

پر

تکذیب رب العزت جلّ جلالہ کا ناپاک بُہتان

اور

اُس کا جواب

مولوی احمد رضا خانصاحب حسام الحرمین کے صفحہ ۱۲ پر حضرت مولانا گنگوہیؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

ثم تمادی به الحال فی الظلم و	پھر تو ظلم و گمراہی میں اس کا حال یہاں تک
الضلال حتّٰی صرح فی فتوی	بڑھا کہ اپنے ایک فتوے میں جو اُس کا مُہری
له (قد رایتها بخطه و خاتمه	دستخطی مَیں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے
بعینی و قد طبعت مرارًا فی	بمبئی وغیرہ میں بارہا مع ردّ کے چھپا)
بمبئی و غیرها مع ردّها) ان	صاف لکھ دیا کہ جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کو
من یکذّب اللّٰه تعالٰی بالفعل و	بالفعل جھوٹا مانے اور تصریح کرے

يصرح انه سبحانه وتعالیٰ قد كذب وصدرت منه هذه الخطيئة فلا تنسبوه الى فسق فضلاً عن ضلال فضلاً عن كفر فان كثيرا من الائمة قد قالوا بقيله وانما قصارىٰ امره انه مخطئ فى تاويله ...... اولٰئك الذين اصمهم الله تعالیٰ واعمیٰ ابصارهم ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم.

کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا اور یہ بڑا عیب اُس سے صادر ہو چکا تو اُسے کفر بالائے طاق، گمراہی درکنار، فاسق بھی نہ کہو، اس لیے کہ بہت سے امام ایسا کہہ چکے ہیں جیسا اُس نے کہا۔ بس نہایت کار یہ ہے کہ اس نے تاویل میں خطا کی .... یہی وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہرا کیا اور ان کی آنکھیں اندھی کر دیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم! (حسام الحرمین ص ۱۳)

یہ ناچیز بندہ عرض کرتا ہے کہ حضرت گنگوہی مرحوم کی طرف کسی ایسے فتوے کی نسبت کرنا سراسر افترا اور بہتان ہے۔ پہلی بحث میں تو مولوی احمد رضا خانصاحب نے تحذیر الناس کی متفرق عبارتیں جوڑ کر کفر کی مسل تیار بھی کر لی تھی۔ یہاں تو یہ بھی ناممکن ہے۔ بحمد اللہ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مرحوم کے کسی فتوے میں یہ الفاظ موجود نہیں، نہ کسی فتوے کا یہ مضمون ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ صرف خانصاحب یا ان کے کسی دوسرے ہم پیشہ بزرگ کا افترا اور بہتان ہے بفضلہ تعالیٰ ہم اور ہمارے

اکابر اس شخص کو کافر، مرتد، ملعون سمجھتے ہیں جو خداوند تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرے اور اس سے بالفعل صدورِ کذب کا قائل ہو بلکہ جو بدنصیب اس کے کفر میں شک کرے، ہم اس کو بھی خارج از اسلام سمجھتے ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ (جن پر خانصاحب نے یہ ناپاک بہتان باندھا ہے) خود انھیں کے مطبوعہ فتاویٰ کی جلد اوّل صفحہ ۱۱۸ پر ہے:

"ذاتِ پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک و منزہ ہے۔ اس سے کہ متصف بصفت کذب کیا جائے۔ معاذ اللہ تعالیٰ اس کے کلام میں ہرگز شائبہ کذب کا نہیں، قال اللہ تعالیٰ ومن اصدق من اللہ قیلاً۔ جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے، یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے۔ وہ قطعاً کافر ملعون ہے اور مخالف قرآن و حدیث کا اور اجماعِ امت کا ہے۔ وہ ہرگز مومن نہیں۔ تعالیٰ اللہ عما یقول الظٰلمون علواً کبیراً۔

ناظرین بالانصاف فیصلہ فرمائیں کہ اس صریح اور چھپے ہوئے فتوے کے ہوتے حضرت ممدوح پر یہ افترا کرنا کہ معاذ اللہ وہ خدا کو کاذب بالفعل مانتے ہیں یا ایسا کہنے والے کو مسلمان کہتے ہیں، کس قدر شرمناک کارروائی ہے؟ الحساب یوم الحساب!

رہا مولوی احمد رضا خانصاحب کا یہ لکھنا کہ "میں نے ان کا وہ فتویٰ مع مہر و دستخط بچشمِ خود دیکھا ہے"۔ اس کے جواب میں ہم صرف اس قدر عرض کریں گے کہ جب اس

چودھویں صدی کا ایک عالم اور مفتی ایک چھپی ہوئی کثیر الاشاعت کتاب (تحذیر الناس) کی عبارتوں میں قطع و برید کر کے اور صفحہ ۳، ۱۴، ۲۸ کی عبارتوں میں تحریف کر کے ایک کفر کا مضمون گھڑ کے تحذیر الناس کی طرف منسوب کر سکتا ہے تو کسی جعلساز کے لیے کسی کے مہر و دستخط بنا لینا کیا مشکل ہے؟ کیا دنیا میں جعلی سکے اور جعلی دستاویزیں تیار کرنے والے موجود نہیں؟ مشہور ہے کہ بریلی اور اس کے اطراف میں تو اس فن کے بڑے بڑے کامل رہتے ہیں، جن کا ذریعۂ معاش ہی جعلسازی ہے۔

بہر حال مولوی احمد رضا خانصاحب نے حضرت گنگوہی مرحوم کے جس فتوے کا ذکر کیا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جو تین جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے، وہ بھی اس کے ذکر سے خالی ہے بلکہ اس میں اس کے صریح خلاف چند فتوے موجود ہیں، جن میں سے ایک اوپر نقل بھی کیا جا چکا ہے اور اگر فی الواقع خاں صاحب نے کوئی فتویٰ اس قسم کا دیکھا ہے تو وہ یقیناً ان کے کسی ہم پیشہ بزرگ یا ان کے کسی پیشرو کی جعلسازی اور دسیسہ کاری کا نتیجہ ہوگا۔

حضرات علماء و مشائخ کی عزت اور عظمت کو مٹانے کے لیے حاسدوں نے اس سے پہلے بھی اس قسم کی کارروائیاں کی ہیں۔ اس سلسلہ کے چند عبرت آموز واقعات ہم یہاں نقل بھی کرتے ہیں:

اُمت کے جلیل القدر مجتہد اور محدث حضرت امام احمد بن حنبلؒ اس دُنیا سے کوچ فرما رہے ہیں اور کوئی بدنصیب حاسد عین اسی وقت ان کے تکیہ کے نیچے کچھ

لکھے ہوئے کاغذات رکھ جاتا ہے جن میں خالص ملحدانہ عقائد اور زندیقانہ خیالات بھرے ہوئے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ لوگ ان تحریرات کو امام احمد بن حنبلؒ ہی کی کاوشِ دماغی کا نتیجہ سمجھیں گے اور جب ان کے مضامین اسلامی تعلیمات کے خلاف پائیں گے تو امام سے بدظن ہو جائیں گے اور لوگوں کے دلوں سے ان کی عزت و عظمت نکل جائے گی۔ پھر ہماری دوکان جو امام کے فیضِ عام کے مقابلہ میں پھیکی پڑ گئی ہے، چمک اُٹھے گی۔

امامِ لغت علّامہ مجدالدین فیروز آبادیؒ صاحب قاموس زندہ تھے۔ مشہورِ امام اور مرجع خواص و عوام تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جیسے محدّث نے اُن کے خرمنِ علم سے خوشہ چینی کی۔ حاسدین ان کی اس غیر معمولی مقبولیت کو نہ دیکھ سکے اور اُن کی عظمت و شہرت کو بٹہ لگانے کے لیے ان کے نام سے پوری ایک کتاب حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مطاعن میں تصنیف کر ڈالی جس میں خوب زور شور سے حضرت امامِ اعظمؒ کی تکفیر بھی کی اور یہ جعلی کتاب دُور دراز مقامات تک شائع کر دی گئی۔ حنفی دُنیا میں علامہ فیروز آبادیؒ کے خلاف نہایت زبردست ہیجان برپا ہو گیا۔ لیکن بیچارے علامہ کو اس کی بالکل بھی خبر نہیں یہاں تک کہ جب وہ کتاب ابوبکر الخیاط البغوی الیمانی کے پاس پہنچی تو انھوں نے علامہ فیروز آبادی کو خط لکھا کہ "آپ نے یہ کیا کیا؟ علامہ موصوف نے اس کے جواب میں لکھا:

"اگر وہ کتاب جو افتراءً میری طرف منسوب کر دی گئی ہے آپ کے

پاس ہو تو فوراً اس کو نذرِ آتش کر دیجئے۔ خدا کی پناہ! میں اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تکفیر؟ "وانا اعظم المعتقدین فی الامام ابی حنیفة" (حالانکہ مجھ کو امام کی جناب میں بے انتہا عقیدت ہے) میں نے تو ایک ضخیم کتاب بھی امام کے مناقب عالیہ میں لکھی ہے"۔

امام مصطفےٰ قرمانی حنفی نے نہایت جانکاہی سے "مقدمہ ابواللیث سمرقندیؒ" کی ایک مبسوط شرح لکھی۔ جب ختم کر چکے تو مصر آئے کہ وہاں کے علماء کو دکھلانے کے بعد اس کی اشاعت کریں گے۔ تصنیف بحمد اللہ کامیاب تھی۔ بعض حاسدوں کی نظر میں کھٹک گئی، اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اس کی اشاعت سے ہماری دکانوں کی رونق پھیکی پڑ جائے گی۔ کچھ اور تو نہ کر سکے البتہ یہ خباثت کی کہ اس کے "باب آداب الخلاء" کے اس مسئلہ میں کہ قضائے حاجت کے وقت آفتاب و ماہتاب کی طرف رُخ نہیں کرنا چاہیئے اپنی دسیسہ کاری سے اتنا اضافہ کر دیا کہ "چونکہ ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کی عبادت کیا کرتے تھے"۔ (معاذ اللہ منہ) علامہ قرمانی کو اس شرارت کی کیا خبر تھی۔ انھوں نے لاعلمی میں وہ کتاب علماء مصر کے سامنے پیش کر دی۔ جب ان کی نظر اس دلیل پر پڑی سخت برہم ہوئے اور تمام مصر میں علامہ قرمانی کے خلاف ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ قاضی وقت نے واجب القتل قرار دیا۔ بیچارے راتوں رات جان بچا کر مصر سے بھاگ گئے۔ ورنہ سر دیے بغیر پیچھا چھوٹنا مشکل تھا۔

عارفِ ربانی امام عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں

آپ بیتی لکھتے ہیں کہ

"بعض حاسدوں نے میری کتاب البحر المورود فی المواثیق والعہود میں میری زندگی ہی میں عقائد باطلہ اور خیالات فاسدہ بڑھا دیے اور تین سال تک مصر و مکہ مکرمہ میں خوب اس کی اشاعت کی جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے مشاہیر علماء سے اصل نسخہ پر تصدیقیں لکھوا کر ان ملکوں میں بھیجا۔ وہ حسد وکینہ کے مریض اس پر بھی باز نہ آئے اور ان کمینوں نے اس کے بعد یہ پروپیگنڈہ کیا کہ جن علماء نے ان پر تصدیقات لکھی تھیں۔ اب وہ اس سے رجوع کر رہے ہیں اور اکثر کر چکے ہیں (امام شعرانی لکھتے ہیں کہ) جب مجھے اس کی خبر ہوئی تو میں نے پھر ان حضرات علماء کو تکلیف دی اور خود انھیں کے قلم سے حاسدوں کے اس نئے پروپیگنڈے کی تردید لکھوا کر عرب روانہ کیں، جب کہیں اس فتنہ کا خاتمہ ہُوا۔"

یہ گنتی کے چند واقعات ہیں۔ تاریخ اور تذکرے کی کتابیں اگر دیکھی جائیں تو بدنصیب حاسدوں کی دسیسہ کاریوں کے ان جیسے سیکڑوں شرمناک واقعات ملیں گے پس اگر درحقیقت فاضل بریلوی اپنے اس بیان میں سچے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ بالا مضمون کا کوئی فتوٰی حضرت گنگوہی مرحوم کے مُہر و دستخط کے ساتھ دیکھا، تو یقیناً وُہ اسی قبیلہ سے ہے۔ لیکن پھر بھی مولوی احمد رضا خانصاحب کو اس

کی بنا پر کفر کا فتویٰ دینا ہرگز جائز نہ تھا۔ تا وقتیکہ وہ یہ تحقیق نہ کر لیتے کہ یہ فتویٰ حضرت مولانا کا ہے بھی یا نہیں؟ فقہ کا مسلم اور مشہور مسئلہ ہے کہ "الخط یشبہ الخط" یعنی ایک انسان کا خط دوسرے کے خط سے مل جاتا ہے اور خود خاں صاحب بھی اس سے ناواقف نہیں۔ چنانچہ خط یا تار سے عدم ثبوت رویت ہلال پر استدلال کرتے ہوئے آپ تصریح فرماتے ہیں کہ:

"تمام کتابوں میں تصریح ہے" الخط یشبہ الخط " الخط لایعمل بہ"

(ملفوظات اعلیٰ حضرت جلد ۲ ص ۵۲)

بہرحال جبکہ رویت ہلال جیسی معمولی باتوں میں خط کا اعتبار نہیں تو پھر تکفیر جیسے اہم معاملہ میں کیونکر اس کا اعتبار ہو سکتا ہے۔

رہے وہ دلائل جو خاں صاحب نے حضرت گنگوہی مرحوم کی طرف اس جعلی فتوے کی نسبت صحیح ہونے پر اپنی کتاب "تمہید ایمان" میں پیش کیے ہیں وہ نہایت لچر پوچ اور تار عنکبوت سے زیادہ کمزور ہیں۔

ناظرین ذرا ان کو خود بھی دیکھ لیں اور جانچ لیں۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب موصوف اس جعلی فتوے کے متعلق "تمہید ایمان" ص ۳۵-۳۶ پر لکھتے ہیں:

"یہ تکذیب خدا کا ناپاک فتویٰ اٹھارہ برس ہوئے ۱۳۰۸ھ ہجری میں رسالہ "صیانۃ الناس" کے ساتھ مطبع حدیقۃ العلوم میرٹھ میں مع رد کے شائع ہو چکا،

پھر ۱۳۱۸ھ میں مطبع گلزار حسنی بمبئی میں اس کا مفصل رد چھپا، پھر ۱۳۲۰ھ میں پٹنہ عظیم آباد مطبع تحفہ حنفیہ میں اس کا دوبارہ رد چھپا، اور فتویٰ دینے والا جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ میں مرا اور مرتے دم تک ساکت رہا نہ یہ کہا کہ وہ فتویٰ میرا نہیں حالانکہ خود چھاپی ہوئی کتابوں سے فتوے کا انکار کر دینا سہل تھا، نہ یہی بتلایا کہ مطلب وہ نہیں جو علمائے اہل سُنّت بتلا رہے ہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے۔ نہ کفر صریح کی نسبت کوئی سہل بات تھی جس پہ التفات نہ کیا۔

حشو و زوائد حذف کر دینے کے بعد خاں صاحب کی اس دلیل کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ

۱۔ یہ فتویٰ مع رد کے مولانا گنگوہی مرحوم کی حیات میں تین مرتبہ چھپا۔

۲۔ انھوں نے تا زیست اس فتوے کی نسبت سے انکار نہیں کیا۔ نہ اس کا اور کوئی مطلب بتایا۔

۳۔ اور چونکہ معاملہ سنگین تھا، اس لیے اس خاموشی کو عدم التفات پر بھی محمول نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہ فتویٰ انھیں کا ہے اور اس کا مطلب بھی وہی ہے، جس کی بنا پر ہم نے تکفیر کی ہے۔

اگرچہ خاں صاحب کی اس دلیل کا لچر پوچ اور مہمل ہونا ہمارے نقد و تبصرہ کا محتاج نہیں۔ ہر معمولی سی عقل رکھنے والا بھی تھوڑے سے غور و فکر سے اس کی لغویت کو سمجھ سکتا ہے

تاہم ۔سب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہر جُز پر تھوڑی سی روشنی ڈال کر ناظرین سے بھی خاں صاحب کے علم دمجددیت کی کچھ داد دلوا دی جائے ۔

خاں صاحب کی دلیل کا پہلا بُنیادی مقدمہ یہ ہے کہ :

" یہ فتوٰی مولانا گنگوہی کی حیات میں تین مرتبہ مع رد کے چھپا "

اسی مقدمہ سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ یہ جعلی فتوٰی صرف مولانا کے مخالفین نے چھاپا ہے ۔مولانا یا آپ کے متوسلین کی طرف سے کبھی اس کی اشاعت نہیں ہوئی (خیر اس راز کو تو اہلِ بصیرت ہی سمجھیں گے) ہم کو تو اس کے متعلق صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اگر خاں صاحب کے بیان کو صحیح سمجھ کر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ فتوٰی متعدد بار مع رد کے حضرت گنگوہی مرحوم کی حیات میں چھپ کر شائع ہوا ۔جب بھی لازم نہیں آتا کہ حضرت کے پاس بھی پہنچا ہو یا ان کو اس کی اطلاع بھی ہوئی ہو، اور اگر ان کے پاس بھیجا گیا تو سوال یہ ہے کہ ذریعہ قطعی تھا یا غیر قطعی ؟ پھر کیا خاں صاحب کو اس کی وصولیابی کی اطلاع ہوئی ؟ اگر ہوئی تو وہ ذریعہ قطعی تھا یا ظنی ! بحث کے اتنے پہلوؤں سے چشم پوشی کر کے کُفر کا قطعی یقینی فتوٰی دینا کیونکر دُرست ہو سکتا ہے ۔بہر حال جب تک قطعی طور پر یہ ثابت نہ ہو جائے کہ فی الواقع حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی ایسا فتوٰی لکھا تھا جس کا قطعی اور متعین مطلب وہی تھا جو مولوی احمد رضا خاں صاحب نے لکھا ہے اس وقت تک ان تخمینی بُنیادوں پر تکفیر قطعًا نا روا اور معصیت ہے ۔حضرت مولانا گنگوہی مرحوم تو ایک گوشہ نشین عارف باللہ تھے جن کا حال بلا مبالغہ یہ تھا ؎

بسوائے جاناں زجاں مشتغل   بذکرِ حبیب از جہاں مشتغل

یہ خاکسار جس کے اوقات کا خاصہ حصہ اب تک اہلِ باطل ہی کی تواضع میں صرف ہوا ہے آج تک اس جعلی فتوے کے ان تینوں ایڈیشنوں کی زیارت سے محروم ہے جن کا ذکر خاں صاحب فرما رہے ہیں، پس ہو سکتا ہے بلکہ قرینِ قیاس ہے کہ حضرت مرحوم کو اس قصّہ کی خبر بھی نہ ہوئی ہو۔

خاں صاحب کی دلیل کا دوسرا مقدمہ یہ تھا کہ مولانا گنگوہی مرحوم نے اس فتویٰ سے انکار نہیں کیا، نہ اس کی کوئی تاویل بیان کی۔

اس کے متعلق پہلی گذارش تو یہی ہے کہ جب اطلاع ہی ثابت نہیں تو انکار کس چیز کا اور تاویل کس بات کی؟ اور فرض کر لیجئے ان کو اطلاع ہوئی لیکن انھوں نے ناخدا ترس مفتریوں کی اس ناپاک حرکت کو ناقابلِ توجہ اور شائستۂ اعتناء ہی نہ سمجھا، یا ان کے معاملہ کو حوالہ بخدا کرکے سکوت اختیار فرمایا۔

رہا یہ کہ کفر کی نسبت کوئی معمولی بات نہ تھی جس کی طرف التفات نہ کیا جاتا، سو اوّل تو یہ ضروری نہیں کہ دوسرے بھی آپ کے اس نظریہ سے متفق ہوں، ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اس لیے انکار کی ضرورت نہ سمجھی ہو کہ ایمان والے خود ہی ایسے ناپاک افترا کی تکذیب کر دیں گے۔ یا انھوں نے یہ خیال کیا ہو کہ یہ گندگی اُچھالنے والے علمی اور مذہبی دُنیا میں کوئی مقام نہیں رکھتے، لہٰذا ان کی بات کا کوئی اعتبار ہی نہ کریگا۔ بہرحال سکوت کے لیے یہ وجوہ بھی ہو سکتے ہیں اور پھر قطعِ نظر ان تمام باتوں سے، یہ کہنا ہی غلط

ہے۔ ۔ گنہ کا معاملہ سنگین تھا" بےشک خاں صاحب کی "مجددیت" کے دور سے پہلے تکفیر ایسی ہی غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی۔ لیکن خاں صاحب کی روح اور ان کی موجودیت مجھے معاف فرمائے کہ جس دن سے افتا کا قلمدان خاں صاحب کے بے باک ہاتھوں میں گیا ہے، اس روز سے تو کفر اتنا سستا ہو گیا کہ اللہ کی پناہ!

ندوۃ العلماء والے کافر۔ جو انھیں کافر نہ کہے وہ کافر۔ علماء دیوبند کافر۔ جو انھیں کافر نہ کہے وہ کافر۔ غیر مقلدین اہل حدیث کافر۔ مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی کافر اور تو اور تحریکِ خلافت میں شرکت کے جرم میں اپنے برادرانِ طریقت مولوی عبدالماجد صاحب بدایونی کافر۔ مولوی عبدالقدیر صاحب بدایونی کافر۔ کفر کی وہ بے پناہ مشین گن چلی کہ الٰہی توبہ۔ بریلی کے ڈھائی نفر انسانوں کے سوا کوئی بھی مسلمان نہ رہا۔

پس ہو سکتا ہے کہ خاں صاحب اور ان جیسے کفر باز کسی اللہ والے کو کافر کہیں اور وہ اس شور و غوغا کو نباح الکلاب سمجھتے ہوئے خاموشی اختیار کرے اور اس کا اصول یہ ہو کہ

وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَى اللَّئِيْمِ يَسُبُّنِيْ

فَمَضَيْتُ ثَمَّهَ قُلْتُ لَا يَعْنِيْنِيْ

اور ہو سکتا ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کو اطلاع ہوتی ہو اور انھوں نے اس جعلی فتوے سے انکار بھی فرمایا ہو لیکن خاں صاحب کو اس انکار کی اطلاع نہ ہوئی ہو پھر عدمِ اطلاع سے عدمِ انکار کیونکر سمجھا جا سکتا ہے؟ کیا عدمِ علم، عدم الشئ کو مستلزم ہے؟

اہل علم اور اربابِ انصاف غور فرمائیں کہ کیا اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے

بھی تکفیر جائز ہو سکتی ہے؟ دعویٰ تو یہ تھا کہ

"ایسی عظیم احتیاط والے (یعنی خود بدولت جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب) نے ہرگز ان دشنامیوں (حضرت گنگوہی وغیرہ) کو کافر نہ کہا جب تک یقینی، قطعی، واضح، روشن، جلی طور سے ان کا صریح کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو گیا، جس میں اصلاً اصلاً ہرگز ہرگز کوئی گنجائش کوئی تاویل نہ نکل سکی" (تمہید ص ۴۴)

اور دلیل اس قدر لچر کہ یقین کیا معنے ظن کی بھی مفید نہیں۔ اور اگر ایسی ہی دلیلوں سے کفر ثابت ہوتا ہے تو پھر تو اسلام اور مسلمانوں کا اللہ ہی حافظ کوئی جاہل یا دیوانہ کسی باخدا کو کافر کہے، وہ اس کو ناقابل خطاب سمجھتے ہوئے اعراض کرے اور اس کے سامنے اپنی صفائی پیش نہ کرے، بس خاں صاحب کی دلیل سے کافر ہو گیا۔ چہ خوش!

گر ہمیں مفتی و ہمیں فتویٰ

کار ایماں تمام خواہد شد

ادھر فقہائے کرام کی وہ تصریحات کہ اگر ۹۹ احتمال کفر کے ہوں اور صرف ایک احتمال اسلام کا، تب بھی تکفیر جائز نہیں، اور ادھر چودھویں صدی کے ان خود ساختہ مجدد صاحب کی یہ تیز دستی کہ صرف خیالی و وہمی مقدمے جوڑ کر نتیجہ نکالا اور تکفیر یقینی قطعی: "ہر کہ شک آرد کافر گردد"۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

یہاں تک تو مناظرانہ بحث تھی لیکن اس کے بعد ہم یہ بھی بتلا دینا چاہتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اخیر زمانۂ حیات میں جب آپ کے بعض متوسلین کو اہلِ بدعت کی اس افتراپردازی کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے عریضہ لکھ کر حضرت مرحوم سے اس کے متعلق دریافت کیا، حضرت نے جواب میں اپنی برارت اور جعلی فتوے کے لغتی مضمون سے کامل بیزاری ظاہر فرمائی اور خانصاحب کو اس کی اطلاع بھی ہوئی، لیکن کفر کا فتویٰ پھر بھی جوں کا توں رہا۔ یہیں سے تکفیر کے ان علمبردار اور ان کی ذرّیت کی نیّت بے نقاب ہو جاتی ہے۔

چنانچہ ۱۳۲۳ھ میں حضرت مولانا سیّد مرتضیٰ حسن صاحب مدظلہٗ نے جب مولوی احمد رضا خاں صاحب کے خاص الخاص عقیدت کیش میاںجی عبدالرحمٰن بھکھڑیوی کے ایک رسالہ میں اس جعلی فتوے کا ذکر دیکھا تو اسی وقت حضرت کی خدمت میں گنگوہ عریضہ لکھا کہ حضرت کی طرف اس مضمون کے فتوے کی نسبت کی جارہی ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو جواب آیا کہ

یہ سراسر افترا اور محض بہتان ہے۔ بھلا میں ایسا کیسے لکھ سکتا ہوں؟

حضرت مرحوم کے اس جواب کا ذکر حضرت مولانا سیّد مرتضیٰ حسن صاحب مدظلہٗ کے متعدد رسائل "السحاب المدرار"، "تزکیۃ الخواطر" وغیرہ میں آچکا ہے اور یہ تمام رسالے خان صاحب کی حیات میں اُن کے پاس پہنچ بھی چکے ہیں۔

نیز جب پہلے پہل اس بُہتان کا چرچا بریلی میں ہُوا، تو یہاں سے بھی حضرت کے

بعض متوسلین نے گنگوہ عریضہ لکھ کر حقیقتِ حال دریافت کی. اس کے جواب میں بھی حضرت مرحوم نے اپنی بیزاری ظاہر فرمائی اور حضرت مرحوم کی وہ جوابی تحریر بعینہٖ خانصاحب کو دکھلائی بھی گئی مگر پتھر کے اس دل پر کوئی اثر نہ ہُوا اور خدا کا خوف غلطی کے اقرار پر اس کو آمادہ نہ کرسکا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَّ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ[1]

یہی وہ حالات اور واقعات ہیں جن کی وجہ سے ہم یہ سمجھنے اور کہنے پر مجبور ہیں کہ خاں صاحب کے فتوےٰ کفر کی بنیاد پہلے دن سے کسی غلط فہمی یا علمی لغزش پر نہ تھی بلکہ درحقیقت اس کی تہ میں صرف حسد و جاہ پرستی اور نفس پروری کا بے پناہ جذبہ کارفرما تھا۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔

---

[1] پھر تمہارے دل سخت ہو گئے. پس وہ پتھروں کی طرح ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور بیشک پتھروں میں سے تو ایسے بھی ہیں جن سے نہریں پھوٹ رہی ہیں، اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو شق ہو جاتے ہیں پھر ان سے پانی نکلتا ہے. اور بعضے ان میں وہ ہیں جو خدا کے خوف سے نیچے آگرتے ہیں۔

(۳)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ
پر
تنقیصِ شانِ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ناپاک بُہتان

مولوی احمد رضا خاں صاحب حُسام الحرمین ص ۱۱ پر لکھتے ہیں :

وھٰؤلاء اتباع شیطان الاٰفاق	اور یہ شیطان آفاق ابلیسِ لعین کے پیرو ہیں
ابلیس اللعین و ھم ایضاً اذناب	اور یہ بھی اُسی تکذیبِ خدا کرنے والے گنگوہی
ذلک المکذب الکنکوھی فانہ	کے دُم چھلے ہیں کہ اُس نے اپنی کتاب "براہینِ
قد صرح فی کتابہ البراھین القاطعۃ	قاطعہ" میں تصریح کی (اور خدا کی قسم وہ قطع
وما ھی واللہ الا القاطعۃ لما امر	نہیں کرتی مگر ان چیزوں کو جن کے جوڑنے
اللہ بہ ان یوصل بان شیخھم	کا اللہ عزّ وجل نے حکم فرمایا ہے) کہ ان کے پیر
ابلیس اوسع علماً من رسول اللہ	ابلیس کا علم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے

صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھٰذا
نقصہ الشنیع بلفظہ الفظیع (ص ۴۰)
شیطان و ملک الموت کو الخ ای آن
ھذہ السعة فی العلم ثبتت للشیطٰن
و ملک الموت بالنص و ای نصٍ قطعی
فی سعة علم رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم حتّی تُرَدُّ بہ النصوص
جمیعاً و یُثبت شرک وکتب قبلہ
ان ھٰذا الشرک لیس فیہ حبة
خردل من ایمان۔

زیادہ ہے اور یہ اس کا بُرا قول خود اس کے
بدالفاظ میں ص ۴۰ پر ہے۔
شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص
سے ثابت ہوئی۔ فخرِ عالم کی وسعت علم کی کون
سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کرکے
ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ اور اس سے پہلے
لکھا کہ شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔

پھر مؤلفِ براہین کر کچھ "صلواتیں" سُنا کر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

وقد قال فی نسیم الریاض
کما تقدم من قال فلان اعلم منہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقد
عابہ و نقصہ فھو سابٌّ والحکم
فیہ حکم الساب من غیر فرق لا
نستثنی منہ صورة وھذا کلہ

اور بے شک نسیم الریاض میں فرمایا (جیسا
کہ اس کا نص اصل کتاب میں گزر چکا ہے)
کہ جو کسی کا علم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
کے علم سے زیادہ بتائے اس نے بے شک
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عیب لگایا اور
حضور کی شان گھٹائی تو وہ گالی دینے والا ہے اور اس

اجماع من لدن الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم ثم اقول انظروا الی آثار ختم الله كيف يصير البصير اعمی، وكيف يختار علی الهدی العمی، يؤمن بعلم الارض المحيط لابليس واذا جاء ذكر محمد رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال هذا شرك وانما الشرك اثبات الشريك لله تعالیٰ فالشئ اذا كان اثباته لاحد من المخلوقين شركا كان شركا قطعا لكل الخلائق اذ لا يصح ان يكون احد شريكا لله تعالیٰ فانظروا كيف آمن بان ابليس شريك له سبحانه وانما الشركة منتفية عن محمد صلی الله تعالیٰ عليه وسلم ثم انظروا الی غشاوة غضب الله تعالیٰ علی بصره يطالب فی علم محمد

کا حکم وہی ہے جو گالی دینے والا ہے، اصلا فرق نہیں، اس میں سے ہم کسی صورت کا استثنا نہیں کرتے، اور ان تمام احکام پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ سے اب تک برابر اجماع چلا آیا ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ اللہ کی مُہر کر دینے کا اثر دیکھو، کیونکر انکھیارا اندھا ہو جاتا ہے اور راہ حق چھوڑ کر چوپٹ ہونا پسند کرتا ہے۔ ابلیس کے لیے تو زمین کے علم محیط پر ایمان لاتا ہے اور جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر آیا تو کہتا ہے یہ شرک ہے، حالانکہ شرک تو اسی کا نام ہے کہ اللہ عزوجل کے لیے کوئی شریک ٹھیرایا جائے تو جس چیز کا مخلوق میں سے کسی ایک کے لیے ثابت کرنا شرک ہو، وہ تو تمام جہان میں جس کے لیے ثابت کی جائے یقیناً شرک ہوگا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا تو دیکھو ابلیس لعین کے اللہ عزوجل کے ساتھ شریک ہونے کا کیسا ایمان رکھتا ہے۔ شرکت تو محمد رسول اللہ صلی اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالنص و لا یرضی بہ حتی یکون قطعیا فاذا جاء علی سلب علمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمسک فی ھذا البیان نفسہ علی صفحہ ۴۶ بستۃ اسطر قبل ھذا الکفر المہین بحدیث باطل لا اصل لہ فی الدین و ینسبہٗ کذبا الی من لم یروہ بل ردہ بالرد المبین حیث یقول روی الشیخ عبد الحق قدس سرہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہٗ قال لا اعلم ما وراء ھذا الجدار اھ مع ان الشیخ قدس اللہ تعالیٰ سرہ انما قال فی مدارج النبوۃ ھکذا یشکل ھٰھنا بان جاء فی بعض الروایات انہٗ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما انا عبد لا اعلم وراء ھذا الجدار

تعالیٰ علیہ وسلم سے منتفی ہے پھر غضب الٰہی کا گھٹا ٹوپ اس کی آنکھوں پر دیکھو۔ علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تو نص مانگتا ہے اور نص پر بھی راضی نہیں جب تک قطعی نہ ہو اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی پر آیا تو خود اسی بحث میں صفحہ ۴۶ پر اس ذلت دینے والے کفر سے چھ سطر پہلے ایک باطل روایت کی سند پکڑی ہے جس کی دین میں بالکل اصل نہیں اور ان کی طرف اس کی نسبت کر رہا ہے جنہوں نے اسے روایت نہ کیا بلکہ اس کا صاف رد کیا کہ کہتا ہے شیخ عبد الحق رحمہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں حالانکہ شیخ نے "مدارج النبوۃ" میں یوں فرمایا ہے کہ یہاں یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ بعض روایات میں آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا "میں تو ایک بندہ ہوں اس دیوار کے پیچھے کا حال مجھے معلوم نہیں"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول بے اصل ہے، اس کی روایت صحیح نہ ہوئی۔ دیکھو کیسی لا تقربوا الصلوٰۃ سے

وجوابہ ان ھذا القول لا اصل لہ دلیل لایا اور " وانتم سکاری " کو چھوڑ گیا۔
ولم تصح بہ الروایۃ اھ فانظروا کیف
یحتج بلا تقربوا الصلوٰۃ و یترک " وَ
اَنْتُمْ سُکَارٰی "۔ (حسام، ص ۱۳)

اِس موقع پر شوقِ تکفیر پورا کرنے کے لیے مولوی احمد رضا خانصاحب نے دین و دیانت پر جو ظلم کیا ہے اُس کی فریاد بس واحد قہار سے ہے۔ اُس کی باز پُرس انشاء اللہ روزِ جزا ہوگی۔ لیکن دُنیا میں اربابِ انصاف بھی فیصلہ فرمائیں کہ اِس مُدّعی مجددیت کے بیان اور اُس کے فتوے میں کتنی صداقت ہے؟

اِس عبارت میں خاں صاحب نے مصنف براہینِ قاطعہ پر مندرجہ ذیل چار اعتراض کیے ہیں :

۱۔ (معاذ اللہ) رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ شریف کو شیطان رجیم کے علم سے گھٹایا۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زمین کے علم محیط کے اثبات کو شرک بتلایا اور شیطانِ لعین کے لیے اس کو ثابت مانا حالانکہ کسی ایک مخلوق کے لیے جس چیز کا ثابت کرنا شرک ہے وہ دوسری مخلوقات کے لیے بھی اس کا ثابت کرنا یقیناً شرک ہے تو گویا مصنف براہین نے (معاذ اللہ) شیطان کو خدا کا شریک مان لیا۔

۳۔ آنحضرتِ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر نص قطعی کا مطالبہ کیا۔ اور جب حضور اکی وسعت کے

علم کی نفی کی، تو ایک باطل الروایۃ حدیث سے استناد کیا۔

۴۔ پھر اس حدیث کی روایت کو از راہِ دروغ بیانی اس شخص کی طرف منسوب کیا۔
جس نے روایت نہیں کی بلکہ نقل کر کے ردِّ بلیغ کیا۔

یہ ہے خانصاحب کی اس ساری عبارت کا خلاصہ اور مصنف براہینِ قاطعہ کے خلاف ان کی فردِ قرار دادِ جرم — ہم تحریرِ جواب سے پہلے چند تمہیدی مقدمات عرض کرتے ہیں۔

پہلا مقدمہ علم کی دو قسمیں ہیں: ذاتی اور عطائی۔ ذاتی وہ ہے جو از خود ہو، کسی کا دیا ہوا نہ ہو۔ اور عطائی وہ ہے جو کسی کا دیا ہوا اور بتلایا ہوا ہو۔ پہلی قسم (علم ذاتی) اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ مخلوقات میں سے جس کو بھی کوئی علم ہے وہ سب اسی کا دیا ہوا اور بتلایا ہوا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ولی یا نبی یا فرشتے کے لیے بھی علم ذاتی ثابت کرے گا تو سب کے نزدیک مشرک ہوگا، چونکہ یہ تمام امت کا مشہور اجماعی مسئلہ ہے لہٰذا ہم اس کے ثبوت میں صرف خاں صاحب بریلوی ہی کی تصریحات پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

موصوف "خالص الاعتقاد" صفحہ ۲۸ پر رقمطراز ہیں:

"علم یقیناً ان صفات میں ہے کہ غیرِ خدا کو بعطائے خدا مل سکتا ہے تو ذاتی و عطائی کی طرف اس کا انقسام یقینی، یوں ہی محیط و غیر محیط کی تقسیم بدیہی

ان میں اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہونے کے قابل صرف ہر تقسیم کی تقسیم اول ہے یعنی علم ذاتی و علم محیط حقیقی :

نیز اسی "خالص الاعتقاد" کے صفحہ ۲۲ پر فرماتے ہیں :

"بلا شبہ غیر خدا کے لیے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں، اس قدر خود ضروریات دین سے ہے اور منکر کافر۔"

اور "الدولۃ المکیۃ" کی نظر اول صفحہ ۶ پر ہے :

فالاول (العلم الذاتی) مختص بالمولی سبحانہ وتعالی لا یمکن لغیرہ ومن اثبت شیئا منہ ولو ادنی من ادنی من ذرۃ لاحد من العالمین فقد کفر و اشرک و باد وھلک۔	علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے اس کے غیر کے لیے محال ہے جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لیے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہو گیا اور ہلاک و برباد ہوا۔

دوسرا مقدمہ کائنات کے ہر ذرہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہی ہیں اور چونکہ کسی مخلوق کا علم معلومات غیر متناہیہ کو محیط نہیں ہو سکتا۔ لہذا کہا جا سکتا ہے کہ کسی مخلوق کو ایک ذرہ کا بھی حقیقی معنی میں محیط نہیں ہو سکتا۔

اس کے ثبوت میں بھی ہم خاں صاحب بریلوی کی تصریحات پر قناعت کریں گے موصوف "الدولۃ المکیۃ" صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں :

بل لہ سبحانہ وتعالی فی کل ذرۃ علوم	بلکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لیے ہر ذرہ میں علوم

لا تتناهٰی لان لکل ذرة مع	غیر متناہیہ ہیں۔ اس لیے کہ ہر ذرہ کو دوسرے اس
ذرة کانت او تکون او یمکن ان	ذرہ کے ساتھ جو موجود ہو چکا یا آئندہ موجود ہوگا
تکون نسبة بالقرب و البعد والجهة	یا جس کا وجود ممکن ہے، قرب اور بُعد اور جہت
مختلفة فی الازمنه باختلاف	کے اعتبار سے کوئی نسبت ہے جو مختلف ہوتی
الامکنة الواقعة و الممکنة من	رہتی ہے۔ زمانوں میں ساتھ مختلف ہونے ان
اول یوم الیٰ ما لا اخر له و الکل	امکنہ کے جو واقع ہوں اور جن کا امکان ہے دُنیا
معلوم له سبحانه و تعالیٰ بالفعل	کے پہلے دن سے ابدالآباد تک اور سب اللہ سبحانہ
فعلمه عزجلا له غیر متناهٍ فی	تعالیٰ کو بالفعل معلوم ہے۔ پس اللہ عزوجل کا علم
غیر متناهٍ فی غیر متناهٍ	غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہے ......
ومعلوم ان علم المخلوق لا یحیط	اور معلوم ہے کہ مخلوق کا علم ایک آن میں غیر متناہی
فی آن واحدٍ غیر المتناهی کما بالفعل	بالفعل کا تفصیلی احاطہ نہیں کرسکتا۔ اس طرح کہ
تفصیلا تاما حیث یمتاز فیه کل	اس میں ہر فرد دوسرے سے کامل طور پر ممتاز ہو
فرد عن صاحبه امتیازاً کلیًا	

نیز اسی "الدولۃ المکیۃ" کے صفحہ ۲۱۲ پر ہے:

انی بیّنت ان له سُبحانه فی کل ذرة	یہ تحقیق میں بیان کرچکا ہوں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے
ذرة علوم لا تتناهٰی فکیف ینکشف	ہر ہر ذرہ میں غیر متناہی علوم ہیں۔ پس کوئی چیز کس
شی لخلق کا نکشافه للخالق عزّو	مخلوق کے لیے اس طرح کیسے منکشف ہوسکتی ہے جیسے

جل :" کہ اس کا انکشاف خداوند تعالیٰ کے لیے ہے۔"

تیسرا مقدمہ عقیدہ قائم کرنے کے لیے دلیلِ قطعی کی ضرورت ہے اور نفی کے لیے صرف عدمِ دلیلِ ثبوت کافی ہے۔ اسی لیے قرآن عزیز میں جابجا منکرین کے خیالاتِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ کی تردید میں فرمایا گیا ہے کہ یہ ان کے ذاتی خیالات اور شیطانی وساوس ہیں۔ خدا کی طرف سے اُن پہ کوئی دلیل و بُرہان نہیں۔

نیز خود مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی انباء المصطفٰی میں عقائد کے اثبات کے لیے دلیلِ قطعی کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے۔

چوتھا مقدمہ علوم دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کو دین سے تعلق ہے (جیسے تمام علوم دینیہ شرعیہ) اور دوسرے وہ جن کو دین سے تعلق نہیں (جیسے زید، عمرو، گنگا پرشاد، جمنا داس، سرپیگ اور لارڈ ولنگڈن، مسٹر چرچل وغیرہ کے جزئی حالات کا علم۔ زمین کے کیڑے مکوڑوں اور سمندر کی مچھلیوں کی تعداد اور ان کے خواص کا علم۔ ان کی عام نقل و حرکت، اکل و شرب اور بول و براز کا علم) ظاہر ہے کہ ان چیزوں کے علم کو دین سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ان علوم کو کمالِ انسانی میں کوئی دخل، اور نہ ان کے نہ ہونے سے انسان میں کوئی نقصان!

اگرچہ یہ مقدمہ بدیہی ہے اور ہر معمولی سی عقل رکھنے والا بھی اس کو تسلیم کرے گا، مگر اب چند روز سے مولوی احمد رضا خاں صاحب کی رُوحانی ذرّیت نے اس سے انکار شروع کر دیا ہے اور وُہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کہتے ہیں کہ دُنیا میں کوئی علم ایسا نہیں جس کا دین سے تعلق نہ

ہو اور جس کو کمال انسانی میں دخل نہ ہو لہٰذا یہاں بھی ہم صرف خاں صاحب ہی کی ایک عبارت پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ موصوف کے ملفوظات حصۂ دوم صفحہ ۶۲ پر ہے "سیمیا ایک ناپاک علم ہے"۔ خانصاحب کے اس مختصر مگر پُر معنی فقرے سے صرف اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ بعض علم ناپاک بھی ہیں اور ظاہر ہے کہ جو علم ناپاک ہو۔ وہ نہ دینی علم ہو سکتا ہے اور نہ کسی انسان کے لیے باعث کمال۔

پانچواں مقدمہ شریعت میں جس علم کی مدح کی گئی ہے اور انسانوں کو جس کی ترغیب دی گئی ہے اور جو رضائے الٰہی کا باعث ہے۔ وہ صرف وہ علم ہے جس کا تعلق دینیات سے ہو اور جس سے کمالِ انسانی وابستہ ہو، مثلاً قرآن عزیز میں ہے:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ — کیا علم والے اور بے علم سب برابر ہو سکتے ہیں۔ (ہرگز نہیں)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ — اللہ تعالیٰ تم میں سے اہلِ ایمان اور اہلِ علم کے درجے بلند کرے گا۔

ظاہر ہے کہ ان آیات میں علم سے نہ انگلش مراد ہے نہ سنسکرت یا بھاشا، نہ سائنس نہ جغرافیہ، نہ جادوگری نہ شاعری، بلکہ صرف علمِ دین ہی مراد ہے، اور وہی خدا کو محبوب ہے اور حدیث شریف میں ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى — طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

كُلِّ مُسْلِمٍ۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے :

إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا	بے تحقیق انبیا علیہم السلام نے دراہم و دنانیر کی
وَلَا دِرْهَمًا وَ إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ	میراث نہیں چھوڑی، اُن کی میراث صرف علم ہے،
فَمَنْ أَخَذَ مِنْهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ	جس نے اس کو لے لیا اس نے بہت بڑا حصہ پایا۔

ان احادیث کریمہ میں بھی علم سے علم شریعت اور علم دین ہی مراد ہے۔ کون بدبخت کہہ سکتا ہے کہ دنیاوی علوم کا حاصل کرنا بھی مسلمان کا مذہبی فرض ہے، اور کون محروم البصیرت خیال کر سکتا ہے کہ جادوگری و شعبدہ بازی جیسے لغو علوم بھی میراث نبوت ہیں۔ بہرحال یہ چیز بالکل بدیہی ہے کہ شریعت میں جس علم کی ترغیب دی گئی ہے اور جس کو کمال انسانی میں دخل ہے وہ صرف علم دین ہے۔ بلکہ بیکار اور غیر متعلق باتوں کی کھود کرید سے تو شریعت نے منع فرمایا ہے۔ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ	انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ بیکار
مَا لَا يَعْنِيهِ (حدیث نبوی)	باتوں میں نہ پڑے۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب سے کسی شخص نے تعزیہ داری اور امور متعلقہ تعزیہ داری کے متعلق چند سوال کیے تھے۔ منجملہ ان کے بارھواں سوال (شہدائے کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق) یہ تھا کہ :

"بعد شہادت کس قدر سرِ مبارک دمشق کو روانہ ہوئے تھے اور کس قدر واپس آئے"

اِس کے جواب میں مولوی صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں :

"حدیث میں فرمایا کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باتیں چھوڑ دے"

خاں صاحب کا وہ پورا فتویٰ جس میں یہ سوال وجواب درج ہے۔ کئی جگہ متعدد بار چھپ کر شائع ہو چکا ہے اور اس کی اصل بہ مُہر و دستخط بھی میرے پاس محفوظ ہے اور اگر ان کے یہاں نقل فتاویٰ کا پُورا اہتمام ہوگا (جیسا کہ مَیں نے سُنا ہے) تو غالباً وہاں بھی اس کی نقل محفوظ ہوگی۔

فتوے پر تو کوئی تاریخ درج نہیں اور لفافہ پر ڈاک خانہ کی مُہر بھی کچھ زیادہ صاف نہیں تاہم بعد غور بسیار ظن غالب یہ ہے کہ اکتوبر ۱۹۲۰ئہ میں بریلی کے ڈاکخانہ سے وُہ فتویٰ روانہ ہُوا ہے۔ واللہ اعلم!

خاں صاحب کے اس فتوے سے بھی صاف معلوم ہو گیا کہ بعض علوم ایسے بھی ہیں جو بیکار ہیں اور اُن کا حاصل نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ جس سوال کے جواب میں خاں صاحب نے یہ تحریر فرمایا ہے وُہ سوال زید، عمرو، بکر، حیوانات وبہائم، دریا کی مچھلی، مینڈک یا حشرات الارض کے متعلق نہیں کیا گیا ہے بلکہ اہل بیت کرام وشہدائے عظام کے مقدس سروں کے متعلق سوال ہے اس کا جواب خاں صاحب یہ دیتے ہیں کہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باتوں کو چھوڑ دے

چھٹا مقدمہ | جو علوم انسان کے لیے باعث کمال نہیں اور جن کے حصول کے لیے انسان خدا کی طرف سے مامور نہیں (جیسے روزمرہ کے جزئی حوادث

اور مخصوص افراد کے شخصی اور خانگی حالات) اُن میں ایک مفضول کا دائرۂ علم افضل سے اور ایک مردُود کا مقبول سے وسیع ہو سکتا ہے بلکہ غیر دینی اور غیر ضروری اُمور میں غیرنبی کا علم بھی کبھی نبی سے بڑھ سکتا ہے لیکن علوم شرعیہ و امُور ضروریہ اور اصولِ دینیہ میں ہمیشہ نبی ہی کا دائرۂ علم زیادہ وسیع ہوگا کیونکہ ان علوم کے فیضان میں وہ تمام اُمّت کے لیے واسطۂ کبریٰ ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے یہ علوم افرادِ امت تک پہنچتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

یجوز ان یکون غیر النبي فوق النبي في علوم لا تتوقف نبوته علیها	جائز ہے کہ غیرنبی، نبی سے بڑھ جائے ان علوم میں کہ جن پر نبی کی نبوت موقوف نہ ہو۔

(ج ۵، ص ۴۹۵)

ساتواں مقدمہ دین سے غیر متعلق اور غیر ضروری امور کے نہ جاننے کی وجہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقبولین بارگاہِ احدیت کی شان میں کوئی کمی بھی نہیں آتی اور نہ اُن کے کمالِ علمی کو اس سے کچھ صدمہ پہنچتا ہے۔ بلکہ ایسا سمجھنا انتہائی سفاہت اور منصبِ رسالت سے اعلیٰ درجہ کی جہالت ہے۔

علامہ قاضی عیاض جن کو حضرتِ رسالت ص کے ساتھ قابلِ تقلید عشق ہے، "شفا شریف" میں اس نکتہ پر تنبیہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فاما ما تعلق منها بامر الدنیا فلا	بہرحال وہ علوم جن کا تعلق دُنیاوی باتوں سے
یشترط فی حق الانبیاء العصمة من	ہو، سو اُن میں سے بعض کے نہ جاننے سے

عدم معرفة الانبياء ببعضها او اعتقادها على خلاف ما هي عليه ولا وصم عليهم فيه اذ همتهم متعلقةٌ بالآخرة وانبائها وامر الشريعة وقوانينها وامور الدنيا تضادها بخلاف غيرهم من اهل الدنيا الذين يعلمون ظاهرًا من الحيٰوة الدنيا وهم عن الآخرة هم الغافلون -
(شفاء - ص ۲۵۴)

اور ان کے متعلق خلاف واقعہ اعتقاد قائم کر لینے سے انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا ضروری نہیں (یعنی ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بعض دُنیاوی باتوں کا علم نہ ہو) اور اس کے نہ جاننے کی وجہ سے اُن پر کوئی دھبّہ نہیں کیونکہ ان کی توجہ آخرت اور اس کی خبروں اور شریعت اور اس کے قوانین کے ساتھ متعلق ہے اور دُنیاوی باتیں اُن کے برعکس ہیں بخلاف اور اہلِ دُنیا کے جو اسی دُنیاوی زندگانی کو جانتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

پھر اس مضمون کو متعدد احادیثِ شریفہ سے ثابت فرما کر صفحہ ۲۰۲ پر لکھتے ہیں:

فمثل هذا واشباهه من امور الدنيا التي لا مدخل فيها لعلم ديانة ولا اعتقادها ولا تعليمها يجوز عليه فيها ما ذكرنا اذ ليس في هذا كله نقيصةٌ ولا محطةٌ و انّما هي امور اعتيادية يعرفها

پس دُنیاوی اُمور میں سے ایسی باتیں کہ جن کو نہ دین کے علم میں کوئی دخل ہے نہ اُس کی تعلیم میں نہ اس کے اعتقاد میں (سو ایسی باتوں کے بارے میں) جائز ہے. نبی علیہ السلام پر وہ جو ہم نے ذکر کیا (یعنی اُن باتوں کا نہ جاننا) اس لیے کہ ایسی باتوں کے نہ جاننے کی وجہ سے نہ تو کچھ نقصان

من جرّبها وجعلها همّه و
شغل نفسه بها والنبی مشحون
القلب بمعرفة الربوبیة ملآن
الجوانح بعلوم الشریعة "۔
انتهى بقدر الحاجه شفا قاضی
عیاض ، صفحہ ۳۰۲ -

پیدا ہوتا ہے نہ درجہ اور مرتبہ میں کوئی کمی آتی
ہے۔ یہ امور تو عادت پر موقوف ہیں ان کو وہ
شخص خوب جانے گا جس نے ان کا تجربہ کیا
ہو اور انھیں کو اپنا مقصد بنا لیا ہو اور جس نے اپنے نفس
کو انھیں باتوں میں مشغول کر دیا ہو اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک تو معرفت الٰہیہ
سے اور سینۂ فیض گنجینہ علوم معرفت سے لبریز ہے

بہر حال جو امور دین سے غیر متعلق ہوں۔ اگر ان میں سے بعض کا علم کسی غیر نبی کو ہو جائے، اور نبی کو نہ ہو تو اس میں اس نبی (علیہ السلام) کی کوئی تنقیص نہیں، کیونکہ ان امور سے حضرات انبیاء علیہم السلام کو کوئی خاص تعلق ہی نہیں۔ اسی لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انتم اعلم بامر دنیاکم۔ (رواہ مسلم)

اپنی دنیا کی باتوں کے تم زیادہ جاننے والے ہو۔

صحیح مسلم کی یہ روایت ہمارے مدعا کے لیے نہایت واضح اور روشن دلیل ہے نیز آپ ارشاد فرماتے ہیں:

اذا کان شیء من امر دنیاکم
فانکم اعلم به واذا کان شیء

جب کہ کوئی چیز تمہارے دنیاوی امور میں سے
ہو جب تو تم ہی اس کے زیادہ جاننے والے ہو

من امر دینکم فالیّ (رواه احمد ومسلم عن انس) وابن ماجة عن انس وعائشة معًا) وابن خزیمة عن ابی قتادة) ۔

اور اگر کوئی دینی معاملہ ہو تو میری طرف رجوع کرو۔ روایت کیا اس کو امام احمد اور امام مسلم نے حضرت انس سے اور ابن ماجہ نے حضرت انس اور حضرت عائشہ دونوں سے اور ابن خزیمہ نے حضرت ابو قتادہ سے۔

(کنز العمال۔ ج ۶، ص ۱۱۶)

آٹھواں مقدمہ اگر بعض جزئی واقعات کا علم کسی ادنیٰ درجے کے شخص کو ہو اور اعلیٰ کو نہ ہو، یا کسی اُمتی کو ہو اور نبی کو نہ ہو تو صرف اس کی وجہ سے اُس ادنیٰ کو اعلیٰ سے اور اس اُمتی کو نبی سے اعلم (زیادہ علم والا) نہیں کہا جا سکتا، مثلاً آج کل کی مادی ایجادات اور صنعتی اختراعات کے متعلق جو معلومات یورپ کے ایک مُلحد کو حاصل ہیں یقیناً وُہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کو حاصل نہ تھے۔ گراموفون بنانے کا علم جو اس کے غیر مسلم موجد کو تھا، وہ یقیناً حضرت غوث پاکؒ کو نہ تھا، لیکن کون احمق ہے جو ان مادی اور دُنیوی علوم کی وجہ سے یورپ کے ان مُلحدین کو حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے اَعلم (زیادہ علم والا) کہنے کی جرأت کرے۔ سینما اور تھیٹر کے متعلق جو معلومات ایک فاسق و فاجر بلکہ ایک کافر و مشرک تماشہ بین کو ہیں وہ یقیناً ایک بڑے سے بڑے متقی عالم کو نہیں۔ تو کیا کوئی تاریک دماغ بھی تماشہ بین کو اس عالم سے اعلم کہہ سکتا ہے اور اسی پہ کیا موقوف، جرائم پیشہ لوگوں کو جو معلومات اپنے جرائم کے متعلق ہوتے ہیں، حضرات علمائے دین کو ان کی ہوا بھی نہیں لگتی تو کیا سب چور، ڈاکو،

گرہ کٹ، پاکٹ مار، شرابی، کبابی، ہر عالمِ دین کے مقابلہ میں اہلیت کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور کیا یہ واقعہ نہیں کہ نجاست کھانے والے کیڑے کو نجاست ذغلاظت کا ذائقہ معلوم ہوتا ہے اور ہر شریف انسان اُس سے ناواقف ہے، تو کیا اب نجاست کا ہر کیڑہ بھی تمام انسانوں سے اعلم کہا جاسکتا ہے۔

بہرحال یہ مقدمہ بالکل بدیہی ہے کہ جو علوم دین سے غیر متعلق ہوں اور جن علموں کو کمالِ انسانی میں کوئی دخل نہ ہو۔ وہ اگر کسی شخص کو زیادہ مقدار میں حاصل ہو جائیں، تو صرف اس کی وجہ سے اس کو زیادہ علم داں نہیں کہا جاسکتا۔ اَعْلَم (زیادہ علم والا) جسے کہا جائے گا جب کہ علوم کمالیہ اور علم دینیہ میں دوسروں پر فوقیت رکھتا ہو۔

تواں مقدمہ قرآن و حدیث میں اس کی نظیریں بکثرت ملتی ہیں کہ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ میں بہت سے واقعاتِ جزئیہ کی اطلاع دوسرے لوگوں کو ہو گئی (ہو اس کے کہ وُہ واقعہ انھیں پر گزرا تھا یا ان سے اس کا کوئی خاص تعلق تھا) اور حضورؐ کو اس وقت اس کی اطلاع نہ ہوئی۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱۔ غزوۂ تبوک میں عبداللہ بن اُبَی منافق نے کسی موقع پر یہ کہا:

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ — جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے والے ہیں اُن پر کچھ خرچ مت کرو۔

نیز اُسی مجلس میں اُس نے یہ بھی کہا:

وَلَئِنْ رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ — اگر ہم مدینہ پہنچے تو ہم میں سے جو زیادہ عزت والا ہوگا وُہ ذلیلوں کو نکال دیگا (یعنی ہم مہاجرین کو مدینہ سے بھگا دیں گے)

اُس کی یہ بات حضرت زید بن ارقم رض نے سُنی اور انھوں نے اپنے چچا سے اس کا ذکر کر دیا۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضور نے عبداللہ ابن اُبی اور اس کے ساتھیوں کو بُلایا اور اس سے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اُن مُنافقین نے جھوٹی قسم کھائی کہ ہم نے نہیں کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تصدیق کر دی اور زید بن ارقم رض کو جھوٹا قرار دے دیا۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا ایسا صدمہ ہوا کہ مدت العمر کبھی ایسا صدمہ نہ ہوا تھا، یہاں تک کہ میں نے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ منافقون کی ابتدائی آیتیں نازل فرمائیں جن میں حضور کو اطلاع دی گئی کہ درحقیقت ان مُنافقین نے ناشائستہ کلمات کہے تھے۔ تو حضور نے مجھ کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مطمئن ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیان کی تصدیق نازل فرما دی۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر)

(۲) بعض منافقین کے متعلق سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ — اور بعض ان لوگوں میں سے جو تمہارے ارد گرد ہیں بدوی منافق ہیں اور بعض اہلِ مدینہ میں سے منافقت میں بہت مشاق ہیں، آپ ان کو نہیں

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۔ جانتے، ہم ان کو (خوب) جانتے ہیں۔

اِس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ عہدِ رسالت میں خود مدینۂ طیبہ اور اس کے آس پڑوس کی بستیوں میں کچھ ایسے مُنافق تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب آپ ان کو نہیں جانتے، اور ظاہر ہے کہ خود ان منافقین کو اپنے نفاق کا ضرور علم ہو گا۔

(۳) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۔ (سورۂ بقر)

اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جن کی بات اس دُنیاوی زندگی میں آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے دل کی بات پر خُدا کو شاہد بناتے ہیں اور فی الحقیقت وہ نہایت جھگڑالو ہیں۔

تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر خازن وغیرہ میں ہے کہ یہ آیت اَخنس بن شُریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ شخص دیکھنے میں بہت اچھا اور نہایت شیریں زبان تھا حضورؐ کی خدمت میں آتا اور اپنے کو مسلمان ظاہر کرتا اور بہت زیادہ اظہارِ محبت کرتا تھا اور اس پر خدا کی قسمیں کھاتا تھا۔ حضورؐ اُس کو اپنے پاس بٹھلاتے تھے، اور درحقیقت وہ مُنافق تھا، اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

نزلت فیہ و من الناس من یعجبك قوله‘‘ ای یروقك و تستحسنه‘ و یعظم فی قلبك ۔

اور لوگوں میں سے بعض وُہ ہیں جن کی بات آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور آپ اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور آپ کے دل میں اس کی عظمت

(خازن، جلد اوّل، ص۱۹۱) ہوتی ہے۔

اس آیت کریمہ اور اس کے شانِ نزول سے معلوم ہوا کہ خنس بن شریق کے باطن کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی تھا، اور ظاہر ہے کہ وہ بدبخت اپنے حال سے ضرور آگاہ تھا۔

۴۔ نیز منافقین ہی کی ایک جماعت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے:

وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ۔ (سورۂ منافقون)

اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں، اور اگر وہ کچھ کہیں تو آپ ان کی سن لیں گے۔

تفسیرِ خازن اور تفسیرِ معالم التنزیل میں "وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ" کی تفسیر میں ہے:

ای فتحسب انه صدق یعنی آپ اس کو سچا سمجھیں (ج ۷، ص ۸۲)

ان تینوں آیتوں سے بطور قدرِ مشترک اتنا معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مدینہ طیبہ ہی کے اندر کچھ ایسے سیاہ باطن منافق بھی تھے جن کے نفاق (یا مدارجِ نفاق) کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھا۔ ظاہر حال دیکھ کر آپ ان کو اچھا جانتے تھے۔ ان کی جھوٹی باتوں کو سچ سمجھتے تھے، اور وہ بدکردار اپنے حال سے خود یقیناً خبردار تھے (اگرچہ بعد میں بذریعہ وحی حضورؐ کو بھی مطلع فرما دیا گیا ہو)

اس کے بعد ہم اس سلسلہ میں صرف ایک آیت اور پیش کرتے ہیں۔ ارشادِ

خداوندی ہے :

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِیْ لَهٗ ۔ (سورۂ یٰس) — اور ہم نے اپنے رسول کو شعر نہیں سکھایا اور نہ وہ ان کے لیے مناسب ہے۔

اس آیتِ کریمہ سے نہایت صاف طور پر معلوم ہوا کہ آپ کو علمِ شعر نہیں عطا فرمایا گیا حالانکہ یہ علم کافروں تک کو حاصل ہوتا ہے۔

بہرحال قرآن اس حقیقت پر شاہد ہے کہ بعض غیر ضروری اور امورِ رسالت سے غیر متعلق علوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں عطا فرمائے گئے، اور دوسروں کو حتیٰ کہ مشرکوں اور کافروں کو وہ حاصل تھے۔ لیکن اس کی وجہ سے ان دوسروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ وسیع العلم کہہ دینا انتہائی بلادت اور اعلیٰ درجہ کی حماقت اور ضلالت ہے۔ اگر اس قسم کے واقعات حدیث میں تلاش کیے جائیں تو سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں نکل آویں گے۔ یہاں نمونہ کے طور پر چند حدیثیں مثالاً ذکر کی جاتی ہیں :

(۱) صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سیاہ فام عورت مسجد میں جھاڑو لگایا کرتی تھی۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہ پایا تو حال دریافت فرمایا۔ عرض کیا گیا کہ اس کا انتقال ہوگیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا

اَفَلَا كُنْتُمْ اٰذَنْتُمُوْنِیْ — پھر تم نے مجھ کو اطلاع کیوں نہیں کی۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا :

دُلُّوْنِیْ عَلٰی قَبْرِهَا — یعنی مجھے اس کی قبر بتلاؤ، چنانچہ قبر

فَدَلُّوْهُ فَصَلّٰی عَلَیْہِ۔ — بتلا دی گئی۔ پس آپ نے اس پہ نماز پڑھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کو اس عورت کے انتقال کی اطلاع نہ ہوئی اور صحابہ کو اطلاع تھی۔ نیز اس کی قبر کی اطلاع بھی صحابہ ہی نے حضور کو دی۔

(۲) سُنن نسائی میں حضرت یزید بن ثابت سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک روز حضور کے ساتھ باہر نکلے تو حضور کی نظر ایک نئی قبر پہ پڑی۔ فرمایا:

مَا ھٰذَا؟ — یہ کیا ہے؟ (یعنی یہ کس کی قبر ہے)

عرض کیا گیا کہ یہ فلاں شخص کی فلانی کنیز کی قبر ہے۔ دوپہر میں اس کا انتقال ہو گیا اور حضور چونکہ قیلولہ فرما رہے تھے اور حضور روزے سے بھی تھے۔ اس لیے ہم نے جگانا بہتر نہ سمجھا۔ پس حضور کھڑے ہوئے اور لوگوں نے پیچھے صف باندھی اور حضرت نے نماز پڑھی، پھر ارشاد فرمایا:

لا یموت فیکم میت ما دمت — جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جب تک میں

بین ظھرانیکم الا اذنتمونی — تمہارے درمیان موجود ہوں تو مجھ کو ضرور اس

بہ فان صلوٰتی لہ رحمۃ۔ — کی خبر دیا کرو کیونکہ میری نماز اس کے واسطے رحمت ہے۔

ج ۱، صفحہ ۲۹۲

اس روایت سے بھی ہمارے مدعا پہ نہایت صاف روشنی پڑتی ہے اور اس سے صرف ایک وقتی واقعہ ہی نہیں بلکہ آپ کی زندگی کی ایک عام مستمر حالت معلوم ہوتی ہے۔

(۳) صحیح بخاری اور سُنن اربعہ میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم غزوہ احد میں شہدائے اُحد میں سے دو دو کو ایک ایک قبر میں دفن فرماتے تھے اور قبر میں اتارتے وقت لوگوں سے دریافت فرماتے تھے۔

ایهما اکثر اخذا للقرآن — ان دونوں میں سے کون زیادہ قرآن حاصل کرنے

فاذا اشیر الی احدهما قدمه — والا ہے پس جب ان میں سے کسی ایک کی طرف

فی اللحد۔ — اشارہ کر دیا جاتا تو آپ اس کو لحد میں پہلے اُتارتے

(۴) صحیح مُسلم اور سُنن نسائی میں حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر سے کچھ آواز سُنی، فرمایا :

متی مات هذا ؟ — یہ شخص کب مرا ہے ؟

قالوا مات فی الجاهلیة — لوگوں نے عرض کیا، دورِ جاہلیت میں۔

فسرّ بذلك — تو آپ کو اس سے مسرت ہوئی

(۵) مسند احمد اور مسند بزار میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک غزوہ میں حضور کی خدمت میں پنیر حاضر کیا گیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ

این صُنعت هذه ؟ — یہ کہاں کا تیار شدہ ہے ؟

فقالوا بفارس ! الخ — لوگوں نے عرض کیا کہ پارس کا بنا ہوا ہے

(۶) ابوداؤد و جامع ترمذی میں ابیض بن حمال سے مروی ہے کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ مقام مارب میں جو نمک[۱] ہے۔ وہ مجھ کو عنایت فرما دیا جائے۔ چنانچہ حضور نے درخواست منظور فرمائی۔

---

[۱] مارب میں آبِ شور کے کچھ چشمے تھے جن سے نمک تیار کیا جاتا تھا، ابیض بن حمال نے انھیں کی درخواست کی تھی۔ ۱۲ منہ

اور وہ ان کو دے دیا گیا۔ جب وہ واپس چل دیے تو حاضرین مجلس میں سے ایک صحابی نے حضورؐ سے عرض کیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے اُن کو کیا دے دیا؟

اتدری ما قطعت له یا رسول الله انما قطعت له الماء العِدّ فانتزعه منه (الترمذی ج ا ص ۱۹۶)

آپ نے تو ان کو بنا بنایا پانی (جو بلا کد و کاوش کے نمک بن سکتا ہے) دے دیا۔ تو حضورؐ نے ان سے وہ واپس لے لیا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو پہلے اس سرزمین کی مخصوص حیثیت معلوم نہیں تھی اور اسی لاعلمی کی وجہ سے وہ ابیض بن حمال کو عطا فرما دی تھی۔ لیکن جب بعد میں اُن صحابی کے عرض کرنے سے اس کی حیثیت معلوم ہوئی (کہ اس سے عام پبلک کے منافع وابستہ ہیں) تو حضورؐ نے اس کو واپس لے لیا۔

(۷) صحیح بخاری اور صحیح مُسلم اور جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دفعہ قضائے حاجت کے لیے) بیت الخلا تشریف لے گئے تو میں نے حضورؐ کے وضو کے لیے پانی بھر کر رکھ دیا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ

من وضع هذا فاُخبر فقال اللّٰهم فقِّهه فی الدِّین و علِّمه التاویل

یہ کس نے رکھا ہے؟ تو حضورؐ کو اطلاع دی گئی کہ میں نے رکھا ہے تو حضورؐ نے میرے لیے تفقہ فی الدین اور علمِ تاویلِ قرآن کی دُعا فرمائی۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اس موقع پر حضورؐ کو پانی رکھنے والے کی اطلاع

دوسروں نے دی ۔

(۸) سنن ابی داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بخار میں مبتلا تھا اور مسجد میں پڑا ہوا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ پس آپ نے فرمایا :

من احس الفتی الدوسی ثلث	کسی نے دوسی جوان (ابوہریرہ) کو دیکھا ہے؟
مرات فقال رجل یا رسول اللہ	یہ آپ نے تین دفعہ فرمایا، تو ایک شخص نے عرض
هوذا یوعك فی جانب المسجد	کیا حضرت وہ یہ ہیں! بخار میں مبتلا ہیں۔ مسجد
فاقبل یمشی حتی وصل الیّ	کے گوشہ میں ہیں۔ پس آپ میری طرف کو چلے اور
فوضع یده علیّ الخ	میرے پاس پہنچ کر اپنا دست مبارک مجھ پر رکھ دیا۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مسجد میں ہونے کی اطلاع حضورؐ کو نہ تھی۔ دوسرے شخص کے مطلع کرنے سے حضورؐ کو خبر ہوئی۔

(۹) مصنف ابن ابی شیبہ میں عبدالرحمٰن ابن الازہر سے مروی ہے کہ :

رایت رسول اللہ صلی اللہ علیه	میں نے فتح مکہ کے سال (جبکہ میں جوان لڑکا
وسلم عام الفتح و انا غلام شاب	تھا) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ خالد
یسئل عن منزل خالد بن الولید	ابن الولید کے گھر کا پتہ پوچھتے تھے۔

(۱۰) صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی اور سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے خالد بن ولید نے بیان کیا کہ میں ایک بار اپنی خالہ

حضرت میمونہؓ[1] کے پاس حاضر ہُوا، تو مَیں نے ان کے پاس بھُنی ہُوئی "گوہ" دیکھی جس کو اُن کی بہن حفیدہؓ نجد سے لائی تھیں۔ وہ گوہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی گئی اور حضورؐ کی عادت شریفہ تھی کہ جب تک کھانے کی کیفیت نہ بیان کر دی جاتی اور اس کا نام نہ بتلایا جاتا، آپ اس کی طرف بہت کم ہاتھ بڑھاتے تھے۔

وکان قلما یقدم یدہ لطعام	پس آپ نے اپنا دستِ مبارک گوہ کی طرف بڑھایا
حتی یحدث عنہ ویسمّی لہ فاھوی	تو ایک عورت نے کہا کہ حضورؐ کو بتلا دو کہ حضورؐ
بیدہ الی الضب فقالت امرأۃ	کے سامنے کیا رکھا گیا ہے (چنانچہ ازواج مطہراتؓ
اخبرن رسول اللہ صلی اللہ علیہ	میں سے جو حاضر تھیں) انھوں نے عرض کیا کہ
وسلم بما قدمتن لہ قلن ھو الضب	حضورؐ یہ گوہ ہے۔ تو آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ
یارسول اللہ فرفع یدہ الخ	اُٹھالیا۔ الخ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب وُہ گوہ حضورؐ کے سامنے رکھی گئی تو آپ کو معلوم نہ تھا کہ یہ گوہ ہے حتیٰ کہ آپ نے کھانے کے لیے ہاتھ بھی بڑھا دیا اور بعد میں جب دوسرں کے بتلانے سے اس کا علم ہوا تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا۔

(۱۱) طبرانی نے معجم کبیر میں حضرتِ بلالؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ میرے پاس معمولی درجہ کی کھجوریں تھیں۔ میں نے ان کھجوروں کو دے کر ان کے بدلے میں ان سے آدھی عمدہ کھجوریں لے لیں اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر کیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، ان سے اچھی

---

[1] حضرت میمونہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ اور خالدؓ بن ولید اور عبداللہؓ بن عباسؓ کی حقیقی خالہ ہیں۔ ۱۲ منہ

کھجوریں آج تک ہم نے نہیں دیکھیں۔ تم یہ کہاں سے لائے ہو۔ (حضرت بلالؓ کہتے ہیں)

من این ھذا لك یا بلال ؟ میں نے وُہ تبادلے کا واقعہ بیان کر دیا تو حضورؐ

فحدثتہ بما صنعت فقال انطلق نے فرمایا ابھی جاؤ اور ان کو واپس کر کے آؤ

فردّہ علی صاحبہ الخ (کیونکہ یہ ربٰو ہو گیا)۔

(۱۲) مصنّف عبدالرزاق میں حضرت ابوسعید خُدریؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں بہت عُمدہ کھجُوریں دیکھیں۔ دریافت فرمایا یہ کھجوریں تمہارے پاس کہاں سے آئیں۔ انھوں نے عرض کیا:

من این لکم ھذا ؟ قلن ابدلنا ہم نے دو صاع اپنی معمولی کھجوریں دے کر یہ

صاعین بصاع فقال (صلی اللہ ایک صاع اچھی کھجوریں لے لی ہیں۔ حضورؐ نے

علیہ وسلم) لاصاعین بصاع و فرمایا، ایک صاع کے بدلے میں دو صاع، اور

لا درھمین بدرھم الخ ایک درہم کے بدلے میں دو درہم جائز نہیں۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو اس ناجائز تبادلہ کی اطلاع دوسروں کے عرض کرنے سے ہوئی۔

(۱۳) روایت کیا ابن ابی شیبہ نے مصنّف میں اور امام احمد نے مُسند میں اور ابونعیم نے کتاب المعرفت میں حضرت عبداللہ بن سلام سے، اور عبدالرزاق نے ابواُمامہ سے اور ابن جریر نے ابن ساعدہ سے کہ

جب اہلِ قبا کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی "

ما هذا الطهور الذي قد خصصتم به في هذه الآية وفي بعض الروايات فما طهوركم وفي بعضها ان الله قد اثنى عليكم في الطهور خيرا الخ

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ قبا کو بُلا کر دریافت فرمایا کہ تمہاری وہ کیا خاص طہارت ہے جس کی تعریف خداوند تعالیٰ اپنی مقدس کتاب میں فرماتا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہم استنجا میں ڈھیلے کے ساتھ پانی کا بھی استعمال کرتے ہیں۔

(۱۴) صحیح مُسلم، جامع ترمذی، سُنن ابی داؤد اور سُنن نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے ہجرت پر حضورؐ سے بیعت کی اور حضرت کو یہ علم نہ تھا:

ولم يشعر انه عبد فجاء سيده يريده فقال له صلى الله وسلم بعنيه فاشتراه بعبدين اسودين ثم لم يبايع احدا بعده حتى يسئل اعبد هو؟

کہ وُہ غلام ہے۔ بعد میں اس کے لینے کے ارادے سے اس کا آقا آیا تو حضورؐ نے اُس سے فرمایا کہ تم اِس غلام کو ہمارے ہاتھ بیچ ڈالو۔ چنانچہ آپ نے دو حبشی غلام دے کر اس کو خرید لیا اور اس کے بعد آپ کسی کو بیعت نہیں کرتے تھے جب تک کہ یہ دریافت نہ فرما لیں کہ وُہ غلام تو نہیں ہے۔

(۱۵) صحیح بخاری اور جامع ترمذی اور سُنن ابی داؤد میں حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ (مدینہ میں سُریانی زبان کے جاننے والے صرف یہودی تھے۔ اگر کہیں سے سُریانی میں

کوئی خط آتا تو وہی پڑھتے اور کسی کو سُریانی میں کچھ لکھوانا ہوتا تو وُہ انہیں سے لکھواتا جب حضور کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو) آپ نے مجھ کو سُریانی سیکھنے کا حکم دیا اور فرمایا، خدا کی قسم میں اپنی خط و کتابت میں یہودیوں کی طرف سے مطمئن نہیں (واللہ ما آمن یہود علی کتابی) پس نصف مہینہ پورا نہیں ہُوا تھا کہ میں نے سُریانی سیکھ لی اور مجھے اس میں خاصی مہارت ہوگئی۔ پھر میں ہی آنحضرتؐ کی طرف سے یہودیوں کو خط لکھتا تھا، اور میں ہی اُن کے خطوط پڑھتا تھا۔

اس روایت میں یہودیوں کی طرف سے جس خطرے کا ذکر ہے وہ جب ہی ممکن ہے کہ حضور کو اس سُریانی زبان کا علم نہ ہو جس کا علم اس زمانہ کے یہودیوں کو تھا۔ اگرچہ اس مدعا کے لیے حضور کا اُمّی ہونا بھی کافی ہے جس کی شہادت قرآن مجید میں دی گئی ہے مگر میں نے یہ روایت اس لیے نقل کر دی کہ یہ اُس اُمیّت کی ایک عملی تفسیر ہے جس کے بعد کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔ کیونکہ تاویل صرف اقوال و الفاظ میں چل سکتی ہے نہ کہ واقعات و حالات میں۔

یہاں تک پانچ آیتوں اور پندرہ حدیثوں سے صرف یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عہد رسالت میں بہت سے جزئی واقعات پیش آتے تھے اور حضورؐ کو ان کی اطلاع نہیں ہوتی تھی اور دُوسرے لوگوں کو ہو جاتی تھی۔ لیکن صرف ان جُزئی معلومات کی وجہ سے (جن کو امور دین و دیانت اور فرائضِ نبوت و رسالت سے کوئی خاص تعلق بھی نہیں) نہ ان دُوسرے

لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم داں کہا جاسکتا ہے اور ان علوم کے عدم حصول سے حضورؐ کے کمالِ علمی میں کوئی کمی آتی ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد علیہ الرحمۃ اپنی بے نظیر تفسیر "روح المعانی" میں ارقام فرماتے ہیں :

ولا اعتقد فوات کمال بعدم العلم بحوادث دنیویۃ جزئیۃ کعدم العلم بما یصنع زیدٌ مثلاً فی بیتہ وما یجری علیہ فی یومہ وغدہٖ (روح المعانی ج ۸ ص ۳۵)	اور میں دُنیوی اور جزئی حوادث کے علم نہ ہونے کی وجہ سے کمال کے فوت ہو جانے کا قائل نہیں جیسے کہ زید کے روزمرہ کے خانگی حالات کا علم (سو ایسے علموں کے نہ ہونے سے کمال نہیں جاتا)۔

دسواں مقدمہ اگر زید کو ایک ہزار باتوں کا علم ہو اور عمرو کو لاکھوں کروڑوں باتوں کا لیکن زید کے اُن ایک ہزار معلومات میں سے دس بیس ایسے ہوں جو عمرو کو حاصل نہ ہوں تو ان دس بیس علوم کی وجہ سے (جو زید کو حاصل ہیں اور عمرو کو حاصل نہیں) زید کو علی الاطلاق "اعلم من عمرٍو" (عمرو سے زیادہ علم داں) نہیں کہا جاسکتا (دراں حالانکہ عمرو کو لاکھوں اور کروڑوں وہ علومِ عالیہ حاصل ہیں جن کی زید کو ہوا بھی نہیں لگی) البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ زید کو فلاں فلاں معلومات ہیں اور عمرو کو نہیں، مثلاً حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو شریعت کے لاکھوں اور کروڑوں علم حاصل تھے اور ابن زمانہ کو بھی علومِ شرعیہ میں خاصی دستگاہ تھی، لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے عشرِ عشیر

بھی نہیں تھی مگر فلسفۂ یونان کے متعلق جو معلومات ابن رُشد کو حاصل تھے۔ وہ یقیناً حضرت امام ابوحنیفہؒ کو حاصل نہ تھے کیونکہ ان کے زمانے میں فلسفۂ یونان عربی میں منتقل ہی نہیں ہوا تھا لیکن اس کی وجہ سے ابن رُشد کو حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اعلم نہیں کہا جا سکتا۔

علیٰ ہذا حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کو کتاب و سُنّت کے لاکھوں علوم حاصل تھے مگر تاریخ و سیر میں جو معلومات ابن خلدون اور ابن خلکان کے تھے وہ تمام بحیثیت مجموعی ان حضرات کو یقیناً حاصل نہ تھے کیونکہ ابن خلکان اور ابن خلدون کے علم میں تو بہت سے وہ تاریخی واقعات بھی تھے جو ان حضرات ائمہ کی وفات کے بعد وقوع میں آئے۔ لیکن اس کی وجہ سے ابن خلکان، ابن خلدون کو یا آج کل کے کسی مورخ کو ان ائمہ دین سے اعلم نہیں کہا جا سکتا۔ علیٰ ہذا ایک موٹر ڈرائیور کو ڈرائیوری کے متعلق اور ایک موچی کو جُنت دوزی کے متعلق جو معلومات حاصل ہوتے ہیں وہ یقیناً خود مولوی احمد رضا خانصاحب کو حاصل نہ تھے۔ لیکن میرے نزدیک کوئی اعلیٰ درجہ کا احمق بھی اس کی وجہ سے ہر موٹر ڈرائیور اور موچی کو خاں صاحب موصوف سے زیادہ وسیع العلم کہنے کی جرأت نہ کریگا۔

بہرحال جب کسی ایک شخص کو دوسرے کے اعتبار سے علی الاطلاق اعلم (زیادہ علم والا) کہا جائیگا، تو مجموعۂ علوم کے اعتبار سے اور بالخصوص علوم دینیہ شرعیہ ہی کے اعتبار سے کہا جائے گا ــــ اور اگر کوئی شخص زید کے لیے کسی خاص علم کی وسعت تسلیم کرے اور عمرو کے لیے تسلیم نہ کرے تو اس سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ اس نے زید کو عمرو سے اعلم مان لیا بالخصوص جبکہ وہ علم علوم عالیہ کمالیہ میں سے بھی نہ ہو۔ اور پھر خصوصاً جبکہ شخص مذکور

عمرو کے لیے اعلیٰ درجہ کے لاکھوں اور کروڑوں علوم ایسے مان رہا ہو جن کی ہوا بھی نہ لگی ہو ۔۔۔۔۔۔۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔

یہاں تک دس مقدمے ہوئے۔ ہم اس سلسلہ کو یہیں ختم کرتے ہیں اور اصل بحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس بحث میں بھی جواب دینے سے پہلے ہم کو مولوی احمد رضا خاں صاحب کی دیانت کا مرثیہ پڑھنا پڑتا ہے۔ اگر جناب موصوف عبارات "براہینِ قاطعہ" کے نقل کرنے اور ان کا مطلب بیان کرنے میں خیانت سے کام نہ لیتے تو آج اس کے جواب میں ہم کو اس قدر طوالت اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

"براہینِ قاطعہ" میں نہ تو مطلق علم کی وسعت میں کلام تھا۔ نہ علوم عالیہ کمالیہ کی بحث تھی۔ بلکہ صرف علمِ روئے زمین کی وسعت میں گفتگو تھی۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے ہم مشرب مولوی عبدالسمیع صاحب نے "انوارِ ساطعہ" میں شیطان و ملک الموت کے لیے اسی وسعت علمی کو دلائل سے ثابت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر قیاس کیا اور اسی قیاس کی بنا پر حضور کے لیے علم زمین کی وسعت ثابت کی تھی، اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ مصنف "براہینِ قاطعہ" نے اسی قیاس کو رد کیا ۔۔ ("براہینِ قاطعہ"، "انوارِ ساطعہ" ہی کا جواب ہے)۔

بہرحال "براہینِ قاطعہ" کی ساری بحث صرف علمِ زمین کی وسعت میں تھی، جس کو دین و دیانت اور فرائض نبوت و رسالت سے کوئی خاص تعلق نہیں (اور ایسے علوم کے متعلق بذیل مقدمہ ۶ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح ہم تفسیر کبیر سے نقل کر چکے ہیں کہ

ان میں غیرِ نبی کا علم نبی سے بڑھ سکتا ہے"۔[1]

لیکن مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنی مجددانہ تلبیس سے لکھ مارا کہ

انه قد صرح فی کتابه البراهین القاطعة ...... بان شیخهم ابلیس اوسع علما من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم

اُس نے اپنی کتاب" براہین قاطعہ" میں تصریح کی کہ ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔

غور فرمایا جائے: کہاں صرف علم زمین کی وسعت اور کہاں مطلق علم کی وسعت۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

ہم ناظرین کی سہولت کے لیے ایک مثال بھی پیش کرتے ہیں اور اُسی سے انشاء اللہ عبارتِ براہین کی پوری توضیح بھی ہو جائے گی۔

فرض کیجیے کہ مصنّف انوارِ ساطعہ کی ذہنیت رکھنے والا مولوی احمد رضا خاں صاحب کا کوئی دوسرا بھائی مثلاً "زید" کہتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو "شعر" کا علم حاصل تھا اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بہت سے فاسقوں اور کافروں کو یہ فن آتا ہے۔ امراء القیس بدترین کافر تھا اور ساتھ ہی اعلےٰ درجہ کا شاعر بھی۔ فردوسی فاسد العقیدہ شیعی تھا۔ اور فارسی کا بہترین شاعر بھی۔ پس جبکہ فاسقوں اور کافروں تک کو یہ فن حاصل ہے تو رسولِ خدا صلی اللہ

---

[1] یہ مقدمہ نمبر ۵ کے ذیل میں نہایت واضح دلائل سے ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ اگر ایسے علوم میں کسی کا دائرۂ علم زیادہ وسیع ہو تو اس کو دوسروں کے اعتبار سے علی الاطلاق اعلم نہیں کہا جا سکتا جب کسی کو دوسرے کے اعتبار سے اعلم کہا جائیگا تو علوم کمالیہ اور تبرعیہ عارمہ ہی کے اعتبار سے کہا جائیگا جیسا کہ آخری مقدمہ میں ثابت کیا جا چکا ہے۔

علیہ وسلم کو جو افضل المرسلین سید الاولین و الآخرین ہیں ضرور حاصل ہوگا۔ اس کے جواب میں مولانا خلیل احمد صاحب کا کوئی ہم مسلک مسلمان کہے کہ :

" امرأ القیس اور فردوسی کا حال تاریخ کی متواتر شہادتوں سے معلوم ہوا، اب اُس پر کسی افضل کو قیاس کر کے اس میں بھی مثل یا زائد اس مفضول سے ثابت کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں۔ اول تو عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جائیں، بلکہ قطعی ہیں قطعیات نصوص سے ثابت ہوتے ہیں کہ خبر واحد بھی یہاں مفید نہیں لہٰذا اس کا اثبات جب قابل التفات ہو کہ قطعیات سے اس کو ثابت کرے اور خلاف تمام امت کے ایک قیاس فاسد سے عقیدہ خلق کا اگر فاسد کیا چاہے تو کب قابلِ التفات ہوگا۔

دوسرے قرآن و حدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے۔

قرآنِ پاک میں ہے :

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ (سورہ یٰس)	یعنی ہم نے ان کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) شعر کا علم نہیں دیا، اور وہ ان کے لیے مناسب بھی نہیں۔

اور کتبِ حدیث میں مروی ہے کہ حضور نے مدت العمر کبھی ایک شعر بھی نہیں کہا، اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب " فتاویٰ قاضی خاں " میں ہے :

قال بعض العلماء من قال ان	جو شخص کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شعر بھی کہا ہے، وہ کافر ہے۔

قال شعرًا فقد کفر۔

تیسرے اگر افضلیت ہی اس کی موجب ہے تو تمام نیک مسلمان امرء القیس اور فردوسی سے اچھے شاعر ہونے چاہئیں ...... علیٰ ہذا القیاس غور کرنا چاہیے کہ امراء القیس اور فردوسی کا حال دیکھ کر علم شعر کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسد سے ثابت کرنا بد دینی نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔

امرأ القیس اور فردوسی کو علم شعر کی وسعت تاریخ کی متواتر شہادتوں سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم شعر کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک خلاف شریعت عقیدہ ثابت کرتا ہے۔"[1]

اس پر مولوی احمد رضا خاں صاحب کا کوئی روحانی فرزند فتویٰ دے کہ

"اس شخص نے اپنی عبارت میں تصریح کی ہے کہ امراء القیس اور فردوسی کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے ..... اور بلاشک نسیم الریاض میں فرمایا کہ جو کسی کا علم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائے اس نے بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ

---

[1] مذکورہ بالا عبارت بعینہٖ "براہین قاطعہ" کی ہے۔ البتہ خط کشیدہ الفاظ ہمارے ہیں جن میں تمثیل کی ضرورت سے کچھ ترمیم کر دی گئی ہے۔ ورنہ خاکہ بالکل براہین قاطعہ ہی کا ہے۔ ۱۲ منہ

وسلم کو عیب لگایا اور حضورؐ کی شان گھٹائی تو وُہ (حضورؐ کو) گالی دینے والا ہے[1] (لہٰذا کافر و مرتد ہے)

ناظرینِ باانصاف غور فرمائیں کہ کیا اس مفتی نے خیانت نہیں کی؟ کیا مذکورہ بالا عبارت میں مطلق علم، یا علومِ عالیہ کمالیہ کی بحث تھی؟ اور کیا شخص مذکور نے امرأ القیس اور فردوسی کے لیے مطلق علم کی یا علومِ عالیہ کمالیہ کی وسعت تسلیم کی ہے؟ اور کیا اُس نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مطلق وسعتِ علمی سے انکار کیا ہے؟ یا علوم متعلقہ نبوت و رسالت و علومِ عالیہ و کمالیہ سے اس کو انکار ہے؟ ظاہر ہے کہ ان میں سے کچھ بھی نہیں بلکہ یہاں صرف علمِ شعر کی بحث ہے۔ اُسی کی وسعت کو امرأ القیس جیسے کافر اور فردوسی وغیرہ کے لیے تسلیم کیا گیا ہے اور حضورِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی نفی کی گئی ہے! اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ شخص مذکور نے امرأ القیس جیسے کافر اور فردوسی جیسے فاسد العقیدہ کو حضورؐ سے زیادہ وسیع العلم مان لیا —— یا تو ایسے عیّار و مکّار کا کام ہے جو اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے مسلمانوں میں تفریق ڈالنا چاہتا ہے یا ایسے جاہل اور احمق کا کام ہے جو "اعلم اور اوسع علماً" کے معنی سے بھی ناآشنا ہے۔ ہم دسویں مقدمہ میں ثابت کر چکے ہیں کہ ایک کو دوسرے کے اعتبار سے اعلم (زیادہ وسیع العلم) علومِ عالیہ کمالیہ اور مجموعۂ علوم ہی کے اعتبار سے کہا جاتا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ایک موچی اور ایک موٹر ڈرائیور بلکہ نجاست

---

[1] منقولہ بالا عبارت بعینہٖ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی ہے ہم نے صرف تطبیقِ مثال کے لیے ابلیس کے بجائے امرأ القیس اور فردوسی کا نام لکھ دیا ہے۔ ۱۲ منہ

کے ایک ناپاک کیڑے کو بھی مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مقابلہ میں اعلم کہنا صحیح ہو ا
س کی تفصیل آٹھویں اور دسویں مقدمے کے ذیل میں گزر چکی ہے ۔

اگرچہ ارباب فہم کے لیے اسی قدر کافی ہے مگر بدقسمتی سے سابقہ ایسی جماعت
سے پڑا ہے جس میں جہل کی کثرت ہے اور پھر اللہ کی عنایت سے جو عُلما رہیں وُہ بھی جُہلاء
سے کمتر نہیں بلکہ بدتر ہیں۔ لہٰذا مزید تفصیل کے لیے ہم ایک مثال اور عرض کرتے ہیں۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ایک اُلّو کی عجیب وغریب کہانی بیان
فرمائی ہے :

خاں صاحب بریلوی کا کراماتی اُلّو

خاں صاحب ارشاد فرماتے ہیں :

"تین صاحب جا رہے تھے ۔ دُور سے ایک جنگل میں دیکھا کہ بہت
آدمیوں کا مجمع ہے ۔ ایک راجہ گدّی پر بیٹھا ہے ۔ جواری[1] حاضر ہیں ۔ ایک
ناچ رہی ہے شمع روشن ہے ۔ یہ صاحب تیراندازی کے بڑے مشّاق
تھے ۔ آپس میں کہنے لگے کہ اس مجلس فسق وفجور کو درہم برہم کرنا چاہیے ۔ کیا
تدبیر کی جائے ؟
ایک نے کہا کہ راجہ کو قتل کردو کہ سب کچھ اُسی نے کیا ہے ۔ دُوسرے

---

[1] یعنی پیشہ ور لونڈیاں ۔ ۱۲ ۔

نے کہا۔ اس ناچنے والی عورت کو قتل کرو۔ تیسرے نے کہا کہ اسے بھی نہ قتل کرو کہ وُہ خود نہیں آئی، راجہ کے حکم سے آئی ہے۔ اپنی غرض تو مجلس کا درہم برہم کرنا ہے۔ اس شمع کو گُل کرو۔ یہ رائے پسند ہُوئی۔ انھوں نے تاک کر شمع کی لَو پر تیر مارا، شمع گُل ہوئی۔ اب نہ وُہ راجہ رہا، نہ فاحشہ۔ نہ مجمع۔ نہایت تعجب ہُوا۔ بقیہ رات وہیں گزاری۔ جب صُبح ہوئی تو دیکھا کہ ایک اُلّو مرا پڑا ہے اور اُس کی چونچ میں وہی تیر لگا ہے تو معلوم ہُوا کہ یہ سب کام اُسی اُلّو کی رُوح کر رہی تھی۔"[1]

اب فرض کیجیے کہ خاں صاحب کا ایک مرید (علیم الدین) جو خاں صاحب کو محدّث مفسّر، فقیہ، صُوفی، حافظ۔ قاری سبھی کچھ سمجھتا ہے مگر کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو مسمریزم نہیں آتا تھا، اور ایک دوسرا مُرید (حفیظ الدین) کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو مسمریزم آتا تھا اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ بالا ملفوظ شریف سے معلوم ہُوا کہ ایک اُلّو مسمریزم کا اتنا ماہر تھا کہ اپنی ایک نگاہ میں اچھا خاصہ بھان متی کا تماشا دکھاتا تھا تو ہمارے اعلیٰ حضرت مجدّدِ ملّت جو خدا کے بڑے مقبول بندے تھے اور اس اُلّو سے یقیناً ہزاروں بلکہ لاکھوں درجہ افضل تھے تو بھلا ان کو کیوں نہیں آتا ہوگا۔ اس پر علیم الدین کہتا ہے کہ اُلّو کی مسمریزم دانی تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے ملفوظ شریف سے معلوم ہوئی مگر اعلیٰ حضرت کی مسمریزم دانی کا کیا ثبوت ہے؟ اور اعلیٰ حضرت کو اُلّو پہ قیاس کرنا —— قیاس نارسید

---

[1] جناب خاں صاحب نے یہ قصہ مسمریزم کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے ملاحظہ ہو ملفوظات حصہ چہارم مطبوعہ حسنی پریس بریلی۔ ۱۲ منہ

محیطِ زمین کا فخرِ عالم کو خلاف نصوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدسے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے

اس فقرے میں "علم محیط زمین" کا لفظ موجود ہے جس کے بعد کوئی شبہ ہی نہیں رہتا مگر خان صاحب کی دیانت ملاحظہ ہو کہ آپ نے "حسام" میں اس فقرے کا آخری خط کشیدہ جُز یعنی صرف "خبر" تو نقل کر دی۔ لیکن پہلا جُز یعنی مُبتدا جس میں علم محیطِ زمین کی تصریح تھی صاف ہضم کر گئے، اور اس پر آپ کا لقب ہے مجدد مائۃ حاضرہ، مویدِ ملت طاہرہ وغیرہ وغیرہ۔

پھر اسی جگہ اسی قسم کی ایک اور خیانت ملاحظہ ہو۔ خاں صاحب کی نقل کردہ عبارت براہین سے ٹھیک دو سطر کے بعد اُسی صفحہ پر یہ عبارت شروع ہوتی ہے:

"پس اعلیٰ علیین میں رُوحِ مبارک علیہ السلام کے تشریف رکھنے اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا اِن امُور میں ملک الموت کے برابر بھی ہو چہ جائیکہ زیادہ۔"

اس عبارت میں بھی "اِن امور" کا لفظ صاف بتلا رہا ہے کہ بحث صرف علمِ رُوئے زمین کی ہے نہ مطلق علم کی۔ نہ علومِ عالیہ کمالیہ کی جن پر فضلِ انسانی کا مدار ہے۔ لیکن خاں صاحب نے اس عبارت کو بھی صاف اُڑا دیا۔

بہرحال براہینِ قاطعہ میں یہ تمام تصریحات ہوتے ہوئے بھی (جن سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں بحث صرف علمِ رُوئے زمین کی ہے نہ مطلق علم کی) خاں صاحب نے بے دریغ

(بلکہ نہایت بیہودہ حرکت) ہے۔

تو کیا خاں صاحب کے کسی مُرید یا وارث کو حق پہنچتا ہے کہ اس غریب علیم الدین پر اعلیٰحضرت کے علم کی تنقیص کا دعویٰ دائر کردے اور یہ کہے کہ اس نے ایک اُلّو کو حضُور پُرنور اعلیٰحضرت عظیم البرکت مجدد الملّت صلّی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیہ وسلم۔ سے زیادہ وسیع العلم مان لیا ــــــ مَیں تو سمجھتا ہوں کہ ایسا سمجھنے والا اور کہنے والا ہی اُلّو ہے، اور اگر بیچارے علیم الدین کو رضاخانی برادری سے خارج کرنے کے لیے دانستہ طور پر ازراہِ عیاری اُس کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتا ہے تو اعلیٰ درجہ کا فریبی اور پلّے سرے کا خائن ہے۔

بہرحال خاں صاحب کی پہلی خیانت تو یہ ہے کہ براہینِ قاطعہ میں ایک خاص علم کی وسعت یعنی علم روئے زمین کی وسعت میں کلام تھا۔ اُسی کو مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مشربی بھائی مولوی عبد السمیع صاحب نے شیطان اور ملک الموت کے لیے دلائل سے ثابت کر کے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنا بر فضیلت قیاس سے ثابت کیا تھا اور مصنّفِ براہین نے اسی قیاس کو رد کیا تھا۔ نیز عبارت میں ایسے الفاظ بھی موجود تھے جنھوں نے بحث کو صرف علم زمین کے ساتھ مخصُوص کر دیا تھا چنانچہ براہینِ قاطعہ کے صفحہ ۵۱ سے خاں صاحب نے جو فقرہ نقل کیا ہے، اس کے شروع میں یہ الفاظ موجود ہیں:

"الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم

لہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مریدین و متبعین یوں ہی کہتے ہیں۔

یکھ مارا کہ:

"اس نے اپنی کتاب براہین قاطعہ میں تصریح کی کہ ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ ہے۔"

یہاں تک خاں صاحب کی پہلی خیانت کا ذکر تھا اور اس کے ضمن میں موصوف کے پہلے اعتراض کا شافی جواب بھی ہو گیا جس کے بعد کسی منصف بلکہ متعنت او متعصب کو بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ فللہ الحمد!

حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ براہین قاطعہ میں ملک الموت اور شیطان کے لیے (ان دلائل کی بنا پر جو مولوی عبد السمیع صاحب مصنف انوار ساطعہ نے پیش کیے ہیں) صرف علم زمین کی وسعت تسلیم کی گئی ہے اور اسی مخصوص وسعت کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غیر ثابت بالنص کہا گیا ہے اس کو مطلق وسعت علمی کے انکار پر محمول کرنا اور یہ نتیجہ نکالنا کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کو شیطان کے علم سے کم بتلا دیا صرف اسی جاہل اور احمق کا کام ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم عالی کو اسی عالم سفلی میں محدود سمجھتا ہو لیکن جس کے نزدیک آپ کے علم کی پرواز عرش و کرسی سے بھی بالاتر ہو وہ ایسی حماقت کا ارتکاب کیونکر کر سکتا ہے؟

اگر آج کوئی شخص کہے کہ تعمیرات کے فن میں فلاں یورپین انجنیئر کے معلومات حضرت امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ وسیع ہیں تو کوئی احمق سے احمق بھی یہ نہیں کہے گا کہ اس شخص نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے علم کو اس کافر انجنیئر کے علم سے گھٹا دیا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص

پس اگر اس عالم سفلی کے کچھ علوم شیطان کو حاصل ہوں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو حاصل نہ ہوں تو کون احمق اور شیطان کا کون سا اُمتی ہوگا جو صرف علوم سفلیہ کی وجہ سے شیطان کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی دوسرے نبی علیہ السلام سے زیادہ وسیع العلم کہہ دے دراں حالیکہ علوم الہیہ اور معارف ربانیہ سے ان کو وہ وافر حصہ ملا ہے جو کسی مقرب سے مقرب فرشتہ کو بھی نصیب نہیں۔

ہم مقدمات کے ذیل میں اس موضوع پر کافی سے زیادہ روشنی ڈال چکے ہیں۔ اب یہاں صرف ایک چیز اور عرض کرتے ہیں اور اسی پر انشاء اللہ اس بحث کا خاتمہ ہے دشمنان صداقت سے تو ہمیں کوئی توقع نہیں، ہاں جن حق پسندوں کو اللہ تعالیٰ توفیق دے اُن سے ضرور قبول حق کی اُمید ہے ملاحظہ ہو:

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی صفائی میں

مولوی عبدالسمیع و مولوی احمد رضا خاں صاحبان کی زبردست شہادت

بُرا ہے مُدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہِ کنعاں کا

ہمارے بیانِ سابق سے یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ مُصنف براہین قاطعہ کا جُرم صرف اس قدر ہے کہ اُس نے ایک خاص علم یعنی علم زمین کی وسعت (بنا بر ان دلائل کے جو آپ کے مولوی عبدالسمیع صاحب نے انوار ساطعہ میں پیش کیے ہیں) ملک الموت اور شیطان کے

(۱) مولوی عبدالسمیع صاحب اس عبارت کی وجہ سے کافر ہوئے یا نہیں؟

(۲) اور خود خاں صاحب اُس پر تقریظ لکھنے کی وجہ سے کہاں پہنچے؟

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو دیدۂ بصیرت دے۔ آپ حضرات نے مصنف براہین قاطعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت دیکھی؟ اُن خاں صاحب نے جو الزام ان پر رکھا تھا، وہ خود ہی اُس میں گرفتار ہو گئے۔

اس وقت ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں اور مناسب سمجھتے ہیں کہ خاتمۂ بحث میں رسالہ "التصدیقات لدفع التلبیسات" سے مصنف براہین قاطعہ (علیہ الرحمہ) کا وُہ کلام بھی نقل کر دیں جو آں مرحوم نے خاں صاحب کے اسی شیطان والے بُہتان کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔

جب مولوی احمد رضا خاں صاحب اپنی محنت اور کمائی کا یہ نتیجہ (فتویٰ کفر) لے کر حرمین شریفین پہنچے اور وہاں سے ان علمائے کرام سے جو حقیقت حال سے ناواقف تھے دھوکا دے کر تصدیق کرالی اور حرمین شریفین میں بھی علمائے دیوبند کے متعلق یہ چرچے ہوئے تو وہاں کے بعض اہل علم نے حضرات علمائے دیوبند و سہارنپور سے اُن کے عقائد کے متعلق چھبیس سوال کیے ان سوالوں کا جواب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مصنف براہین قاطعہ نے تحریر فرمایا۔ پھر یہ مجموعہ بغرض تصدیق و توثیق حرمین شریفین، شام، دمشق، حلب، مصر وغیرہ بلادِ اسلامیہ کے علمائے کرام کی خدمت میں بھیجا گیا اور ان علمائے کرام و مفتیانِ عظام نے اس کی تصدیق و تصویب فرمائی اور پھر وُہ جواب مع ان تصدیقات کے

کسی کو فلاں شرابی کو شراب کے متعلق بہت کچھ معلومات ہیں اور فلاں غوث و قطب کو وہ معلومات حاصل نہیں تو اس سے ہرگز یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس شخص نے اس شرابی کو غوث و قطب سے زیادہ وسیع العلم مان لیا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ گمراہ کرنے کے لیے شیطان کو جن وسائل کی ضرورت تھی (بندوں کی آزمائش کے لیے) حق تعالیٰ نے وہ سب اس کو عنایت فرمائے۔ قیامت تک کی عمر دی۔ وہ عجیب و غریب قدرت دی کہ انسان کی رگ و پے میں خون کی طرح دوڑ سکے بندگانِ خدا کو گمراہ کرنے کے لیے جس علم کی ضرورت تھی، وہ بھرپور دیا تاکہ وہ اپنی ابلیسانہ کوششیں ختم کر لے اور دنیا دیکھ لے کہ "عباد الرحمن" کے مقابلے میں اس کے سارے ہتھیار کس طرح بیکار رہتے ہیں۔

اس کو ضرورت ہے کہ بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لیے ان کے امیال و عواطف (جذبات و خواہشات) سے واقف ہو، اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ فلاں جگہ تنہائی میں ایک نوجوان عورت ہے اور فلاں آوارہ نوجوان کو اس تدبیر سے وہاں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ فلاں جگہ مجلسِ رقص ہے اور شوقین مزاج نوجوانوں کا فلاں جگہ مجمع ہے اور اس حیلہ سے ان کو اس مجلسِ فواحش میں بھیجا جا سکتا ہے۔ بہرکیف اس کو ان شیطانی امور کی تکمیل کے لیے اس عالمِ سفلی کے وسیع معلومات کی ضرورت ہے لیکن مقربانِ بارگاہِ خداوندی کو ان لغویات سے کیا غرض؟ ان کا کام تو ارشاد و ہدایت ہے اور اس کے لیے جن پاکیزہ علوم کی ضرورت ہے وہ حق تعالیٰ نے ان کو بے نہایت عطا فرمائے۔

لیے تسلیم کی ہے اور اسی وسعت علمی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غیر ثابت بالنص کہا ہے لیکن ——— ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

ذرا اسی بحث میں انوارِ ساطعہ کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں :

"اور تماشا یہ کہ اصحاب محفلِ میلاد تو زمین کی تمام پاک ناپاک مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعوٰے کرتے۔ ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اُس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک، ناپاک، کفر، غیر کفر میں پایا جاتا ہے"

کہیے! اتنی صفائی کے ساتھ تو مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی نہیں کہا۔ انھوں نے تو صرف علم زمین کی اُس مخصوص وسعت کو غیر منصوص بتلایا تھا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے یہ مشربی بھائی مولوی عبد السمیع صاحب تو صاف فرماتے ہیں کہ "ملک الموت اور شیطان کا حاضر ہونا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہی نہیں بلکہ) زیادہ تر مقامات میں پایا جاتا ہے۔ منقولہ بالا عبارت انوارِ ساطعہ کے اُس پہلے ایڈیشن میں بھی ہے جو براہینِ قاطعہ سے پہلے شائع ہوا ہے، اور اس میں بھی جو بعد میں مولوی عبد السمیع صاحب کی نظرِ ثانی اور ترمیم کے بعد شائع ہوا ہے اور جس پر مولوی احمد رضا خاں صاحب کی تقریباً چار صفحہ کی تقریظ بھی ہے جس میں مولوی عبد السمیع صاحب اور ان کی انوارِ ساطعہ کی تعریف میں خوب زمین آسمان کے قلابے ملائے گئے ہیں۔ لہٰذا مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اخلاف و متبعین فرمائیں کہ :

چھپوا دیا گیا اور اسی زمانہ میں "التصدیقات لدفع التلبیسات" کے نام سے اس کا پہلا اڈیشن مع ترجمہ کے شائع ہو گیا۔ پھر اس کے بعد سے اس وقت تک اس کے بہت سے اڈیشن نکل چکے ہیں۔

اس میں انیسواں سوال مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اسی شیطان والے بہتان کے متعلق ہے۔ ذیل میں ہم وہ سوال وجواب بجنسہٖ نقل کرتے ہیں۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے کہ ہم نے جو کچھ اس بحث میں لکھا ہے وہ درحقیقت اسی اجمالی جواب کی تفصیل ہے جو خود مصنف براہین نے اپنی زندگی میں دیا ہے

السؤال التاسع عشر	انیسواں سوال [19]
اتدرون ان ابلیس اللعین اعلم	کیا تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ ملعون شیطان کا علم
من سید الکائنات علیه السلام	سید الکائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے زیادہ اور
واوسع علما منه مطلقا وهل	مطلقاً وسیع تر ہے اور کیا یہ مضمون تم نے اپنی
کتبتم ذٰلك فی تصنیف ما وبم	کسی تصنیف میں لکھا ہے جس کا یہ عقیدہ ہو تو
تحکمون علی من اعتقد ذٰلك۔	اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب	جواب
قد سبق منا تحریر هذه المسئلة	اس مسئلہ کو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام
ان النبی علیه السلام اعلم الخلق	کا علم حِکَم و اسرار وغیرہ کے متعلق مطلقاً تمامی
علی الاطلاق بالعلوم والحکم و	مخلوقات سے زیادہ ہے اور ہمارا یقین ہے کہ

الاسرار وغيرها من ملكوت
الآفاق و نتيقن ان من قال ان
فلانا اعلم من النبي عليه السلام
فقد كفر وقد افتى مشائخنا بتكفير
من قال ان ابليس اللعين اعلم من
النبي عليه السلام فكيف يمكن ان توجد
هذه المسألة في تاليف ما من كتبنا
غير انه غيبوبة بعض الحوادث الجزئية
الحقيرة عن النبي عليه السلام لعدم
التفاته اليه لا يورث نقصا ما في
اعلميته عليه السلام بعد ما ثبت
انه اعلم الخلق بالعلوم الشريفة اللائقة
بمنصبه الاعلى كما لا يورث الاطلاع
على اكثر تلك الحوادث الحقيرة لشدة
التفات ابليس اليها شرفا وكمالا
علميا فيه فانه ليس عليها مدار
الفضل والكمال ومن ههنا لا يصح

جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی کریم علیہ السلام سے
اعلم ہے وہ کافر ہے اور ہمارے حضرات اس
شخص کے کافر ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں جو
یوں کہے کہ شیطان ملعون کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ
ہے پھر بھلا ہماری کسی تصنیف میں یہ مسئلہ کہاں پایا
جا سکتا ہے۔ ہاں کسی جزئی حادثہ حقیرہ کا حضرت
کو اس لیے معلوم نہ ہونا کہ آپ نے اس کی
جانب توجہ نہیں فرمائی۔ آپ کے اعلم ہونے میں کسی
قسم کا نقصان پیدا نہیں کر سکتا جب کہ ثابت ہو
چکا کہ آپ ان شریف علوم میں جو آپ کے منصب
اعلیٰ کے مناسب ہیں ساری مخلوق سے بڑھے
ہوئے ہیں جیسا کہ شیطان کو بہتیرے حقیر حادثوں
کی شدت التفات کے سبب اطلاع مل جانے
اس مردود میں کوئی شرافت اور علمی کمال حاصل نہیں
ہو سکتا کیونکہ ان پر فضل و کمال کا مدار نہیں ہے
اس سے معلوم ہوا کہ یوں کہنا کہ شیطان کا علم
سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم

ان یقال ان ابلیس اعلم من سیدنا	سے زیادہ ہے ہرگز صحیح نہیں جیسا کہ کسی ایسے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما لا	بچہ کو جسے کسی جزئی کی اطلاع ہو گئی ہے یوں کہنا
یصح ان یقال لصبی علم بعض الجزئیة	صحیح نہیں کہ فلاں بچہ کا علم اُس متبحر محقق سے
انه اعلم من اعلم متبحر محقق فی	زیادہ ہے جس کو جملہ علوم و فنون معلوم ہیں مگر
العلوم والفنون الذی غابت عنه	یہ جزئی معلوم نہیں اور ہم ہدہد کا سیدنا سلیمان
تلك الجزئیات ولقد تلونا علیك	علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والا قصہ بتا
قصة الهدهد مع سلیمان علی	چکے ہیںعہ۔ اور یہ آیت پڑھ چکے ہیں کہ مجھے وہ
نبینا وعلیه السلام وقوله احطت	اطلاع ہے جو آپ کو نہیں" اور کتب حدیث و
بما لم تحط به ودواوین الحدیث و	تفسیر اس قسم کی مثالوں سے لبریز ہیں نیز حکماء کا
دفاتر التفسیر مشحونة بنظائرها المتکاثرة	اس پر اتفاق ہے کہ افلاطون و جالینوس وغیرہ
المشتهرة بین الانام وقد اتفق الحکماء	بڑے طبیب ہیں جن کو دواؤں کی کیفیت و
علی ان افلاطون وجالینوس وامثالهما	حالات کا بہت زیادہ علم ہے اور یہ بھی

عہ یہ واقعہ سورۂ نمل میں مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت سلیمانؑ نے ہدہد کو غیر حاضر پایا تو [illegible] زیادہ ناراضی کا اظہار فرمایا جب وہ ہدہد حاضر ہوا تو اس نے کہا کہ میں ملک سبا سے ایک نہایت عظیم الشان خبر معلوم کر کے لایا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں [illegible] معلوم ہوا کہ [illegible] بعض باتیں معلوم ہو سکتی ہیں جو نبی وقت کے علم میں نہ ہوں

عہ ہم [illegible] حضرت [illegible] [illegible] [illegible] پیش کر چکے ہیں ۱۲

من اعلم الاطباء بكيفيات الادوية
واحوالها مع علمهم ان ديدان النجاسة
اعرف باحوال النجاسة وذوقها وكيفياتها
فلم تضر عدم معرفة افلاطون وجالينوس
هذه الاحوال الردية في اعلميتهما ولم
يرض احد من العقلاء والحمقى بان
يقول ان الديدان اعلم من افلاطون
مع انها اوسع علما من افلاطون باحوال
النجاسة ومبتدعة ديارنا يثبتون
للذات الشريفة النبوية عليه الف
الف تحية وسلام جميع علوم الاسافل
الاراذل والافاضل الاكابر قائلين
انه عليه السلام لما كان افضل
الخلق كافة فلا بد ان يحتوي على
علومهم جميعها كل جزئي جزئي و
كلي كلي ونحن انكرنا اثبات هذا
الزعم بهذا القياس الفاسد بغير

معلوم ہے کہ نجاست کے کیڑے نجاست کی حالت
اور مزے اور کیفیت سے زیادہ واقف ہیں
تو افلاطون و جالینوس کا ان ردی حالات
سے ناواقف ہونا ان کے اعلم ہونے کو مضر
نہیں اور کوئی عقلمند بلکہ احمق بھی یہ کہنے پر
راضی نہ ہوگا کہ کیڑوں کا علم افلاطون سے زیادہ
ہے حالانکہ ان کا نجاست کے احوال سے افلاطون
کی بہ نسبت زیادہ واقف ہونا یقینی امر ہے اور
ہمارے ملک کے مبتدعین سرورِ عالم صلی اللہ علیہ
وسلم کے لیے تمام شریف و ادنی و اعلی و اسفل
علوم ثابت کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ جب
آنحضرتؐ ساری مخلوق سے افضل ہیں تو ضرور
سب ہی کے علوم جزئی ہوں یا کلی آپ کو معلوم
ہوں گے اور ہم نے بغیر کسی معتبر نص کے محض
اس فاسد قیاس کی بنا پر اس علم کلی و جزئی
کے ثبوت کا انکار کیا۔ ذرا غور تو فرمائیے ہر
مسلمان کو شیطان پر فضل و شرف حاصل ہے پس

نص من النصوص المعتد بها الا
ترى ان كل مومن افضل و اشرف
من ابليس فيلزم على هذا القياس
ان يكون كل شخص من آحاد الامة
حاويا على علوم ابليس ———
——— ويلزم على ذلك ان يكون
سليمان على نبينا وعليه السلام
عالمًا بما علمه الهدالهد و ان
يكون افلاطون وجالينوس عارفين
بجميع معارف الديدان و اللوازم
باطلة باسرها كما هو المشاهد هذا
خلاصة ما قلناه في البراهين القاطعة
نعروق الاغبياء المارقين القاصمة
لاعناق الدجاجلة المفترين فلم
يكن بحثنا فيه الا عن بعض الجزئيات
المستحدثة ومن اجل ذلك اتينا
فيه بلفظ الاشارة حتى تدل ان

اس قیاس کی بنا پر لازم آئے گا کہ ہر امتی بھی
شیطان کے ہتھکنڈوں سے آگاہ ہو اور لازم آئیگا
کہ سلیمان علیہ السلام کو خبر ہو اس واقعہ کی
جسے ہدہد نے جانا اور افلاطون و جالینوس
واقف ہوں۔ کیڑوں کی تمام واقفیتوں سے
اور سارے لازم باطل ہیں چنانچہ مشاہدہ ہو
رہا ہے۔ یہ ہمارے قول کا خلاصہ ہے جو براہین
قاطعہ میں بیان کیا ہے جس نے کند ذہن بددینوں
کی رگیں کاٹ دیں اور دجال و مفتری گروہ کی
گردنیں توڑ دیں سو اس میں ہماری بحث صرف
بعض حوادث جزئی میں تھی اور اسی لیے اشارہ
کا لفظ ہم نے لکھا تھا تاکہ دلالت کرے کہ
نفی و اثبات سے مقصود صرف یہ ہی جزئیات
ہیں لیکن مفسدین کلام میں تحریف کیا کرتے ہیں
اور شاہنشاہی محاسبہ سے نہیں ڈرتے ہیں
اور ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اس کا
قائل ہو کہ فلاں کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ

المقصود بالنفي والاثبات هنالك تلك الجزئيات لاغير لكن المفسدين يحرفون الكلام ولا يخافون محاسبة الملك العلام وانا جازمون ان من قال ان فلانا اعلم من النبي عليه السلام فهو كافر كما صرح به غير واحد من علمائنا الكرام ومن افترى علينا بغير ما ذكرناه فعليه بالبرهان خائفا عن مناقشة الملك الديان والله على ما نقول وكيل .

ہے وہ کافر ہے چنانچہ اس کی تصریح ایک نہیں ہمارے بہتیرے علماء کر چکے ہیں اور جو شخص ہمارے بیان کے خلاف ہم پر بہتان باندھے اس کو لازم ہے کہ شاہنشاہ روزِ جزا سے خائف بن کر دلیل بیان کرے اور اللہ ہمارے قول پر وکیل ہے ۔

للہ انصاف ! کیا خود مصنف براہین کے اس جواب کے بعد بھی اس بہتان کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے ۔ لا واللہ الحساب یوم الحساب ۔

براہینِ قاطعہ پر مولوی احمد رضا خانصاحب کے دوسرے اعتراض کا جواب | مؤلف براہینِ قاطعہ حضرت مولٰنا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر

خاں صاحب بریلوی کا دوسرا سنگین اعتراض یہ تھا کہ انھوں نے شیطان کے لیے علمِ محیط تسلیم کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اسی علم کے اثبات کو شرک کہا حالانکہ جس چیز کا کسی ایک مخلوق کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔ دوسری تمام مخلوقات کے لیے بھی اس کا

اثبات شرک ہی ہوگا تو گویا مصنف "براہین قاطعہ" نے شیطان کو نعمہ کا شریک مان لیا (سبحان اللہ وبحمدہ) لیکن اگر ناظرین کرام غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ خاں صاحب کا یہ اعتراض پہلے سے بھی زیادہ غلط اور بے بنیاد ہے اور اس کو حقیقت سے اتنا ہی بعد ہے جتنا کہ نفقہ اور اُن کے فتوے کو دیانت وصداقت سے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ براہین قاطعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم ذاتی کے اثبات کو شرک بتلایا گیا ہے اور (اُن دلائل کے موجب جو خاں صاحب کے مشرکی بھائی مولوی عبدالسمیع صاحب نے "انوارِ ساطعہ" میں پیش کیے ہیں) شیطان کے لیے صرف علم عطائی تسلیم کیا گیا ہے، اور شرک علم ذاتی ثابت کرنے سے لازم آتا ہے جیسے کہ پہلے مقدمہ کے ذیل میں ہم خود خاں صاحب کی تصریحات سے اس کو ثابت کر چکے ہیں۔

براہین قاطعہ میں جا بجا ایسی تصریحات موجود ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کے لیے صرف علم عطائی تسلیم کیا گیا ہے اور شرک علم ذاتی کے اثبات کو کہا گیا ہے۔ (جس سے خاں صاحب کو بھی اختلاف نہیں) مگر افسوس ہے ان کی اس مجددانہ دیانت پر کہ براہین قاطعہ کی ان تمام تصریحات سے چشم پوشی کرتے ہوئے صاحب براہین کے متعلق صاف لکھ ڈالا کہ:

"ابلیس کے لیے تو زمین کے علم محیط پر ایمان لایا ہے اور جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر آیا تو کہتا ہے یہ شرک ہے۔ حالانکہ شرک تو اسی کا نام ہے کہ اللہ عزوجل کے لیے کوئی شریک ٹھہرایا جائے تو جس چیز کو مخلوق

میں سے کسی ایک کے لیے ثابت کرنا شرک ہو تو وہ تو تمام جہان میں جس کے لیے ثابت کی جائے یقیناً شرک ہوگا:

ہم کو خاں صاحب کے اس کلیہ سے اتفاق کلی ہے کہ مخلوق میں سے کسی ایک کے لیے جس کا اثبات شرک ہے وہ تمام جہان میں سے جس کے لیے بھی ثابت کی جائے یقیناً شرک ہوگا (یہ نہیں ہو سکتا کہ مشرکین عرب اگر اپنے بتوں کے لیے تصرف ثابت کریں تو شرک ہو اور مشرکین ہند قبروں یا قبر والوں کے لیے یہی تصرف ثابت کریں تو شرک نہ ہو اور اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جو امور خارق عادت طاقت بشریہ سے خارج ہیں مثلاً اولاد دینا، کاروبار میں نفع دینا، بارش برسانا وغیرہ وغیرہ ان امور میں بتوں سے مدد مانگنا تو شرک ہو اور زندہ یا مردہ بزرگوں سے مدد مانگنا اور ان کو خاص با اختیار سمجھنا شرک نہ ہو جیسا کہ قبر پرستوں کا خیال ہے۔)

یہاں مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اس کلیہ سے ہم کو بالکل اتفاق ہے لیکن صاحب براہین پر اس کو چسپاں کرنا۔ خاں صاحب کی وہی مخصوص کارروائی ہے جس کو خیانت یا تحریف کہتے ہیں۔

علاوہ ازیں ذاتی اور عطائی فرق کے اس موقع پہ خاں صاحب نے ایک کھلا افترا یہ کیا کہ صاحب براہین نے شیطان کے لیے علم محیط مان لیا۔ حالانکہ یہ وہ جھوٹ ہے جس میں سچائی کا شائبہ تک نہیں۔

مگر افسوس ہے کہ رضاخانی جماعت میں کوئی بھی دیانتدار اور راستباز بھی نظر نہیں آتا

جو اپنے مقتدا کی اس قابلِ نفرت حرکت کو اگر خیانت نہیں تو نادانستہ غلطی ہی تسلیم کرلے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے برادرِ مشربی مولوی عبدالسمیع صاحب نے انوارِ ساطعہ میں شیطان کے علم کی وسعت ثابت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

"درِ مختار کے مسائلِ نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولادِ آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے۔ علامہ شامیؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے۔ مگر جس کو اللہ نے بچالیا۔ بعد اس کے لکھا ہے۔ واقدرہ علی ذالك كما اقدر ملك الموت على نظير ذالك۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا ہے" انتھی کلامہ (انوارِ ساطعہ)

پس مولوی عبدالسمیع صاحب کی اس دلیل سے شیطان کے لیے جتنا علم ثابت ہوتا ہے اس کو بےشک مولانا خلیل احمد صاحب نے تسلیم کیا ہے۔ اگر اسی کو مولوی احمد رضا خاں صاحب روئے زمین کا علم محیط سمجھتے ہیں، تو یہ ان کی علمی قابلیت ہے جس کی داد اہلِ علم ہی دیں گے ورنہ کجا شیطان کا آدمیوں کے ساتھ رہنا اور کجا روئے زمین کا علمِ محیط جس کے لیے ذرے ذرے قطرے قطرے اور پتے پتے کا علم ضروری ہے۔

اور اگر خاں صاحب کی خاطر اسی کو علمِ محیط مان لیا جائے تو بھی شیطان کے علمِ محیط پر پہلے ایمان لانے والے بلکہ دوسروں کو ایمان لانے کی دعوت دینے والے خاں صاحب کے

برادرِ بزرگوار مولوی عبدالسمیع صاحب ٹھہریں گے اور اس کفر و شرک کے فتوے کے اولین مصداق وہی ہوں گے کیونکہ انھوں نے ہی شیطان کے لیے یہ وسعت علم دلائل سے ثابت کی ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ تو صرف " مسلّمنا " کہنے والے ہیں۔ بہرحال خاں صاحب نے اس موقع پر ایک افترا تو یہ کیا کہ بالکل خلاف واقعہ مصنفِ براہین کے متعلق لکھ دیا کہ " ابلیس کے لیے زمین کے علم محیط پر ایمان لایا " اور دوسری خیانت یہ کی کہ براہین قاطعہ میں شیطان کے لیے مولوی عبدالسمیع صاحب کے پیش کردہ دلائل کے بموجب صرف علم عطائی تسلیم کیا گیا تھا، اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم ذاتی ثابت کرنے کو شرک قرار دیا تھا۔ جناب خاں صاحب نے یہ ذاتی اور عطائی کا زبردست فرق بالکل ہی نظر انداز کر دیا۔ اب ہم ان دونوں باتوں کا ثبوت عرض کرتے ہیں کہ تسلیم علم عطائی کیا گیا ہے اور شرک علم ذاتی کو کہا گیا ہے۔

امرِ اوّل کا ثبوت | براہینِ قاطعہ کی اسی بحث بلکہ اسی قول میں صفحہ ۵۰ کی چودھویں سطر میں ہے : " شیطان کو جس قدر وسعت علم دی " الخ

پھر اسی کے چار سطر بعد ہے :

" اور شیطان و ملک الموت کو جو یہ وسعت علم دی " الخ

ان دونوں فقروں میں تصریح ہے کہ شیطان کے لیے علم کی جو وسعت تسلیم کی گئی ہے وہ خدا کی دی ہوئی ہے۔

امرِ دوم کا ثبوت | پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مصنف براہینِ قاطعہ اس بحث میں اس قلیس

کو رد فرما رہے ہیں کہ جب شیطان اور ملک الموت کو علم کی یہ وسعت حاصل ہے (جو انوارِ ساطعہ کے حوالہ سے مذکور ہو چکی) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فضیلت کی وجہ سے اس سے زیادہ یعنی روئے زمین کا علم خود ہی بہ پا کیوں ۔۔۔ اور اسی خیال کو صاحب براہین نے شرک قرار دیا ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد ملاحظہ ہو

براہینِ قاطعہ میں جس جگہ یہ بحث ہے اس کی پہلی سطر ہے :

"تمام امت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب فخرِ عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوقات کو جس قدر علم حق تعالیٰ نے عنایت کر دیا اور بتلا دیا اس سے ایک ذرہ زیادہ کا بھی علم ثابت کرنا شرک ہے۔ سب کتب شرعیہ سے یہی مستفاد ہے۔"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صاحب براہین کے نزدیک صرف اس علم کا ثابت کرنا شرک ہے جو علاوہ عطاءِ خداوندی کے کسی مخلوق کے لیے ثابت کیا جائے اور اسی کا نام علمِ ذاتی ہے۔ پھر اسی بحث میں کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں :

"عقیدہ اہلسنت کا یہ ہے کہ کوئی صفت حق تعالیٰ کی بندے میں نہیں ہوتی اور جو کچھ اپنی صفات کا ظل کسی کو عطا فرماتے ہیں اس سے زیادہ ہرگز کسی میں ہونا ممکن نہیں ۔۔۔۔۔ پھر جس کو جس قدر علم عطا فرما دیا ہے اس سے زیادہ وہ ہرگز ذرہ بھر بھی نہیں بڑھ سکتا۔ شیطان اور ملک الموت کو جس قدر وسعت دی (جس کو مولوی عبدالسمیع صاحب نے دلائل سے ثابت کیا ہے)

"اور یہ بحث اس میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے جیسا جہلا کا یہ عقیدہ ہے۔ اگر یہ یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں مگر بدوں ثبوتِ شرعی کے اس پر عقیدہ درست بھی نہیں"

غور فرمایا جائے مصنفِ براہین نے کتنی وضاحت کے ساتھ اس کو بیان کر دیا کہ شرک کا حکم صرف اس صورت میں ہے جب کوئی شخص حضور کے لیے علم ذاتی ثابت کرے۔[1]

اور ہم پہلے مقدمہ کے ذیل میں "الدولة المکیة" اور "خالص الاعتقاد" کے حوالہ سے خود خانصاحب کی تصریح نقل کر چکے ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ کے سوا کسی کے لیے بھی ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر کا علم ذاتی ثابت کرے تو وہ مشرک ہے۔

---

[1] مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنے رسالہ "السوء الاحمر" میں براہین قاطعہ کی اس عبارت پر بڑا پیچ و تاب کھایا ہے اور بہت زیادہ زور اس پر دیا ہے کہ مولوی عبدالسمیع صاحب نے انوار ساطعہ میں کہیں علم ذاتی ثابت نہیں کیا۔ پس ان کے جواب میں علم ذاتی کا ابطال کسی طرح امرِ معقول نہیں۔ نیز دوسرے رضاخانی صاحبان بھی اس بحث میں ان ہی کی پیروی میں یہی کہا کرتے ہیں۔ سرِ دست اس کے متعلق ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ یہ بات تو صاحب براہین کی تصریحات سے ثابت ہے کہ شرک کا حکم صرف علم ذاتی کے اثبات پر ہے۔ اب یہ کہنا کہ جانب مخالف جب اس کا مثبت نہیں تو اس کا ابطال اور شرک کا حکم لگانا کیسا؟ ایک الگ علمی بحث ہے جس کا مبحث تکفیر سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اگر تکفیر کی غلطی تسلیم کر لینے کے بعد ہم سے یہ سوال کیا جائے تو ان شاء اللہ اس کا بھی ایسا تشفی بخش جواب دیا جائے گا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی روح بھی حیرت کرے کہ اتنی کھلی ہوئی چیز مجھ سے کیوں مخفی رہی۔ ۱۲

(مؤلف)

پس مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی جُرم ایسا نہیں جس میں خاں صاحب برابر کے شریک نہ ہوں اور اگر بفرض براہین میں یہ تصریح بھی نہ ہوتی اور سیاق و سباق کے وہ قرائن بھی نہ ہوتے جو علم ذاتی کے مُراد لینے پر مجبور کر رہے ہیں تب بھی اس جگہ وسعت علم سے علم عطائی کی وسعت مُراد لینا بالخصوص مولوی احمد رضا خاں صاحب کے لیے کسی طرح جائز نہ تھا۔ وُہ خالص الاعتقاد صفحہ ۲۲ پر بطور قاعدہ کلیہ کے خود لکھ چکے ہیں کہ

"آیات و احادیث و اقوال علماء جن میں دوسرے کے لیے اثبات علم غیب سے انکار ہے اُن میں قطعاً یہی دو قسمیں (ذاتی و محیط کل) مُراد ہیں۔"

پس براہین قاطعہ میں جس علم کے اثبات کو شرک کہا گیا ہے وہ بدرجہ اولیٰ ذاتی یا محیط کل پر محمول ہونا چاہیے۔ لیکن افسوس ہے کہ شان مفتری نے اپنا یہ مسلّمہ اصول بھی بھلا دیا۔ سچ ہے۔ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ۔

یہاں تک براہین قاطعہ کے متعلق خاں صاحب کے دوسرے اعتراض کا جواب ہُوا جس کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ اعتراض جب وارد ہو سکتا تھا کہ شیطان کے لیے جو علم تسلیم کیا گیا تھا اُسی کے اثبات کو شرک کہا گیا ہوتا۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے شیطان کے لیے علم عطائی تسلیم کیا گیا ہے اور شرک علم ذاتی کے اثبات کو کہا گیا ہے وشتّان ما بینہما۔

براہین قاطعہ پر خان صاحب کے تیسرے اعتراض کا جواب

مؤلف براہین قاطعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر خاں صاحب کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف پر تو نص قطعی کا مطالبہ کرتا ہے
اور نفی کے موقع پر خود ایک باطل روایت سے استدلال کیا۔“

روایت کی حیثیت کے متعلق تو انشاء اللہ ابھی چوتھے اعتراض کے جواب میں عرض کیا جائے گا۔ یہاں تو ہم صرف خاں صاحب کے اس علمی مغالطہ کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ ثبوت کے لیے نص قطعی کا مطالبہ کیا اور نفی کے موقع پر خود ایک روایت پیش کی۔

کاش خاں صاحب اعتراض کرنے سے پہلے یہ غور فرما لیتے کہ مصنف براہین نے موقع پر جو روایت پیش کی ہے وہ مدعی اور مستدل ہونے کی حیثیت سے پیش کی ہے؟ یا مانع اور معارض ہونے کی حیثیت سے۔ اور کاش اصول مناظرہ کی کسی کتاب میں ان حیثیتوں [illegible] ملاحظہ فرما لیتے۔

واقعہ یہ ہے کہ صاحب براہین نے عقیدہ کے اثبات کے لیے نص قطعی کا مطالبہ کیا ہے اور مولوی عبدالسمیع صاحب مصنف ”انوار ساطعہ“ نے قیاس کے معارضہ میں خود احادیث پیش کی ہیں اور یہ دونوں چیزیں صحیح ہیں۔ عقیدہ کے ثبوت کے لیے بیشک نص قطعی ہی کی ضرورت ہے۔ خود مولوی احمد رضا خاں صاحب کو بھی اصولاً یہ تسلیم ہے (ملاحظہ ہو انباء المصطفیٰ) اور بیشک قیاس کے معارضہ میں احادیث کیا معنی قیاس بھی پیش کیا جا سکتا ہے (ملاحظہ ہو مناظرہ رشیدیہ اور اس کے حواشی)۔

براہین قاطعہ پر چوتھا اعتراض اور اس کا جواب

چوتھا اعتراض یہ تھا کہ ”صاحب براہین نے نقل میں خیانت کی، اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے

جس روایت کو نقل کر کے رد کیا، اُس کو ان کی طرف منسوب کر کے نقل کر دیا اور رد کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تو گویا " لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ " تو لے لیا " اَنْتُمْ سُکَارٰی " کو چھوڑ دیا۔

خاں صاحب کی ذرّیت ہمیں معاف فرمائے یہاں ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ چونکہ وُہ خود اس قسم کی کارروائیوں کے عادی تھے۔ اس لیے انھوں نے دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھا لیکن ان کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ ان باتوں کی ضرورت صرف اہل باطل کو پیش آتی ہے۔ حق پرستوں کو اس کی حاجت نہیں، مگر چونکہ خاں صاحب کا یہ اعتراض بھی موضوعِ تکفیر سے غیر متعلق ہے۔ اس لیے اس کے جواب میں بھی یہاں ہم اختصار ہی سے کام لیں گے۔

دیکھنا یہ ہے کہ اس موقع پر صاحب براہینؒ کے الفاظ کیا ہیں؛ ملاحظہ ہو صفحہ ۵۱ کی ساتویں سطر میں فرماتے ہیں:

" اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں "۔

یہاں صاحب براہینؒ نے شیخ کی کسی خاص کتاب کا نام نہیں لیا ہے۔ پس اگر شیخ کی کسی ایک کتاب میں بھی یہ روایت بغیر جرح و تردید مذکور ہو تو صاحب براہین کا حوالہ بالکل صحیح ہے اور یہ سمجھا جائیگا کہ انھوں نے وہیں سے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد ملاحظہ ہو مشکوٰۃ المصابیح باب صفۃ الصلوٰۃ کی فصل ثالث کے اخیر میں ذیل کی حدیث درج ہے:

عن ابی هریرة قال صلّی بنا رسول	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
الله صلّی الله علیه وسلم الظهر و فی	رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو (ایک
موخّر الصفوف رجل فاساء الصّلوٰة	دفعہ) ظہر کی نماز پڑھائی اور پچھلی صفوں میں

فناداہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا فلان الا تتقی اللہ الا تری کیف تصلی انکم ترون انہ یخفی علی شیءٌ مما تصنعون واللہ انی لاری من خلفی کما اری من بین یدیّ (رواہ احمد)

ایک شخص تھا جس نے نماز اچھی طرح نہیں پڑھی۔ پس جب سلام پھیر دیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پکارا کر اے فلانے کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم کیسی نماز پڑھتے ہو؟ تم سمجھتے ہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس میں سے کوئی بات مجھ پر پوشیدہ رہتی ہے۔ خدا کی قسم! میں اپنے پیچھے کے لوگوں کو اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے سامنے والوں کو۔ (روایت کیا اس کو امام احمد نے)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ "اشعۃ اللمعات" صفحہ ۳۹۲ پر ارقام فرماتے ہیں:

بداں کہ ایں دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم از پس وپیش بطریق خرق عادت بود بوحی یا بالہام وگاہ گاہے بود نہ دائم ومؤید آں است آنچہ در خبر آمدہ است کہ چوں ناقہ آنحضرت گم شد و ونیافت کہ کجا رفت منافقاں گفتند کہ محمد می گوید کہ خبر آسماں می رسانم ونمی داند

جان کہ دیکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آگے اور پیچھے سے بطور خرق عادت تھا، وحی یا الہام سے اور کبھی کبھی تھا، نہ ہمیشہ۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ مبارکہ گم ہو گئی اور یہ نہ معلوم ہوا کہ کہاں گئی۔ تو منافقوں نے کہا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کہتے ہیں کہ میں آسمان

کہ ناقہ او کجا است۔ پس فرمود آنحضرتؐ
واللہ من نمی دانم مگر آنچہ بدانا ند مرا پروردگار
من اکنوں بنمود مرا پروردگار من کہ وے
در جائے چنیں وچناں است و مہار وے
در شاخ درختے بند شدہ است و نیز
فرمودہ است کہ من بشرم نمی دانم کہ در
پس ایں دیوار چیست یعنی بے دانانیدن
حق سبحانہٗ۔
(اشعۃ اللمعات جلد اول صفحہ ۲۹۲)

کی خبر دیتا ہوں اور ان کو کچھ خبر نہیں کہ ان کی ناقہ
کہاں ہے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ قسم اللہ کی میں نہیں جانتا مگر وہ کہ میرے
پروردگار نے مجھ کو تبلادیا ہے۔ اب میرے پروردگار
نے مجھ کو دکھا دیا ہے کہ وہ فلاں جگہ ہے اور
اس کی مہار ایک درخت کی شاخ میں پھنس گئی
ہے اور یہ بھی حضورؐ نے فرمایا ہے کہ میں بشر ہوں
میں نہیں جانتا کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے۔ یعنی
بے تبلائے حق سبحانہ کے۔

یہاں شیخ نے اس روایت کو نقل فرمایا اور کوئی جرح نہیں فرمائی لہٰذا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب علیہ الرحمۃ کا حوالہ بالکل صحیح ہوا۔ بلکہ غور کیا جائے تو شیخ کی اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک قابلِ اعتبار ہے۔ کیونکہ یہاں اس کو شیخ نے اپنے دعوے کی تائید میں پیش کیا ہے اور شیخ کی ثقاہت سے یہ بعید ہے کہ وہ کسی روایت کو باطل محض سمجھتے ہوئے اپنے دعوے کی تائید میں پیش کریں۔ پس مقامِ تائید میں شیخ کا اس روایت کو نقل فرمانا صریح دلیل اس کی ہے کہ یہ ان کے نزدیک معتبر ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ شیخ نے "مدارج النبوۃ" میں ایک جگہ اسی روایت کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے کہ "اس کی کوئی اصل نہیں" سو اگرچہ اس سوال کا جواب ہمارے ذمہ نہیں۔ مگر تاہم ناظرین کے دفع خلجان

کے لیے اس کے متعلق بھی کچھ مختصراً عرض کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مشہور محتاط اور متشدد محدث حافظ ابن جوزی (حدیث کے بارے میں جن کی غیر معمولی احتیاط اور حد اعتدال سے بڑھا ہوا تشدد اہلِ علم کو معلوم ہے) نے اس روایت کو اپنی بعض کتابوں میں بلا اسناد کے نقل فرمایا ہے اور ان جیسے محتاط ناقد بصیر محدث کا کسی روایت کو بغیر جرح کے نقل کرنا اس کے معتبر ہونے کی کافی دلیل ہے۔ اور اسی وجہ سے شیخ علیہ الرحمۃ نے روایت کو معتبر سمجھا اور "اشعۃ اللمعات" کی مذکورہ بالا عبارت میں اپنے دعوے کی تائید میں پیش کر دیا مگر چونکہ اس روایت کی اسناد منقول نہیں اس لیے "مدارج النبوۃ" میں ایک جگہ یہ بھی فرما دیا کہ "اس کی کوئی اصل نہیں"، یعنی اسناد نہیں۔ اس طرح شیخ کے کلام کا تعارض بھی دفع ہو جاتا ہے اور کوئی اشکال بھی باقی نہیں رہتا۔ اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح کا کلام بھی اس روایت کے متعلق بظاہر اسی طرح متعارض ہے چنانچہ قسطلانی "مواہب لدنیہ" میں حافظ سخاوی رح کی "مقاصد حسنہ" سے ناقل ہیں کہ:

حدیث ما اعلم ما خلف جداری هذا	یہ حدیث کہ "میں نہیں جانتا جو میری اس دیوار کے
قال شیخنا شیخ الاسلام ابن حجر	پیچھے ہے"۔ ہمارے شیخ، شیخ الاسلام حافظ ابن حجر
لا اصل له قلت ولکنه قال فی تلخیص	اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ "اس حدیث کی اصل نہیں"
تخریج احادیث الرافعی عند قوله فی	میں کہتا ہوں کہ مگر تخریج احادیث رافعی کی تلخیص میں
الخصائص ویری من وراء ظهره کما	خصائص کے بیان میں اس کے اس قول کے پاس کہ
یری من قدامه هو فی الصحیحین و	"اور آپ دیکھتے تھے اپنے پس پشت جس طرح دیکھتے تھے

غيرهما من حديث انس وغيره و الاحاديث الواردة بذالك مقيدة بحالة الصلوٰة و بذالك يجمع بينه وبين قوله عليه السلام لا اعلم ما وراء جداري هذا انتهى وهذا مشعر بوروده

اپنے آگے۔" ختم ہوئی (حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت انس وغیرہ سے صحیحین اور ان کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں مروی ہے اور جن احادیث میں حضرت (یعنی حضرت اقدس کا اپنی پشت کی چیزوں کو دیکھنا) وارد ہوا ہے وہ نماز کی حالت کے ساتھ مقید ہیں اور اس توجیہ سے تطبیق ہو جاتی ہے اس میں اور حضور علیہ السلام کے فرمان میں کہ : "میں نہیں جانتا اس کو جو میری اس دیوار کے پیچھے ہے"۔

ختم ہوا (کلام حافظ ابن حجرؒ کا، اس کے بعد حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ) اور (ہمارے شیخ کے) اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث وارد ہوئی ہے"۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں حافظ سخاویؒ کے اس قول کے بعد فرماتے ہیں کہ :

فينا فى قوله لا اصل له فهو تناقض منه و يمكن ان مراده لا اصل له معتبر لكونه ذكر بلا اسناد لا ان مراده بطلانه ۔

پس ان کا (یعنی حافظ ابن حجرؒ کا) یہ قول ان کے اس قول کے منافی ہے (جس میں انھوں نے اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ) "اس کی اصل نہیں" پس یہ ان کی جانب سے (کھلا ہوا) تناقض ہے اور ممکن ہے کہ اس قول سے ان کی مراد یہ ہو کہ اس حدیث کی اصل معتمد نہیں کیونکہ وہ بلا اسناد منقول ہوئی ہے یہ مطلب نہیں کہ سرے سے باطل ہے۔

پس ہم نے شیخ علیہ الرحمۃ کے مدارج والے قول کی جو توجیہ کی ہے وہ بعینہٖ وہی ہے

جو علامہ زرقانی نے حافظ ابن حجرؒ کے کلام کی کی ہے۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا، وہ شیخ کے قول "اصلے ندارد" کی توجیہ سے متعلق تھا اور اپنے فرائض سے زائد۔ ورنہ ہمارے ذمہ صرف اسی قدر تھا کہ شیخ کی کسی تصنیف سے بس اتنا ثابت کر دیتے کہ انھوں نے اس کو بلا جرح نقل فرمایا ہے۔ یہ ہمارا تبرع تھا کہ ہم نے شیخ کے طرزِ عمل سے روایت کا معتبر ہونا بھی ثابت کر دیا اور ان کے دونوں قول کے ظاہری تعارض کو بھی اٹھا دیا۔ فللّٰہ الحمد و المنۃ !

اور قطع نظر ان تمام چیزوں سے اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ یہ روایت معناً صحیح ہے اور بہت سی صحیح حدیثیں اس کے مضمون کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ صحیحین اور سُنن نسائی میں حضرت زینب زوجۂ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں زکوٰۃ کے متعلق ایک مسئلہ پوچھنے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر حاضر ہوئی جب میں پہنچی تو اسی ضرورت سے ایک انصاری بی بی بھی وہاں کھڑی ہوئی تھیں۔۔۔۔ پس حضرت بلالؓ ہمارے پاس آئے تو ہم نے اُن سے کہا :

ائت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ ان امرأتین بالباب تسألانک اتجزی الصدقۃ عنہما علی ازواجہما وعلی ایتام فی حجورھما و لا تخبرہ من نحن فسألہ بلال فقال لہ رسول	آپ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جائیے اور ان کو اطلاع دیجیے کہ دو عورتیں دروازہ پر کھڑی ہیں اور یہ مسئلہ دریافت کرنا چاہتی ہیں کہ اگر وہ اپنے شوہروں اور ان یتیم بچوں پر جو ان کی پرورش میں ہیں، صدقہ کر دیں تو کیا ادا ہو جائے گا؟

الله صلى الله عليه وسلم من هما فقال امرأة من الانصار و زينب فقال له اى الزيانب قال امرأة عبد الله فقال لهما اجران اجر القرابة و اجر الصدقة ۔

اور (اے بلال دیکھو) حضرت کو یہ مت خبر دینا کہ ہم کون ہیں۔ پس حضرت بلالؓ نے حضورؐ سے وہ مسئلہ اسی طرح دریافت کیا، حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ وہ پوچھنے والیاں کون ہیں؟ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ ایک کوئی انصاری بی بی ہیں اور ایک زینب، حضورؐ نے فرمایا کہ کون زینب؟ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ عبد اللہ بن مسعود کی بیوی" — تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس صورت میں ان کو دو اجر ملیں گے۔ ایک صدقہ کا، ایک قرابت کا۔

سو اگر حضورؐ کو دیوار کے پیچھے کی سب باتیں معلوم ہو جایا کرتیں تو حضرت بلالؓ سے نام دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہوتی؛ پس آپ کا نام دریافت فرمانا اور زینب نام معلوم ہونے پر یہ فرمانا کہ کونسی زینب؛ صریح دلیل اس کی ہے کہ آپ کو دیوار کے پیچھے کی بعض باتیں معلوم نہیں ہوتی تھیں۔

نیز حیاتِ طیبہ کے اخیر دنوں میں حالتِ مرض میں حضورؐ کا اپنی جماعت کو دیکھنے کے لیے حجرۂ مبارکہ کے دروازہ پر تشریف لانا اور پردہ ہٹا کر مسجد نبوی میں نماز پڑھنے والی جماعت کو دیکھنا (جس کا ذکر کتبِ صحاح میں ہے) اور بالخصوص آخری دن بار بار یہ دریافت فرمانا کہ اَصَلَّى النَّاس؟ "کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟" حالانکہ مسجد مبارک اور حجرہ شریفہ میں صرف دیوار ہی حائل تھی، صریح دلیل اس کی ہے کہ دیوار کے پیچھے کی کچھ باتیں حضورؐ کو معلوم نہیں ہوتی تھیں۔ پس اگر کسی حدیث میں یہ وارد ہوا ہو کہ "والله لا ادری ما وراء جداری، هذا او کما قال علیه الصلوٰة و السلام (یعنی اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا

اس کو جو اس دیوار کے پیچھے ہے) تو اس میں کیا استبعاد ہے۔ بہرحال اس روایت کی معنوی صحت سے تو کسی کو بھی انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی۔

اور پھر اگر ان باتوں سے بھی قطع نظر کر لیا جائے تو یہ ہر منصف مزاج کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ صاحب براہین نے اس روایت کو علم ذاتی کی نفی کے موقع پر پیش کیا ہے کیونکہ ہم خود صاحب براہین کی تصریحات سے ثابت کر چکے ہیں کہ ان کی وہ تمام بحث علم ذاتی کے متعلق ہے تو گویا اس روایت کو انھوں نے علم ذاتی کی نفی پر محمول کیا ہے اور ہم خود مولوی احمد رضا خاں صاحب کی تصریحات سے ثابت کر چکے ہیں کہ وہ بھی علم ذاتی کے قائل نہیں بلکہ جو شخص ایک ذرہ یا اس سے بھی کمتر سے کمتر کا علم ذاتی غیر اللہ کے لیے مانے وہ ان کے نزدیک بھی کافر و مشرک ہے بس اس اعتبار سے تو یہ روایت خاں صاحب کے نزدیک بھی معنًا صحیح ہے اور وہ تو خود فرما چکے ہیں کہ " آیات و احادیث و اقوال علماء جن میں دوسروں کے لیے اثبات علم غیب سے انکار ہے۔ ان میں قطعاً یہی دو قسمیں (یعنی ذاتی یا محیط کل) مراد ہیں۔" خالص الاعتقاد، صفحہ ۲۸ ۔

پس جب کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کو علم ذاتی کی نفی پر محمول فرما رہے ہیں تو پھر خاں صاحب یا اُن کی ذریت کے لیے کیا محل اعتراض ہے۔

ہم شروع ہی میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ بحث موضوع تکفیر سے غیر متعلق ہے اس لیے ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔

یہاں تک عبارات براہین قاطعہ کی بحث ختم[1] ہوگئی اور خاں صاحب کے چاروں اعتراضوں کے جوابات سے ہم بعون اللہ تعالیٰ فارغ ہوگئے۔ اب حسام الحرمین کی آخری بحث متعلق عبارت حفظ الایمان شروع ہوتی ہے۔

---

[1] واضح رہے کہ خاں صاحب کے دوسرے اعتراض کے جواب میں جو ذاتی اور عطائی کا فرق ہم نے دکھلایا ہے۔ وہ پہلے اعتراض کے جواب میں بھی جاری ہوسکتا ہے۔ فافہم و تامل۔ ۱۲ منہ



حکیم الامّت حضرتِ تھانویؒ

پر

توہینِ شانِ سیّد الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلم کا بہتان

اور

اُس کا جواب

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حسام الحرمین صفحہ ۲۰، ۲۱ پر فرماتے ہیں :

ومن كبراء هؤلاء الوهابية	اور اس فرقہ وہابیہ شیطانیہ کے بڑوں میں
الشيطانية رجل آخر من اذناب	ایک اور شخص اسی گنگوہی کے دم چھلوں میں ہے
الگنگوهي يقال له اشرف على التانوي	جسے اشرف علی تھانوی کہتے ہیں، اُس نے ایک
صنف رسيلة لا تبلغ اربعة اوراق	چھوٹی سی رسلیا تصنیف کی چار ورق کی بھی نہیں

وصرح فيها بان العلم الذي لرسول
الله صلى الله تعالى عليه وسلم
بالمغيبات فان مثله حاصل لكل
صبي وكل مجنون بل لكل حيوان
وكل بهيمة وهذا لفظه الملعون
ان صح الحكم على ذات النبي المقدسة
بعلم المغيبات كما يقول به زيد
فالمسئول عنه انه ماذا اراد بهذا
ابعض الغيوب ام كلها فان اراد
البعض فاي خصوصية فيه لحضرة
الرسالة فان مثل هذا العلم
بالغيب حاصل لزيد وعمرو
بل لكل صبي ومجنون بل لجميع
الحيوانات والبهائم وان اراد
الكل بحيث لا يشذ منه فرد
فبطلانه ثابت نقلا وعقلا اهـ

اور اُس میں تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا جیسا
علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو
ہر بچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چارپائے
کو حاصل ہے۔ اور اس کی ملعون عبارت یہ ہے:
آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا
جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر
ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل
اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور[1] کی کیا
تخصیص ہے۔ ایسا علمِ غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر
صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی
حاصل ہے۔ الی قولہ اور اگر تمام علومِ غیب
مراد ہیں، اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی
خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی
سے ثابت ہے۔ میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کی
مُہر کا اثر دیکھو، یہ شخص کیسی برابری کر رہا
ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور

---

[1] "بیان حفظ الایمان" میں صلی اللہ علیہ وسلم چھپا ہوا ہے، خانصاحب نے اس کو اُڑا دیا۔

اقول ننظر الیٰ آثار ختم اللّٰہ تعالیٰ چُنیں وچناں میں۔
کیف یسوی بین رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ
تعالیٰ علیہ وسلم وبین کذا وکذا۔

اس جگہ خاں صاحب نے حضرت حکیم الاُمت کے متعلق جو سخت اور متعفن کلمات استعمال کیے ان کا جواب تو ہم کچھ بھی نہیں دے سکتے۔ اس کا ترکی بترکی کلہ بکلہ جواب وہی بازاری دے سکتا ہے جو گالیوں کے فن میں بھی مجددانہ شان رکھتا ہو۔ ہم تو اس فن سے بالکل عاری اور عاجز ہیں۔ اُدھر قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے:

قل لعبادی یقولوا التی ھی احسن ان الشیطان ینزغ بینھم ان الشیطان کان للانسان عدوا مبینا۔ اے رسول آپ میرے (ایمان والے) بندوں سے کہیے کہ وہ بات کہیں جو اچھی ہو۔ بتحقیق شیطان پھوٹ ڈلوا تا ہے ان کے درمیان، بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

دوسری جگہ خود حضور کو ارشاد ہے:

اِدْفَعْ بالتی ھی احسنُ السیئۃَ آپ بدی کا جواب نیکی سے دیجیے۔

پس حسب فرمودہ قرآن ہم خاں صاحب کی ان گالیوں کے جواب میں صرف حق تعالیٰ سے یہ عرض کریں گے کہ خداوندا! خاں صاحب تو اس دُنیا سے جا چکے، اب اُن کے اخلاف کو ایسی بُری عادتوں سے بچا جو دُنیا میں ذلت و رُسوائی اور آخرت میں حرمان و خُسران کا باعث ہوں۔

اس کے بعد ہم اصل بحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ واللہ الہادی الیٰ سبیل الرشاد۔

معلوم ہوتا ہے کہ حسام الحرمین لکھتے وقت خاں صاحب نے قسم کھائی تھی کہ کسی معاملہ میں بھی سچائی اور دیانتداری سے کام نہ لوں گا۔ غور تو کیجئے، کہاں "حفظ الایمان" کی اصل عبارت اور اس کا حقیقی اور واقعی مطلب، اور کہاں خاں صاحب کا تصنیف کردہ یہ لعنتی مضمون — کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چارپائے کو حاصل ہے (معاذ اللہ منہ) کاش خاں صاحب اپنا فیصلہ کفر سنانے سے پہلے "حفظ الایمان" کی پوری عبارت بغیر قطع و برید کے نقل کردیتے تو ناظرین کو خود ہی حقیقت معلوم ہوجاتی اور ہم کو جوابدہی کے لیے قلم اٹھانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

"حفظ الایمان" حضرت حکیم الامۃ (دامت برکاتہم) کا ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں تین بحثیں ہیں اور تیسری بحث یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا درست ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ مولانا کی بحث اس میں نہیں ہے کہ حضور اقدس کو علم غیب تھا یا نہیں؟ اور تھا تو کتنا تھا؟ بلکہ وہاں مولانا مدظلہٗ صرف اتنا ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور کو "عالم الغیب" کہہ نہیں سکتے۔ اور ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ کسی صفت کا واقع میں کسی ذات کے لیے ثابت ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ اس کا اطلاق بھی اس پر جائز ہو۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ کو ہر چیز کا خالق بتلایا گیا ہے[1]۔ اور تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ عالم کی ہر چیز صغیر ہو یا کبیر عظیم ہو یا حقیر سب اسی کی مخلوق ہے۔ لیکن بایں ہمہ فقہاء کرام تصریح فرماتے ہیں کہ

---

[1] اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (الی غیر ذلک من الآیات)

اس کو "خالق القردۃ والخنازیر[1]" کہنا ناجائز ہے، علیٰ ہذا قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے زرع (کھیتی) کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے لیکن اس کی ذات پاک پر زارع کا اطلاق درست نہیں، اسی طرح بادشاہ کی طرف سے لشکر کو جو عطایا اور وظائف دیے جاتے ہیں اہل عرب اُن پر رزق کا اطلاق کرتے ہیں۔ چنانچہ لغت کی عام کتابوں میں یہ محاورہ لکھا ہوا ہے کہ "رزق الامیر الجند[2]" لیکن بایں ہمہ بادشاہ کو رازق یا رزّاق کہنا درست نہیں، اور حضور کے خصائل مبارکہ کے باب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "آپ خود ہی اپنی نعل مبارک کو ٹانک لیا کرتے تھے اور خود ہی اپنی بکری دودھ لیا کرتے تھے۔" الخ لیکن اس کے باوجود حضور اقدس کو "خاصف النعل" (جوتا دوز) اور "حالب الشاۃ" (بکری دوہنے والا) نہیں کہا جا سکتا۔ بہرحال یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ بعض اوقات ایک صفت کسی ذات میں پائی جاتی ہے اور اس کا اطلاق درست نہیں ہوتا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ اس تمہید سے ہمارے ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ حضور کو علم غیب ہونا نہ ہونا ایک الگ بحث ہے اور آپ کی ذات مقدسہ پر عالم الغیب کے اطلاق کا جواز، عدم جواز یہ ایک الگ مسئلہ ہے اور ان دونوں میں باہم تلازم بھی نہیں جب یہ بات متعین ہو گئی تو اب سمجھیے کہ حفظ الایمان میں اس موقعہ پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ حضور کی ذات مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق ناجائز ہے اور حضور کو جس طرح خاتم النبیین سید المرسلین، رحمۃ للعالمین وغیرہ وغیرہ القابات سے یاد کر سکتے ہیں۔ اس طرح لفظ عالم الغیب

---

[1] بندروں اور سوروں کا خالق۔ ۱۲ [2] امیر نے لشکر کو رزق دیا۔ ۱۲

سے حضورؐ کو یاد نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس مدعا کی دو دلیلیں مولانا نے پیش کی ہیں پہلی دلیل کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ چونکہ عام طور پر شریعت کے محاورات میں عالم الغیب اسی کو کہا جاتا ہے جس کو غیب کی باتیں بلا واسطہ اور بغیر کسی کے بتلائے ہوئے معلوم ہوں (اور یہ شان صرف حق تعالیٰ کی ہے) لہٰذا اگر کسی دوسرے کو عالم الغیب کہا جائے گا تو اس عرف عام کی وجہ سے لوگوں کا ذہن اسی طرف جائے گا کہ ان کو بھی بلا واسطہ غیب کا علم ہے (اور یہ عقیدہ صریح شرک ہے) پس حق جل مجدہ کے سوا کسی اور کو عالم الغیب کہنا بغیر کسی ایسے قرینہ کے جس سے معلوم ہو سکے کہ قائل کی مراد علم غیب بلا واسطہ نہیں ہے اس لیے نادرست ہوگا کہ اس سے ایک مشرکانہ خیال کا شبہ ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث میں ایسے کلمات سے منع فرمایا گیا ہے جن سے اس قسم کی غلط فہمیوں کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضورؐ کو لفظ راعنا سے خطاب کرنے کی ممانعت۔ اور حدیث شریف میں اپنے غلاموں اور باندیوں کو عبدی و امتی کہنے سے نہی اسی لیے وارد ہوئی ہے کہ یہ کلمات ایک باطل معنی کی طرف موہم ہو جاتے ہیں، اگرچہ خود متکلم کا قصد ایسا نہ ہو ——— یہ ہے حضرت مولانا تھانوی کی پہلی دلیل کا خلاصہ ——— مگر چونکہ خاں صاحب کو مولانا کی اس دلیل پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ تقریباً یہی مضمون خود خاں صاحب نے بھی اپنی کتاب الدولۃ المکیۃ میں ایک جگہ بری تفصیل سے لکھا ہے اس لیے اس کی تصویب و تائید میں ہم کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے اور اب مولانا کی دوسری دلیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسی میں وہ عبارت واقع ہے جس کے متعلق خاں صاحب کا دعویٰ ہے کہ:

"اس میں تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل اور ہر جانور اور ہر چارپائے کو حاصل ہے۔"

لیکن ہم حفظ الایمان کی اصل عبارت نقل کرنے سے پہلے ناظرین کی سہولتِ فہم کے لیے یہ بتلا دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ اس دوسری دلیل میں مولانا نے مسئلہ کی دو شقیں کرکے ان میں سے ہر ایک کو غلط اور باطل ثابت کیا ہے اور حاصل مولانا کی اس دوسری دلیل کا صرف یہ ہے کہ جو شخص حضور کی ذاتِ مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق کرتا ہے اور آپ کو عالم الغیب کہتا ہے (مثلاً زید) وہ یا تو اس وجہ سے کہتا ہے کہ اس کے نزدیک حضور کو بعض غیب کا علم ہے یا اس وجہ سے کہ آپ کو کل غیب کا علم ہے۔ یہ دوسری شق تو اس لیے باطل ہے کہ آنحضرت کو کل غیب کا علم نہ ہونا، دلائلِ عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہے (اور خود مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی یہی کہتے ہیں) اور پہلی شق (یعنی بعض غیب کی وجہ سے حضور کو عالم الغیب کہنا) اس لیے باطل ہے کہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ ہر انسان بلکہ حیوانات تک کو "عالم الغیب" کہا جائے کیونکہ غیب کی بعض باتوں کا علم تو سب کو ہے، کیونکہ ہر جاندار کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ضرور ہے جو دوسرے سے مخفی ہے۔ پس اس شق کی بنا پر چونکہ سب کو عالم الغیب کہنا لازم آتا ہے اور یہ عقلاً نقلاً عرفاً غرض ہر حیثیت سے باطل ہے لہٰذا ملزوم (یعنی زید کا حضور کو بعض علومِ غیبیہ کی وجہ سے عالم الغیب کہنا) بھی باطل ہوگا۔ یہ ہے مولانا کی ساری تقریر کا خلاصہ۔ اس کے بعد ہم حفظ الایمان کی اصل عبارت مع توضیح کے درج کرتے ہیں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ پہلی دلیل کی تقریر سے فارغ ہونے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

حفظ الایمان کی عبارت اور اُس کی توضیح | " آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا اور آپ کی ذاتِ قدسی پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق کرنا) اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب (اسی زید سے) یہ امر ہے کہ اس غیب سے مُراد (یعنی اس غیب سے جو لفظ "عالم الغیب" میں واقع ہے اور جس کی وجہ سے وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" کہتا ہے) بعض غیب ہے یا کُل غیب (یہاں حضرت مولانا نے اس شخص سے جو حضرت کو عالم الغیب کہتا ہے اور اس کو جائز سمجھتا ہے جس کا فرضی نام زید ہے۔ یہ دریافت فرما رہے ہیں کہ تم جو حضور کو عالم الغیب کہتے ہو تو کس اعتبار سے؟ آیا اس وجہ سے کہ حضور کو بعض غیب کا علم ہے یا اس وجہ سے کہ آپ کو کل غیب کا علم ہے؟) اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں (یعنی تم حضور کو بعض علوم غیب کی وجہ سے "عالم الغیب" کہتے ہو اور تمہارا یہی اصول ہے کہ جس کو غیب کی بعض باتیں بھی معلوم ہوں گی اس کو تم عالم الغیب کہو گے) تو اس میں (یعنی مطلق بعض غیب کے علم میں اور اس کی وجہ سے عالم الغیب کہنے میں) حضور کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا (بعض علم غیب (کہ کسی کے عالم الغیب کہنے کے لیے جس کی تم ضرورت سمجھتے ہو یعنی مطلق بعض مغیبات کا علم) تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی

بات کا علم ہوتا ہے جو دُوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیے کہ (تمہارے
اس اصُول کی بنا پر کہ مطلق بعض غیب کے علم کی وجہ سے بھی عالم الغیب
کہا جا سکتا ہے) سب کو عالم الغیب کہا جاوے۔

حفظ الایمان کی عبارت میں خانصاحب بریلوی کی تحریفات کی تفصیل | یہ تھی حضرت مولانا کی اصل عبارت اور تھا اس کا صاف اور صریح مطلب!

ہم نے عرض کیا لیکن خاں صاحب نے اپنی حاشیہ آرائی سے اُس میں وُہ معنے ڈالے کہ شیطان بھی جس کو سُن کر پناہ مانگے۔ اس سلسلہ میں خاں صاحب نے جو تحریفات کیں ان کی مختصر تفصیل یہ ہے:

(۱) حفظ الایمان کی عبارت میں "ایسا" کا لفظ آیا تھا اور اُس سے مُطلق بعض غیوب کا علم مُراد تھا نہ کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کا علمِ اقدس، مگر خاں صاحب نے اُس سے حضُور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کا علمِ شریف مراد لے لیا اور لکھ مارا کہ

"اس میں تصریح کی ہے کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے، ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چارپائے کو حاصل ہے" (حسام ص ۲۰)

(۲) حفظ الایمان کی اصل عبارت اِس طرح تھی کہ:

"ایسا علمِ غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو

دُوسرے شخص سے مخفی ہے"۔

خاں صاحب نے اس کا آخری خط کشیدہ حصہ درمیان میں سے بالکل اُڑا دیا کیونکہ اس سے صراحۃً معلوم ہوجاتا ہے کہ زید عمرو وغیرہ کے متعلق جو علم تسلیم کیا گیا ہے وُہ مطلق بعض غیب کا علم ہے، نہ کہ معاذ اللہ رسُولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم شریف

(۳) حفظ الایمان میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد الزامی نتیجہ کے طور پر یہ فقرہ تھا۔

تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے

خاں صاحب نے اس کو بھی صاف اُڑا دیا۔ کیونکہ اس فقرے سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ مصنّفِ حفظ الایمان حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی مقدار میں کلام نہیں فرمارہے۔ بلکہ ان کی بحث صرف عالم الغیب کے اطلاق میں ہے اور اتنا معلوم ہوجانے کے بعد خاں صاحب کی ساری کارروائی کی حقیقت کھُل جاتی ہے۔ بہرحال خاں صاحب نے صاحب حفظ الایمان کو کافر بنانے کے لیے یہ خیانتیں کیں اور جن فقروں سے عبارت حفظ الایمان کا صحیح مطلب بآسانی معلوم ہوسکتا تھا وُہ درمیان سے بالکل حذف کر دیے اور عبارت کا صرف ابتدائی اور آخری حصّہ نقل فرما دیا، اور ایک بڑی چالاکی یہ کی کہ عبارتِ حفظ الایمان کا جو عربی ترجمہ آپ نے علماءِ حرمین کے سامنے پیش کیا، اس میں اس قسم کا کوئی اشارہ بھی نہیں کیا جس سے وُہ حضرات سمجھ سکتے کہ اس عبارت کے درمیان میں سے کچھ فقرے حذف کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ناظرین حسام الحرمین کی اُس عربی عبارت میں خاں صاحب کی یہ دستکاری ملاحظہ فرما سکتے ہیں جو ہم نے شروع

بحث میں حسام الحرمین سے بلفظہٖ نقل کی ہے:

عبارت حفظ الایمان کی مزید توضیح

اگرچہ خاں صاحب کی دیانت اور اُن کے فتوے کا حال تو ہمارے ناظرین کو اسی قدر بیان سے معلوم ہو گیا ہو گا مگر ہم مبحث کی مزید توضیح اور تفہیم کے لیے اس کے خاص خاص گوشوں پر کچھ اور روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

حضرت حکیم الاُمت مدظلہٗ کی دوسری دلیل کا حاصل صرف اس قدر تھا کہ:

حضورؐ کو عالم الغیب کہنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ کُل غیب کی وجہ سے آپ کو عالم الغیب کہا جائے۔ دُوسری یہ کہ بعض غیب کی وجہ سے۔ پہلی شق تو اس لیے باطل ہے کہ آپ کو کُل غیب کا علم نہ ہونا دلائل نقلیہ وعقلیہ سے ثابت ہے اور دُوسری اس لیے باطل ہے ___ کہ بعض غیب کا علم دُنیا کی دُوسری حقیر چیزوں کو بھی ہے تو اس اصول پر سب کو عالم الغیب کہنا پڑے گا جو ہر طرح سے باطل ہے۔ اگر اس دلیل کے اجزاء کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بُنیادی مقدمات صرف یہ ہیں:

(۱) جب تک مبدأ کسی چیز کے ساتھ قائم نہ ہو، اس پر مشتق کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً کسی کو عالم جب ہی کہا جا سکتا ہے جب کہ اس کی ذات میں علم کی صفت پائی جاتی ہو اور زاہد اُسی کو کہا جائے گا جس کے ساتھ زُہد کی صفت قائم ہو اور کاتب وہی کہلائے گا جو وصفِ کتابت کے ساتھ موصوف ہو (الیٰ غیر ذٰلک من الامثلۃ)

(۲) علّت کے ساتھ معلول کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ علّت موجود ہو اور معلول نہ ہو۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کُل غیوب کا علم حاصل نہ تھا۔

(۴) مطلق بعض مغیبات کی خبر غیر انبیاء علیہم السلام بلکہ غیر انسانوں کو بھی ہو جاتی ہے

(۵) ہر زید و عمرو کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتے۔

(۶) لازم کا بطلان ملزوم کے بطلان کو مستلزم ہے یعنی جس بات کے ماننے سے کوئی امر باطل لازم آجائے وہ خود باطل ہے۔

ان مقدمات میں سے پہلے دونوں اور آخری دونوں تو عقلی مسلمات میں سے ہیں اور گویا بدیہی ہیں جس سے دُنیا کا کوئی عاقل بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اس لیے سرِدست ہم صرف تیسرے اور چوتھے مقدمہ کو خاں صاحب ہی کی تصریحات سے ثابت کرتے ہیں:

مُدّعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

حفظ الایمان کے اہم مقدمات کا ثبوت خود خاں صاحب بریلوی کی تصریحات سے | حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا تیسرا مقدمہ یہ تھا کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کُل غیوب کا علم حاصل نہ تھا۔"

اس کا ثبوت فاضلِ بریلوی کی تصریحات سے ملاحظہ ہو:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کُل غیوب کا علم حاصل نہ تھا

فاضلِ موصوف "الدولۃ المکیۃ" صفحہ ۲۵ پر رقمطراز ہیں:

فانا لا ندعی انه صلی اللہ علیه وسلم قد احاط بجمیع معلومات اللہ سبحانه وتعالیٰ فانه محال للمخلوق۔	ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم شریف تمام معلوماتِ الٰہیہ کو محیط ہے کیونکہ یہ تو مخلوق کے لیے محال ہے۔

اور اسی "الدولۃ المکیۃ" میں ہے:

ولا نثبت بعطاء اللہ تعالیٰ ایضاً الا البعض	اور ہم عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع۔
(الدولۃ المکیۃ، ص ۲۸)	(خالص الاعتقاد، ص ۲۳)

اور یہی خاں صاحب تمہید ایمان صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں:

"حضورؐ کا علم بھی جمیعِ معلومات الٰہی کو محیط نہیں۔"

نیز اسی تمہید کے صفحہ ۲۴ پر ہے:

"اور جمیع معلوماتِ الٰہیہ کو علمِ مخلوق کا محیط ہونا بھی باطل اور اکثر علماء کے خلاف ہے۔"

خاں صاحب کی ان تمام عبارات کا مفاد بلکہ مقصد یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع غیوب کا علم حاصل نہ تھا۔ بلکہ تمام غیوب کے علمِ تفصیلی کا حصول آپ کے لیے بلکہ ہر مخلوق کے لیے محال ہے اور اس کا عقیدہ رکھنا باطل اور اکثر علماء کے خلاف ہے۔" اور یہی بعینہٖ حضرت مولانا تھانویؒ کی دلیل کا تیسرا مقدمہ تھا جو محمد احمد خاں صاحب نے د

تصریحات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا۔ فللہ الحمد۔

حضرت مولانا کی دلیل کا چوتھا قابلِ غور مقدمہ یہ تھا :

"مطلق بعض مغیبات کی خبر غیر انبیاء علیہم السلام بلکہ غیر انسانوں کو بھی ہو جاتی ہے۔"

اس کا ثبوت بھی خاں صاحب بریلوی کی تصریحات سے ملاحظہ ہو :

ہر مومن کو کچھ غیوب کا علمِ تفصیلی ضرور ہوتا ہے

فاضل موصوف "الدولۃ المکیۃ" صفحہ ۱۳ پر ارقام فرماتے ہیں :

انا اٰمنا بالقیٰمۃ و بالجنۃ و	بیشک ہم ایمان لائے ہیں قیامت پر اور جنت
بالنار و باللہ تعالٰی و بالامہات	اور دوزخ پر اللہ تعالٰی اور اس کے ساتوں
السبع من صفاتہ عز وجل و	صفاتِ اصلیہ پر اور یہ سب کچھ غیب ہے اور
کل ذٰلک غیب وقد علمنا کلًّا	ہم کو اس کا علمِ تفصیلی حاصل ہے اس طور پر کہ
بحیالہ ممتازًا عن غیرہ فوجب	ہمارے علم میں ان میں سے ہر ایک دوسرے
حصول مطلق العلم التفصیلی	سے ممتاز ہے پس غیب کے مطلق علمِ تفصیلی کا
بالغیوب لکل مومن۔	حصول ہر مومن کے لیے واجب ہوا۔

نیز یہی خاں صاحب "خالص الاعتقاد" صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں :

"(اللہ تعالٰی) ...... "مسلمانوں کو فرماتا ہے "یؤمنون بالغیب" غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے جس شے کا اصلًا

علم ہی نہ ہو اس پر ایمان لانا کیوں کر ممکن ؟ لاجرم تفسیر کبیر میں ہے۔" لا یمتنع ان نقول نعلم من الغیب مالنا علیہ دلیل" "یہ کہنا کچھ منع نہیں کہ ہم کو اُس غیب کا علم ہے جس پر ہمارے لیے دلیل ہے"۔

خاں صاحب کی ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ہر مومن کو غیب کا کچھ علم ضرور ہے۔

خاں صاحب کے والد بزرگوار کو بھی غیب کا علم تھا

موصوف اپنے والد ماجد کی ایک پیشین گوئی کا ذکر فرما کر ارشاد فرماتے ہیں :

"یہ چودہ برس کی پیشین گوئی حضرت نے فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلامانِ غلام کے کفش بردار ہیں، علومِ غیب دیتا ہے"۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت)

خاں صاحب کے نزدیک گدھے کو بعض غیوب کا علم

خاں صاحب نے (اس کے ثبوت میں کہ کشف فی نفسہٖ کوئی کمال کی چیز نہیں بلکہ وہ غیر مسلموں حتیٰ کہ غیر انسانوں کو بھی حاصل ہو جاتا ہے) اپنے کسی بزرگ سے (جس کے ولی اللہ ہونے کی تصریح بھی آپ نے فرمائی ہے) ایک صاحبِ کشف گدھے کی عجیب و غریب حکایت نقل کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اُن بزرگ صاحب نے فرمایا۔

ہم مصر گئے تھے وہاں ایک جگہ جلسہ بڑا بھاری تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص ہے۔ اُس کے پاس ایک گدھا ہے۔ اُس کی آنکھوں پر ایک پٹی بندھی ہوئی

ہے۔ ایک چیز ایک شخص کی دوسرے کے پاس رکھ دی جاتی ہے بس گدھے
سے پوچھا جاتا ہے۔ گدھا ساری مجلس میں دورہ کرتا ہے جس کے پاس ہوتی
ہے۔ سامنے جاکر سر ٹیک دیتا ہے" (ملفوظات حصہ چہارم ص ۱۱)

اس کے بعد خاں صاحب فرماتے ہیں:

"بس یہ سمجھیے کہ وہ صفت جو غیر انسان کے لیے ہو سکتی ہے (یعنی کشف) انسان کے لیے کمال نہیں الخ (حصہ چہارم ص ۱۱)

خاں صاحب کے اس ملفوظ سے معلوم ہوا کہ موصوف کے نزدیک اس گدھے کو بھی بعض مخفی باتوں کا کشف ہوتا تھا۔ وہذا ہو المقصود

دُنیا کی ہر چیز کو بعض غیوب کا علم حاصل ہے

ہم ابھی ابھی الدولۃ المکیۃ سے خاں صاحب کی ایک عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ "حق تعالیٰ اور اس کی صفات اور جنت دوزخ ملائکہ وغیرہ وغیرہ یہ سب امور غیب میں سے ہیں (اور یہ بالکل صحیح ہے)

علیٰ ہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ بذاتِ خود غیب نہیں لیکن آپ کی رسالت بے شک امرِ غیب ہے کیونکہ وہ کوئی محسوس و مُبصَر چیز نہیں بلکہ اللہ اور رسول کے درمیان ایک مخفی تعلق ہے جو ہمارے ظاہری احساس کی دسترس سے بالاتر ہے اور صرف پیغمبر کی صداقت کے اعتماد پر اُس پر ایمان لایا جاتا ہے۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ کے وجود اُس کی وحدت یا اس کے رسول کی رسالت کا علم حاصل ہو تو اُس کو بعض غیوب کا علم حاصل ہوا اور خاں صاحب کو

تسلیم ہے کہ کائنات کی ہر چیز حتیٰ کہ درختوں کے پتے اور ریگستانوں کے ذرے بھی توحید و رسالت پر ایمان لانے کے مکلف ہیں، وہ خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی شہادت دیتے ہیں۔

چنانچہ خاں صاحب کے ملفوظات حصہ چہارم صفحہ ۷۰ پر ہے :

"ہر شے مکلف ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور خدا کی تسبیح کے ساتھ۔"

نیز اسی کے صفحہ ۷۰ پر ہے :

"ایک ایک روحانیت تو ہر ہر نبات و ہر ہر جماد سے متعلق ہے اسے خواہ اس کی روح کہا جائے یا کچھ اور۔ اور وہی مکلف ہے۔ ایمان و تسبیح کے ساتھ۔ حدیث میں ہے :

ما من شیئ الا و یعلم انی رسول اللہ الا مردۃ الجن و الانس۔ کوئی شے ایسی نہیں جو مجھ کو خدا کا رسول نہ جانتی ہو سوا سرکش جن اور انسانوں کے"

خاں صاحب کے ان ارشادات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے :

(۱) ہر مومن کو غیب کی کچھ باتیں ضرور معلوم ہوتی ہیں۔

(۲) غیر مسلموں کو بھی کشف ہوتا ہے۔

(۳) گدھے جیسے احمق جانور کو بھی بعض مخفی باتوں کا علم ہو جاتا ہے۔

(۴) کائنات کی ہر چیز حتیٰ کہ نباتات و جمادات کو بھی غیب کی کچھ باتیں معلوم ہیں۔

اور یہی حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا چوتھا بنیادی مقدمہ تھا۔

الحاصل مولانا کی دلیل جن چھ مقدمات پر مبنی تھی، اُن میں سے چار تو مسلمات عقلیہ اور بالکل بدیہی تھے اور دو محتاج ثبوت تھے سو اُن کو ہم نے بحمداللہ خاں صاحب ہی کی تصریحات سے ثابت کر دیا اور ہمارے ناظرین کو معلوم ہو گیا کہ حضرت مولانا کی وہ دلیل جس پر خاں صاحب نے کفر کا حکم لگایا تھا بجمیع اجزائہ خاں صاحب کو مسلم ہے اور اگر وہی موجب کفر ہو سکتی ہے تو پھر خاں صاحب بھی اس کفر میں برابر کے حصہ دار ہیں

چہ خواہی گفت قربانت شوم تا من ہماں گویم

اگرچہ اس کے بعد حفظ الایمان کی عبارت کے متعلق کچھ اور عرض کرنے کی حاجت نہیں رہتی لیکن مزید توضیح کے لیے آخر میں ہم عبارت حفظ الایمان کا ایک مثالی فوٹو پیش کرتے ہیں۔

عبارت حفظ الایمان کا ایک مثالی فوٹو | فرض کیجیے کہ خاں صاحب مولوی احمد رضا صاحب کے کوئی مرید یا جانشین حضورؐ کو عالم الغیب کہتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں، اس پر میں اُن سے عرض کرتا ہوں کہ آپ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہتے ہیں تو آیا کل غیب کی وجہ سے یا بعض غیب کی وجہ سے۔ اگر کل غیب کی وجہ سے کہتے ہیں تو وہ تو بقول مولوی احمد رضا خاں صاحب کے عقلاً و نقلاً باطل بلکہ محال ہے اور اگر آپ بعض غیب کی وجہ سے حضورؐ کو عالم الغیب کہتے ہیں اور آپ کا یہی اصول ہے کہ جس کو بھی غیب کی بعض باتیں معلوم ہوں گی تو آپ اس کو عالم الغیب کہیں گے تو پھر

حضورؐ کی اس میں کوئی تخصیص نہیں رہی کیونکہ غیب کی بعض باتوں کا علم تو تمام مومنین بلکہ تمام انسانوں اور بلکہ تمام کائنات حتیٰ کہ نباتات اور جمادات کو بھی ہے تو آپ کے اس اصول پر لازم آئے گا کہ آپ دُنیا کی ہر چیز کو عالم الغیب کہیں۔ اگر آپ فرمائیں کہ ہاں ہم سب کو عالم الغیب کہیں گے تو پھر بتلایا جائے کہ اس صُورت میں عالم الغیب کہنے میں حضورؐ کی کیا تعریف نکلی جب کہ آپ کے نزدیک سب کو عالم الغیب کہا جا سکتا ہے۔

ناظرینِ کرام! غور فرمائیں کہ کیا دُنیا کا کوئی باہوش انسان میرے اس کلام سے یہ مطلب سمجھ سکتا ہے کہ معاذ اللہ میں نے دُنیا کی ہر چیز کو علم میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کر دیا۔

اسی کی ایک دُوسری اس سے بھی زیادہ عام فہم مثال ملاحظہ ہو۔ فرض کیجیے کہ کسی ملک کا بادشاہ بہت بڑا مخیر ہے۔ اس کے یہاں لنگر خانہ جاری ہے اور صبح و شام ہزاروں محتاجوں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اب کوئی احمق مثلاً زید کہتا ہے کہ میں تو اس بادشاہ کو رازق کہوں گا۔ اس پر ایک دُوسرا شخص مثلاً عمرو کہے کہ بھائی تم جو اس بادشاہ کو رازق کہتے ہو تو کس وجہ سے؟ آیا اس وجہ سے کہ وُہ ساری مخلوق کو رزق دیتا ہے؟ یا اس وجہ سے کہ بعض انسانوں کو کھانا کھلاتا ہے؟ پہلی شق تو بداہۃً باطل ہے اب رہی دُوسری صُورت یعنی یہ کہ اس بادشاہ کو صرف اس وجہ سے رازق کہا جائے کہ وُہ بعض انسانوں کو کھانا کھِلاتا ہے تو اس میں اس کی کوئی تخصیص نہیں کیونکہ ایک غریب انسان اور ایک معمولی مزدور بھی کم از کم اپنے بچوں کا پیٹ بھرتا ہے اور انسان تو انسان

چھوٹی چھوٹی چڑیاں اپنے بچوں کو دانہ دیتی ہیں۔ تو پھر تمہارے اس اصول پر چاہیئے کہ سب کو رازق کہا جائے الخ غور فرمایا جائے کہ کیا عمرو کے اس کلام کا مطلب یہی ہے کہ اس نے اس مخیر اور فیاض بادشاہ اور ہر غریب انسان اور ہر معمولی مزدور کو بالکل برابر کر دیا، یا اس نے ہر غریب انسان اور معمولی مزدور کو اس بادشاہ کے برابر فیاض مان لیا۔ ظاہر ہے کہ ایسا سمجھنا سمجھنے والے کی حماقت ہے۔ بس حفظ الایمان میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے زیادہ کچھ اور نہیں۔

اس کے بعد ہم اہل سنت کے مسلم امام علامہ سید شریف رحمہ اللہ کی شرح مواقف سے ایک عبارت پیش کرتے ہیں جو بالکل عبارت حفظ الایمان کے مشابہ ہے کہ جس کے مطالعہ کے بعد کوئی سنی مسلمان حفظ الایمان کے متعلق لب کشائی کی جرات نہ کرے گا کیونکہ حفظ الایمان میں جو کچھ ہے وہ قریب قریب شرح مواقف کی اسی عبارت کا ترجمہ ہے۔ ملاحظہ ہو حضرت علامہ فرماتے ہیں:

و اما الفلاسفة فقالوا النبي هو	بہرحال فلاسفہ پس وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی وہ ہے
من اجتمع فيه خواص ثلث يمتاز	کہ جس میں تین باتیں جمع ہوں یہ پائی جاتی ہوں
بها من غيره احدها اى احد	کی وجہ سے وہ نبی غیر نبی سے ممتاز ہو پہلی ان
الامور المختصة به ان يكون	میں سے ایک بات یہ ہے کہ نبی کو اطلاع ہونی
له اطلاع على المغيبات الكائنة	چاہیئے ان مغیبات پر جو ہوتے ہیں یا ہو چکے
والماضية و الآتية۔	ہیں یا ہونے کو ہیں۔

اس کے بعد چند سطر میں فلاسفہ کی طرف سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ بات انبیاء علیہم السلام کے لیے چنداں مستبعد نہیں۔ اس کے بعد انھیں فلاسفہ کی طرف سے فرماتے ہیں کہ

وكيف يستنكر ذٰلك الاطلاع في حق النبي، وقد يوجد ذالك فيمن قلت شواغله لرياضة بانواع المجاهدات او مرض صارف للنفس عن الاشتغال بالبدن واستعمال الآلة او نوم منقطع به احساساته الظاهرة فان هؤلاء قد يطلعون على مغيبات ويخبرون عنها كما يشهد به التسامع والتجارب بحيث لا يبقى فيه شبهة للمنصفين ۔

اور انبیاء علیہم السلام کا ان مغیبات پر مطلع ہونا کیونکر مستبعد ہو سکتا ہے حالانکہ یہ اطلاع علی المغیبات ان لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے جن کے شواغل نفسانی مجاہدوں کی ریاضت یا کسی ایسے مرض کی وجہ سے کم ہوں جو نفس کو اشتغال بالبدن اور آلات کے استعمال سے روکنے والا ہو یا یہ شواغل ایسی نیند کی وجہ سے کم ہوں جس کی وجہ سے اس سونے والے کے احساسات ظاہری منقطع ہو گئے ہوں پس تحقیق یہ لوگ (یعنی ریاضیات اور مجاہدے کرنے والے اور مریض جن کو مالیخولیا ہوتا ہے اور سونے والے بھی) کبھی مغیبات پر مطلع ہو جاتے ہیں جیسا کہ تجربہ شاہد ہے یہاں تک کہ اہل انصاف کو اس میں شبہ تک نہیں رہتا ۔

یہاں تک تو فلاسفہ کا مذہب اور اس کے دلائل تھے۔ اس کے بعد مصنف رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت وجماعت کی طرف سے اس کا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

قلنا ما ذكرتم مردود بوجوه ‏ جو کچھ تم نے کہا چند وجہ سے مردود ہے اس

اذا الاطلاع على جميع المغيبات لا يجب للنبي اتفاقا منا ومنكم ولهذا قال سيد الانبياء ولو كنت اعلم الغيب لاستكثرت من الخير وما مسني السوء ـ والبعض اي الاطلاع على البعض لا يختص به النبي كما اقررتم به حيث جوزتموه للمرتاضين والمرضى والنائمين فلا يتميز به النبي عن غيره

یہ (کہ تمہاری مراد اس اطلاع علی المغیبات سے کیا ہے کہ کل مغیبات پر اطلاع ہونی چاہیے یعنی ہر کل مغیبات پر مطلع ہونا تو کسی کے نزدیک بھی ضروری نہیں۔ نہ ہمارے نزدیک نہ تمہارے نزدیک اور اسی وجہ سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو میں نے خیر سے بہت سا جمع کر لیا ہوتا اور مجھ کو برائی نہ چھوتی اور بعض مغیبات پر مطلع ہو جانا نبی کے ساتھ خاص نہیں (یعنی یہ غیر نبی میں بھی پایا جاتا ہے) جیسے کہ خود تم کو اقرار ہے۔ اس لیے کہ تم اس کو جائز رکھتے ہو ریاضت کرنے والوں کے لیے اور مریضوں کے لیے اور سونے والے کے لیے لہٰذا نبی غیر نبی سے ممتاز نہ ہوگا۔

ناظرین بالانصاف غور فرمائیں کہ شرح مواقف کی اس عبارت اور حفظ الایمان کی زیر بحث عبارت میں کیا فرق ہے ؟

ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے اس قدر بیان کے بعد حفظ الایمان کی عبارت پر مخالفین کو کوئی شبہ نہ رہے گا۔ اس کے مزید اتمام حجت کے لیے ہم اختصار کے ساتھ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ جواب بھی نقل کرتے ہیں جو انھوں نے اسی افتراء کی تردید

میں تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب کا یہ فتویٰ ——— "حسام الحرمین" جب شائع ہوا اور اس سے ایک فتنہ برپا ہوا تو جناب مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب نے حضرت مولانا تھانویؒ کو خط لکھا کہ

"مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی آپ کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ آپ نے نعاذ اللہ حفظ الایمان میں یہ تصریح کی ہے کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل اور ہر جانور کو حاصل ہے۔ کیا کہیں "حفظ الایمان" میں آپ نے یہ لکھا ہے؟ یا آپ کا یہ عقیدہ ہے؟ اگر آپ کا عقیدہ نہیں تو آپ اس شخص کو کیا سمجھتے ہیں جو ایسا خبیث عقیدہ رکھے"؟ ملخص از بسط البنان

حضرت مولانا تھانویؒ جواب دیتے ہیں:

"میں نے یہ خبیث مضمون کسی کتاب میں نہیں لکھا، لکھنا تو درکنار میرے قلب میں بھی اس مضمون کا کبھی خطرہ نہیں گذرا۔ میری کسی عبارت سے یہ مضمون لازم بھی نہیں آتا۔ جیسا کہ اخیر میں عرض کروں گا۔ جب میں اس مضمون کو خبیث سمجھتا ہوں ...... تو میری مراد کیسے ہو سکتا ہے جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کہے، میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں کہ وہ تکذیب کرتا ہے نصوص قطعیہ کی اور

تنقیص کرتا ہے حضور سرورِ عالم فخرِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ۔

اس کے بعد حضرت مولنا مدظلہ، نے اپنے اُسی گرامی نامہ میں جو اسی زمانہ میں "بسط البنان" کے نام سے شائع بھی ہو چکا ہے، خاں صاحب کے اس الزام کا تفصیلی جواب بھی دیا ہے اور حفظ الایمان کی زیرِ بحث عبارت کا مطلب بیان کیا ہے۔ لیکن اب یہاں اس کے نقل کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ ہم نے جو کچھ اس عبارت کی توضیح میں اوپر لکھا ہے وہ گویا حضرت مولنا کے اسی جواب کی شرح ہے ۔

ناظرینِ کرام انصاف فرمائیں کہ فاضل بریلوی اپنے فتویٰ کفر میں صداقت اور دیانت سے کتنے دُور ہیں ۔

واللہ الھادی الی سبیل الرشاد

تکملہ

مُصنفِ حفظ الایمان کی حق پرستی اور بے نفسی

عبارت حفظ الایمان میں ترمیم کا اعلان

حضرات! مولوی احمد رضا خاں صاحب نے "حسام الحرمین" میں حفظ الایمان کی طرف ایک کافرانہ مضمون کی نسبت کرکے کفر کا جو فتویٰ دیا ہے اس پر کافی بحث ختم ہو چکی اور ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا کہ اس کی حقیقت افترا اور بہتان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، اور مصنفِ حفظ الایمان کا دامن اس ناپاک کافرانہ عقیدے سے بالکل پاک ہے ۔۔۔ اس کے بعد یہ معلوم کرکے آپ حضرات کو اور زیادہ قلبی اطمینان ہوگا کہ بعض مخلصین نے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ جب اس طرف مبذول کرائی کہ "اگرچہ حفظ الایمان کی عبارت واقعہ میں بالکل صحیح اور بے غبار ہے لیکن ناخداترس افترا پیشہ معاندین اس کے جن الفاظ سے بے چارے نافہم عوام کو دھوکا دیتے ہیں اگر ان الفاظ کو اس طرح بدل دیا جائے کہ اس کے بعد وہ فتنہ پرداز عوام کو یہ دھوکا بھی نہ دے سکیں تو بے چارے عوام کے حق میں یہ بہتر ہوگا" ـــــ تو حضرت ممدوح نے مشورہ دینے والوں

کو دُعا دیتے ہوئے دلی مسرت کے ساتھ اس مشورہ کو قبول فرمالیا اور عبارت کو اس طرح بدل دیا کہ قدیم عبارت میں "ایسا علم غیب" کے الفاظ سے جو فقرہ شروع ہوتا تھا اُس کے بجائے یہ فقرہ لکھ دیا کہ

"مطلق بعض علوم غیبیہ تو غیر انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل ہیں۔"

یہ واقعہ ماہ صفر ۱۳۴۲ھ کا ہے، گویا اب سے قریباً بتیس[لہ] سال پہلے "حفظ الایمان" کی عبارت میں یہ ترمیم ہوچکی ہے، اور اس کے بعد سے "حفظ الایمان" اسی ترمیم کے ساتھ چھپ رہی ہے بلکہ اس ترمیم کا پورا واقعہ اور حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اُس کا اعلان بھی "تغییر العنوان" کے نام سے "حفظ الایمان" کے ایک ضمیمہ کے طور پر اس کے ساتھ چھپتا رہا ہے

پھر اس کے بعد جمادی الاخریٰ ۱۳۵۴ھ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک صاحب کے توجہ دلانے پر خود اس ناچیز راقم سطور (محمد منظور نعمانی) نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ "حفظ الایمان" کی جس عبارت پر معاندین کا اعتراض ہے اُس کے بالکل ابتدا میں "علم غیب کا حکم کیا جانا" کے جو الفاظ ہیں اُس کا مطلب بلاشبہ لفظ علم الغیب کا اطلاق کرنا ہے، جیسا کہ خود اسی عبارت کے سیاق و سباق سے بھی ظاہر ہے اور "بسط البنان" اور "تغییر العنوان" میں حضرت نے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے۔ پس اگر اصل عبارت میں بھی یہاں "حکم" کے بجائے "اطلاق" ہی کا لفظ کر دیا جائے تو بات اور زیادہ صاف اور بے غبار ہوجائے گی   حضرت نے بلاتامل اس کو بھی قبول فرمالیا اور اس فقرہ کو اس طرح بدل دیا :

لہ اب قریباً بیالیس برس ہوگئے ہیں۔

"پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق کیا جانا اگر بقولِ زید صحیح ہو" الخ اور اس ناچیز سے فرمایا کہ میری طرف سے آپ ہی اس ترمیم کا اعلان بھی کر دیں۔ چنانچہ رجب ۱۳۵۴ھ کے "الفرقان" میں اُسی وقت اس کا اعلان ہو گیا تھا ــــــ بہر حال ان دو ترمیموں کے بعد "حفظ الایمان" کی عبارت اب اس طرح ہے:

"پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق کیا جانا اگر بقولِ زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مُراد بعض غیب ہے یا کُل غیب۔ اگر بعض علومِ غیبیہ مُراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے؟ مطلق بعض علومِ غیبیہ تو غیر انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل ہیں تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے۔"

الغرض ہمارے بزرگوں نے اُن کافرانہ عقیدوں سے اپنی برارت اور اپنی بیزاری کا اعلان بھی کیا جن کو مولوی احمد رضا خاں صاحب نے محض از راہِ عناد اُن کی طرف منسوب کر کے تکفیر کی تھی اور اسی کے ساتھ اپنی عبارتوں کا وہ صحیح اور واقعی مطلب بھی بیان کیا جس کے سوا اُن کا کوئی اور مطلب ہو ہی نہیں سکتا اور یہ بھی ثابت کر دیا کہ ان میں کوئی بات بھی اسلامی تعلیمات اور عقائدِ اہلِ سُنّت کے خلاف نہیں ہے اور اس سب کے بعد جب بیچارے نافہم عوام کو فتنہ [illegible] نے کے خیال سے اللہ کے کسی بندہ نے مخلصانہ طور پر عبارت میں تبدیلی کا کوئی مشورہ دیا تو اس کو بھی بے تامّل اور بلا دریغ قبول فرما کر اپنی عبارت کو بدل بھی دیا ــــــ بلاشبہ یہ ان حضرات کی حق پرستی اور للّٰہیت و بے نفسی کی روشن

دلیل ہے۔ افسوس! کیسے ظالم اور شقی ہیں وہ لوگ جو اللہ کے ان بندوں کو کافر کہتے ہیں ——!

174

میزان الحق

یعنی

دیوبندی، بریلوی اختلاف کا شرعی فیصلہ

مکمّل تین حصّے

اس کتاب میں مسئلہ علم غیب، حاضر و ناظر، مختارِ کل، نور و لبشر، یا رسول اللہ کہنا، غیر اللہ سے مدد مانگنا۔ بدعت کے لغوی و شرعی معنی اور اقسام اور موجودہ دور میں پائی جانے والی تمام بدعات پر تبصرہ، علمائے دیوبند پر کیے گئے تمام اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں اور بریلویوں کے پچاس عقیدے بھی آخر میں نقل کیے گئے ہیں۔

مُرتّب:

پیر جی سیّد مشتاق علی شاہ

ناشر: مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ پاکستان

بحث علم غیب! [1]

علم غیب، علم کل، علم محیط و علم بسیط خاصۂ خدا ہے۔ اللہ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَة کے سوا کسی کو علم غیب ہے نہ علم کل، ہر کسی کا علم محدود ہے، غیر محدود و محیط علم ایک اللہ رب العزت کا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم قرآن حکیم میں اپنے علم کی وسعت و بیکرانی اور کلیت و ہمہ گیری سے متعلق نہایت بسط و تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور بار بار متعدد اسلوب و انداز سے اپنی ذات واحد کے لئے علم غیب و علم کل کا جو اثبات فرمایا ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

انداز علم غیب

۱۔ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ	پورے قرآن میں	۱۰ بار آیا ہے [2]
۲۔ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔	"	۴ " " [3]
۳۔ عَالِمُ الْغَیْبِ	"	۲ " " [4]
۴۔ لِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	"	۴ " " [5]

---

[1] الغیب ہر وہ چیز جو انسان کے علم اور حواس سے پوشیدہ ہو، اس پر غیب کا لفظ بولا جاتا ہے یعنی غیب بمعنی غائب ہے اور کسی چیز کو غیب یا غائب لوگوں کے لحاظ سے کہا جاتا ہے، ورنہ باری تعالیٰ سے تو کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ (مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی، لفظ الغیب)

[2] سورہ انعام ع ۹، توبہ ع ۱۲-۱۴، رعد ع ۲، مومنون ع ۵، زمر ع ۵، السجدہ ع ۱، آخر حشر، خاتمہ تغابن صرف اعراب میں فرق ہے۔

[3] سورہ مائدہ ع ۱۵، ۱۶، توبہ ع ۱۰، سبا، آخری رکوع۔

[4] آخر جن اور سبا ع اول اعراب میں فرق ہے۔

۵۔ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ ۔ (یونس ع ۲) ۱ بار آیا ہے

۶۔ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (نمل ع ۵) ۱ 〃

۷۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۔ (انعام ع ۷) ۱ 〃 آیا ہے

میزان = ۲۵ بار 〃

انداز ۲

علم کل

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ پورے قرآن میں ۱۶ بار[1] آیا ہے

۲۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۔ 〃 ۴[2] 〃 〃

۳۔ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۔ (یٰسین ع ۵) ۱ 〃

۴۔ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۔ (انبیاء ع ۶) ۱ 〃

۵۔ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۔ (آخر جن، یٰسین ع اول) ۲ 〃 بیان ع ۱[3]

میزان = ۲۴ بار

انداز ۳

علم محیط[4]

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۔ (آل عمران ع ۱۲) (نساء ع ۱۶) ۳ بار[5]

۲۔ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۔ (ہود ع ۸) ۱ 〃

۳۔ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۔ (آخر طلاق) ۱ 〃

۴۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۔ (نساء ع ۱۸) ۱ 〃

۵۔ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ ۔ (آخر سورہ جن) ۱ 〃

میزان = ۷ بار

---

[1] بقرہ ع ۲۴، ۲۹، ۳۹، خاتمہ نساء، خاتمہ انفال، توبہ ع ۱۴، مائدہ ع ۱۳، انعام ع ۱۲، عنکبوت ع ۶، شوریٰ ع ۲، نور ع ۵، خاتمہ نور، حجرات ع ۲، حدید ع اول اور مجادلہ ع ۲ ادنیٰ تغیر الفاظ کے ساتھ۔

[2] نساء ع ۵، احزاب ع ۵، ۷، فتح ع ۲ ادنیٰ تغیر کے ساتھ۔ [3] الفاظ میں فرق ہے۔

[4] . . .

اندازِ علم ۴

علمِ وسیع و بسیط [1]

۱۔ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا (مومن، رکوع اوّل) ۱ بار

۲۔ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ (انعام ع ۹ و طٰہٰ ع ۵ و اعراف ع ۱۱) ۲ بار [2]

۳۔ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَّرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (پ ۷ انعام ع ۷)

اور وہ بر و بحر کی تمام چیزوں کو جانتا ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے۔ اور کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر یہ سب کتابِ مبین (لوحِ محفوظ) میں ہے۔ ۱ بار

یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علمی میں ہے، خشکی تری، زمین آسمان کی کوئی چیز بھی اس کے علمِ محیط و بسیط سے باہر نہیں۔

۴۔ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُ بِمِقْدَارٍ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ سَوَاءٌ مِّنكُم مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَن جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ (پارہ ۱۳ - رعد ع ۲)

اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ کسی عورت کو حمل ہوتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک خاص اندازے پر ہے۔ وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے سب سے بڑا اور عالی قدر ہے، تم میں سے جو شخص کوئی بات چپکے سے کرے یا جو پکار کر کہے اور جو شخص رات کو کہیں چھپ جائے اور جو دن میں چلے پھرے یہ سب (خدا کے علم میں) برابر ہیں۔ ۱ بار

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

۵۔ يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُن فِي صَخْرَةٍ أَوْ

اے میرے بیٹے! اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو۔ پھر وہ کسی پتھر کے

---

[1] بسیط وسیع، کشادہ، پھیلا ہوا، (المنجد) یعنی جس سے کوئی چیز باہر نہ ہو۔

[2] صرف ایک لفظ میں تھوڑا سا فرق ہے۔

فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ (لقمان ع ۲)

اندر ہو، یا آسمان کے اندر ہو یا زمین کے اندر، (تب بھی) اس کو اللہ تعالیٰ حاضر کردے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین، باخبر ہے۔ ۱ بار

۶۔ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور آپ کے رب (کے علم) سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمانوں میں، اور نہ کوئی اس (ذرہ) سے چھوٹی اور نہ بڑی، مگر یہ سب (بوجہ احاطہ علم الٰہی) کتاب مبین میں ہے، (یعنی لوح محفوظ میں ہے،)

(پارہ ۱۱، یونس، ع ۷، و پارہ ۲۲ شروع سباء) ۲ بار

۷۔ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (پ ۲۰ نمل ع ۶)

اور آسمان و زمین میں ایسی کوئی چیز مخفی نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔ ۱ بار

۸۔ اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ

قیامت کا علم خدا ہی کی طرف پھیرا جاتا ہے اور کوئی پھل اپنے خول میں سے نہیں نکلتا اور کوئی عورت حاملہ نہیں ہوتی، اور نہ وہ بچہ جنتی ہے، مگر یہ سب اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ ۲ بار

(پارہ ۲۵ شروع و پارہ ۲۲۔ فاطر، ع ۲) میزان = ۱۲ بار

انداز ۵

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ سب جانتا ہے!

۱۔ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ (عنکبوت ع ۲ تغابن رکوع اول) ۵[1] بار

۲۔ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (بنی اسرائیل ع ۶) ۱ "

۳۔ قُلْ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (انبیاء ع ۱) ۱ "

۴۔ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ (ابراہیم ع ۶ آل عمران[2] ع ۱) ۲ "

۵۔ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (فرقان رکوع اول) ۱ "

---

[1] بادنیٰ تغیر الفاظ۔ [2] آل عمران ع ۲، مائدہ ع ۱۲ اور حج ع ۹ میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہ الفاظ ہیں۔

۶۔ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۔ (سبا، رکوع اول، حدید رکوع اول۔)

جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے (مثلاً بارش، پانی) اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (مثلاً نباتات، معدنیات) اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے، یہ سب کچھ اللہ جانتا ہے۔ ۲ بار

میزان = ۱۲ بار

انداز ع ۶

متقین و ظالمین، مصلحین و مفسدین، مہتدین و مضلین اور شاکرین و معتدین اللہ سب کو جانتے ہیں!

۱۔ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۔ (آل عمران، ع ۱۲ توبہ ع ۷) ۲ بار

۲۔ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ (نجم ع ۲) ۱ ″

۳۔ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۔ (بقرہ ع ۱۱، ع ۲۲، توبہ ع ۷، جمعہ ع اور انعام ع ۱۰) ۵ ″

۴۔ فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ (آل عمران ع ۶، یونس ع ۹) ۲ ″

۵۔ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (انعام ع ۱۴، نحل ع ۱۶، قلم ع اول، قصص ع ۶ و نجم ع ۲) ۵ ″

۶۔ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ۔ (انعام ع ۱۴) ۱ ″

۷۔ (انعام ع ۶، بقرہ ع ۲۷، اور بنی اسرائیل ع ۹ میں شاکرین وغیرہ کے متعلق یہی مضمون ہے) ۳ ″

میزان = ۱۹ بار

انداز ع ۷

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ

(تمہارا پروردگار تم سب کا حال خوب جانتا ہے)

اللہ ہر شخص کو اور اس کی ہر حالت و کیفیت کو جانتا ہے

۱۔ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ ۔ (بنی اسرائیل ع ۶) ۱ بار

۲۔ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ ۔ (نور آخر سورہ) ۱ ″

---

۱ علیم کی جگہ اعلم ہے ۲ بار نیز الفاظ ۳ کہ مَنْ يَضِلُّ کی جگہ بِمَنْ ضَلَّ ہے ۴ آیت کا مرف آخری حصہ ہے۔ ۵ بالمہتدین کی جگہ بمن اہتدیٰ ہے۔

۳۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِکُمْ (نساء ع ۴، ممتحنہ ع ۲) ۲ بار
۴۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِکُمْ (النساء ع ۸) ۱ ''
۵۔ اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِہِنَّ عَلِیْمٌ (یوسف ع ۶) ۱ ''
۶۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَکُمْ وَمَثْوٰکُمْ ٭ (سورہ محمد ع ۲) ۱
۷۔ وَکَانَ اللّٰہُ بِھِمْ عَلِیْمًا ٭ (نساء ع ۶) ۱
۸۔ سورہ توبہ ع ۷، نور ع ۹ عنکبوت ع ۴ احزاب ع ۲ شوریٰ ع ۴
اور خاتمہ قٓ میں بھی یہی مضمون ہے۔ ۰۶

میزان = ۱۴

انداز ع ۸

اللہ دلوں کے راز جانتا ہے!

۱۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ٭ پورے قرآن میں ۱۲ بار آیا ہے[۲]
۲۔ یَعْلَمُ خَآئِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ (مومن ع ۲) ۱ '' ''
۳۔ وَرَبُّکَ یَعْلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوْرُھُمْ وَمَا یُعْلِنُوْنَ۔ ۲[۳] '' ''
۴۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ۔ (احزاب ع ۷، نساء ع ۹) ۲[۴] ''
۵۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ اَنْفُسِھِمْ۔ (ہود ع ۳، بنی اسرائیل ع ۳) ۳ '' عنکبوت ع ۱[۵]
۱۱۔ بقرہ ع ۳۰، فتح ع ۲ اور قٓ ع ۲ میں بھی یہی مضمون ہے۔ ۳ ''

میزان ۲۲ بار

انداز ع ۹

اللہ ظاہر و باطن، خفی و جلی، اور عیاں و نہاں سب جانتا ہے

۱۔ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ۔ ۴[۶] بار
۲۔ وَیَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ٭ ۳[۷] ''

---

[۱] ایک لفظ میں فرق ہے۔ [۲] آل عمران ع ۱۶، حدید رکوع اول تغابن رکوع اول، آل عمران ع ۱۲، مائدہ ع ۲ انفال ع ۵ ہود ع ۲ لقمان ع ۳ فاطر رکوع آخر زمر ع اول شوریٰ ع ۳ اور ملک رکوع اول ادنیٰ فرق کے ساتھ
[۳] نمل ع ۶ قصص ع ۷، [۴] [۵] الفاظ میں فرق ہے۔
[۶] بقرہ ع ۹ ہود رکوع اول نحل ع ۳ اور یٰسین رکوع آخر الفاظ میں فرق ہے۔
[۷] تغابن رکوع اول نحل ع ۲ نمل ع ۲ الفاظ میں فرق ہے۔

۳ - اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی (پارہ ۳۰ اعلیٰ، طٰہٰ ع اول) ۲[1] بار
۴ - وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۳[2] "
۵ - اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ آخر انبیاء ۱ "
۶ - یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ۔ (انعام ع ۱) ۱ "
۷ - آل عمران ع ۳ و ۱۷، مائدہ ع ۹ توبہ ع ۱۰، ابراہیم ع ۶ بنی اسرائیل ع ۵
محمد ع ۳ اور ممتحنہ ع اول میں بھی یہی مضمون ہے۔ ۸ "

میزان = ۲۲ بار

انداز ع ۱۰

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

(اللہ تعالیٰ ان سب کے اگلے پچھلے احوال کو خوب جانتا ہے)

اللہ اگلے پچھلے سب حالات جانتا ہے

۱ - یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (بقرہ ع ۳۴، طٰہٰ ع ۶ انبیاء ع ۲ اور حج ع آخر) ۴ بار
۲ - قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ۔ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ۔ (طٰہٰ ع ۲) ۱ "
۳ - هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ (نجم ع ۲) | اور وہ تم کو اس وقت سے خوب جانتا ہے جب تم کو زمین سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔ ۱ "

میزان = ۶ بار

انداز ع ۱۱

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے)

اللہ سب اعمال خیر کو جانتا ہے

۱ - وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۳[3] ۵ بار
۲ - وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُهٗ بقرہ ع ۳۷ ۱ "

میزان ۶ بار

[1] [2] [3] الفاظ میں تھوڑا سا فرق ہے۔ [2] مائدہ ع ۱۴، نور ع ۸ و نحل ع ۲ الفاظ میں تھوڑا سا فرق ہے۔

انداز ع ۱۲

اِنَّ اللّٰہَ بِعِبَادِہٖ لَخَبِیْرٌ بَصِیْرٌ ۝

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا، انہیں دیکھنے والا ہے)

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں اور ان کے گناہوں کی خبر ہے

۱۔ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۳ و ۱۰ فاطر ع ۴[ش] وشوریٰ ع ۳[ش]) ۴ بار

۲۔ وَکَفٰی بِرَبِّکَ بِذُنُوْبِ عِبَادِہٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا (بنی اسرائیل ع ۲) ۱ ۱۱

۳۔ وَکَفٰی بِہٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِہٖ خَبِیْرًا ۝ (فرقان ع ۵) ۱ ۱۱

میزان = ۶ بار

انداز ع ۱۳

وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝

(اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتے ہیں)

اللہ تعالےٰ کو سب اعمال و افعال کا علم ہے!

۱۔ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝ پورے قرآن میں ۴ بار آیا ہے[سلہ]

۲۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (نحل ع ۴) ۱ ۱۱

۳۔ فَقُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (حج ع ۹، شعراء ع ۱۰[سہ]) ۲ ۱۱

۴۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اَعْمَالَکُمْ۔ (محمد ع ۴ انعام ع ۱، رعد ع ۱) ۳ ۱۱

۵۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ۝ (یونس ع ۴ نحل ع ۱۲[شہ]) ۷ ۱۱

۶۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝ (یوسف ع ۹ مومنون ع آخر) ۲ ۱۱

میزان = ۱۹ ۱۱

انداز ع ۱۴

وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝

(اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہیں)

اللہ کو سب اعمال کی خبر ہے

سلہ معمولی تھوڑے سے تغیر الفاظ کے ساتھ۔ سہ بقرہ ع ۲۹ نور ع ۴ یوسف ع ۲ اور مومنون ع ۱ ۔ لم بادنی تغیر الفاظ
سلہ ایک دو لفظوں میں فرق ہے۔ ایضاً۔ شہ نور ع ۱، عنکبوت ع ۵ فاطر ع ۲ زمر ع ۱، وشوریٰ ع ۲
تغیر الفاظ۔

۱ - وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (بقرہ ع ۳۰ بقرہ ع ۳۷ آل عمران ع ۱۸ حدید ع اوّل مجادلہ ع ۲ اور تغابن ع اوّل) ۷ بار

۲ - وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (آل عمران ع ۱۴، ۱۷، توبہ ۲، مجادلہ ع ۲ منافقون خاتمہ سورہ، اور مائدہ ع ۲، نور ع ۷، حشر ع ۳) ۷ ″

۳ - اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (ہود ع ۱۰) لقمان ع ۳، احزاب رکوع اوّل اور فتح ع ۲) ۴ ″

۴ - اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ (نور ع ۴ نمل ع ۷) ۲ ″

۵ - اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (نساء ع ۱۴، ۲۰ اور ع ۲۰) ۳ ″

میزان = ۲۲ بار

انداز ۱۵

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

(اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہیں)

اللہ تعالیٰ کسی کے اعمال سے بے خبر نہیں!

۱ - وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (بقرہ ع ۹، ۱۰، ۱۷ اور ۱۸، آل عمران ع ۱۰) ۵ بار

۲ - وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ بقرہ ع ۱۰، انعام ع ۱۶) ۲ ″

۳ - وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (ہود آخری آیت، نمل آخری آیت) ۲ ″

۴ - وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ (ابراہیم آخری رکوع) ۱ ″

میزان = ۱۰ بار

انداز ۱۶

مختصر انداز محض دو الفاظ میں اللہ رب العزت نے اپنی صفت علم کو جو بیان فرمایا ہے۔ اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

۱ - وَاسِعٌ عَلِيْمٌ کا ارشاد قرآن کریم میں قریباً ۷ مقامات پر ہے

۲ - عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ یا عَلِيْمًا حَكِيْمًا یا الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ یا حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ یا عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ یا الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ یا حَكِيْمٌ خَبِيْرٌ کم و بیش ۴۰ مقامات پر ہے

۳ - عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ یا الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ یا الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ یا عَلِيْمًا حَلِيْمًا یا شَاكِرًا عَلِيْمًا یا لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ وغیرہ ۹ مقامات پر ہے

۴ - سمیعٌ علیمٌ یا السمیع العلیم ۔ کم وبیش ۲۸ مقامات پر ہے

میزان = ۹۴ بار

اندازع ۱۷

قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(ارشاد فرمایا بیشک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)

اللہ سب کچھ جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا

فرشتوں سے فرمایا۔ ۱ - قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (بقرہ ع ۴) ۱ بار

صحابہ کرامؓ سے نیز مسلمانوں سے اور اہل کتاب وغیرہ سے فرمایا ۲ - وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ ع ۲۶

و ع ۲۰ - آل عمران ع ۷، نور ع ۲ و نحل ع ۱۰[1]) ۵ "

رسول کریمؐ سے فرمایا، ۳ - لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۔ (توبہ ع ۱۳ و انفال ع ۸[2]) ۲ "

۴ - لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۔ (ابراہیم ع ۲) ۱ "

۵ - وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (مدثر رکوع اول) ۱ "

۶ - فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا ۔ (فتح ع ۴) ۱ "

میزان = ۱۱ بار

اندازع ۱۸

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔

(آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم (خاص) اللہ کو ہے)

قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور کسی کو نہیں

۱ - قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔ (اعراف ع ۲۳ و احزاب ع ۸ (اعراف ع ۲۳[2]) ۳ بار

۲ - اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (لقمان آخر سورہ، آخر زخرف[2]) ۲ "

۳ - قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۔ (ملک ع ۲) ۱ "

۴ - اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ۝ (النازعٰت ع ۲) ۱ "

میزان = ۷ بار

[1] واللہ کی جگہ اِنَّ اللہ ہے۔ [2] الفاظ میں معمولی سا فرق ہے۔

خلاصہ | جہاں اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اشارۃً مختلف اسلوب انداز سے ۴۱ بار اپنے لئے صفتِ علم کا بیان اور علمِ غیب علمِ کُل علمِ محیط اور علمِ بسیط کا اثبات فرمایا ہے۔ وہاں اپنے سوا کسی برگزیدہ سے برگزیدہ مخلوق کسی فرشتہ یا ولی یا نبی حتیٰ کہ امام الانبیاء والمرسلین حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک دفعہ بھی اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ الٹا ان سے علم قیامت وغیرہ علوم کی نفی کی ہے علیٰ ہٰذا تمام ماسوی اللہ کے لئے علمِ غیب کی نفی فرمائی۔

تمام ماسوی اللہ سے علمِ غیب کی نفی۔

اپنے محبوب و مقبول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے اعلان کرایا فرمایا

۱۔ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (پارہ ۲۰ نمل ع ۵) | آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں (ان میں سے) کوئی بھی غیب نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے۔

ارض وسماء، زمین و آسمان کی کوئی خاکی، نوری یا ناری مخلوق الغیب نہیں جانتی غیب اگر جانتا ہے تو صرف ایک اللہ جانتا ہے۔ علمِ غیب خاصۂ خدا ہے۔

کتنے ظالم ہیں وہ لوگ جو خود اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کا ادعاء باطل کرتے ہیں۔ جن کی زبان پاک سے اللہ رب العزت نے یہ اعلان کرایا کہ زمین و آسمان میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ مگر اللہ! ——— تو عالم الغیب ہونے کی صفت اللہ رب العزت کے ساتھ خاص ہے۔ یہ صفت کسی مخلوق کے لئے ثابت نہیں۔ ارشاد فرمایا:۔

۲۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ۔ (پارہ ۷ انعام ع ۷) | اور غیب کی کنجیاں (یا خزانے) اللہ ہی کے پاس ہیں۔ اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا

تو غیب کے خزانے اور کنجیاں سب اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اور کسی کو ان تک رسائی نہیں، غیب صرف اللہ جانتا ہے۔ اس کے سوا اور کسی کو غیب کا علم نہیں

نبی کریمؐ بھی عالم الغیب نہیں | منصب رسالت کے فرائض و وظائف انذار و تبشیر ——— کی ادائیگی وسرانجام

کے لئے نہ تو ملک و اختیار کی ضرورت ہے اور نہ ہی علم غیب کی۔ یہ دونوں صفات ذات پاک رب العزت کے لئے خاص ہیں۔ نبی کریم اپنی ذات کے لئے ان دونوں صفتوں کی نفی فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

۳۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۔ پ ۹۔ اعراف ع

آپ کہہ دیجئے میں اپنی ذات کے لئے بھی نفع و ضرر کا اختیار نہیں رکھتا، مگر جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں غیب جانتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی مضرت مجھے مس نہ کرتی۔ میں تو محض اہل ایمان کو ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔

علم قیامت کے ساتھ چند اور علوم کی تمام نفوس و ذوات سے نفی ہو رہی ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

۴۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۔ (آخر لقمان)

بیشک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی مینہ برساتا ہے۔ اور وہی جانتا ہے جو کچھ ماں کے پیٹوں میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا۔ بیشک اللہ سب باتوں کا جاننے والا، سب خبر رکھنے والا ہے۔

ا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے ان پانچ باتوں کو نہ تو کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے اور نہ کوئی برگزیدہ نبی۔ اگر کسی نے دعوی کیا کہ ان میں سے کوئی بات جانتا ہے تو اس نے قرآن کا انکار کیا کیونکہ قرآن کی مخالفت کی۔ هٰذِهٖ خَمْسَةٌ لَا یَعْلَمُهَا مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّصْطَفٰی فَمَنِ ادَّعٰی اَنَّهٗ یَعْلَمُ شَیْئًا مِّنْ هٰذِهٖ فَاِنَّهٗ كَفَرَ بِالْقُرْاٰنِ لِاَنَّهٗ خَالَفَهٗ ۔ [1]

---

[1] خازن مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۴۷۴ تفسیر اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ
خازن [illegible]

ب - حضرت ام المومنین سیدہ صدیقہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :۔
جس نے تجھے خبر دی کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے رب کو دیکھا یا کلام اللہ میں سے کوئی بات چھپا لی۔

أَوْ يَعْلَمُ الْخَمْسَ الَّتِيْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ... فَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرْيَةَ

یا پانچ باتیں جانتا ہے جو اللہ تعالٰی نے اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ میں فرمائی ہیں تو اس نے بہت ہی بڑا افتراء کیا (ترمذی)[1]

ج - اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

مَنْ حَدَّثَكَ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَبَّهٗ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ يَقُوْلُ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَمَنْ حَدَّثَكَ اَنَّهٗ يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ كَذَبَ هُوَ يَقُوْلُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ

جو تجھ سے بیان کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے جھوٹ بولا حالانکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ اور جس نے تجھ سے بیان کیا آپ غیب جانتے ہیں تو بیشک اس نے جھوٹ بولا کیونکہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ

د - اور بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا اللّٰهُ، لَا يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا يَعْلَمُ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا يَعْلَمُ مَتٰى يَاْتِي الْمَطَرُ اَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ وَلَا يَعْلَمُ مَتٰى تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا اللّٰهُ[2]

غیب کی کنجیاں پانچ ہیں، انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا جو رحم میں نامکمل بچے ساقط ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی اللہ کے سوا کوئی یہ جانتا ہے کہ بارش کب ہوگی، اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ وہ کہاں مرے گا اور نہ ہی اللہ کے سوا کوئی جانتا ہے کہ قیامت کب ہوگی۔

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب رؤیۃ اللہ تعالٰی۔ [2] صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالٰی عالم الغیب

صرف پانچ باتوں کا نہیں بلکہ کسی غیب کی بات کا بھی کسی کو علم نہیں

یہاں یہ مراد نہیں کہ صرف ان پانچ باتوں کا علم اللہ کے سوا دوسرے کسی کو نہیں اور ان کے علاوہ دوسری غیب کی باتوں کا علم لوگوں کو ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ غیب کی کسی بات کا بھی کسی کو کوئی علم نہیں۔

یہاں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ نے ایک بڑی عجیب اور صحیح بات فرمائی ہے، کہ،۔

جب قیامت کے وقت کی خبر کسی کو نہیں جس کا آنا بہت مشہور اور نہایت یقینی ہے تو اور کسی چیز کے ہونے کی خبر کسی کو کیا ہوگی جیسے کسی کی فتح، شکست، بیماری تندرستی وغیرہ، کہ یہ باتیں نہ تو قیامت کے برابر مشہور ہیں نہ ویسی یقینی!

اسی طرح مینہ برسنے کے وقت کی خبر کسی کو نہیں حالانکہ اس کا موسم معلوم ہے، اور نبی، ولی، بادشاہ، حکیم سارے اس کی خواہش بھی رکھتے ہیں۔

پھر ایسی چیزوں کا علم کسی کو کیا ہوگا جن کا نہ تو موسم معلوم ہے اور نہ سب لوگ مل کر ان کی خواہش رکھتے ہیں مثلاً مرنا، جینا، اولاد کا ہونا، یا غنی یا فقیر ہونا۔

اسی طرح جب کسی کو یہ علم نہیں کہ مادہ کے پیٹ میں کیا ہے، نر ہے یا مادہ؛ ایک ہے یا دو کامل ہے یا ناقص خوبصورت ہے یا بدصورت حالانکہ حکیم لوگ ان سب چیزوں کے اسباب لکھتے ہیں تو آدمی کے دل ودماغ میں اور مخفی چیزوں کا کسی کو کیا علم ہوگا مثلاً خیالات، ارادے، اور نیتیں اور ایمان اور نفاق جس طرح جب کسی کو اپنا حال معلوم نہیں کہ کل کیا کرے گا تو وہ دوسرے کے حالات کا علم کیسے رکھ سکتا ہے۔

اسی طرح جب کسی کو اپنی موت کا علم نہیں کہ کس جگہ آئے گی تو دوسروں کی موت وحیات، وغیرہ کا کسی کو کیا علم ہوگا۔

غرض کہ اللہ کے سوا کوئی کچھ آئندہ کی بات اپنے اختیار سے

نہیں بیان کر سکتا۔ لہ

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ (البقرۃ)

اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ خلقت کے روبرو ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ سب اس کے معلومات میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہی چاہے۔

حق تعالیٰ کا علم محیط اور کامل ہے۔ مخلوقات میں سے کسی کا بھی علم کامل اور محیط نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو جس قدر علم دینا چاہتے ہیں۔ دے دیتے ہیں۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًا (طٰہٰ)

اللہ تعالیٰ ان سب کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور اس کو ان کا علم احاطہ نہیں کر سکتا۔

خدا کا علم ساری مخلوق کو محیط ہے۔ اور کسی کا علم اللہ رب العزت کی ذات کا یا اس کی معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ سب کا علم محدود ہے اور اتنا ہے جتنا اللہ رب العزت نے کسی کو دیا ہے۔

اطلاع علی الغیب

علم غیب تو کسی کو حاصل نہیں غیب کی کنجیاں صرف اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ کسی مخلوق کی ان تک رسائی اور دسترس نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو بعض غیوب پر مطلع فرما دیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔

وَمَا كَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ

اور اللہ تعالیٰ تم کو غیب پر مطلع نہیں کرتے لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے

لہ تقویۃ الایمان، فصل دوم، ردّ شرک فی العلم کی برائی۔ تقویۃ الایمان، توحید کی حقیقت اور شرک کی مذمت میں حضرت شہید کی مشہور و معروف تالیف ہے۔ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے، حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے بھتیجے اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ اسلامی حکومت کے قیام کی خاطر جدوجہد میں سکھوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اپنے شیخ سید احمد بریلوی رحمہ اللہ کے ساتھ بالاکوٹ ضلع ہزارہ میں ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو جام شہادت نوش کیا۔ رحمہم اللہ۔

مَنْ يَّشَآءُ (پارہ ۴ - آل عمران ع ۱۰) | جس کو چاہیں منتخب فرما لیتے ہیں۔

عام لوگوں کو بلا واسطہ کسی غیب پر اطلاع نہیں دی جاتی۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو غیب کی جس بات پر چاہیں اطلاع دے دیتے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا۔

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا - اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا (م آخر سورۃ جن) | اللہ عالم الغیب ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو تو اس کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے چلاتا ہے۔

تو غیب حق اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اللہ اپنے برگزیدہ وپسندیدہ رسولوں کو اپنے غیب کی جس بات پر چاہے اطلاع دے دیتا ہے۔ اور یہ اطلاع بذریعہ وحی ہوتی ہے اور وحی کے ساتھ فرشتوں کا چوکی پہرہ ہوتا ہے۔

غیب کیا ہے اور کیا نہیں

۱- الحافظ العلامۃ الحبر المحقق حضرت مولانا عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۳۰ھ

"شرح عقائد کی شرح میں رقم فرماتے ہیں کہ:-

مسئلہ علم غیب میں عوام کے لئے بحث منقح نہیں۔

وَالتَّحْقِیْقُ اَنَّ الْغَیْبَ مَاغَابَ عَنِ الْحَوَاسِّ وَالْعِلْمِ الضَّرُوْرِیْ وَالْعِلْمِ الْاِسْتِدْلَالِیْ وَقَدْ نَطَقَ الْقُرْاٰنُ بِنَفْیِ عِلْمِهٖ عَمَّنْ سِوَاهُ تَعَالٰی فَمَنِ ادَّعٰی اَنَّهٗ یَعْلَمُهٗ كَفَرَ وَمَنْ صَدَّقَ الْمُدَّعِیْ كَفَرَ وَاَمَّا مَا عُلِمَ بِحَاسَّةٍ اَوْ ضَرُوْرَةٍ اَوْ دَلِیْلٍ فَلَیْسَ بِغَیْبٍ وَلَا كُفْرَ فِیْ دَعْوَاهُ وَلَا فِیْ تَصْدِیْقِهٖ عِنْدَ الْمُحَقِّقِیْنَ

تو غیب وہ ہے جو حواس ظاہری سمع وبصر سے غائب ہو اور علم ضروری وحی والہام اور علم استدلالی علامات ودلائل پر اس کی بنیاد نہ ہو۔ کتاب اللہ اور ارشادات واحادیث نبویؐ میں اللہ کے سوا جس علم غیب کی نفی فرمائی گئی ہے وہ یہی علم غیب ہے اور اس کا مدعی ومصدق بالاتفاق کافر ہے۔ لیکن جو امور سمع وبصر سے محسوس ومدرک ہوں یا وحی یا الہام یا علامات ودلائل سے معلوم ہوں وہ غیب

نہیں اور نہ ہی ان سے متعلق علم، علم غیب ہے، مثلاً حضرات انبیاء علیہم السلام یا حضرات اولیاء اللہ کی پیش گوئیاں یا خبریں علم غیب میں داخل نہیں کیونکہ یہ وحی و الہام سے مستفاد ہیں، للٰہذا ان کا مدعی و معتقد کافر نہیں۔

۲ - نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات متعلقہ غیب سے متعلق رقمطراز ہیں کہ:۔

فَلَا يُنَافِي الْآيَاتُ الدَّالَّةُ عَلَى أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِأَنَّ الْمَنْفِيَّ عِلْمُهُ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ فَكُلُّ مَا وَرَدَ عَنْهُ مِنَ الْغُيُوبِ لَيْسَ هُوَ إِلَّا عَنْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالَى بِهِ[1]

جو آیات علم غیب کی نفی پر دلالت کرتی ہیں وہ اس کی تردید نہیں کرتیں کیوں کہ آپ کے علم (غیب) کی نفی بغیر واسطہ کے ہے اور حضرت سے غیب کے متعلق جو باتیں وارد ہوئی ہیں وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کے آپ کو بذریعہ وحی (وغیرہ) علم دینے کی بنا پر ہیں (یعنی واسطے سے ہیں)۔

ان تصریحات سے جہلاء کے اس اشکال واعتراض کا بھی دفعیہ ہو گیا جو کہتے ہیں کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن تو غیر ممالک کی خبریں دیتے ہیں ان پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ یا محکمہ موسمیات جو بارش وغیرہ سے متعلق مستقبل کی خبریں دیتا ہے وہ عموماً سچی نکلتی ہیں۔ تو ریڈیو ہو یا ٹیلی ویژن یا محکمہ موسمیات یہ واسطہ و ذریعہ اور دلیل و علامات سے بات کرتے ہیں، اور علم غیب وہ ہے جو کسی واسطے یا ذریعے یا علامت و دلیل کے بغیر ہو۔

ٹھنڈی ٹھنڈی اور مرطوب ہوا چل رہی ہے، گھنگھور گھٹا چھائی ہے، بجلی چمک رہی ہے، بادل گرج رہا ہے، اب اگر کوئی کہے کہ بارش ہو گی، تو یہ علم غیب نہیں ہے کیونکہ اس کی بنیاد تو حواس اور علم استدلالی پر قائم ہے۔ جب بارش کی علامات ظاہر و موجود ہیں تو بارش ہو گی، اسی طرح اگر ایک قابل و ماہر طبیب نبض دیکھ کر مریض کا حال اور اس کے مرض کی کیفیت بتا دیتا ہے تو اس کی بنیاد اس کے علم و استدلال پر قائم ہے۔ للٰہذا یہ علم غیب نہیں۔

۱ - چنانچہ رئیس الفقہاء والمحدثین حضرت ملا علی قاری (متوفی ۱۰۱۴ھ) اور علامہ سعد الدین تفتازانی (متوفی ۷۹۲ھ) رحمہما اللہ لکھتے ہیں:۔

---

[1] حاشیہ نبراس، ص ۳۴۲

وبالجملة العلم بالغيب امر تفرد به الله تعالى لا سبيل للعباد اليه الا باعلام منه او الهام بطريق المعجزة او الكرامة او ارشاد الى الاستدلال بالامارات فيما يمكن فيه ذلك . . . . لہ

۲۔ اسی طرح تاتارخانیہ میں ہے ،۔

يكفر بقوله انا اعلم المسروقات او انا اخبر عن اخبار الجن اياي واما ما وقع لبعض الخواص كالانبياء او الاولياء بالوحي او الالهام فهو باعلام من الله تعالى فليس مما نحن فيه ۔ ۲ے

کوئی شخص کہے کہ میں چوری شدہ مال کو جانتا ہوں اور میں ان خبروں کی بناء پر بات کرتا ہوں جو مجھے جن دیتے ہیں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور بعض خواص جیسے حضرات انبیاءؑ و اولیاء سے ثابت ہے وہ وحی یا الہام کے ساتھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم دینے کی بناء پر ہے اس سے ہماری بحث نہیں۔

تو اللہ رب العزت اپنے رسولِ معصومؑ کو یا اولیاء کرام کو وحی والہام سے بطور معجزہ وکرامت جو کچھ بتلایا دکھلا دیں، اس میں بحث نہیں، کیونکہ وہ علم غیب نہیں، ہاں وحی یا الہام وغیرہ کے واسطہ کے بغیر غیب کا علم، علم غیب ہے اور بحث اسی میں ہے اور یہ خاصۂ خدا ہے۔ کسی غیر اللہ۔ نبی یا ولی کے لئے اس کا دعویٰ کرنا کفر ہے۔

خلاصہ: علم غیب وہ ہے جو عادی وسائل و اسباب اور وسائط کے بغیر از خود ہو اور جو علم، وسائل و ذرائع اور وسائط سے حاصل ہو وہ علم غیب نہیں خواہ وہ وسائل و ذرائع حسی و ظاہری ہوں خواہ باطنی و معنوی، یعنی خواہ حواس، علامات تجربے اور عقل و خرد سے وہ علم حاصل ہو خواہ وحی یا کشف والہام سے، وہ علم غیب نہیں ہے۔

انتباہ:۔ فقہاء امت کے اس فتویٰ میں ان لوگوں کے لئے عظیم انتباہ ہے۔ جو بعض ٹھگوں کے پاس جاکر اپنے مال مسروقہ کا اتہ پتہ پوچھتے ہیں اور وہ عیار، رنگ کار، چالاک و مکار لوگ جنتوں کے ساتھ رابطہ قائم کرنے یا مٹی کا (وضو کرنے والا) لوٹا گھمانے کا ڈھونگ رچا کر ان جاہل مسلمانوں کے مال کے ساتھ ان کے متاع ایمان پہ بھی

لہ شرح فقہ اکبر، ص ۱۵۵، و شرح شرح العقائد، ص ۱۷۴، ۲ے و شامی، جلد ۳، کتاب الجہاد، باب المرتد۔

ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ فقہاء رحمہم اللہ نے صراحت سے ان ٹھگوں کی تکفیر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطاء فرمائیں۔

حضرات فقہاء و محدثین اور ائمہ علم کلام رحمہم اللہ نے بذریعہ وحی و الہام جس اطلاع علی الغیب پر بحث کی ہے۔ خود لسانِ رسالت سے اس کا بیان دارشاد ملاحظہ ہو۔

امام ابن اسحاق[1] رحمہ اللہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں :۔

غزوۂ تبوک میں سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہوگئی، آپ کے اصحاب اس کی تلاش میں نکلے، زید بن اللصیت (منافق) کہنے لگا محمدؐ تو نبی ہونے کے مدعی ہیں اور تمہیں آسمانوں کی خبر دیتے ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے!

(اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَعْلَمُ اِلَّا مَا عَلَّمَنِیَ اللّٰہُ وَقَدْ دَلَّنِیَ اللّٰہُ عَلَیْھَا وَھِیَ فِیْ ھٰذِہِ الْوَادِیْ فِیْ شِعْبِ کَذَا وَکَذَا قَدْ حَبَسَتْھَا شَجَرَۃٌ بِزِمَامِھَا۔	واللہ میں نہیں جانتا مگر وہ جس کا اللہ مجھے علم دیتا ہے۔ اور ابھی اللہ نے مجھے دکھلایا ہے کہ وہ اس وادی میں اسس درّہ میں موجود ہے درخت کی شاخ میں

اس کی مہار اٹکی ہوئی ہے چنانچہ صحابہ کرامؓ گئے اور اونٹنی کو لے آئے[2]

اگر اللہ رب العزت اپنے محبوب رسولؐ کو یا غیر رسول کو بھی بطور معجزہ و کرامت کسی غیب پر اطلاع دے دیں، تو اس کا انکار نہیں۔ یہ خود کتاب و سنت سے بصراحت ثابت ہے، اور یہ وحی و الہام کے واسطہ و ذریعہ سے جو علم و خبر کسی نبی یا ولی کو حاصل ہوگی، یہ غیب نہیں، اور جو غیب ہے۔ یعنی بغیر واسطہ و ذریعہ، بغیر علامت و دلیل غیر مشہود و غیر موجود حقائق واشیاء کا علم، یہ خاصۂ خدا ہے۔ یہ نہ کسی آسمان

[1] امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۱ھ) سیرت و مغازی کے مسلّم امام ہیں، بڑے جلیل القدر محدث ہیں، تابعین میں سے ہیں۔ حضرت انسؓ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

[2] "سیرت ابن ہشام"، مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۱۶۰ ذکر غزوۂ تبوک "اصابہ" جلد اول نمبر ۲۹۰۳، اصابہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) کی صحابہ کرامؓ کے حالات پر بڑی عجیب یکتا بے نظیر کتاب ہے، ہزاروں صحابہؓ و صحابیاتؓ کے مفصل حالات پر مشتمل ہے۔ شیخ الاسلام بڑے بلند پایہ محدث اور عظیم و جلیل مصنف ہیں۔ رحمہ اللہ۔

والے کو حاصل ہے نہ زمین والے کو، نہ نبی کو نہ ولی کو، نہ کسی فرشتے کو اور نہ ہی کسی اور کو۔

سنتِ رسولؐ سے رسولِ کریمؐ کے علمِ غیب و علمِ کُل کی نفی

کتاب اللہ کے بعد اب سنتِ رسولؐ سے علمِ غیب و علمِ کُل کا خاصۂ خدا ہونا اور غیر اللہ سے اس کی نفی ملاحظہ ہو۔ نبیؐ کریمؐ نے خود اپنے لئے علمِ غیب و علمِ کُل کی ہر موقع پر صراحت سے نفی فرمائی ہے۔ چند احادیث پیش ہیں:۔

۱۔ بروایت رُبَیِّع بنت معوذؓ۔ ان کی شادی کے موقع پر نبیؐ کریمؐ کی موجودگی میں انصار کی بچیاں دُف بجا کر ان کے آبا کے مناقب پڑھ رہی تھیں جو بدر میں شہید ہو گئے تھے، ان بچیوں میں سے ایک نے کہہ دیا:۔ وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ کہ ہم میں نبی موجود ہیں جو کل کی باتیں جانتے ہیں۔ تو آپؐ نے فوراً فرمایا:۔

دَعِيْ هٰذِهٖ وَقُوْلِيْ بِالَّذِيْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ۔ رواہ البخاری۔ له	اس بات کو چھوڑ دو۔ وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھی۔

اللہ اکبر! مجلس تعلیم و تعلّم نہیں بلکہ محفل فرح و سرور ہے۔ پھر کہنے والی ایک معصوم لڑکی ہے، کوئی "شیخ الحدیث" یا علامہ نہیں، پھر بات گیت کے ایک مصرعہ کی ہے کسی عقیدہ و ایمان سے متعلق کوئی عبارت نہیں مگر اللہ کے محبوب رسولؐ اس ایک کلمہ کو بھی برداشت نہ فرما سکے اپنے متعلق علمِ غیب کی ذرا سی نسبت کی بھی اجازت نہ دی اور فوراً منع فرما دیا کہ یہ نہ کہو۔ اسے چھوڑ دو۔ اللہ اللہ!

۲۔ بروایت خارجہؓ بن زید۔ ایک انصاری بی بی حضرت اُمّ العلاءؓ صحابیہ نے انہیں خبر دی کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات پر جب انہیں غسل دے کر کفن پہنا دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں نے کہا ابو سائب (یہ حضرت عثمانؓ کی کنیت ہے) تم پر خدا کی رحمت! میں تمہارے متعلق گواہی دیتی ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ضرور تمہیں اپنی رحمت سے سرافراز فرمایا ہوگا اس پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہیں یہ کیسے علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ضرور

ان کو سرافراز فرمایا ہوگا، میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، (اگر ان کو نہیں) تو پھر اللہ تعالیٰ اور کس کو نوازے گا؟ ارشاد فرمایا۔ خدا کی قسم! ان کی وفات ہوگئی اور خدا کی قسم مجھے بھی ان کے متعلق خیر کی اُمید ہے مگر۔

وَاللّٰہِ مَآ اَدْرِیْ وَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ مَاذَا یُفْعَلُ بِیْ۔ رواہ البخاری ؎۱	خدا کی قسم! گو میں اللہ کا رسول ہوں مگر میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا

۳۔ بروایت اُبَیّ بن کعب، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ۔ ۔ ۔ خضر نے کہا، یا موسیٰ! جو علم اللہ نے مجھے دیا ہے وہ آپ نہیں جانتے۔ اور جو علم اللہ نے آپ کو دیا ہے وہ میں نہیں جانتا۔ ۔ ۔ ۔ پھر جب دونوں سمندر کے اندر کشتی میں سوار ہوئے تو ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ اور سمندر میں ایک یا دو چونچیں ماریں تو (حضرت) خضر نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا۔

مَا نَقَصَ عِلْمِیْ وَ عِلْمُکَ مِنْ عِلْمِ اللّٰہِ اِلَّا کَنَقْرَۃِ ھٰذَا الْعُصْفُوْرِ فِی الْبَحْرِ ؎۲	میرے اور آپ کے (دونوں کے) علموں نے (مل کر بھی) اللہ کے علم میں

کوئی کمی نہیں کی مگر سمندر سے اس چڑیا کی ایک چونچ برابر۔ (یعنی کوئی کمی نہیں کی) اس حدیث پاک سے دو باتوں کا علم ہوا ایک تو یہ کہ نبی کا علم ہو یا غیر نبی کا۔ خضر کا علم ہو یا موسیٰ کا (علیہما السلام) یہ اللہ تعالیٰ کا عطا فرمودہ ہے، جس کو جو علم دیا ہے اللہ نے دیا ہے اور دوسری بات یہ کہ یہ حضرات انبیاء و اولیاء کے جملہ علوم جو ہیں یہ سب علوم مل ملا کر بھی علم الٰہی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ انہیں اللہ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں جو سمندر سے ایک قطرہ کو ہے۔ اللہ کا علم کُل سب محیط ہے۔ وسیع و بسیط ہے۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو سوتے میں کروٹ بدلی تو اپنے پہلو کے نیچے ایک کھجور کا دانہ پایا۔ اسے اُٹھایا اور تناول فرمالیا۔ پھر باقی رات آپ تکلیف سے پیچ و تاب کھاتے رہے آپ کو نیند نہ آئی آپ نے اپنی کسی زوجہ کو یہ کیفیت بیان کی اور فرمایا۔

؎۱ "ترجمان السنۃ"، جلد دوم حدیث نمبر ۱۰۸۔ ؎۲ صحیح بخاری کتاب العلم باب ما یستحب للعالم

إني وجدت تمرة تحت جنبي فأكلتها ثم تخوفت أن تكون من الصدقة

میں نے اپنے پہلو تلے ایک کھجور کا دانہ پڑا پایا اور اسے کھا لیا۔ اب مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ صدقہ کے مال میں سے نہ ہو۔

اللہ اللہ! کھجور کھا تو لی مگر اس خوف سے کہ مبادا یہ عشر کے مال میں سے ہو جو عموماً آپ کے دولت کدہ میں جمع ہوتا اور پھر مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس ڈر سے آپ کی نیند اُچاٹ ہو گئی، شب بھر آپ پیچ و تاب کھاتے رہے۔ یہ ساری کیفیت اس بات کا علم نہ ہونے کی وجہ سے پیش آئی کہ وہ کھجور صدقہ کی ہے یا نہیں۔ اگر معلوم ہوتا کہ صدقہ کی ہے تو حضرت تناول ہی نہ فرماتے اور اگر علم ہوتا کہ صدقہ کے مال میں سے نہیں تو رات بھر پریشان اور فکر مند اور بے چین نہ رہتے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۵۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستے سے گزرے تو آپ کو ایک کھجور پڑی ہوئی ملی ارشاد فرمایا۔

لولا أني أخاف أن تكون من الصدقة لأكلتها (متفق علیہ)

اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی کھجور ہوگی تو میں اسے کھا لیتا (صحیح بخاری، صحیح مسلم)[1]

تو آپ نے اس عدم علم و یقین کی وجہ سے کہ وہ کھجور صدقہ کی نہیں، کھجور کو تناول نہ فرمایا۔ اگر مال صدقہ میں سے نہ ہونے کا یقین ہو جاتا تو تناول فرما لیتے۔

۶۔ حضرت عبادہؓ بن صامت سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے تاکہ ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دیں، مسلمانوں میں سے دو شخص باہم جھگڑنے لگے تو آپ نے فرمایا۔ میں آیا تھا کہ تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دوں لیکن فلاں فلاں باہم جھگڑنے لگے۔

فرفعت وعسى أن يكون خيرا لكم[2] فالتمسوها في التاسعة والسابعة والخامسة

لہٰذا اس کی تعیین اٹھا لی گئی۔ اور شاید یہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ پس تم اسے پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں (شب) میں تلاش کرو۔

۷۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں ہے ارشاد فرمایا۔

---

[1] "طبقات ابن سعدؒ" جلد اول ص ۳۹۰۔ ۵۲ "مشکوٰۃ المصابیح" باب من لا تحل له الصدقة

[2] "مشکوٰۃ المصابیح" باب لیلۃ القدر، موطا مالکؒ میں یہ روایت حضرت انسؓ سے مروی ہے۔

رَأَيْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ أُنْسِيْتُهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوْهَا فِيْ كُلِّ وِتْرٍ متفق علیہ [1]	مجھے یہ رات بتلائی گئی تھی پھر میں اسے بھول گیا۔ پس تم اسے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا امام مالکؒ اور ابوداؤد وغیرہ میں بھی یہ حدیث مروی ہے۔

۸۔ ایک روایت میں ہے، ارشاد فرمایا۔

اِنِّیْ اُرِیْتُ لَیْلَةَ الْقَدْرِ وَاِنِّیْ نُسِّیْتُهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِیْ وِتْرٍ [2]	بے شک مجھے لیلۃ القدر بتلائی گئی تھی۔ مگر وہ بھلا دی گئی۔ پس اب تم اسے

(رمضان کے) آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ڈھونڈو۔

یہ عظیم رات جو ہزار مہینوں سے بھی قدر و عظمت میں بہتر و افضل اور برتر ہے۔ اُمت کو آپ متعین کر کے نہ بتلا سکے کہ کون سی رات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا قطعی علم عطا نہیں فرمایا۔ عطاء فرمایا بھی تھا مگر دو مسلمانوں کے باہمی نزاع کی وجہ سے وہ علم واپس لے لیا گیا۔ اب آپ نے اندازہ سے فرمایا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کرو۔ کیونکہ رمضان المبارک میں اس کا ہونا تو قرآن کریم سے ثابت ہے۔ باقی قطعی تاریخ کا تعین آپ نے نہ فرمایا۔

۹۔ اسی سلسلہ میں ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔

بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ نے (سنہ ۱۰ھ) عاشورہ (۱۰ محرم) کا روزہ رکھا اور صحابہؓ کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس دن کی تو یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَئِنْ بَقِیْتُ اِلٰی قَابِلٍ لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ۔ رواہ مسلم [3]	اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو ۹ محرم کا روزہ (بھی) رکھوں گا (تاکہ یہود و نصاریٰ

کی مخالفت ہو جائے) مگر آپ اگلے سال تک زندہ نہ رہے، ربیع الاول سنہ ۱۱ھ ہی میں وفات پا گئے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، باب لیلۃ القدر۔

[2] صحیح بخاری باب الاعتکاف وخروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم صبیحۃ عشرین۔

[3] مشکوٰۃ المصابیح، باب صیام التطوع۔

تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفاتِ شریفہ اور رحلتِ مبارکہ کا بھی علم نہیں
آپ فرما رہے ہیں کہ اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو نو محرم کا روزہ بھی رکھوں گا۔ مگر
خالقِ زمانہ مالک جل جلالہٗ کی طرف سے پیغامِ وصال آپہنچا اور آپ (۱۰ محرم سے ۱۲/۱۱
ربیع الاول تک) صرف دو ماہ بعد ہی اپنے ربِ اعلیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔
صلی اللہ علیہ وسلم۔

خلاصہ کتاب اللہ کی متعدد نصوص قطعیہ کے بعد سنتِ رسول سے نو۹ بار خود
نبی الانبیاء سید المرسلینؐ کی ذات پاک کے لئے علمِ غیب و علمِ کل کی نفی
ثابت ہے۔ اس کے بعد اور کون ماں کا لال ہے جس کے لئے علمِ غیب کا دعویٰ کیا جائے۔

فقہاءِ اسلام غیر اللہ حتیٰ کہ رسول کریمؐ کے لئے علمِ غیب کے مدعی کو کافر کہتے ہیں!

کتاب و سنت کے بعد اس مسئلہ سے متعلق فقہاء امت کے اقوال درج ذیل ہیں۔
۱۔ امام الفقہاء حسن بن منصور المعروف بہ قاضیخان (المتوفی ۵۹۲ھ) رقمطراز ہیں:۔

ایک شخص نے ایک عورت سے (گواہوں کے بغیر) اللہ اور رسولؐ کو گواہ بنا کر نکاح کیا۔
یہ باطل ہے .....

وبعضہم جعلوا ذلك کفراً لانہٗ یعتقد ان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وھو کفرٌ (فتاویٰ قاضی خان جلد اول کتاب النکاح)

اور بعض نے اسے کفر قرار دیا ہے، کیونکہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، اور یہ کفر ہے۔

۲۔ علامہ زین الدین ابن نجیم المصری (المتوفی ۹۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:۔
لو تزوّج بشھادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد النکاح ویکفر لاعتقادہ انّہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یعلم الغیب (بحرالرائق جلد ۳ ص۹۴)

۱؎ فقہ حنفی کے مشہور فتاویٰ "تاتارخانیہ" میں بھی قریباً یہی الفاظ ہیں۔ اور "خزانۃ المفتیین"، "بزازیہ"، "مجمع البحار"، "شامی" وغیرہ میں بھی!

۳۔ السلطان العادل اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۱۸ھ) کے مرتب کرائے ہوئے فتویٰ میں ہے:۔

تَزَوَّجَ رَجُلٌ اِمْرَاَۃً وَلَمْ یَحْضُرِ الشُّھُوْدُ وَقَالَ۔

خدائے را و رسول را گواہ کردیم ..... یکفر۔ "فتاویٰ عالمگیری" جلد ۲ ص ۲۱۲

۴۔ نیز امام فقیہ علی بن ابی بکر صاحب ہدایہ (المتوفی ۵۹۳ھ) اپنی کتاب تجنیس ص ۲۹۰ پر، علامہ طاہر بن احمد (۵۴۲ھ) خلاصۃ الفتاوی جلد ۴ ص ۳۵۴ پر، امام عبدالرحیم (۶۵۱ھ) فصول عمادیہ ص ۶۴ پر امام محمد بن محمد الخوارزمی المعروف بالبزازی (۸۲۷ھ) فتاویٰ بزازیہ ص ۳۲۵ پر اور محدث کبیر علامہ بدرالدین عینی (۸۵۵ھ) عمدۃ القاری جلد ۱۱ ص ۵۲۰ پر امام ابن ہمام محمد بن عبدالواحد (۸۶۱ھ) مسایرہ جلد ۲ ص ۸۹ مع المسامرہ پر اور علامہ ابن عابدین الحنفی (۱۲۵۲ھ) شامی جلد ۳ ص ۳۰۶ اور دوسرے جلیل القدر و شہرہ آفاق فقہاء اسلام نے یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا وہ کافر ہے۔ حتیٰ کہ "مالا بد منہ ص ۱۳۳" پر خاتم الفقہاء حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (المتوفی ۱۲۲۵ھ) رحمہ اللہ بھی یہی لکھتے ہیں۔ ؎

۵۔ امام الفقہاء والمحدثین حضرت ملا علی قاری (متوفی ۱۰۱۶ھ) احناف کے چوٹی کے امام وفقیہہ امام ابن ہمام (متوفی ۸۶۱ھ) سے شرح فقہ اکبر میں نقل فرماتے ہیں:۔

اِعْلَمْ اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ لَمْ یَعْلَمُوا الْمُغَیَّبَاتِ مِنَ الْاَشْیَاءِ اِلَّا مَا اَعْلَمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَحْیَانًا وَذَکَرَ الْحَنَفِیَّۃُ تَصْرِیْحًا بِالتَّکْفِیْرِ بِاعْتِقَادِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْلَمُ الْغَیْبَ لِمُعَارَضَۃِ قَوْلِہٖ تَعَالٰی قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔ کذا فی المسامرہ	جان لو کہ بالیقین حضرات انبیاء علیہم السلام غیب کی چیزوں کا علم نہیں رکھتے۔ سوائے اس کے جو علم اللہ تعالیٰ انہیں کبھی دیدے اور احناف نے صراحت کے ساتھ اس (اعتقاد رکھنے والے) کی تکفیر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔ بایں وجہ کہ یہ اعتقاد قولہ تعالیٰ قل لا

یَعْلَمُ مَنْ ..... اِلَّا اللّٰہُ (الآیۃ) کے معارض و مقابل ہے یہ مسایرہ میں ہے۔

(جواہر ... ... کی تالیف ہے)۔

؎ یہ تمام تفصیلات حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر کی تالیف "ازالۃ الریب" ...

شریعت نے تو اس معاملہ میں یہاں تک حکم دیا ہے کہ اگر کوئی شخص چاند کے گرد ہالہ دیکھ کر علم غیب کا مدعی بن کر کہے کہ بارش ہوگی تو وہ بھی کافر ہوگیا۔

یکفر بقوله عند رویة الدائرة التی تکون حول القمر یکون مطرًا مدعیًا علم الغیب کذا فی بحر الرائق [1]

۶۔ امام الاحناف حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

ذُکِرَ فی الفتاوٰی اِن قول القائل عند رویة هالة القمر یکون مَطَرٌ مدعیًا علم الغیب لا بعلامة منه کفرٌ [2]

جس نے چاند کے گرد دائرہ دیکھ کر بارش کی علامت کے طور پر نہ بلکہ علم غیب کا مدعی بن کر کہا کہ بارش ہوگی۔ یہ کفر ہے۔

کاہنوں اور ان کی تصدیق کرنے والوں کا حکم

۷۔ فقیہ کبیر قاضی خان رحمہ اللہ الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ، ایک شخص نے کہا:۔

اَنَا اَعْلَمُ الْمَسْرُوقَاتِ ... هذا القائل وَمَنْ صدّقه یکون کافرًا

میں چوری شدہ مال کا علم رکھتا ہوں یہ دعویٰ کرنے والا اور اس کی تصدیق کرنے والا کافر ہوگیا۔

ان سے کہا گیا کہ وہ قائل کہتا ہے کہ جن مجھے خبر دیتے ہیں اور میں ان کی خبر کی بناء پر کہتا ہوں تو فرمایا:۔

هُوَ وَمَنْ صَدَّقَهٗ یَکُوْنُ کَافِرًا بِاللّٰهِ لقوله علیه السلام مَنْ اتی کاهنًا فَصَدَّقَهٗ فیما قَالَ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لا یعلم الغیب الا الله لا الجن ولا الانس یقول الله تعالٰی فِی الْاَخْبَارِ عَنِ الْجِنِّ فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ

وہ کافر ہوگیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہ بھی اللہ کا منکر ہوگیا کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو کاہن کے پاس گیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی اس نے جو کچھ محمد پر نازل ہوا اس کا انکار کیا۔ اللہ کے سوا کوئی بھی غیب کو نہیں جانتا۔ نہ کوئی جن اور نہ ہی کوئی انسان اللہ تعالیٰ جنوں کے حالات سے متعلق (قرآن میں)

اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۔ ؎۵

فرماتے ہیں: فَلَمَّا تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ ..... یعنی جب (حضرت سلیمانؑ بعد وفات عصاء کے دیمک خوردہ ہونے پر) گر پڑے تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔

....

کاہن مستقبل کی خبریں بتانے والوں کو کہا جاتا ہے۔ منجم اور رمال کا بھی یہی حکم ہے عہد جاہلیت میں ان لوگوں کا رام راج تھا۔ اب بھی جاہل لوگ کاہنوں وغیرہ کے پاس جاکر اپنے متعلق مستقبل کی خبریں پوچھتے ہیں گم شدہ یا چوری کردہ مال کا پتہ نشان پوچھتے ہیں۔ اور ان کا "حق الخدمت" ادا کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے پاس جاکر غیب سے متعلق خبریں دریافت کرنے اور ان کی تصدیق کرنے کو کفر فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ ..... فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ؎۶

رواہ احمد و ابوداؤد

جو شخص کاہن کے پاس جائے اور (غیب سے متعلق) اس کی باتوں کی تصدیق کرے ..... تو جو کچھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا۔ وہ اس سے بری ہوا۔ ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کی روایت میں فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے الفاظ ہیں۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے بھی کاہنوں کے پاس جانے اور ان کی تصدیق کرنے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔

؎ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے عصا کو دونوں ہاتھ سے پکڑ کر ٹھوڑی مبارک کے نیچے لگا لیا اور تخت پر بیٹھ گئے۔ اسی حالت میں روح اقدس قبض ہوگئی۔ جنات آپ کو زندہ دیکھ کر اور بیٹھا دیکھ کر محنت شاقہ میں مصروف رہے۔ سال بھر تک اس طرح ذلیل ہوتے رہے، سال کے بعد دیمک نے عصا کو کھا کر کھوکھلا کر دیا حضرت سلیمان علیہ السلام گر پڑے تب جنوں کو حقیقت معلوم ہوئی۔

؎۵ "فتاویٰ قاضیخاں"، جلد ۴ ص ۸۸۲ (الدر الفریدۃ) الدر الغریب المعروف "مرآت التوحید" مولانا عبد القیوم ہزاروی کی تالیف ہے۔ عہد حاضر کے جید و فاضل عالم ہیں۔ مدظلہ۔

؎۶ مشکوٰۃ ... [illegible]

[شرح فقہ اکبر[1] میں ہے:۔ ان تصدیق الکاھن بما یخبرہ من الغیب کفر۔ بزازیہ میں ہے:۔ یکفر بادعا علم الغیب وباتیان الکاھن وتصدیقہ[2] یعنی علم غیب کا دعویٰ کرنے اور کاہن کے پاس جانے اور اس کی تصدیق کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ تاتارخانیہ میں ہے ویکفر بقولہ انا اعلم المسروقات او انا اخبر عن اخبار الجن ایای[2]] یعنی میں چوری شدہ مال (کا اتہ پتہ) جانتا ہوں، یا میں جنوں سے معلوم کر کے خبریں دیتا ہوں۔ اس قول سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

یہ گندہ عقیدہ کہاں سے در آمد ہوا

بہرحال اہل سنت کا تو یہی اجماعی مسئلہ ہے کہ علم غیب خاصۂ خدا ہے۔ کتاب اللہ، احادیث رسول اور فقہاء اسلام سے بصراحت ثابت ہے کہ کسی غیر اللہ، نبی یا ولی، انسان یا جن یا ملک مقرب کے لئے علم غیب وعلم کل کا دعویٰ قطعی طور پر کفر ہے، پھر جاہل مسلمانوں میں یہ عقیدہ کہاں سے آیا۔

یہ عقیدہ دراصل غالی رافضیوں کا عقیدہ ہے۔ اور ان سے جاہل مسلمانوں میں در آیا ہے چنانچہ شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۶۱ھ) ان کے عقائد کے بیان میں رقم فرماتے ہیں کہ:۔

ان الامام یعلم کل شیء ما کان وما یکون من امر الدنیا والدین حتی عدد الحصی وقطر الامطار وورق الاشجار ……[3]

بیشک امام جو ہو چکی اور جو ہو گی ہر بات جانتا ہے خواہ وہ دنیا سے متعلق ہو خواہ دین سے یہاں تک کہ کنکریوں کی تعداد، بارش کے قطرے اور درختوں کے پتے بھی جانتا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

لان الامامیۃ یعتقدون ان الامام المعصوم یعلم ما فی بطن الحامل وما وراء الجدار[5]

اس لئے کہ امامیہ (شیعہ) اعتقاد رکھتے ہیں کہ امام معصوم جانتا ہے کہ حاملہ کے پیٹ کے اندر کیا ہے اور دیوار کے پیچھے کیا۔

تو دراصل یہ عقائد و تصورات فرقہ امامیہ اہل تشیع کے تھے، ان سے بوجہ جہالت اہلسنت کہلانے والوں نے بھی انہیں اپنا لیا۔ العیاذ باللہ۔

---

[1] شرح عقائد ص۱۲۱ پر بھی قریباً یہی نقطہ ہے۔ [2] البزازیہ ص... [3] غنیۃ الطالبین جلد اول فصل الرافضۃ
[4] ... عظیم محدث ومفسر ومؤرخ ہیں صاحب ... [5] تاریخ الخلفاء

بحث حاضر و ناظر!

گو اللہ تعالیٰ کے معروف ننانوے ۹۹ اسماء الحسنیٰ میں حاضر اور ناظر دونوں نہیں ہیں لیکن اسماء حسنیٰ میں سے شہید اور بصیر اللہ رب العزت کے دو پاک نام ہیں شہید کے معنیٰ ہیں حاضر اور بصیر کے معنیٰ ہیں ناظر یعنی دیکھنے والا[1]

اللہ رب العزت کے لئے ناظر کا لفظ خود لسانِ نبوّت سے ثابت ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی طویل روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ الدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ وَاِنَّ اللّٰہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْھَا فَنَاظِرٌ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ۔ رواہ الترمذی[2]	دنیا بڑی لذیذ اور سرسبز (دلکش) ہے اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا میں خلیفہ بنانے والا ہے اور دیکھنے والا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

یہ روایت ترمذی کے علاوہ ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں بھی ہے۔

حیرت ہے کہ اس کے باوجود پاکستان کے "ایک بزرگ" یوں دادِ تحقیق دیتے ہیں۔

"قرآن و حدیث میں کسی جگہ حاضر و ناظر کا لفظ ذات باری تعالیٰ کے لئے وارد نہیں ہوا۔ نہ سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کے لئے یہ لفظ بولا۔ کوئی شخص قیامت تک ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرام یا تابعین یا ائمہ مجتہدین نے کبھی اللہ تعالیٰ کے لئے حاضر و ناظر کا لفظ استعمال کیا ہو"[3] ایک اور مدعی محقق عصر نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور لکھا کہ:۔ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہر گز نہیں۔۔۔۔ خدا کو ہر جگہ میں ماننا بے دینی ہے ہر جگہ میں ہونا تو رسولِ خدا ہی کی شان ہے[4] ایک مقام شرک تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسولِ خدا یا کسی اور کو ہر جگہ حاضر و ناظر مانا جائے۔ اس مقام پر عہد حاضر کے بعض "بزرگوں" کو قرار نہ آیا تو وہ ایک اور جست لگا کر اس مقام بالا

---

[1] الشہید، حاضر، البصیر، دانا بینا (المنجد) صراح میں بھی یہی معنیٰ ہیں "لغات القرآن" میں ہے بصیر دیکھنے والا جاننے والا (جلد دوم لفظ بصیر) [2] مشکوٰۃ المصابیح باب الامر بالمعروف۔

[3] تسکین الخواطر صـ۲ [4] جاء الحق و زھق الباطل صـ۱۲۳

تک پہنچ گئے کہ خدا حاضر ناظر نہیں - خدا کو ہر جگہ حاضر و موجود ماننا بے دینی ہے - دین و ایمان کی بات تو یہ ہے کہ حاضر و ناظر اور ہر جگہ ہونا رسولِ خدا ہی کی شان ہے، معاذ اللہ استغفر اللہ ، ثم استغفر اللہ !! -

آیئے ! کتاب اللہ میں دیکھیں کہ اللہ رب العزت ہر جگہ حاضر و موجود اور ناظر و بصیر ہیں یا نہیں -

انداز ۔ ۱

اللہ تعالےٰ ہر چیز پر حاضر و موجود ہیں

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ

(بیشک اللہ ہر چیز پر حاضر ہے)

۱ - اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدًا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہیں -
(پارہ ۵، نساء، رکوع ۵) (پارہ ۲۲، احزاب ع ۷) ۲ بار

۲ - وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ ۔ (پارہ ۷، آخر مائدہ) ۱ ″

۳ - اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ (پارہ ۱۷، حج ع ۲ - سبا و آخری رکوع[1]) ۵ ″

۴ - وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا[2] (پارہ ۲۲ - احزاب، رکوع ۶) ۱ ″

۵ - وَمَا تَکُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْہُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا کُنَّا عَلَیْکُمْ شُہُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْہِ (پارہ ۱۱، یونس، ع ۷)

اور آپ (خواہ) کسی حال میں ہوں اور آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور تم جو بھی کام کرتے ہو ہم تمہارے پاس حاضر ہوتے ہیں جب تم اس کام میں معروف ہوتے ہو - ۱ بار

یعنی جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن کریم پڑھتے پڑھاتے ہوں یا اس خصوصی و امتیازی صفت و شان کے علاوہ کسی حال میں ہوں یا کوئی شخص کسی کام کو شروع کرے اور اس میں معروف و مشغول ہو - اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ علم کے اعتبار

---

[1] آخر حٰم السجدہ ، و مجادلہ رکوع اوّل و سورہ بروج باد نیٰ تغیر -
[2] رقیب نگہبان خبر رکھنے والا - نگرانی کرنے والا (لغات القرآن جلد سوم لفظ رقیب)

سے وہاں حاضر و موجود ہوتے ہیں۔

۶۔ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ (آل عمران ع ۱۰) ۱ بار

۷۔ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ (۱۱۔ یونس ع ۵) ۱ بار

میزان - ۱۲ بار

اندازِ سوم
وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ
(اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ ہے)

۱۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ (پارہ ۲۷، حدید۔ رکوع اول)

تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ ۱ بار

۲۔ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (پارہ ۲۸۔ مجادلہ رکوع ۲)

تین شخصوں کی کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جہاں وہ ان میں چوتھا نہیں ہوتا اور نہ پانچ کی، جہاں وہ ان میں چھٹا نہیں ہوتا اور نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ، مگر وہ (ہر حالت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ لوگ جہاں کہیں ہوں پھر ان کو قیامت کے دن ان کا کیا ان کو بتلائے گا بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے

۳۔ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ (سورہ نساء رکوع ۱۶)

لوگوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپ سکتے، اور وہ ان کے ساتھ ہیں جبکہ وہ رات کو خلاف مرضیٔ الٰہی بات کا مشورہ کرتے ہیں۔ ۱ بار

میزان - ۳ بار

کوئی خفیہ سے خفیہ مجلس و مشورہ ہو۔ سرگوشی ہو، دن کو ہو یا رات کو، اللہ تعالیٰ اپنے علم محیط کے اعتبار سے وہاں موجود ہوتے ہیں۔ اگر تین آدمی خفیہ سرگوشی کرتے ہیں تو چوتھا خدا وہاں موجود ہوتا ہے اگر پانچ آدمی چھپ کر کوئی مشورہ کر رہے ہیں تو ان کے ساتھ چھٹا خدا موجود ہوتا ہے، پھر خواہ تین سے کم، ایک یا دو ہوں یا پانچ سے زیادہ چھ سات یا دس، بیس جتنے بھی ہوں۔ اور جہاں کہیں ہوں اور جس حال

میں ہوں اللہ تعالیٰ اپی صفتِ علم سے ان کے ساتھ ہے وہ اللہ سے نہیں چھپ سکتے۔

اللہ ناظر و بصیر ہے

انداز ۲

وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌ بِالۡعِبَاد

۱۔ وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌ بِالۡعِبَادِ۔ اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھنے والے ہیں (آل عمران ع ۲ و ع ۲، مومن ع ۵) [1] ۳ بار

۲۔ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرًا بَصِیۡرًا۔ (بنی اسرائیل ع ۳ فرقان ع ۲، خاتمۂ فاطر اور فتح ع ۲) [2] ۴ ״

۳۔ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ [3] پورے قرآن میں ۵ ״

۴۔ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ [4] ״ ״ ״ ۹ ״

۵۔ وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ [5] ״ ״ ״ ۴ ״

۶۔ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۢ بَصِیۡرٌ۔ (سورہ ملک آخری رکوع) ۱ ״

۷۔ الَّذِیۡ یَرٰىکَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیۡنَ ۝ ۔ (آخر شعراء) ۱ ״

میزان: ۲۷ بار

اللہ سمیع و بصیر ہے

انداز ۲

اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ بَصِیۡرٌ

۱۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیۡعًا بَصِیۡرًا بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے (سورہ نساء ع ۸ و ع ۹) [6] ۲ بار

---

[1] واللہ کی جگہ اِنَّ اللہ ہے [2] الفاظ میں فرق ہے۔

[3] بقرہ رکوع ۱۲ و ۱۳ و ۳۰، ہود ع ۱۰، حٰم السجدہ ع ۵ بادنیٰ تغیر۔

[4] بقرہ ع ۳۶، آل عمران ع ۱۷، انفال آخری رکوع حدید رکوع اول ممتحنہ رکوع اول، تغابن رکوع اول، آخر حجرات احزاب رکوع ۲ اور سبا ع ۲ ایک دو لفظوں میں فرق ہے۔

[5] بقرہ ع ۱۱ آل عمران ع ۷، مائدہ ع ۱۰، انفال ع ۵ بادنیٰ تغیر [6] بادنیٰ تغیر الفاظ۔

۲- اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ۝ (حج ع ۱۰، لقمان ع ۳، مجادلہ ع ۱)[1] ۳ بار

۳- اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ (مومن ع ۲)[2] ۳ بار

میزان = ۱۰ بار

اللہ سمیع و قریب ہے، بلکہ اقرب ہے

انداز ۵

اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ قَرِیۡبٌ

۱- اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ قَرِیۡبٌ ۝ (سبا ع ۶) بیشک وہ سب کچھ سننے والا ہے نزدیک ہے ۱ بار

۲- وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ (۲۶- ق ع ۲)[3] ۱ بار

میزان = ۲ بار

اللہ تعالیٰ سمیع و علیم ہیں

انداز ۶

اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ

۱- اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۝ (بقرہ ع ۱۵، آل عمران ع ۴) ۲ بار

۲- وَھُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۝ (بقرہ ع ۱۶، انعام ع ۲، عنکبوت ع ۱ و ع ۶) ۴ بار

۳- اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ (بقرہ ع ۲۲، حجرات ع ۱ و بقرہ ع ۲۸[4] و بقرہ ع ۳۲[5] و اعراف ع ۲۴[6]) ۵ بار

۴- وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ (بقرہ ع ۲۸، بقرہ ع ۳۴ آل عمران ع ۴ و ع ۱۳، توبہ ع ۱۲ و ع ۱۳، نور ع ۳ و ۸) ۸ بار

۵- اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ (یوسف ع ۴، شعراء ع ۱۱ دخان ع ۱ و ۱، حٰمٓ السجدہ ع ۵، اور یونس ع ۷[7] اور مائدہ ع ۱۰)[8] ۶ بار

۶- وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیۡعًا عَلِیۡمًا ۝ (نساء ع ۲۱) ۱ بار

میزان = ۲۶ بار

---

[1] و حج ع ۸ اِنَّ کی جگہ وَاِنَّ ہے۔ [2] و بنی اسرائیل ع اول، و مومن ع ۶ و شوریٰ ع ۲ بادنیٰ تغیر۔ [3] اور ہم انسان کے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ [4] اِنَّ کی جگہ فَاِنَّ ہے۔ [5] زبر زیر کا فرق ہے۔ [6] اِنَّ اللّٰہَ کی جگہ اِنَّہٗ ہے۔ [7] اِنَّہٗ نہیں ہے۔ [8] اِنَّہٗ کی جگہ وَاللّٰہُ ہے۔

یادرکھیئے! اور کبھی نہ بھولئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا شہید و بصیر ہونا ہر وقت ہر کسی کے ساتھ ہونا، سمیع و قریب ہونا یہ سب صفتِ علم کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ ذاتِ الٰہی تو جسم و تجسم سے پاک ہے۔ ذات پاک رب العزت کا تو ادراک ہی انسانی عقل و فہم سے وراء الوراء ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی صفات ہی کے ذریعہ ہے اور اللہ کا ہر جگہ حاضر و موجود ہونا ہر وقت ہر کسی کے ساتھ ہونا ہر کسی کو دیکھنا ہر ایک کی سننا یہ سب صفتِ علم کی بناء پر ہے۔ چنانچہ عموماً ایسی آیات کے ساتھ صفتِ علم مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ سب کی دُعا سُنتے اور قبول کرتے ہیں

انداز

اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ

۱- وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (سورۂ بقرہ رکوع ۲۳)	اور جب آپ سے میرے بندے متعلق سوال کریں۔ تو بیشک میں قریب ہوں (رہی) پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ جبکہ وہ مجھے پکارتے۔ ۱ بار
۲- اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ۝ (ہود۔ ع ۷)	بے شک میرا رب قریب ہے دُعا قبول کرنے والا۔ ۱ بار
۳- اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۝ (آل عمران ع ۴۔ ابراہیم ع ۶[1])	درحقیقت میرا رب دعا سُننے والا ہے۔ ۲ بار

میزان = ۴ بار

خلاصہ قرآن کریم میں ساٹھ اسلوب و انداز کے ساتھ ۸۴[2] بار اللہ تعالیٰ نے حاضر و موجود، ناظر و بصیر، سمیع و بصیر، سمیع و قریب اور قریب و مجیب ہونے کا اثبات فرمایا گیا ہے۔ اور اس انداز و الفاظ میں کسی غیر اللہ کے لئے حاضر و ناظر یا بصیر و قریب اور ہر جگہ ہر وقت ہر کسی کے ساتھ ہونے کا پورے قرآن میں ...

---

[1] اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ہے۔ [2] ۸۴ بار پر حصر نہیں ہے۔ ترجمہ مقصود ہے۔

ایک بار بھی ذکر نہیں ہے۔

سنّتِ رسول | کتاب اللہ کے بعد سنّتِ رسولؐ سے بھی یہی مضمون ثابت اور یہی حقیقت واضح ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہر کسی کے ساتھ اور قریب سے اقرب ہیں

۱۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، لوگ زور کی آواز سے تکبیریں کہنے لگے آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

اے لوگو! تم اس کو نہیں پکارتے جو بہرہ اور غائب ہو۔

اَنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا وَّهُوَ مَعَكُمْ وَالَّذِيْ تَدْعُوْنَهٗ اَقْرَبُ اِلٰى اَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهٖ۔ ؎۱

تم تو اس خدا کو پکارتے ہو جو سننے والا دیکھنے والا ہے، اور جو تمہارے ساتھ ہے اور تم سے تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔

سبحان اللہ! درجنوں آیات قرآنی میں جن صفات ربّانی کو واضح فرمایا گیا ہے۔ ایک ہی ارشاد نبویؐ میں ان تمام صفات کو اجمالی طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ حاضر و موجود ہے (وَهُوَ مَعَكُمْ) قریب سے اقرب ہے، اور سوار کے نزدیک و قریب سب چیزوں سے زیادہ اقرب اونٹ گھوڑے وغیرہ سواری کی گردن ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اور پھر سَمِيْعًا بَصِيْرًا بھی ارشاد فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر کسی کے ساتھ ہے خواہ کوئی کہیں ہو

۲۔ حضرت عبداللہؓ بن معاویہ عامری روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔

مَا تَزْكِيَةُ الْمَرْءِ نَفْسَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَنْ يَعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَهٗ حَيْثُمَا كَانَ۔ رواہ البزار فی مسندہ۔ ؎۲

یا رسول اللہ! کسی شخص کا اپنے نفس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا۔ اس بات کا یقین ہو کہ انسان جس جگہ بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہے

۱۔ [illegible]

۳۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ أَفْضَلَ الْإِيمَانِ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ رواہ الطبرانی۔ ؎	سب سے افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس بات کا یقین رکھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہے۔ تو جہاں بھی ہو۔

انسان کے ایمان کا درجۂ کمال اور اس کے تزکیۂ نفس کا انتہا یہ ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ حاضر و موجود یقین کرے۔

اور یہ حضور و شہود کی صفت خاص اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ اور کسی کی نہ یہ صفت ہے نہ شان۔ اور تو اور، محبوب رب العالمین سید المرسلین خود اپنی ذات اقدس کیلئے بھی اس ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کی نفی فرما رہے ہیں اور یہ صفت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص فرما رہے ہیں۔

۴۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کو تشریف لیجاتے وقت فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ۔ ؎	اے اللہ تو سفر میں میرا ساتھی ہے اور اہل (وعیال) کا خلیفہ ہے۔

یعنی سفر میں ہمارا ساتھی اور رفیق اور ہمارے پیچھے ہمارے اہل وعیال کا محافظ و نگہبان اللہ ہے۔ تو یہ صفت اور شان اللہ رب العزت کی ہے کہ وہ سفر و حضر میں ہر جگہ حاضر و موجود ہے۔ انسان کا سفر میں صاحب و رفیق اور اس کے پیچھے اس کے بال بچوں میں اس کا قائم مقام اللہ ہے۔

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ گھر میں ہیں تو اپنے اہل وعیال کی دیکھ بھال خبر گیری خود فرماتے ہیں اور سفر میں ہیں تو گھر میں نہیں پھر گھر بار کا نگہبان و نگران اللہ ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اللہ رب العزت کو ہر مسلمان پر اپنا خلیفہ فرمایا ہے۔

؎ از ترجمان السنہ، جلد دوم حدیث ۵۰۸

؎ صحیح مسلم (مشکوٰۃ المصابیح، باب الدعوات فی الاوقات) ابو داؤد۔ مسند احمد، نسائی ترمذی۔ دارمی۔ موطا مالک میں بسم اللہ کا لفظ پہلے ہے اور فرماتے بسم اللہ اللھم۔۔۔

۵۔ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر فرمایا اور فرمایا۔

ان یخرج وانا فیکم فانا حجیجه دونکم وان یخرج ولست فیکم فامرؤ حجیج نفسه والله خلیفتی علی کل مسلم۔ (ابو داؤد) ؎

اگر آپ امت میں موجود رہیں تو آپ دجال پر حجت سے غالب ہوں گے، اور جب آپ بعد وفات امت میں موجود نہیں ہیں تو آپ کی جگہ اللہ رب العزت ہر مسلمان کا حافظ و ناصر ہے، آپ کی یہ شان نہیں کہ آپ بعد وفات شریفہ بھی ہر مسلمان کے ساتھ حاضر و موجود رہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور خاص شان ہے۔

سبحان اللہ! لَسْتُ فِیْکُمْ ارشاد فرما کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بعد وفات مسلمانوں میں اپنے حاضر و موجود ہونے کی نفی فرما رہے ہیں مگر آج کے بعض شرفا ہیں جو آپ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے مدعی ہیں۔ اور خدا کے حاضر ناظر ہونے کی صفت کا انکار کر کے ہر جگہ میں ہونا خاص رسول خدا کی شان بیان کرتے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

پھر جب امام المرسلین علیہم السلام اپنی ذات پاک کے لئے حاضر و ناظر ہونے کی نفی فرما رہے ہیں تو دنیا میں اور کون ماں کا لال ہے جس کے لئے اس صفت کا دعویٰ و اثبات کیا جائے۔

خلاصہ | قرآن کریم کی ۴۸ نصوص کے بعد نصف درجن کے قریب ارشادات رسول ہیں گویا کتاب و سنت کی کل نوے نصوص قطعیہ سے ذات پاک رب العزت کا حاضر و ناظر، سمیع و بصیر ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ موجود اور قریب واقم ہونے کا اثبات ہے۔

ہر جگہ حاضر و ناظر، سمیع و بصیر اور عالم کل ہونے کی وجہ و علت!

سوال یہ ہے کہ اللہ رب العزت جو اس طرح ہر جگہ حاضر و موجود اور ناظر و بصیر

یا عالم وخبیر ہیں تو کس لئے؟ اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ اپنے حاضر و ناظر اور موجود ہونے یا ہر کسی کے ہر عمل و حرکت پر نگاہ رکھنے ہر مخفی راز، پوشیدہ وبھید بلکہ دل کی بات تک سے باعلم و باخبر ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ قیامت کے دن ہم نے حساب جو لینا ہے تو ہم ہر مجرم کو اس کے اعمال کی خبر دیں گے۔ انسے جتلائیں گے کہ تو نے فلاں جگہ فلاں وقت خلوت یا جلوت میں یہ کام کیا تھا۔ یا یہ باہم خفیہ مشورہ کیا تھا۔ یا اپنے دل و دماغ میں یہ منصوبہ تیار کیا تھا۔ تو چونکہ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ہ (سورۂ نساء رکوع ۱۱) ... (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے) اس لئے اس کا علم کامل اور بسیط و محیط ہے اور وہ اپنی اسی صفتِ علم کے اعتبار سے ہر وقت ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ موجود و حاضر ہے۔ اس کی تمام حرکات و سکنات اور اس کے تمام افعال و اعمال کا ناظر ہے۔ اور قیامت میں اپنے اس وسیع و غیر محدود علم اور اپنے حضور و شہود کی بناء پر ہر شخص سے حساب لے گا۔ اور اسے جزا یا سزا دے گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ مقامات پر اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے مثلاً۔

۱۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِیْنَ وَالنَّصٰرٰی وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا اِنَّ اللّٰہَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ہ (حج ع ۲)	بیشک مسلمان اور یہود اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر ہے۔

تمام مذاہب اور سب فرقوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ سب کے حالات واعمال و عقائد اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بخوبی واقف و آگاہ ہیں۔ اس لئے وہ سب کو ان کے کردار کے مطابق متاسب ٹھکانے پہنچا دیں گے۔

۲۔ عَالِمِ الْغَیْبِ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْبَرُ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ہ	عالم الغیب اس کے علم سے ذرہ برابر بھی غائب نہیں۔ نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر یہ سب کتاب مبین میں

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ (پارہ ۲۲ شروع سبا)

موجود ہے تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے انہیں اچھا بدلہ دے، ان کے لئے مغفرت اور (جنت میں) عزت کی روزی ہے، اور جنہوں نے ہماری آیتوں کے متعلق ہرانے کی کوشش کی تھی، ان کے لئے سخت دردناک عذاب ہوگا۔

تو اللہ رب العزت کا علم غیب یا علم کل بسیط ومحیط اس لئے ہے تاکہ مومنین کو جزائے خیر دے، انہیں جنت عطا فرمائے اور کفار ومشرکین کو سخت سزا دے انہیں جہنم کے دردناک عذاب میں مبتلا کرے۔

علی ہذا قرآن کریم میں بیسیوں مقامات پر بار بار فرمایا۔ مثلاً سورہ انعام میں

۳۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ۔ سے اپنے لئے علم کل اور علم بسیط وعلم محیط کا اثبات فرما کر ارشاد فرماتے ہیں:۔

ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (پارہ ۷ انعام ع ۷)

پھر اسی طرف تم کو جانا ہے پھر تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

سورہ توبہ میں فرمایا۔ اور سورہ جمعہ میں بھی!

۴۔ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (پارہ ۱۱ شروع)

پھر اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے پھر وہ تم کو بتلا دیگا جو جو کچھ تم کرتے تھے

سورہ توبہ میں پھر فرمایا۔

۵۔ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

۶۔ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ۔ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (پارہ ۱۸۔ خاتمہ۔ سورۂ نور)

بالیقین اللہ تعالیٰ اس حالت کو جانتا ہے جس پر تم ہو۔ اور جس دن اس کی طرف پھیرے جائیں گے۔ تو وہ ان کو بتلا دیگا جو جو کچھ انہوں نے کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

۷- اِلَیۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ فَنُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ (لقمٰن)
ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمۡ مَّرۡجِعُکُمۡ فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیۡمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۔ (پارہ ۲۳۔ سورہ زمر۔ رکوع اول)

۹- یَوۡمَ یَبۡعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیۡعًا فَیُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا ؕ اَحۡصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوۡهُ ؕ
وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ (پارہ ۲۸۔ سورہ مجادلہ۔ رکوع اول)

خلاصہ | غیب کی کنجیاں اللہ کے پاس ہونے، اس کے عالم الغیب والشہادۃ ہونے بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ہونے، عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ہونے اور

عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ ہونے خلاصہ یہ کہ اس کے عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کی اصل یہ ہے کہ فَیُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا یا فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ تو اللہ رب العزت کے علم غیب، علم کل، علم بسیط و محیط علم غیر محدود و غیر متناہی اور حاضر ناظر ہونے کی ایک اصل و منبا اور وجہ و علت یہ ہے کہ اللہ رب العزت بندوں کے اعمال و افعال کی تفصیلا، وجزئیات سے باخبر ہو کر قیامت کے دن حساب کے وقت انہیں بتلا دیں۔ کہ تم نے فلاں مقام پر فلاں وقت فلاں کام کیا تھا۔

مقام رسول:- اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہر جگہ حاضر و موجود ہیں تو کس لئے؟ آخر آپ کے حاضر ناظر ہونے کی وجہ و ضرورت کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ رسول کا منصب حساب لینا نہیں تھی اور رسول کا مقام انذار و تبشیر اور ابلاغ و تبلیغ[2] ہے۔

---

[1] سورہ انعام ع ۱۲ و ع ۲۰، مائدہ ع ۴، یونس ع ۷، لقمان ع ۲ وغیرہا آیات میں یہی مضمون ہے۔

[2] فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ (پارہ ۲۔ بقرہ) فَاِنَّمَا عَلَیۡكَ الۡبَلٰغُ (آل عمران) مَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ (مائدہ) اَنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ (مائدہ) وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ (انعام، کہف) فَهَلۡ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ (نحل) فَاِنَّمَا عَلَیۡكَ الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ (نحل) وَمَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ (نور، عنکبوت) وَمَا عَلَیۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ (یٰس) اِنۡ عَلَیۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ (شوریٰ) فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ (تغابن) وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ

جب حضرات انبیاء و رُسل علیہم السلام کا منصب و مقام لوگوں تک آیات و احکامِ الٰہی صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ اور جو بھی نبی یا رسول اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجا اللہ کے بندوں کو ڈرانے کے لئے بھیجا یا اہل ایمان کو خوشخبری سنانے کے لئے بھیجا امام الانبیاء و سید الرُسل صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ بھی صاف صاف ابلاغ و تبلیغ اور واضح طور پر انذار و تبشیر ہے۔ تو سوال یہ ہے اس منصب و مقام کے پیش نظر آپ کو علم غیب کی کیا ضرورت ہے اور لوگوں تک دین پہنچانے اور انہیں ڈرانے کے لئے عالم الغیب ہونے یا ہر جگہ حاضر ناظر ہونے کی آخر ضرورت کیا ہے؟

ایک مسلّمہ اُصول

منصب و مقام اور حاجت و ضرورت کے مطابق سامان اسباب، وسائل، استعداد و اہلیت اور صلاحیت و قابلیت ودیعت کی جاتی ہے۔ ایک سپاہی یا تھانیدار کو گھوڑا یا سائیکل اور رائفل مہیا کی جائے گی، کیونکہ اس نے نظم و امن قائم کرنا اور چوروں، ڈاکوؤں وغیرہ امن دشمن عناصر کا تعاقب کرنا ہے۔ بخلاف اس کے ایک مدرس کو کتاب، قلم، اور تختہ سیاہ فراہم کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے بچوں کو پڑھانا ہے۔ ایک وکیل کو قانون کی ضخیم کتابوں سے بھرپور ایک عظیم لائبریری کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس نے عدالت کے سامنے ان کی روشنی میں دلائل دینا اور بحث کرنا ہے۔ بخلاف اس کے ایک ڈاکٹر کے ہسپتال میں آلات کے علاوہ ادویہ کی ضرورت ہے کیونکہ اس نے مریضوں کا معائنہ اور علاج معالجہ کرنا ہے۔

ایک زمیندار اور کسان کے کنوئیں اور قطعے پر آپ بیل ہل اور آلاتِ کشاورزی یا آج ٹیوب ویل اور ٹریکٹر موجود پائیں گے، کیونکہ اسے اپنی اراضی پر کاشت کاری کے لئے ان کی ضرورت ہے، بخلاف اس کے ایک صنعت کار کی مل میں آپ چاروں طرف مشینوں کی گھن گرج ہزاروں مزدوروں کی کھیپ اور بجلی کی کارفرمائی دیکھیں گے کیونکہ وہاں سوت، کپڑا یا کھانڈ وغیرہ تیار کرنے کے لئے یہ چیزیں لابدی ہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ سکول کے کمرہ میں گھوڑا باندھا اور رائفل رکھی جائے۔ یا وکیل صاحب کے ہاتھ میں نشتر اور مرہم پٹی ہونی چاہیئے۔ یا مثلاً زمیندار کی زمین پر ہزاروں مزدور اور ڈھیروں خام مال ہونا چاہیئے یا کارخانہ اور مل کے اندر ہل اور بیل

مزدور موجود ہوں، تو لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ آخر ماسٹر صاحب کو گھوڑے اور رائفل کی، یا وکیل صاحب کو نشتر اور مرہم پٹی کی یا کسان کو ہزاروں مزدوروں یا ڈھیروں خام مال کی اور کارخانہ دار کو بیلوں، ہلوں یا ٹریکٹروں کی آخر ضرورت کیا ہے؟

کتاب وسنت میں اس اصول کی رعایت

کتاب اللہ، سنتِ رسول اور شریعت مطہرہ میں بھی اس اصول کی رعایت کی گئی ہے۔ مثلاً:۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق سوال کیا گیا تو ربّ العزت نے ارشاد فرمایا:۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسٰهَا ۝ فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ۝ إِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ۝ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ۝ (پارہ ۳۰۔ نازعات)

لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق؟ اس (کے علم کی تعیین) کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے۔ اور آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو۔

قیامت کب ہوگی، یہ صرف خدا جانتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تو صرف قیامت کی خبر سنا کر لوگوں کو ڈرانا ہے۔ جب آپ کا کام صرف ڈرانا ہے تو اس کے وقوع کے وقت کے بیان سے آپ کا کیا تعلق؟ یہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ ترجمہ کرتے ہیں، "تجھ کو کیا کام اس کے ذکر سے"۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:۔

۲۔ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ۝ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ (پارہ ۲۹۔ الملک)

اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (قیامت) کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو، آپ کہہ دیجئے کہ یہ علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو محض صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

اور ڈرانے والے کو قیامت کے وقوع کے وقت سے کیا بحث؟!

ایک اور مقام پر اس اصول کی رعایت ملاحظہ ہو۔ فرمایا:

۳۔ وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَہٗ ؕ اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ ۙ لِّیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا وَّ یَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ (یٰس سورت رکوع ۵)

اور ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور یہ آپ کے لائق نہیں، یہ تو محض نصیحت ہے اور قرآن ہے صاف، تاکہ اس شخص کو ڈرائے جو زندہ ہو اور کافروں پر الزام ثابت ہو۔

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب رسول کو شعر و شاعری کا علم نہیں دیا، کیونکہ شعر و شاعری آپ کے منصب جلیل کے لائق نہ تھی، آپ کو قرآن دیا جو نصیحت سے بھرپور ہے اور نورانی تعلیمات سے معمور، تاکہ حضرت کے قرآن پڑھ کر ڈرانے سے وہ لوگ جن کے دل و دماغ میں ابھی زندگی کی رمق باقی ہے وہ اللہ سے ڈریں اور کافروں منکروں پر حجت تمام ہو جائے ..... تو نبی کے منصب جلیل و مقام عظیم کے شایان قرآن ہے نہ کہ شعر، اس لئے آپ کو شعر نہیں سکھایا، قرآن دیا۔

۴۔ اسی طرح جب مشرکین مکہ نے فضول فرمائشیں کیں۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا .....

اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے سرزمین (مکہ) سے ایک چشمہ جاری کر دیں۔

تو آپ کو حکم ہوا۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (پارہ ۱۵۔ بنی اسرائیل ع ۱۰)

آپ کہہ دیجئے، سبحان اللہ! میں بجز اس کے کہ ایک آدمی ہوں۔ پیغام پہنچانے والا۔ اور کیا ہوں!

یعنی میں تو ایک آدمی ہوں پیغمبر، پیغمبر کو کسی فرمائش پوری کرنے کا اختیار کہاں! میرا کام تو اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ تمہاری یہ فرمائشیں پوری کرنا میرا کام نہیں۔

نبی کریم کے لئے علم غیب یا حاضر ناظر ہونے کی ضرورت کیا ہے؟

اس اصول کی روشنی میں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب و مقام ابلاغ و انذار ہے کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ آپ کے لئے علم غیب، ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی کیا

ضرورت ہے؟ اللہ رب العزت تو عالم الغیب، عالم الکل اور ہر جگہ حاضر و شہید ناظر و بصیر اور ہر جگہ ہر وقت ہر کسی کے ساتھ تو اس لئے ہیں کہ انہوں نے کل اپنے بندوں کا حساب لینا ہے اور انہیں ان کے کرتوتوں سے آگاہ کرنا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو حساب سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا علم بسیط و محیط اور حاضر ناظر ہونے سے آپ کا کیا کام؟

اللہ کی شان اور نبی کا مقام

اللہ رب العزت نے جہاں اپنی صفات قدرت علم اور شہود و حضور کو پورے قرآن میں بیسیوں جگہ بیان فرمایا ہے اور اپنے رسولوں کا منصب و مقام بھی متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا ہے۔ وہاں چند مواقع پر اپنی شان اور اپنے رسول مقبول کا مقام و منصب ایک ساتھ بھی بیان فرما دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

۱۔ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ۔ (پارہ ۱۳۔ سورہ رعد)	پس آپ کے ذمہ تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے اور حساب لینا تو ہمارا کام ہے

اسی طرح ارشاد فرمایا:۔

۲۔ فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ ۝ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ۝ فَیُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۝ اِنَّ اِلَیْنَاۤ اِیَابَهُمْ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَهُمْ ۝ (پارہ ۳۰۔ الغاشیہ)	پس آپ نصیحت کر دیجئے۔ آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ ان پر نگران نہیں ہیں، ہاں جس نے منہ موڑا اور کفر کیا۔ تو خدا اسے بڑا عذاب دیگا بیشک ہمارے پاس ان کو پھر آنا ہے پھر ان سے حساب لینا ہمارا کام ہے۔

تو اللہ کے رسول تو صرف مذکر و مبلغ ہیں۔ تذکیر و تبلیغ اور بلاغ و نصیحت کے بعد آپ کی ذمہ داری ختم ہے۔ آگے اگر کوئی ہدایت قبول نہیں کرے گا۔ اعراض و روگردانی اور کفر و انکار کرے گا تو اسے مآل کار بارگاہ رب العزت میں پیش ہونا ہے اور اس سے حساب لینا اور اسے اس کے اعمال کے مطابق جزا سزا دینا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ تو رسول خدا کو اپنے منصب کے پیش نظر علم غیب یا حاضر ناظر ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہر جگہ حاضر و موجود ہونا (باعتبار صفت علم) یہ اللہ کی صفت

بتا کہ لوگوں کو قیامت کے دن اُن کے کرتوتوں سے آگاہ کر سکیں۔ اور حساب کے وقت انہیں بتلا اور جتلا سکیں کہ فلاں جگہ فلاں وقت تم نے یہ کام کیا تھا یا یہ بات کی تھی، یا دل میں یہ منصوبہ باندھا تھا۔

ایک اور مقام پر اس حقیقت کو نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اور اپنی شان علم کل اور مقام نفس و حساب کے ساتھ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منصب انذار و بلاغ ارشاد فرمایا ہے۔ فرمایا:۔

۳۔ يَوْمَ هُم بَارِزُونَ ۖ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ ۚ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۝ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝ وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (المؤمن ۲۰ تا ۱۶)

جس دن سب لوگ (خدا کے سامنے) ظاہر ہوں گے۔ اللہ پر ان کی کوئی بات چھپی نہ رہے گی۔ اس دن کس کی بادشاہی ہو گی؟ بس اللہ ہی کی ہو گی جو اکیلا ہے غالب، آج ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلا ملے گا۔ آج (کسی پر) ظلم نہ ہو گا بیشک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے اور آپ ان لوگوں کو قریب آنے والے دن (قیامت) سے ڈرائیے جس روز کلیجے منہ کو آ جائیں گے، غم سے گھٹ گھٹ جائیں گے۔ (اس دن) ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی سفارشی ہو گا جس کا کہا مانا جائے اللہ تعالیٰ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے (بلکہ) ان باتوں کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انصاف سے فیصلہ کرے گا۔ اور اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں۔ وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ (کیونکہ) اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

رسول کا منصب انذار ہے۔ اللہ کے رسول کا کام لوگوں کو قیامت کے ہولناک دن سے ڈرانا ہے۔ باقی اس دن حکومت و بادشاہی اللہ ہی کی ہو گی۔ حساب اللہ تعالیٰ لیں گے، وہ بصورت انصاف اور حق و عدل کے ساتھ فیصلہ کریں گے۔ کیونکہ آنکھوں

کی خیانت اور دلوں کے پوشیدہ راز تک کو جانتے ہیں۔ لہٰذا کسی پر ظلم نہیں ہوگا حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے، کیونکہ وہ سب کچھ سننے والے اور دیکھنے والے ہیں۔ اور یہ صحیح فیصلہ وہی کر سکتا ہے جو حقیقت حال کو جاننے والا ہو۔

اللہ رب العزت جو عالم الغیب، عالم الکل اور سمیع و بصیر اور علیم ماتخفی الصدور اور بد نظری تک کو جاننے والے ہیں۔ تو اس لئے کہ وہ سریع الحساب ہیں اور قیامت کے دن اپنے علم و سمع و بصر کی بنا پر حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والے ہیں باقی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کا کام صرف لوگوں کو قیامت سے ڈرانا اور اللہ کا دین اور حکم پہنچانا ہے۔ آپ کو علم غیب یا علم کل یا سمیع و بصیر ہونے یا حاضر و ناظر ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ ارشاد فرمایا۔

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝

(پارہ ۸۔ اعراف، رکوع اول)

سو ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے، اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے، پھر ہم ان کو اپنے علم سے (ان کے گناہ) بیان کریں گے اور ہم غائب نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ سے کسی کا اچھا بُرا، قلیل و کثیر عمل مخفی نہیں، وہ اپنے علم محیط کی بناء پر ذرہ ذرہ سے خبردار ہیں، وہ چونکہ باعتبار اپنے علم کے ہر جگہ ہر آن حاضر ہیں، کہیں سے بھی کبھی غائب نہیں۔ لہٰذا سب کے ظاہری باطنی احوال اور بھلے بُرے اعمال انہیں قیامت میں بتلا کر ان کا فیصلہ کریں گے۔

تو علم کل، علم غیب، علم محیط اور ہر جگہ حاضر ناظر ہونا یہ دو صفتیں اللہ رب العزت کی ہیں، جن کے موافق قیامت میں وہ اپنے بندوں کا فیصلہ کریں گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے کردار و اعمال سے نبی کریم کو کوئی سروکار نہیں، ان کا فیصلہ اللہ کے حوالے ہے وہ قیامت میں ان سے خود بات کریں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ط اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ

بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور بہت سے فرقے ہوگئے آپ کو ان سے کوئی تعلق نہیں، بس انکا

بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ (پارہ ۸۔ انعام، آخری رکوع) | کام اللہ کے حوالے ہے، پھر وہ ان کو بتلا دیں گے جو کچھ وہ کرتے تھے۔

شانِ خلاقی ورزاقی | آخرت اور حساب سے قطع نظر خالق اور رازق ہونے کی صفت کے تقاضے سے بھی اللہ رب العزت کو اپنی مخلوق کا علم کُل ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

۱۔ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (پارہ ۷۔ انعام ع ۱۳) | اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

۲۔ دوسری جگہ فرمایا:۔

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝ (پ۲۳ آخر یٰس)

ایک کھڈی والا جانتا ہے کہ میں نے آج اتنے گز کپڑا بنا ہے۔ ایک کمہار جانتا ہے کہ میں نے اتنے گھڑے اور اتنے لوٹے تیار کئے ہیں۔ میرے بھٹے میں اتنے برتن ہیں۔ ایک لوہار جانتا ہے کہ میں نے کل اتنے توے بنائے تھے اور آج اتنی کلہاڑیاں تیار کی ہیں، ترکھان جانتا ہے کہ میں نے اتنے پلنگ بنائے ہیں اور اتنی کرسیاں تیار کی ہیں۔ تو خلاق العلیم کو کیسے ہر چیز کا علم کُل نہ ہو جس نے ہر چیز کی تخلیق فرمائی ہے۔

۳۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ (پ۲۶۔ ق) | اور بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دل میں جو خیالات آتے ہیں ہم وہ جانتے ہیں۔

۴۔ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (پ۲۹۔ ملک) | کیا جس نے پیدا کیا وہ نہ جانے گا۔ اور وہ باریک بین اور باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک تو خالق۔ پھر باریک بین اور پورے خبردار، پھر وہ نہ اپنی مخلوق کے حالات جانیں تو اور کون جانے؟

۵۔ وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝ (آغاز پارہ ۱۲) | اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔ اور وہ ہر ایک کی قرارگاہ اور چند روز رہنے کی جگہ کو جانتا ہے سب

جب ٹھیکیدار نے فوج کو راشن وغیرہ مہیا کرنا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ آج فوج کا پڑاؤ کہاں ہے؟ صبح کس جگہ قیام ہے؟ اور یہاں سے کوچ کرنے کے بعد پچھلے پہر کی چائے کہاں پہنچنی ہے اور رات کا کھانا کہاں کھانا ہے۔

تو اللہ رب العزت نے اپنی مخلوق کو جو رزق دینا ہے۔ تو اسے اپنی مخلوق کے متعلق بسیط وکلی علم کیسے نہ ہو کہ۔ فوق الافلاک ہے۔ یا تحت الارض؟ یا ان کے درمیان، پھر پانی میں ہے یا ہوا میں؟ پتھر کے اندر ہے یا آگ میں۔ جہاں بھی جو مخلوق ہے۔ اس کا علم رازق کو ہے وہیں اس کا رزق پہنچاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ خالق اور رازق ایک اللہ کی ذات پاک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو کسی کے خالق ہیں نہ رازق۔ بلکہ خود اللہ کے مخلوق و مرزوق ہیں۔ جب آپ کسی چیز کے خالق و رازق نہیں تو آپ کے لئے علم غیب و علم کل کی کیا ضرورت ہے؟ آپ کا منصب ابلاغ و تبلیغ اور انذار و تبشیر ہے اور اس کے لئے علم غیب کی ضرورت ہے نہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی۔

غیر رسولؐ کے متعلق جب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک کیلئے علم غیب، علم کل اور ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کی کوئی وجہ و ضرورت نہیں اور آپ نے خود اپنی ذات سے ان صفات کی صاف نفی فرما دی تو غیر رسولؐ کے لئے اس کی بدرجۂ اولیٰ کوئی وجہ اور ضرورت نہ ہوگی مگر حیرت و استعجاب کا مقام ہے کہ عہد حاضر کے بعض "شرفا" اولیاء کرام رحمہم اللہ کے لئے ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کا اثبات کرتے ہیں۔ اور ہر آن!

چنانچہ خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں:۔

"انہی سیدی احمد سلجماسی کے دو بیویاں تھیں۔ سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رات تم نے ایک بیوی کے جاگتے ہوئے دوسری سے ہمبستری کی، یہ نہیں چاہیئے۔ عرض کیا حضور وہ اس وقت سوتی تھی۔ فرمایا سوتی نہ تھی، سوتے میں جان ڈال لی تھی۔ عرض کیا حضور کو کس طرح علم ہوا؟ فرمایا جہاں وہ سو رہی تھی کوئی اور پلنگ بھی تھا۔ عرض کیا ہاں ایک پلنگ خالی تھا، فرمایا اس پر میں تھا۔ تو کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں ہر آن ساتھ ہے۔"[1]

تو یہ صرف حضرت دباغ رحمہ اللہ کی خاص صفت نہیں بلکہ "ہر شیخ مرید سے جدا نہیں ہر آن ساتھ ہے" اور یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ ان لوگوں میں قریباً سبھی "شیخ" ہیں۔ تو مرید بے چاروں کو۔ میاں بیوی کو اپنے علاوہ ایک خالی پلنگ کا انتظام بھی بہرحال کرنا پڑے گا کیونکہ کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں۔ ہر آن ساتھ ہے ٹھیک ہے مگر یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ جب مریدین ماشاء اللہ بیشمار ہیں۔ تو حضرت شیخ کو رات کی خلوت وتنہائی اور اندھیرے میں سینکڑوں ہزاروں جگہ وقت "بے وقت" تکلیف فرماکر مرید کے ساتھ ہونے کی آخر ضرورت کیا ہے؟

ایک اور "بزرگ" ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

لَا تَسْتَقِرُّ نُطْفَةٌ فِیْ فَرْجِ اُنْثٰی اِلَّا یَنْظُرُہٗ ذٰلِکَ الرَّجُلُ الْکَامِلُ	کسی مادہ کی شرمگاہ میں کوئی نطفہ قرار نہیں پکڑتا مگر وہ کامل اس کو دیکھتا ہے۔

سچ فرمایا کون انکار کرے۔ مگر اتنا تو فرما دیجئے کہ آخر وہ "رجل کامل" یہ تکلیف کس وجہ سے فرماتے ہیں؟

فقہاء اسلام کی طرف سے حضرات انبیاءؑ واولیاءؒ کو حاضر ناظر ماننے والوں کی تکفیر

عہد حاضر کے "فقہاشہر" کے "ارشادات عالیہ" تو آپ نے سن لئے اب شریعت محمدیؐ کا فیصلہ اور حضرات فقہاء امت کا حکم ملاحظہ ہو:۔

خاتم الفقہاء امام وقت حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی (المتوفی ۱۳۰۴ھ) رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:۔

ہمچو اعتقاد کہ حضرات انبیاء و اولیاءؒ ہر وقت حاضر و ناظر اند و بہمہ حال ندائے ما مطلع میشوند اگرچہ از بعید	اس قسم کا اعتقاد کہ حضرات انبیاء و اولیاء ہر وقت حاضر و ناظر ہیں اور ہر حال میں ہماری پکار سنتے ہیں گو دور سے ہی پکاریں

ؔ نجم الرحمٰن بحوالہ مساعقۃ الرحمٰن صفحہ ۵ "تبریدالنواظر" صفحہ ۴۴

باشد، شرک است، چہ ایں صفت از مختصات حق جل جلالہٗ است، کسے را دراں شرکت نیست، در فتاویٰ بزازیہ مے نویسد تزوج بلا شہود وقال خدائے و رسولِ خدا و فرشتگاں را گواہ کردیم یکفر لِاَنَّهٗ اِعْتَقَدَ اَنَّ الرسولَ والملك يعلمان الغيب انتہیٰ ونیز در بزازیہ است وعن هذا قَالَ عُلَمَاؤُنَا مَنْ قَالَ اَنَّ اَرْوَاحَ الْمَشَائِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ يكفر۔ انتہیٰ ... [1]

شرک ہے کیوں کہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی خصوصیات سے ہے۔ اس میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں۔ فتاویٰ بزازیہ میں لکھتے ہیں گواہوں کے بغیر نکاح کیا اور کہا خدا و رسولِ خدا اور فرشتے گواہ ہیں، یہ کافر ہو گیا کیونکہ اس کا اعتقاد ہے کہ رسول اور فرشتے غیب جانتے ہیں" نیز بزازیہ میں ہے کہ اسی لئے ہمارے علماء نے کہا ہے کہ جس نے کہا بزرگوں کی ارواح حاضر ہیں، اور وہ جانتی ہیں، یہ کافر ہو گیا"

فتاویٰ بزازیہ کے علاوہ فقہاءِ حنفیہ رحمہم اللہ کا یہ قول بحر الرائق مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۱۲۴ پر بھی ہے۔

شریعت محمدیؐ و دینِ اسلام کی مجبوری و مظلومی ملاحظہ ہو کہ فقہاءِ امت، ائمہ اعلام دین کے فتاویٰ و احکام بلکہ خود کتاب و سنت کے برعکس و برخلاف آج جاہل و بے دین لوگ مفتی و مجتہد بن کر فتویٰ صادر کرتے ہیں کہ "جو اولیاء اللہ اور خصوصاً امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر نہ جانے وہ کافر ہے"۔ کہاں علماء امت کا یہ فرمان کہ جو ارواحِ مشائخ کو حاضر سمجھے وہ کافر ہے اور کہاں آج الٹا یہ ہفوات کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے شیخ و مرشد کو ہر وقت حاضر ناظر نہ سمجھے وہ کافر ہے۔ اِنّا للہ ۔۔۔۔۔۔

---

[1] "مجموعۃ الفتاویٰ" از حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ مطبوعہ ۱۳۱۲ھ۔

بحث مختار کل

عبادت کی تیسری اور عظیم شرط و بنیاد قدرت و اختیار ہے خاتم المفسرین حضرت علامہ آلوسی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:۔

عبادت کی شرط و بنیاد یہ ہے:۔ دفع ضرر و جلب منفعت پر قدرت کاملہ تامہ!	اذ شرطہا استحقاقہا القدرۃ الکاملۃ التامۃ علی دفع الضرر وجلب النفع [1]

اللہ رب العزت نے اپنی کتاب پاک میں عموماً اسی صفت کو بیان کر کے اپنے لئے عبادت کا اثبات فرمایا ہے اور غیر اللہ سے اسی صفت کا عدم ذکر کر کے ان کی عبادت کی نفی فرمائی ہے:۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:۔

قدرتِ کاملہ و اختیارِ کُل کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اثبات اور عدم قدرت و اختیار کی بنا پر عبادتِ غیر اللہ کی نفی و مذمت!

بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہے آپ پوچھے کہ اگر اللہ، مسیح ابن مریم کو، اور ان کی والدہ کو اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنا چاہے تو کون اللہ سے (بچانے کا) ذرا بھی اختیار رکھتا ہے، اور اللہ ہی کے لئے خاص ہے آسمانوں کی اور زمین کی ا،	۱۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَن يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (پارہ ۶، مائدہ رکوع ۳)

[1] روح المعانی، جلد ۵ ص ۹۰۔

جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان کی حکومت وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تو جو اللہ خالق کل، قادر مطلق، زمین و آسمان کا بادشاہ اور غالب علی الکل ہے عبادت اسی کا حق ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کیا خدا ہوں گے جن کو اپنے تحفظ تک کا اختیار نہیں، اگر اللہ انہیں ہلاک کرنا چاہیں تو کوئی انہیں بچا نہیں سکتا، بے اختیار مخلوق بھلا اللہ ہونے کا کیا حق رکھتی ہے؟

۲۔ عبادت خالق ومالک، عالم کل وکارساز عالم کا حق ہے۔ یہ صفات صرف ذات واحد باری تعالیٰ میں ہیں۔ لہٰذا اسی کی عبادت کرو اور اس کے سوا عبادت کسی کا حق ہی نہیں۔

بَدِيعُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (پ ۷۔ انعام۔ ع ۱۳)

وہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے اس کی اولاد کہاں ہو سکتی ہے، حالانکہ اس کی بیوی تو ہے نہیں، اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ہر چیز کا خالق ہے تو تم اس کی عبادت کرو، اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔

۳۔ اَلَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝ (پ ۱۸۔ آغاز سورہ فرقان)

وہ (اللہ) جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اور اس نے کسی کو (اپنی) اولاد نہیں بنایا، اور نہ (ہی) کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے۔ اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر سب کا الگ الگ انداز ورکھا، (ان صفتوں کے مالک اللہ کو چھوڑ کر) مشرکین نے اللہ کے سوا اور دوسرے) معبود بنا لئے جو نہ (تو) کوئی چیز پیدا کرتے ہیں۔ بلکہ وہ خود مخلوق ہیں۔ اور خود اپنے لئے نفع وضرر کا اختیار

نہیں رکھتے۔ اور نہ موت وحیات کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ (قیامت کے دن) دوبارہ اُٹھنے کا!

اللہ زمین وآسمان کا حاکم وبادشاہ ہے۔ واحد بادشاہ۔ کوئی اقتدار و شاہی میں اس کا شریک نہیں۔ پھر وہ ہر چیز کا خالق ومالک ہے۔ مگر کتنے ظالم ہیں مشرک کہ ان صفتوں کے مالک اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان معبودوں کی پرستش کرتے ہیں جو خود مخلوق ہیں۔ کسی اور کو کیا پیدا کریں گے، اور خود اپنے لئے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ موت وحیات پر قدرت نہیں، ان بے بس وبے اختیار معبودوں کو عبادت کا حق کہاں سے حاصل ہوگیا!

۴ - مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ (پارہ ۲۲ - فاطر ۳،۲)

اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے اس کو کوئی بند کرنے والا نہیں۔ اور اللہ جو کچھ بند کردے۔ اس کو کوئی جاری کرنے والا نہیں۔ اور وہ غالب حکمت والا ہے اے لوگو! تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں ان کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہو۔ (جب نہ کوئی خالق ہے نہ رازق تو پھر) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق (بھی) نہیں۔ سو تم کہاں الٹے جارہے ہو!

جب خالق ومالک اور رحیم ورازق صرف اللہ ہے۔ اس کے سوا نہ تو کوئی خالق ہے نہ رازق، نہ رحیم ہے نہ منعم۔ تو پھر اس کے سوا کسی کو عبادت کا کیا حق ہے! پھر بلا کسی کا بھی حق نہیں،

۵ - يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ (پارہ ۲۲ فاطر ع ۲)

وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے سلطنت (بھی) اسی کی ہے اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے

اللہ رب العزت دن رات کو گھٹاتے بڑھاتے ہیں، موسموں میں تغیر تبدیل کرتے ہیں پھر سلطنت و بادشاہی اسی کی ہے۔ لہٰذا عبادت بھی اسی کا حق ہے مگر ظالم مشرک اللہ کے ساتھ ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں جنہیں کھجور تو کجا، کھجور کی گٹھلی تو گٹھلی، گٹھلی کے اوپر باریک سے پردے کا بھی اختیار نہیں۔

۲۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ يَجْحَدُونَ ۝ اللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۖ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (مومن ۶۲)

یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار، ہر چیز کا خالق اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو؟ اسی طرح وہ (پہلے) لوگ بھی اُلٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے قرار کی جگہ بنایا۔ اور آسمانوں کو چھت بنایا۔ اور تمہاری صورت بنائی سو عمدہ صورتیں بنائیں اور تم کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، یہ ہے اللہ تمہارا رب۔ پس بڑا برکت والا ہے اللہ سارے جہانوں کا پروردگار، وہی (ازلی، ابدی) زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم خالص اعتقاد کرکے اسی کو پکارو۔

خالق، مالک، رازق، مصوّر، شکم مادر میں احسن و اجمل تصویریں بنانے والا ایک اللہ تعالیٰ ہے۔ زمین و آسمان اس نے بنائے، ان عظیم اختیارات کے واحد مالک کا حق ہے کہ ہر قسم کی عبادت اس کی کی جائے۔ اسکے سوا عبادت کسی کا حق ہی نہیں

عبادت کی بنیاد اور الوہیت و معبودیت کے لوازم نفع نقصان کا ملک و اختیار ہے۔ معبود کے نافع و ضار ہونے کے علم و یقین ہی کے اندر اس کی الوہیت و معبودیت کا سارا راز مضمر ہے۔

اللہ رب العزت نے جہاں اس اصل و اساس کی بناء پر اپنی عبادت کا اثبات فرمایا ہے وہاں اسکے عدم و فقدان پر یعنی تمام ماسوی اللہ کے نفع نقصان کا مالک نہ ہونے پر اب ان کی معبودیت کی نفی فرما رہے ہیں۔ چند آیات ملاحظہ ہوں۔

۷۔ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ (یونس ع ۲)

۸۔ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۔ (مائدہ ع ۱)

۹۔ اپنے حبیب کریمؐ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۰ (یونس۔ ع ۱۱)

اور خدا کے سوا اس کی عبادت نہ کرنا جو تجھے نفع نہ پہنچا سکے نہ نقصان پھر اگر (بالفرض) آپ نے ایسا کیا تو تم اس حالت میں اللہ کا حق ضائع کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:۔

۱۰۔ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۰ (پارہ ۱۷، انبیاء ع ۵)

کہا:۔ تو کیا تم خدا کے بغیر ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکے نہ نقصان تف ہے تم پر اور ان چیزوں پر جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو کیا تم عقل نہیں رکھتے

۱۱۔ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ (پارہ ۱۷۔ حج ع ۲)

خدا کے سوا اس چیز کی عبادت کرتا ہے جو نہ تو اسے نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع یہ انتہا درجہ کی گمراہی ہے۔

۱۲۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا (سورۃ فرقان۔ ع ۵)

اور (مشرک) اللہ کے سوا ایسی چیز (وں) کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان، اور کافر اپنے رب کا مخالف ہے۔

اس مضمون کی آیات سورہ رعد، بنی اسرائیل، شعراء، سباء، زمر اور شوریٰ وغیرہا میں بھی بکثرت موجود ہیں جن کا احاطہ بڑا مشکل ہے۔ نہ ہی احاطہ مقصود ہے۔

خلاصہ پہلے چند دہ آیات بطور مثال پیش کی گئی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ تامہ اور ذات پاک رب العزت کے تصرفات مطلقہ عامہ و اختیارات کلیہ کا ذکر و بیان ہے۔ اور اسی اقتدار اعلیٰ و اختیار کل اور تصرف مطلق

ہیں جن میں غیر اللہ کے اختیار و تصرف کی کلیۃً نفی کرکے ان کی اسی بے اختیاری و بے بسی کو ان کی عدم عبادت کی وجہ و دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور ان بے اختیار و مجبور معبودوں کی پرستش کو کفر و ضلال بعید فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ عجز و بے اختیاری شانِ الوہیت کے منافی ہے۔

یہ محض مثال کے طور پر چند آیات ذکر کی گئی ہیں ورنہ اللہ رب العزت کی قدرتِ تامہ مطلقہ اور غیر اللہ کی یکسر بے بسی و بے اختیاری سے قرآن پاک بھرا ہوا ہے مثلاً:۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ و اختیارِ کُل سے متعلق چند آیات ملاحظہ ہوں:۔

قدرتِ کاملہ اور کُل اختیارات کا مالک صرف اللہ ہے

نبی کریمؐ کو ارشاد فرمایا:۔

۱۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۞ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۞ پارہ ۳۔ آل عمران رکوع ۳

آپ کہیے! اے اللہ سارے ملک کے مالک آپ جس کو چاہیں ملک دے دیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک چھین لیتے ہیں اور جس کو چاہیں عزت دیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں ذلت دیتے ہیں آپ ہی کے ہاتھ میں ہے سب بھلائی بیشک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ آپ رات کو دن میں داخل کر دیتے ہیں اور دن کو رات میں داخل کر دیتے ہیں اور آپ جاندار چیز کو بے جان سے نکالتے ہیں (جیسے انڈے سے بچہ) اور بے جان چیز کو جاندار سے نکالتے ہیں۔ (جیسے پرندہ سے انڈہ) اور آپ جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق دیتے ہیں۔

۲۔ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۞ انعام ع ۲

اور اگر اللہ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچا دیں تو اللہ ہی کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر اللہ تجھے کوئی نفع پہنچا

۳۔ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ (پارہ ۱۱۔ آخر سورۂ یونس)

اور اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی تکلیف پہنچا دے تو اسے دور کرنے والا بجز اس کے کوئی نہیں، اور اگر وہ تم کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں اپنا فضل کرتے ہیں اور وہ بخشنے والے بڑی رحمت والے ہیں۔

تو تکلیف و راحت، بھلائی، برائی، نفع و ضرر پر کامل اختیار اور قبضۂ تامہ اللہ رب العزت کا ہے، اس ذات پاک کے سوا کسی کو بھی سود و زیاں اور دکھ سکھ پر قطعاً کوئی اختیار نہیں اس کی بھیجی ہوئی تکلیف اور دکھ درد کو کوئی نہیں ہٹا سکتا اور جس پر وہ فضل و کرم فرمائیں کسی کو طاقت نہیں کہ روک دے۔ مالک علی الاطلاق اور قادر مطلق فقط ایک ذات اللہ واحد کی ہے۔

۴۔ صرف ایک موقع اور ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ۝ (پارہ ۲۵۔ آخر شوریٰ)

آسمانوں اور زمین کی سلطنت و بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے۔ یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں دیتا ہے اور جس کو چاہے (محض) بے اولاد رکھتا ہے۔ بیشک وہ بڑا جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے۔

زمین و آسمانوں کی حکومت اللہ ہی کی ہے۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ بیٹے، بیٹیاں، دینا نہ دینا محض اس کے اختیار میں ہے۔ وہ علیم بھی ہے اور قدیر بھی۔ علم کل اور قدرت کاملہ خاص اس کی صفات ہیں۔ وہ اپنے علم کی بناء پر اپنی قدرت سے جس کو چاہے جو اولاد دے یا مطلق نہ دے۔

بطور اجمال اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان

جہاں پورے قرآن میں اللہ رب العزت کی

قدرت کاملہ و اختیار عامہ کی تفصیلات موجود ہیں۔ جن کا احاطہ ممکن نہیں۔ وہاں قرآن کریم میں ۴۴ مقامات پر بطور اجمال ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ملاحظہ ہو

۱۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[1]	پورے قرآن میں	۳۵ مقامات پر ہے
۲۔ وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا[2] (کہف ع ۶)		۱ 〃
۳۔ علیم قدیر دا... قدیرا اور قدیرا		۱۱ 〃 〃
۴۔ بقادر القادر	اور قادر وغیرہ[3]	۷ 〃 〃
۵۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ[4]	الوکیل اور وکیلا	〃 〃
۶۔ وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا	[5]	۱ 〃
۷۔ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا	[6]	۱ 〃 〃
۸۔ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حفیظ	[7]	۲ 〃 〃
۹۔ وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ	القاہر[8]	۲ 〃 〃
۱۰۔ للہ الواحد القہار، ھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ	وغیرہ القہار[9]	۶ 〃 〃

---

[1] قدیر اسے کہتے ہیں جو اقتضاء حکمت کے مطابق جو چاہے کرے (مفردات القرآن)

[2] دو مقام پر قدیراً ہے باقی ۳۳ مقامات پر علی کل شیءٍ قدیر ہے شروع میں کہیں ان اللہ ہے کہیں اَنَّ اللہ ہے کہیں واللہ ہے کہیں وہو ہے۔

[3] مقتدرا، با اقتدار، ہر طرح کی قدرت والا لغات القرآن جلد ۵ ص ۲۲۴) اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

[4] قادر، قابو پانے والا، طاقت رکھنے والا، گرفت کرنیوالا۔ غالب (لغات القرآن جلد ۵ ص ۵۰) اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

[5] وکیل، کارساز، نگران، نگہبان، (لغات القرآن جلد ۶ ص ۲۳۱ اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

[6] مقیتاً، قادر، نگران۔ محافظ (لغات القرآن جلد ۵ ص ۲۲۴۔ المقیت، صاحب اقتدار۔ نگہبان و محافظ (المنجد) اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

[7] محیطاً، ہر طرف سے گھیرے ہوئے۔ پورا پورا قابو رکھنے والا، لغات القرآن جلد ۲ ص ۲۳۳)

[8] حفیظ، نگہبان، حفاظت کرنیوالا۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ کیونکہ وہ کل کا نگہبان ہے (لغات القرآن جلد ۲ ص ۲۸۷)

[9] قاہر، غالب (مفردات القرآن) (لغات القرآن جلد ۵ ص ۱۱) [10] القہار، السا زبردست غالب

۱۱- وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ — وَلِی [1] — ۱۰ مقامات پر ہے

۱۲- إِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ إِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ وغیرہ — قَوِیّ [2] — ۸ " "

۱۳- إِنَّکَ أَنْتَ الْوَھَّابُ وغیرہ — الوہّاب [3] — ۳ " "

۱۴- إِنَّ ذٰلِکَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰی. وغیرہ — مُحْی [4] — ۲ " "

۱۵- قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ — مالکَ الملک [5] — ۱ " "

۱۶- اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ . . . . وغیرہ — المَلِک [6] — ۵ " "

۱۷- اَلْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْجَبَّارُ (پورے قرآن میں) — ۳ " "

اَلعزیز [10] (پورے قرآن میں) — ۸۶ " "

---

[1] وَلِیّ مددگار، کارساز، محافظ، نگہبان، بچانے والا (لغات القرآن جلد ۲ ص ۱۲۴) اسمائے حسنٰی میں سے ہے۔

[2] قَوِیّ طاقتور، قوت والا (لغات القرآن، جلد ۵ ص ۱۱۸) غالب، طاقتور، زبردست: (مفردات القرآن) اسمائے حسنٰی میں سے ہے۔

[3] الوھّاب مبالغہ کا صیغہ۔ بہت عطا کرنے والا۔ (لغات القرآن جلد ۶ ص ۱۳۵) اسمائے حسنٰی میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو بقدر استحقاق بخشتا ہے، اس لئے الوہّاب کہا جاتا ہے (مفردات)

[4] مُحْی زندہ کرنے والا، حیات بخشنے والا (لغات القرآن)

[5] مالکَ الملک سارے جہان کے حکمران۔ ہر ذرہ پر قدرت اور قابو رکھنے والے، (لغات القرآن جلد ۲ ص ۲۷۲) [6] اَلْمَلِک بادشاہ، با اقتدار (لغات القرآن جلد ۶ ص ۲۴۲)

[7] المہیمن - نگران (ایضاً ص ۲۹۳) نگہبانی و حفاظت کرنے والا۔

[9] الجبّار جبر سے مبالغہ کا صیغہ۔ زبردست دباؤ والا۔ خود اختیار رکھنے والا، کہ باری تعالیٰ اپنے فیضانِ نعمت سے سب لوگوں کی حالتیں درست کرتا اور ان کے نقصانات پورے فرماتا ہے۔ اس لئے اس کا نام جبار ہے۔ امام بیہقی کتاب "الاسماء والصفات" میں محمد بن کعب سے روایت کرتے ہیں "وہ جبار اس لئے موسوم ہے کہ مخلوق کو اپنے ارادہ کے آگے مجبور کر دیتا ہے" (لغات القرآن جلد ۲ ص ۲۲۴)

[10] العزیز۔ غالب، زبردست، قوی مبالغہ کا صیغہ ہے۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں "عزیز وہ ہے جو غالب ہو، مغلوب نہ ہو" زجاج نے اس کے معنی کئے ہیں "ایسا زبردست جس پر کوئی چیز غالب نہ ہو سکے" دوسرے لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے "قوی جو ہر شے پر غالب ہو" اور ابو سلیمان و امام خطابی صاحب معالم السنن شرح سنن ابی داؤد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "عزیز... ایسا غالب جو مغلوب نہ ہو" (لغات القرآن جلد ۴ ص ۳۰۰)

۱۸-	المتین [1]	پورے قرآن میں ۱	مقام پر
۱۹-	وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ، اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ۔ وغیرہ مُنْتَقِمٌ [2]	۶	" "
۲۰-	اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ، وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ واسع [3]	۸	" "
۲۱-	اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اَلْقَیُّوْمُ [4]	۳	" "
۲۲-	وَھُوَ خَیْرُ الْحَاکِمِیْنَ وَ اَنْتَ اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ [5]	۵	" "
۲۳-	خَیْرُ الْفَاصِلِیْنَ [6] اور خَیْرُ الْفَاتِحِیْنَ [7]	۲	" "
۲۴-	علیٰ ہذا ایک ایک مقام پر حَکَم [8] وَالٍ [9] والی، اور الفتّاح [10]	۳	" "

میزان ۲۲۳ مقامات

خلاصہ: اللہ رب العزت نے اپنی کتاب پاک میں قریباً سوا دو سو مقامات پر اپنی قدرت عامہ، اپنے غلبہ و اقتدار نامہ اور اپنی قوت و حاکمیت مطلقہ کا بیان واثبات تو فرمایا ہے۔ مگر ایک جگہ پر بھی غیر اللہ، کسی بُت اور قبر نہیں، کسی فرشتہ یا ولی حتیٰ کہ نبی کے لئے قدرت واختیار کا ذکر نہیں فرمایا۔

---

[1] المتین قوی، طاقت والا۔

[2] مُنْتَقِمٌ بدلہ میں سزا دینے والے (لغات القرآن جلد ۲ ص ۲۸۹)

[3] وَاسِعٌ بہت دینے والا۔ ہر چیز پر محیط (المنجد)

[4] اَلْقَیُّوْمُ اسماء حسنیٰ میں سے ہے، یعنی ذاتِ الٰہی ہر چیز کی نگران اور محافظ ہے اور ہر چیز کو اس کی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچاتی ہے (مفردات القرآن)

[5] اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم۔

[6] خیر الفاصلین سب حکم کرنے والوں سے بہتر۔

[7] خیر الفاتحین بہتر حکم کرنے والا۔

[8] الحکم حکم جاری کرنے والا۔ فیصلہ کرنے والا (المنجد) حَکَمًا فیصلہ کرنے والا۔ یہ حاکم سے زیادہ بلیغ ہے "لغات القرآن"، جلد ۲ ص ۲۸۹)

[9] وَالٍ اصل میں والی ہے وَلَایَةٌ مصدر، مددگار، حامی، مدد پر قادر (لغات القرآن جلد ۶ ص ۱۱۳)

[10] الفتّاح بہت بڑا فیصلہ کرنے والا، صیغہ مبالغہ۔ حاکم (المنجد)

اسماء الحسنیٰ: نیز قرآن کریم میں مذکورہ بالا صفات واسماء الٰہی کے علاوہ، قابض[1]،
باسط[2]، خافض[3]، رافع[4]، معز[5]، مذل[6]، واجد[7]، ممیت[8]، مغنی[9]، نافع[10]، ضار[11]، مانع[12] وغیرہ،
اسماء حسنیٰ اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ نفع، نقصان، عزت وذلت، موت و
حیات سب اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔

یہ تو صرف اجمالی طور پر صفات واسماء الٰہی سے سوا دو سو مقامات پر قرآن
کریم میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اختیار واقتدار عامہ کا ذکر ہے۔ ورنہ یوں تو
سارے قرآن کا موضوع ہی یہی ہے اور پورے قرآن کریم میں جگہ جگہ بڑی تفصیل کے
ساتھ اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ۔ ربوبیت عامہ اور رحمت واسعہ
کو بیان فرمایا ہے۔

نیز انسان اگر چشم بصیرت سے دیکھے تو ساری کائنات، سارا جہان اور خود
اس کا اپنا وجود اللہ رب العزت کی قدرت کا مظہر وشاہد ہے۔ لیل ونہار کی گردش،
دن رات کا گھٹنا بڑھنا، موسم کے تغیرات، گرمی، سردی، خزاں، بہار، برسات،
بجلی، گرج، کڑک، چمک، پھر دریا، پہاڑ، زمین، آسمان، چاند، تارے، سورج پھر خاکی
نوری، ناری، برّی، بحری اور آسمانی مخلوقات پھر ساری مخلوق کے لئے ضروریات
زندگی کا اہتمام زمین سے فصلوں، غلوں، پھلوں اور میووں کی پیدائش کیا یہ سب
کچھ کسی ان دیکھی طاقت اور غیر محدود ولامتناہی قدرت کا پتہ نہیں دیتا؟ اگر یہ تمام
مناظر قدرت اور مشاہد فطرت کسی کی آنکھ کھولنے کے لئے کافی نہیں تو پھر اسے کم از کم
اپنے وجود کو دیکھنا چاہئے کہ اس کی اصل کیا ہے۔ کیا ناپاک پانی کے قطرے سے یہ
کوہ پیکر اور پیل تن جوان یہ سڈول جسم کا تنومند پہلوان خود بخود بن گیا؟ کتنی تبدیلیوں

---

[1] قابض، تنگی دینے والا [2] باسط، کشادگی کرنے والا۔
[3] خافض، پست کرنے والا۔ [4] رافع بلند کرنے والا۔
[5] معز، عزت دینے والا۔ [6] مذل، ذلت دینے والا۔
[7] واجد۔ قادر (المنجد) [8] ممیت، مارنے والا۔ [9] مغنی، بے پرواکرنے والا۔
[10] نافع، نفع دینے والا۔ [11] ضار نقصان پہنچانے والا۔ [12] مانع روکنے والا، حفاظت

کے بعد اور کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد اسے یہ جسم ملا، پھر یہ جوانی خود بخود بڑھاپے میں تبدیل ہو جائے گی اور زور و قوت، صحت و توانائی کا یہ مجسمہ خود بخود ضعف و نقاہت کی نذر ہو کر موت کے منہ میں چلا جائے گا اور ایک دن اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا؟ یہ تبدیلی پر تبدیلی لانے، یہ گندے پانی سے خوبرو، قوی تن بدن بنانے اور پھر ایسے حسین و جمیل چہروں کو مٹی کی مٹھی بنا کر رکھ دینے والی ذات کا انکار ممکن ہے؟ یا اس ذات پاک کی قدرت اور ربوبیت اور رحمت اور اس کے اختیار کل کا احساس و ادراک یا اقرار و اعتراف کوئی مشکل ہے؟

معبودانِ باطل نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے!

جہاں قدرت و اختیار کی اس بحث کے شروع میں اللہ رب العزت کی قدرتِ کاملہ کے ساتھ معبودانِ من دونِ اللہ کی بے بسی و بے اختیاری واضح ہو چکی ہے۔ ان کی بے اختیاری کا یہ حال ہے کہ مَا یَمۡلِکُوۡنَ مِنۡ قِطۡمِیۡرٍ یہ کھجور کی گٹھلی تو کیا، کھجور کی گٹھلی کے اوپر باریک پردے تک کے مالک نہیں۔ وہاں ان آیات کے علاوہ پورے قرآن میں نہایت شرح و بسط اور تکرار کے ساتھ بار بار معبودانِ باطل کی بے اختیاری ثابت کی گئی ہے۔

غیر اللہ کی پوجا پاٹ کا فلسفہ غیر اللہ کی پرستش کا منشاء دراصل ان کی مفروضہ و مزعومہ قدرت و طاقت ہے۔ انسان فطرتاً "لالچی" ہے۔ یہ ہر وقت اپنے لئے نفع کی تلاش اور نقصان سے بچنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اس کی پوری زندگی کا تانا بانا سود و زیاں کی ادھیڑ بن ہے اسے ہر وقت یہی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ اس کے وارے نیارے ہو جائیں، اسے کاروبار میں لین دین میں نفع ہی نفع ہو۔ مال و دولت میں زیادتی اور گھر بار، اہل و عیال، آل و اولاد میں افزائش ہو، کہیں نقصان اور خسارے کے تصور سے یہ لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔

تجارت، مال و دولت میں نقصان کا اندیشہ ہو یا جان اور بال بچوں کی

بیماری یا موت کا خطرہ! تو یہ گھبرا کر چارہ سازی کی فکر میں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کے بندے تو ہر کڑی سے کڑی آزمائش میں اپنے قادر و کریم مولا کو یاد کرتے اور پکارتے ہیں۔ لیکن نفس اور شیطان کے بندے اللہ کے نیک، صالح بندوں، اماموں، ولیوں اور نبیوں کو قدرت اور اختیار کا مالک سمجھ کر انہیں پکارتے ہیں، ان کی منتیں مانتے ہیں، اور جب اللہ کریم ربِ رحیم ان کی مشکل حل کر دیتے ہیں تو یہ بزرگوں کی خانقاہوں پر نذریں پیش کرتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں سجدے کرتے ہیں۔ مزاروں کو چومتے چاٹتے ہیں، اور اگر ممکن ہو تو قبر کی خاک مٹی تک پھانک جاتے ہیں اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت صاف معلوم ہوتی ہے کہ غیر اللہ کی پوجا پاٹ کی اصل و اساس جلبِ منفعت کا جذبہ ہے، یا دفعِ مضرت کا! حرص و ہوس کے بندوں نے جب بھی کسی غیر اللہ کی عبادت کی ہے۔ کسی نفع کے لالچ میں یا کسی نقصان سے بچنے کے لئے! غیر اللہ کی پرستش کا سارا فلسفہ آپ کو ان دو ہی لفظوں ——— جلبِ منفعت یا دفعِ مضرت ——— کے گرد گھومتا نظر آئے گا۔

مثال کے طور پر دیکھئے جاہل انسان نے دیکھا۔ پانی پر اس کی زندگی کا مدار ہے۔ دریا اس کی فصلوں کو سیراب کرتا ہے تو اس نے پانی اور دریا کی پوجا شروع کر دی۔ سورج کو دیکھا اس کے اندھیروں کو اجالے میں بدلتا ہے۔ اسے نور و ضیا دیتا ہے، گرمی پہنچاتا ہے اس کی فصلیں اور اس کے پھل۔ میوے پکاتا ہے۔ اس کی پرستش شروع کر دی۔ چاند تاروں کو دیکھا یہ رات کو ٹھنڈی روشنی بہم پہنچاتے ہیں ان کی پوجا میں لگ گیا۔ ہندی مشرکین نے دیکھا گائے میٹھا دودھ دیتی ہے ٹھنڈی لسّی پلاتی ہے، اس کی پوجا پاٹ میں معروف و منہمک ہو گئے۔ ہالی دھوپ میں ہل چلا کر آیا، تھکا ماندہ تھا، پیپل یا برگد کے گھنے سائے میں بیٹھ کر سستانے لگا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی، تن بدن میں جان آئی تو پیپل اور برگد کی پوجا شروع کر دی۔ آگ کو دیکھا یہ کھانا پکاتی ہے اور مشتعل ہو جائے تو جلا ڈالتی ہے۔ اس کے ضرر سے بچنے کے لئے اس کی پوجا پاٹ میں لگ گئے۔ بعض احمقوں نے دیکھا کہ سانپ موت کا سبب بنتا ہے تو ڈر کر اس کی پرستش شروع کر دی اور بعض عقل کے

اندھوں نے بعض بیماریوں کو موت اور تکلیف کا سبب بنتے دیکھ کر ان بیماریوں کی مثلاً چیچک کی پوجا شروع کر دی۔ اور عقل کے ساتھ حیا وشرافت کا بھی جنازہ اٹھ گیا جب آبرو باختہ بے اولاد ہندو دائیوں نے "شوجی" کے مندر میں جا کر شولنگ کے ساتھ مس و مساس کر کے مخصوص انداز میں شولنگ تک کی پوجا کی محض اس لالچ میں کہ اس کی "کرپا" سے ان کو بچہ مل جائیگا۔ اِنَّا للہ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

بتوں کی پوجا کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ اکابر و اعاظم رجال کے ناموں پر یا ان کی صورتوں پر گھڑے ہوئے ہیں۔ یہ ان اولیاء و صلحاء کی پرستش کے گویا قبلہ و ذریعہ ہیں، ان کی پوجا سے وہ اولیاء و اکابر ہم سے خوش ہوں گے۔ اور ان کی خوشی سے ہمارے سارے کام سنور جائیں گے۔

اولیاء اللہ کی مزاروں کی پوجا پاٹ، ان سے متعلق جمیع یادگاروں، ان کے جملہ آثار و نشانات کی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم، اماموں کے نام نہاد، تعزیوں، جھنڈوں، حتیٰ کہ ان سے منسوب گھوڑوں تک کی پرستش، منتیں، نذریں یہ سب اسی لئے تو ہیں کہ یہ اولیاء و ائمہ ہم سے راضی ہوں اور ہماری بگڑی بن جائے۔ ہمارے دین و دنیا کے سارے کام سنور جائیں۔

سیدالاولیاء سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام پر گیارہویں کا دودھ وغیرہ محض اس ڈر سے بانٹا جاتا ہے کہ کہیں ان کی گائے بھینس بیمار نہ ہوں یا مر نہ جائیں یا ان کا دودھ، مکھن کم نہ ہو جائے۔ حضرت رحمہ اللہ ان کو ان کے مال مویشی کو آفات و بلیات سے محفوظ رکھیں گے۔ الغرض کسی غیر اللہ کی پرستش کا آپ کھوج لگائیں گے تو یہی اصل وجہ پائیں گے، اس عبادت اور پوجا کی تہ میں یہی نفع کی طمع و طلب، فائدے کی ہوس، کوئی نہ کوئی لالچ کارفرما ہوگا یا نقصان اور زیان و ضرر سے بچنے کی غرض پوشیدہ ہو گی۔

انتہائی تعظیم، انتہائی محبت، آخری درجے کی انکساری و عاجزی، بے حد و نہایت شکر گذاری —— جسے عبادت سے تعبیر کرتے ہیں —— حق ہی اسی کا ہے جو نفع نقصان کا مالک ہو۔ جس کے ہاتھ میں سود و زیاں کی باگ ڈور ہو۔

جاہل و فریب خوردہ بندوں نے جس کسی کو بھی نفع نقصان، سود و زیاں کا

مالک سمجھا اسی کی عبادت شروع کر دی۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بنیاد ایک بندہ، ایک عاجز و محتاج بندہ ایک سراپا غرض مند بندہ قدم قدم پر بلکہ اپنی زندگی کے ہر سانس پر مدد و اعانت کی ضرورت محسوس کرتا ہے، ذات پاک ربّ قدیر کی طرف بندے کے میلان و توجّہ کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ نفع و نقصان اور سود و زیاں اسی کے ہاتھ میں سمجھتا ہے۔ درحقیقت نادیدہ خدا اور غیر محسوس و غیر مرئی خدا لاکھوں حجابوں بلکہ بے شمار پردوں میں مستور و مخفی خدا پر صحیح ایمان کی بنیاد درحقیقت بندے کا یہی وجدان و تصور ہے ایک موحّد مسلمان خوف و طمع اور بیم و رجاء کے لئے اللہ واحد کے سوا کسی دوسرے کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا یہ نفع و نقصان کا مالک صرف اپنے نافع و ضار خدا کو سمجھتا ہے۔ اور اس نے تمام غیر اللہ سے سود و زیاں کے تمام رشتے اور علاقے قطع کر لئے۔

غیر اللہ کی پرستش کی بنیاد بخلاف اس کے جب اس ایمان و یقین میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے تو ایک محتاج و غرض مند بندہ غیر اللہ کو نفع نقصان کا مالک سمجھنا شروع کر دیتا ہے تو اس کی توجہ و میلان کا مرکز بھی غیر اللہ بن جاتے ہیں۔ اب وہ اپنا سر جھکاتا ہے تو انہی غیر اللہ کی چوکھٹ پر، اور ذکر اذکار میں لذت محسوس کرنے لگتا ہے تو غیر اللہ کے۔ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۔ (سورہ زمر رکوع ۵)

اب یہ یا رسول اللہ اور یا علی اور یا عبد القادر جیلانی کے نعروں میں جو کیف و سرور محسوس کرتا ہے وہ اللہ اکبر کے نعرے میں کہاں؟

اب اس کی محبت کا مرکز و محور بھی یہی غیر اللہ بن جاتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ

(پارہ ۲۰۔ بقرہ۔ ع ۲۰)

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے شریک بناتے ہیں اور ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔

پھر ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی جگہ ان کے دل میں

غیر اللہ کی محبت لے لیتی ہے۔ اب تمام تر محبت ہے تو ان کی اور خوف ہے تو ان کا، جس محبت اور ذوق شوق سے بزرگوں کی نذر نیاز دیتے ہیں، اولیاء ومشائخ کے چالیسویں نکالتے ہیں، خدا کی زکوٰۃ عشر اور اس کے نام پر نحر وقربانی میں اس جوش ومحبت کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا۔ گائے بھینس کے مرجانے یا ان کا دودھ مکھن کم ہوجانے کے خوف سے جس اصرار والتزام اور شدت وسختی کے ساتھ حضرت سید الاولیاء شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی "گیارہویں" نکالتے، بانٹتے اور کھلاتے ہیں، کیا اس لزوم والتزام کا ہزارواں حصہ بھی عشر نکالنے اور قربانی کرنے اور قربانی کا گوشت کھانے میں پایا جاتا ہے؟

تمام ماسوی اللہ مطلق بے اختیار ہیں کسی کو قطعاً کوئی اختیار نہیں

تو شرک کی اصل وبنیاد ہی غیر اللہ کے نافع وضار ہونے کا احساس وایقان ہے۔ اللہ رب العزت نے شرک کی یہ بنیاد ہی ڈھا دی، عبادتِ غیر اللہ کی اس اصل واساس ہی کو زیر وزبر کر ڈالا، اپنے کلامِ پاک قرآنِ کریم میں بیسیوں جگہ تمام ماسوی اللہ کی مطلق بے اختیاری کو واضح فرمایا اور غیر مبہم الفاظ میں اس حقیقت کو بیان فرما کر شرک کی رگِ گردن کاٹ دی کہ کسی بھی غیر اللہ کو ذرہ بھر بھی کسی قسم کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے:۔

۱۔ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا (۵۶ بنی اسرائیل ع ۶)

آپ کہہ دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا (مشکل کشا) سمجھتے ہو، (ذرا) ان کو پکارو (تو سہی) وہ تم سے نہ تو تکلیف کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا ——— اللہ کے سوا کسی بھی معبود کو قطعاً کوئی اختیار نہیں، نہ وہ کسی کی کوئی تکلیف دور کرسکتا ہے نہ اس میں کمی کرسکتا ہے نہ ایک کی تکلیف دوسرے پر ڈال سکتا ہے۔

پھر ایسی بے اختیار وعاجز مخلوق کو معبود بنا لینا کہاں کی عقل مندی ہے؟

۲ - قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ○ (پارہ ۲۲۔ سبا۔ رکوع ۳)

آپ کہئے جن کو تم خدا کے سوا مشکل کشا سمجھ رہے ہو ان کو پکارو وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے۔ اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

ماسوی اللہ کسی معبود کو بھی ایک ذرہ برابر اختیار حاصل نہیں، نہ زمین و آسمان کی تخلیق و ایجاد میں کسی کا کوئی ساجھا ہے۔ نہ اللہ رب العزت کو کسی کام میں کسی کی مدد کی کوئی ضرورت ہے کہ اس کا کوئی معین و مددگار ہو۔

پھر ایسی بے اختیار چیز کو مشکل کشا سمجھنا اور اسے معبود قرار دینا عقل و دانش کا منہ چڑانا نہیں تو اور کیا ہے؟

۳ - مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ (پارہ ۲۰۔ عنکبوت۔ ع ۴)

جن لوگوں نے خدا کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں، ان کی مثال مکڑی کی مانند ہے جس نے ایک گھر بنایا۔ اور بلاشبہ سب گھروں میں زیادہ بودا مکڑی کا گھر ہے

گھر جان و مال کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے ہوتا ہے مگر مکڑی کا جالا کیا حفاظت کرے گا جن لوگوں نے اللہ کے سوا کسی کو اپنا محافظ و مددگار اور کارساز سمجھا ان کی مثال مکڑی اور مکڑی کے جالے کی ہے۔ جیسے مکڑی کی پناہ گاہ غایت ضعف کی وجہ سے کالعدم ہے۔ اسی طرح مشرک لوگ جن باطل معبودوں کو اپنا حمایتی، مددگار، محافظ اور پناہ دہندہ سمجھتے ہیں درحقیقت وہ کوئی حمایت و حفاظت نہیں کر سکتے، اور مصیبت کے وقت اپنے پرستاروں کو قطعاً پناہ نہیں دے سکتے۔

۴ - وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ○ (فاطر ع ۲)

اور اس (اللہ) کے سوا تم جن کو پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے پردے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔

ماسوی اللہ تو کھجور کی گٹھلی پر جو باریک سا پردہ یا جھلی سی ہوتی ہے۔ اس کے بھی مالک نہیں اگر کوئی مشکل کے وقت انہیں پکارے اول تو وہ کسی کی پکار کو سُنتے نہیں، اور اگر بالفرض سُن بھی لیں تو کام نہیں آسکتے۔

۵۔ یَا اَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (پارہ ۱۷، آخری رکوع)

اے لوگو ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے سُنو! بلاشبہ خدا کے سوا جن کو پکارتے ہو وہ ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے گو سب کے سب (کیوں نہ) جمع ہو جائیں اور (پیدا کرنا تو بڑی بات ہے) اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو اس سے چھڑا ہی نہیں سکتے ایسا مانگنے والا اور جس سے مانگتا ہے بودا ہے۔

اللہ رب العزت نے غیر اللہ کو پکارنے والوں کو کس درجہ مؤثر اور عبرت انگیز مثال دی ہے کہ دُکھ سُکھ میں تم جنہیں اپنا مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہو ان کے ضعف اور ان کی بے اختیاری کا یہ حال ہے کہ وہ سب مل ملا کر بھی ایک مکھی نہیں بنا سکتے، بلکہ مکھی سے اپنی کوئی چھنی ہوئی چیز نہیں چھڑا سکتے، جب ان کے اپنے زور و قوت اور اختیار و قدرت کا یہ حال ہے تو وہ تمہاری دعا پکار پر تمہاری خاک مدد کریں گے۔

غالیوں کی مذمت میں علامہ آلوسی کا عجیب بیان

خاتم المفسرین علامہ آلوسی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔ فی قولہ تعالیٰ۔

(اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا۔)

اشارۃ الی ذم الغالین فی اولیاء اللہ تعالیٰ حیث یستغیثون بھم فی الشدۃ غافلین عن اللہ تعالیٰ ویبتذرون لھم النذور والعقلاء منھم یقولون انھم وسائلنا الی اللہ تعالیٰ وانما ننذر للہ عزوجل ونجعل ثوابہ للولی لا نہم

اللہ تعالیٰ کے اس کلام (اِنَّ الَّذِیْنَ) میں اولیاء اللہ کی شان میں غالیوں کی مذمت کی طرف اشارہ ہے جب کہ وہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اولیاء اللہ کو مدد کے لئے پکارتے ہیں اور ان کی نذریں مانتے ہیں اور ان

في دعوتهم الاولى اشبه الناس
بعبدة الاصنام القائلين انما
نعبدهم ليقربونا الى الله زلفى
ودعواهم الثانية لا باس بها
لو لم يطلبوا منهم بذلك شفاء مريضهم
او رد غائبهم او نحو ذلك والظاهر
من حالهم الطلب يرشد الى ذلك انه
لو قيل: انذروا لله تعالى واجعلوا
ثوابه لوالديكم فانهم احوج
من اولئك الاولياء لم يفعلوا ورأيت
كثيرا منهم يسجد على اعتاب حجر قبورهم

غالیوں میں سے جو عقل مند ہیں وہ کہتے ہیں "یہ اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ تک (پہنچانے کے لئے) ہمارے وسیلے ہیں ہم منت تو صرف اللہ عزوجل کے لئے مانتے ہیں، ولی کو تو صرف ثواب پہنچاتے ہیں" اور یہ حقیقت مخفی نہیں کہ یہ اپنے پہلے دعویٰ میں بتوں کے ان پجاریوں کے سب سے زیادہ مشابہ ہیں جو کہتے ہیں کہ "ہم تو بتوں کی پوجا محض اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں" اور ان کے دوسرے دعویٰ میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ ان اولیاء اللہ سے یہ منت مان کر اپنے مریض کی شفاء یا اپنے غائب ہو جانے والے کی واپسی وغیرہ کا مطالبہ نہ کریں۔ اور ان کے حال سے یہ مطالبہ ظاہر ہے اور یہ حقیقت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ اگر انہیں کہا جائے کہ تم منت اللہ تعالیٰ کے لئے مان کر اس کا ثواب اپنے والدین کو بخشو جو ان اولیاء اللہ سے ثواب کے زیادہ محتاج ہیں تو وہ ہرگز ایسا نہ کریں گے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ ان میں سے اکثر اولیاء اللہ کی قبروں کی چوکھٹوں پر سجدہ کرتے ہیں، اور ان میں سے بعض تو تمام اہل قبور کے لئے علیٰ فرق مراتب اختیار ثابت کرتے ہیں ...... اور ان میں سے بعض کا یہ گمان بھی ہے کہ اولیاء اللہ قبروں سے نکل کر مختلف شکلیں اختیار

....
...... وكل ذلك باطل لا
اصل له في الكتاب والسنة
وكلام سلف الامة. وقد افسد
هؤلاء على الناس وصاروا
ضحكة لاهل الاديان المنسوخة

کر لیتے ہیں اور ان کے عالم کہتے ہیں کہ ان کے روح شکلیں اختیار کر کے ظاہر ہوتے ہیں اور جہاں چاہیں چکر لگاتے پھرتے ہیں اور کبھی شیر کی یا ہرن کی یا اسی طرح کسی جانور کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور یہ تمام باتیں باطل ہیں کتاب و سنت

من الیھود والنصاریٰ وکذا لاھل النحل والدھریۃ نسأل اللہ تعالیٰ العفو والعافیۃ۔ [1]

اور سلف امت کے اقوال میں اس کی کوئی اصل نہیں اور انھوں نے لوگوں کا دین خراب کر دیا ہے اور یہی ہیں جو یہود و نصاریٰ اور دوسرے اہل مذاہب اور دہریوں کے لئے ہنسی مخول کا سامان بن کر رہ گئے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر اور اس بلاء و برائی سے بچنے کی دعا کرتے ہیں۔

اختیار صرف ایک اللہ کو ہے

تمام حضرات انبیاء و رُسُل مجبور و بے اختیار ہیں

جہاں قرآن کریم سے اس حقیقت کا وضوح و انشراح ہو گیا کہ تمام معبودانِ غیر اللہ بے بس و بے اختیار محض ہیں، وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام حضرات انبیاء و رُسُل علیہم السلام بھی مجبور و بے اختیار ہیں، اختیار صرف ایک اللہ کو ہے۔ چنانچہ یہ حضرات دُکھ، درد اور مصیبت کے وقت مدد و نصرت اور مشکل کشائی کے لئے اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی انہیں ان مصیبتوں سے نجات عطاء فرماتے ہیں۔

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام:۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ۝ (۱۷ انبیاء رکوع ۶)

اور نوح جبکہ پہلے اس نے دعا کی پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو اور اس کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی۔

۲۔ حضرت ایوب علیہ السلام:۔

وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ

اور ایوب جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو یہ تکلیف پہنچی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان

---

[1] روح المعانی جلد ۱، ص ۲۱۲/۲۱۳ الکلام علی الآیات من باب الاشارۃ۔

ضُرٍّ وَّاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِیْنَ ۝ (۱۷۔ انبیاء رکوع ۶)

ہیں۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور جو کچھ تکلیف تھی اس کو دُور کر دیا۔ اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطاء فرمایا۔ اور ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاصہ سے، اور عبادت کرنے والوں کے لئے یادگار۔

۳۔ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ جب سمندر کے اندر مچھلی کے پیٹ میں اللہ کو پکارا اور کہا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (۱۷) انبیاء رکوع ۶

پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دی، اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

۴۔ حضرت زکریا علیہ السلام:۔

وَزَكَرِیَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ (۱۷۔ انبیاء رکوع ۶)

اور زکریا جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھ کو لاوارث مت رکھیو اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہیں۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ہم نے اس کو یحییٰ عطاء فرمایا، اور ہم نے ان کی خاطر سے ان کی بیوی کو اولاد کے قابل کر دیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی بانجھ تھیں، حضرت زکریا نے اپنے لئے وارث یعنی فرزند کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا کر حضرت یحییٰ علیہ السلام عطاء فرمایا۔

۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام:۔

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ (۲۳ صٰفٰت ع ۳)

(دعا کی) اے میرے رب مجھ کو ایک نیک فرزند دے پس ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ وَنَجَّیْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ. وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ٥ (۲۳-الصّٰفّٰت ع ۷)

اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارون پر بھی احسان کیا۔ ان دونوں کو اور ان کی قوم کو ہم نے بڑے غم سے نجات دی۔ اور ہم نے ان سب کی مدد کی، پس وہی غالب آئے۔

۷- حضرت لوط علیہ السلام:-

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ٥ اِذْ نَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ٥ (۲۳-الصّٰفّٰت، ع ۴)

اور بے شک لوط (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے جبکہ ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین سب کو نجات دی۔

۸- اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی اور اللہ نے ان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا۔ (سورہ ص، ع ۳)

خلاصہ ان تمام آیاتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ ہر نبی اور برگزیدہ سے برگزیدہ رسول نے دُکھ، درد، تکلیف اور مصیبت کے وقت مجبور و بے بس ہو کر ایک اللہ کو پکارا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ان تمام پایہ کے بندوں کی دعا کو سُنا۔ قبول کیا اور دُکھ، درد، کرب و بلا، غم و مصیبت سے نجات دی۔

تو یہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام مجبورِ محض اور بالکل بے بس و بے اختیار تھے اور تو اور، اپنی ذاتی تکلیف و مصیبت بھی دُور نہ کر سکے۔

۹- وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤی اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ (پارہ ۷- سورہ انعام رکوع ۴)

اور بلاشبہ آپ سے پہلے بہت سے پیغمبروں کی تکذیب کی گئی، انہوں نے اس اپنے جھٹلائے جانے اور ایذا دیئے جانے پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچی۔

یہ آیت کریمہ اس حقیقت پر صراحت سے دلالت کرتی ہے کہ اختیار کسی رسول کو حاصل نہیں تھا، ظالم کفار و مشرکین نے نہ صرف ان کا انکار کیا بلکہ انہیں طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دیں، وہ حضرات علیہم السلام ان ستم گاروں کے ظلم و ستم

قدبیر کی مدد و نصرت آئی اور حق غالب آیا۔

۱۰۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بے اختیاری!

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا مصر شہر میں داخل ہوتے وقت سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازوں سے جانا۔ یہ نظر بد وغیرہ سے بچنے کی محض ایک ظاہری تدبیر تھی اس لئے ساتھ ہی فرما دیا کہ:۔

وَمَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْئٍ ط اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ (پارہ ۱۳۔ یوسف ع)	اور میں تم کو اللہ سے کچھ بھی نہیں بچا سکتا حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے۔

یعنی یہ صرف لوگوں کے حسد یا نظر بد سے بچانے کی میں صرف ایک تدبیر بتلا رہا ہوں۔ باقی ہوگا وہی جو تقدیر الٰہی میں ہے۔ میں قضا و قدر کے فیصلوں کو نہیں بدل سکتا۔ تمام کائنات میں حکم صرف اللہ رب العزت ہی کا چلتا ہے۔ ہوگا وہی جو حکم الٰہی ہوگا۔ میں حکم الٰہی کے مقابلے میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آ سکتا۔

آگے اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں:۔

مَا کَانَ یُغْنِیْ عَنْھُمْ مِنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْئٍ	ان کا باپ ان کو اللہ کی کسی بات سے کچھ بھی نہ بچا سکتا تھا۔

۱۱۔ امام المرسلینؑ کی بے اختیاری!

اور کسی کو کیا اختیار ہوگا جب محبوب خدا، سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تک کو ذرہ بھر اختیار نہیں، ارشاد ہوتا ہے:۔

۱۔ قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ۔ (پارہ ۹۔ اعراف۔ رکوع ۲۳)	آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات کیلئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی نقصان کا، مگر جو چاہے اللہ۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:۔

۲۔ قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ (یونس ع ۵)	آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی نفع

۱۔ خاتم المفسرین علامہ آلوسی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ :۔

استثناء منقطع عند جمع اَیْ وَ لٰکِن مَا شَاءَ اللّٰہُ تعالیٰ کائن[1] یعنی سب کے نزدیک استثناء منقطع ہے، یعنی (میں اپنی ذات کے لئے نفع و ضرر کا اختیار نہیں رکھتا) لیکن جو اللہ چاہے وہی ہوگا۔

۲۔ علامہ عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی (متوفی ۷۱۰ھ) اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں رقمطراز ہیں :۔ ....

قُل یا محمد اِنِّی لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِی ضَرًّا مِنْ مَرَضٍ اَوْ فَقْرٍ وَلَا نَفْعًا مِنْ صِحَّةٍ اَوْ غِنًی اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ استثناء منقطع اَیْ وَلٰكِنْ مَا شَاءَ اللّٰہُ مِنْ ذٰلِكَ كَائِنٌ[2] یہ استثناء منقطع ہے یعنی ولیکن جو اللہ چاہے وہی ہوگا۔

اے محمد کہ دیجئے بلاشک و شبہ میں اپنی جان کے لئے بھی مرض و فقر وغیرہ ضرر اور صحت و مالداری وغیرہ نفع کا اختیار نہیں رکھتا۔ مگر جو اللہ چاہے،

۳۔ قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا (پارہ ۲۹۔ جنّ رکوع ۲)

آپ کہیئے کہ بلاشبہ میں نہ تمہارے ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا

جن آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے نفع و ضرر کے اختیار کی نفی کا واضح اعلان فرمایا ہے، ان کے جواب میں بعض کج ذہن و کج بحث یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ یہ تو حضورؐ نے اپنی ذات کے لئے فرمایا ہے۔ اپنی ذات کے لئے اختیار نہ ہونا اس کو کہاں لازم ہے کہ آپ کو اپنی امت سے متعلق بھی نفع و ضرر اور سود و زیاں کا کوئی اختیار نہیں، اگر آپ کو اپنے متعلق کوئی اختیار نہیں، لیکن ہمارے ہر قسم کے نفع نقصان کے مالک آپ ہیں، معاذ اللہ۔

کج بحثی کے ساتھ کج بختی کا تو کوئی علاج نہیں، ورنہ اگر نصیب بھلے ہوں اور انسان کی عاقبت اچھی مقدر ہو تو اس آیت میں نہایت صراحت سے فرما دیا گیا ہے۔ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے بھی کسی نفع و نقصان کے مالک و مختار نہیں

---

[1] "روح المعانی" جلد ۱۱ ص ۱۲۰، سورہ یونس۔
[2] مدارک تفسیر آیت [illegible]

اقلیم بلاغ و ہدایت کے تاجدار کو ہدایت دینے کا اختیار بھی نہیں

گو آپ اقلیم بلاغ و تبلیغ کے تاجدار اور مسندِ رشد و ہدایت کے صدر نشین ہیں مگر آپ کو کسی محبوب سے محبوب شخص کو بھی ہدایت دینے اور راہِ راست پر لانے کا اختیار نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے :-

۵ - اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝
(پارہ ۲۰ - سورہ قصص - رکوع ۶)

تحقیق آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ جس کو اللہ چاہیں ہدایت دیتے ہیں۔ اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر موضح القرآن میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے واسطے بہت سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ دے۔ اس نے قبول نہ کیا اس پر یہ آیت اتری۔ اس آیت کا شانِ نزول صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ القصص، صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ میں بھی اسی طرح مروی ہے

۶ - لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝ (شعراء)

شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر (رنج کرتے کرتے) اپنی جان دے دیں گے۔

آپ کے دل میں بنی نوعِ انسان سے محبت و رحمت کا جو بحرِ دریا موجزن تھا، اس کے طوفان و تلاطم کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی بھی کافر و مشرک جہنم میں نہ جائے۔ سب مسلمان ہو کر جنت میں جائیں۔ اس جوشِ رحمت اور دردِ محبت سے آپ کی جان پر بن گئی تھی۔ اس سوز و گداز کے مہلک اثرات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روکا فرمایا کہ اس فکر اور غم میں آپ کی جان نہ نکلے آپ کی جان بڑی قیمتی جان ہے۔

۷ - فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ (فاطر ع ۲)

بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ سو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔

اللہ اللہ! بے اختیاری کی حد ہو گئی کہ سوز و گدازِ رحمت کے باعث آپ کی جان کے لالے تو پڑ گئے مگر آپ کو ایک مشرک کو بھی ہدایت دینے کا اختیار نہیں

۸۔ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ (پارہ ۴۔ آل عمران ۔ ع ۳)

آپ کا کچھ اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر توجہ فرمائے یا ان کو عذاب دے۔ کیونکہ وہ ظالم ہیں۔

جنگِ اُحد میں کفار کے ہاتھوں ستر صحابہؓ شہید ہوئے۔ مشرکین نے ظلم و تعدی میں انتہا کردی۔ حضرتؐ کے چچا حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ کا وحشیانہ طور پر مثلہ کیا، ناک، کان، ہونٹ کاٹے، پیٹ مبارک چاک کیا۔ جگر نکال کر چبایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی ہوئے۔ دندان مبارک شہید ہوگیا۔ ابن قیمہ کمینے نے بڑھ کر سر اقدس پر تلوار سے وار کیا۔ جس سے خود کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گئیں۔ چہرہ پاک مجروح ہوا اور سارا وجود اطہر لہو میں نہا گیا آپ زمین پر گر کر بے ہوش ہوگئے۔ اس وقت کفار نے مشہور کردیا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ یعنی حضورؐ قتل ہوگئے۔ اس سے اکثر صحابہؓ کے حواس بجا نہ رہے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے اس وقت زبان مبارک سے نکلا وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کردیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری۔ غزوۂ احد، باب لَیْسَ لَکَ ...)

۹۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (پارہ ۱۰۔ التوبہ ع ۱۰)

آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں۔ (اور) اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔

صحیح بخاری اور جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی جب مرگیا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کے کفن کے لئے قمیص کی درخواست کی آپ نے قمیص دے دیا۔ پھر درخواست کی کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھیں چنانچہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے، حضرت عمرؓ نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس پر نماز پڑھتے ہیں حالانکہ یہ منافق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس پر نماز پڑھنے سے روکا ہے مگر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا

تستغفر لہم ...... اور اگر میں جانتا کہ میرے ستر سے زیادہ بار استغفار پر اللہ اسے بخش دے گا تو میں ستر سے زیادہ بار بخشش طلب کرتا۔ غرض آپ نے اس پر جنازہ پڑھا۔ صحابہ کرام نے بھی آپ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی۔ آپ نماز پڑھ کر پھرے ہی تھے کہ آیت نازل ہوئی وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ ... وَهُمْ فٰسِقُوْنَ (صحیح بخاری کتاب التفسیر)

اس کے بعد کفار و منافقین کا جنازہ پڑھنے یا ان کے کفن دفن میں شریک ہونے کی صراحت سے ممانعت کردی گئی —— آپ کی بے اختیاری صاف ظاہر ہے کہ کرتہ بھی دیا جنازہ بھی پڑھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس لعین رئیس المنافقین کو نہ بخشا اور حضرت کو آئندہ منافقین کا جنازہ پڑھنے سے روک دیا گیا۔

۱۰۔ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (پ ۱۰۔ انفال ع ۸)	اور (اللہ تعالیٰ نے) ان (مسلمانوں) کے دل میں الفت ڈال دی، اگر آپ روئے زمین کا سارا مال خرچ کر ڈالتے۔ (تو بھی) ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتے

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں الفت ڈال دی بیشک وہ زور (و قوت) والا حکمت والا ہے۔

اس ارشادِ الٰہی میں جہاں اللہ رب العزت کی صفتِ قدرت و اختیار اور حکمت کا بیان ہے کہ اس نے اپنی قدرت اور اپنی حکمت سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے افراد کو بھائی بھائی بنا دیا۔ اور ان کے قلوب میں الفت و محبت کے دریا بہا دیئے۔ وہاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال بے اختیاری اور عدم قدرت کا بیان ہے کہ دنیا بھر کے خزانے خرچ کرکے بھی آپ قبائل عرب کی بھی دیرینہ عداوتوں اور بغض و کینے مٹا کر ان کو باہم شیر و شکر نہیں فرما سکتے۔

۱۱۔ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ (پارہ ۷۔ انعام۔ ع ۵)	آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں، اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں

تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

اہل شرک و ہوا علی الاعلان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام خزانوں کی چابیاں حضرت کو سنبھال دی ہیں، اور حضرت اللہ کے تمام خزانوں کے مالک و مختار ہیں۔

بریلوی حضرات بعض صحیح حدیث سے غلط استدلال کیا بات کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنے سارے خزانے حضور کو عطا کر دیئے ہیں ان کی تقسیم حضرت کے اختیار میں ہے نیز کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ عالم الغیب ہیں، نیز آپ بشر نہیں۔

اس آیت میں ان تینوں عقیدوں کی تغلیط کی گئی ہے اور نہایت واضح طور پر فرما دیا گیا ہے کہ نہ تو اللہ کے خزانوں کے مالک و مختار او ر قاسم و مقسم حضور ہیں نہ ہی آپ عالم الغیب ہیں اور نہ ہی آپ کا تعلق نوع بشر کے علاوہ کسی اور نوع یعنی ملائکہ سے ہے۔ منصب نبوت کے لئے ان تینوں باتوں کی احتیاج و ضرورت نہیں نہ کسی نبی نے ان میں سے کسی بات کا دعویٰ کیا ہے۔ بخلاف اس کے ہر نبی اللہ نے اپنی بشریت، اپنے عالم الغیب ہونے کی نفی اور عدم اختیار و تصرف کا واضح اعلان فرمایا ہے۔ چنانچہ سیدنا حضرت نوح علیہ السلام قریبًا انہی الفاظ میں اپنی قوم سے خطاب فرماتے ہیں، وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ (پارہ ۱۲۔ سورہ ہود رکوع ۳)

خلاصہ اور دوسرے حضرات انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بے بسی و بے اختیاری کے بعد خاص سید الانبیاء امام المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اختیاری قرآن کریم میں گیارہ مقامات پہ بیان فرمائی گئی ہے۔

مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ ان گیارہ مقامات پہ حصر ہے۔ پورے قرآن میں اس نوعیت کی بیشتر آیات موجود ہیں۔ مگر احاطہ نہ مقصود ہے نہ آسان۔

سنت رسولؐ سے نبی کریمؐ کے ملک و اختیار کی نفی

قرآن کریم کتاب اللہ کے بعد سنت رسولؐ احادیث نبویہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم قدرت و بے اختیاری کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔ سب کا احاطہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ صرف چند ارشادات درج ذیل ہیں۔

۱۔ لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا | حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ نے وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ...

فرمائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے گروہ قریش! تم اپنی جان اپنے آپ کو عذاب سے بچالو میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اے بنو عبد مناف! میں اللہ کے سامنے تمہارے ذرہ بھر کام نہیں آ سکتا۔ اے عباس بن عبد المطلب میں اللہ کے سامنے ذرہ بھر تیرے کام نہیں آ سکتا۔ اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی۔ میں اللہ کے سامنے ذرہ بھر تیرے کام نہیں آ سکتی۔

یا فاطمۃ بنت محمد سلینی ما شئت من مالی لا اغنی عنک من اللہ شیئا | اور اے فاطمہ بنت محمد! میرے مال میں سے جو چاہے مجھ سے طلب کرے میں اللہ کے مقابلے میں ذرہ بھر تیرے کام نہیں آ سکتا[1]

۲۔ لَا اَمْلِکُ لَہٗ وَلَا لِنَفْسِیْ شَیْئًا | حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ اہل مدینہ میں سب سے اول مکہ آ کر اسلام لانے والے، مدینہ میں سب سے اول اسلام کے ساتھ داخل ہونے والے عقبہ کی ہر بیعت میں شامل ہونے والے، انصار کے بارہ نقیبوں میں سے ایک نقیب اور جنت البقیع میں (بقول انصار) سب سے اول دفن ہونے والے عظیم المرتبت صحابی رسول تھے۔ انہیں ایک مہلک پھنسی نکلی۔ امام ابن سعد رحمہ اللہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسعد بن زرارہ کی بیمار پرسی کو تشریف لے گئے انہیں شوکہ (یعنی مہلک پھنسی) تھی، فرمایا۔ قاتل اللہ یھود یقولون لولا دفع عنہ ولا املک لہ ولا لنفسی شیئا لا یلومونی فی ابی امامۃ[2] یعنی اللہ یہود کو ہلاک کرے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو امامہ اسعد بن زرارہ کی تکلیف کیوں نہ دور کر دی اور حال یہ ہے کہ نہ تو میں ان کے لئے کوئی اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہی اپنے لئے، مجھے تم ان کے بارے میں ملامت نہ کرو۔

۳۔ تَمْلِکُ وَلَا اَمْلِکُ | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج (مطہرات) کے درمیان تقسیم فرماتے تھے پس عدل فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:۔

---

[1] صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح، باب الانذار والتحذیر)

[2] "تبیان"، جلد ۳ ص ۲۴۲ "استیعاب" ترجمہ ابو امامہ رض۔

[3] "طبقات" ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۹ ذکر حضرت اسعد بن زرارہ۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ۔
(رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ الدارمی)

اے اللہ! جو ربانی نان ونفقہ وغیرہ ظاہری تقسیم میرے بس میں تھی وہ میں نے کر دی۔ اب جس چیز کا تو مالک ہے میں مالک نہیں تو آپ اس میں میرا مؤاخذہ نہ فرمائیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب النکاح)

حضرت امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی حب اور مودت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت طاہرہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی محبت و مودت دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مقابلے میں زیادہ تھی۔ مگر اس پر حضور کا اختیار نہ تھا۔ لہٰذا آپ بارگاہ رب العزت میں معذرت کر رہے ہیں۔ تو آپ کو اپنے دل کی محبت والفت پر بھی اختیار نہیں۔ بے اختیاری کی حد ہوگئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴۔ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ (استخارہ)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور امام بخاری رحمہ اللہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں (دعاء) استخارہ کی تعلیم اس طرح دیتے تھے۔ جس طرح ہمیں قرآن کی سورۃ کی تعلیم دیتے تھے۔ فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی کسی امر کا ارادہ کرے تو وہ دو رکعت نماز (نفل) پڑھے پھر کہے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ
...... رواہ البخاری۔ [1]

الٰہی! میں تیرے علم کے واسطے سے تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے واسطے سے تجھ سے قوت طلب کرتا ہوں اور تیرے فضل عظیم سے آپ سے سوال کرتا ہوں بلاشبہ آپ قدرت رکھتے ہیں اور میں طاقت نہیں رکھتا اور آپ کو علم ہے اور میں علم نہیں رکھتا اور آپ علام الغیوب ہیں۔

خود فرمائیے! کس قدر صراحت کے ساتھ قدرت و اختیار اور علم غیب کو اللہ رب العزت کے لئے خاص فرما رہے ہیں اور اپنی ذات اور ہر شخص سے ان دونوں صفات ربانی کی نفی کی جا رہی ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ... ابوداؤد میں بھی ... روایت موجود ہے۔

۵- اپنی موت وحیات پر اختیار نہیں

اسی طرح آپ کی ایک اور دعا میں آیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ بِعِلْمِکَ الْغَیْبَ وَقُدْرَتِکَ عَلَی الْخَلْقِ اَحْیِنِیْ مَا عَلِمْتَ الْحَیٰوۃَ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاۃَ خَیْرًا لِّیْ ..... رواہ النسائی

(مشکوٰۃ المصابیح)

الٰہی! اپنے علم غیب اور مخلوق پر اپنی قدرت کے واسطے سے مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک تیرے علم میں میری زندگی میرے لئے خیر ہو اور مجھے وفات دے، جب تیرے علم میں وفات میرے لئے بہتر ہو۔

اس حدیث سے جہاں علم غیب اور قدرت کاملہ کا خاصۂ خدا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وہاں اپنے لئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے علم کی نفی فرما رہے ہیں نیز یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ موت وحیات اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حیات و وفات کا بھی اختیار نہیں۔

۶- ایک قطرۂ بارش پر اختیار نہیں

حضرت انسؓ فرماتے ہیں عہد رسالت میں لوگوں کو قحط پیش آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک دیہاتی نے کھڑا ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مویشی ہلاک ہو گئے، بال بچے بھوکے ہیں، فَادْعُ اللّٰہَ لَنَا آپ ہمارے لئے اللہ سے (بارش کی) دعاء فرمائیے، چنانچہ آپ نے (دعاء کے لئے) دونوں ہاتھ اٹھا لئے اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا نہیں تھا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے حضرت نے اپنے ہاتھ نہیں گرائے حتی ثار السَّحَابُ مثال الجبال یہاں تک کہ بادل پہاڑوں کی طرح گھر آیا پھر آپ منبر سے نہیں اترے حَتّٰی رَاَیْتُ الْمَطَرَ یَتَحَادَرُ عَلٰی لِحْیَتِہٖ یہاں تک کہ میں نے آپ کی ڈاڑھی مبارک سے بارش کا پانی گرتے دیکھا۔ پھر ہم پر اس دن دوسرے دن تیسرے دن حتیٰ کہ دوسرے جمعہ تک بارش برستی رہی۔ (جمعہ میں) وہی دیہاتی یا کوئی اور صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مکان گر گئے، مال غرق ہو گیا۔ آپ ہمارے لئے اللہ سے دعا فرمائیے فَادْعُ اللّٰہَ لَنَا۔ چنانچہ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا ..... الٰہی ہمارے گرد و نواح میں برسا ہو اب ہم پر نہ برسائیو! یہ کہہ کر آپ بادل کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔ بادل پھٹتا جاتا تھا

یہاں تک کہ مدینے کی فضا پر بادل کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ مگر وادی میں مہینہ بھر پانی بہتا رہا۔ نواحی علاقہ سے جو بھی آدمی آتا تھا وہ شدید بارش کی خبر دیتا تھا۔ حضرت انس کہتے ہیں حضرت کی دعا کے بعد بادل ختم ہو گیا اور ہم مسجد سے نکلے تو دھوپ میں چلے۔ صحیح بخاری شریف ص ۵۰۶ کتاب المناقب باب فی المعجزات۔

اللہ اللہ۔ دو قطرے پانی کی ضرورت ہے تو صحابیؓ درخواست کرتا ہے کہ یَدْعُ اللّٰہَ لَنَا آپ ہمارے لئے اللہ سے اس کی دعا فرمائیں۔ اور اگر بارش رکوانی ہے تو بھی عرض کرتے ہیں آپ ہمارے لئے اللہ سے دعا کریں۔ اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ پانی کے قطروں کے لئے بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہو جاتے ہیں۔ اور پھر بارش ختم کرانی ہے تو بھی رب قادر و قدیر کی بارگاہ قدس میں دست سوال دراز کر کے دعا کرتے ہیں اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا محبوب رب العالمین کی شان محبوبیت و مقبولیت کا کمال ملاحظہ ہو کہ اگر آپ مطلق بارش کی دعا کرتے ہیں اور وقت کی تعیین نہیں کرتے تو اللہ رب العزت بھی وقت کی تعیین نہیں فرماتے اور آٹھ دن لگاتار رات دن بارش برسائے جاتے ہیں لیکن باایں ہمہ بے اختیاری و بے بسی کا حال یہ ہے کہ بارش کے قطرے مانگتے ہیں تو اسی ذات قادر سے! اور بارش ختم کرنے کا سوال کرتے ہیں تو اسی رب قدیر سے!

اَنْتَ الْغَنِیُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ اسی طرح ایک اور حدیث پاک میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے قدرت و اختیار اور اپنے لئے فقر و بے اختیاری بیان فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش نہ ہونے کی شکایت کی چنانچہ آپ نے حکم دیا اور منبر عیدگاہ میں رکھ دیا گیا۔ آپ نے منبر پر بیٹھ کر اللہ کی تکبیر و حمد بیان کی پھر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَنْتَ الْغَنِیُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ الٰہی تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو بے نیاز ہے اور ہم محتاج ہیں

اس کے بعد آپ نے بارش کے لئے دعا فرمائی.... پھر آپ نے منبر سے اتر کر ... نماز پڑھی پس اللہ نے بادل بھیجا بادل گرجا، بجلی کڑکی، اور پھر اللہ کے حکم سے

بارش شروع ہو گئی پس آپ اپنی مسجد نبوی تک واپس نہیں پہنچے تھے کہ نالے بہنے لگے جب آپ نے لوگوں کو جلدی سے مکانوں کو جاتے دیکھا تو آپ ہنس پڑے اور فرمایا

اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ ۔ (ابو داؤد۔ مشکوٰۃ۔ باب الاستسقاء)	میں گواہی دیتا ہوں کہ بالیقین اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور بیشک میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

سب خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے حضرت سائل ہیں

اولوالعزم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے خزانوں کا مالک قرار دیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کو خیر و شر کے تمام خزانوں کا مالک قرار دیتے ہیں دعا کرتے ہیں۔

۸۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ خَزَائِنُهٗ بِيَدِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ كُلِّ شَرٍّ خَزَائِنُهٗ بِيَدِكَ ۔	الٰہی! میں تجھ سے ہر بھلائی کا سوال کرتا ہوں جس کے خزانے تیرے قبضہ میں ہیں اور میں ہر برائی سے تیری پناہ

چاہتا ہوں جس کے خزانے تیرے پاس ہیں۔ (مستدرک حاکم جلد اول ص ۵۲۵)

۹۔ معطی اللہ ہے اور حضرت قاسم

بروایت حضرت ابوہریرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا اُعْطِيْكُمْ وَلَا اَمْنَعُكُمْ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَيْثُ اُمِرْتُ (بخاری۔ مشکوٰۃ المصابیح باب رزق الولاۃ)	نہ تو میں تمہیں اپنی طرف سے کچھ دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں، میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والا ہوں۔ جہاں مجھے اللہ تعالیٰ

کا حکم ہوتا ہے وہاں رکھ دیتا ہوں۔

سبحان اللہ! توحید کی حقیقت کتنی عمیق سمجھائی جا رہی ہے کہ گو بظاہر مال و دولت آپ دے رہے ہیں۔ مگر ساتھ ہی فرما رہے ہیں کہ یہ منع و اعطاء درحقیقت من جانب اللہ ہے، میں تو صرف ایک واسطہ ہوں جس کے لئے اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے دے دیتا ہوں اور جہاں اللہ نہ دینے کا حکم دیتا ہے۔ نہیں دیتا۔ تو رسول کی حیثیت صرف واسطہ و وسیلہ کی ہے حقیقت میں معطی و مانع ذات پاک رب العزت ہے

۱۰۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ. متفق علیہ ۔۔۔۔۔۔ [1]

اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کا فہم عطاء فرماتے ہیں، اور میں تو صرف تعلیم کرنے والا ہوں، دینے والا اللہ ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

مال و دولت کی طرح علم و فہم بھی اللہ تعالیٰ عطاء فرماتے ہیں۔ رسول کریمؐ تو صرف قاسم ہیں وہ تو اپنی ساری امت کو وحیِ الٰہی کی برابر تبلیغ فرما دیتے ہیں۔ اگر مراتب علم و فضل میں کوئی فرق ہے، کوئی زیادہ عالم و فاضل ہے فقیہہ و مجتہد ہے کوئی کم، تو اس میں رسولؐ کا دخل نہیں، یہ فرق و امتیاز مراتب فہم میں فرق کی وجہ سے ہے۔ اور یہ خدا کی دین ہے وہ جس کی بہتری چاہتے ہیں اسے دین و علم کا فہم و تفقہ دے دیتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی "صاحب مشکوٰۃ" کی طرح اس حدیث کو اپنی صحیح کے اندر کتاب العلم میں روایت کیا ہے اس سے بھی اسی حقیقت پر دلالت ہوتی ہے اور حدیث شریف کے سیاق سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہاں دین کا علم و فہم مراد ہے اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری چاہتے ہیں اسے دین کی سمجھ اور فقہ عطا فرما دیتے ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں، دیتے اللہ ہیں، میں تو صرف بانٹتا ہوں، یعنی میں تو صرف قرآن و حدیث بیان کر کے علم تقسیم کرتا ہوں باقی رہی اس کی سمجھ، سو وہ جتنی خدا چاہتا ہے۔ دیتا ہے۔

یار لوگوں نے اس حدیث پاک سے الٹا نبی کریمؐ کا تصرف و اختیار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ اہل علم و نظر کے نزدیک تو اس ارشاد رسولؐ سے خود آپ کے ملک و اختیار کی نفی واضح ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ انور شاہ صاحب کاشمیری رحمہ اللہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا حَالَ حَيٰوتِهِمْ كَمَا اَنَّهُمْ لَا مِلْكَ لَهُمْ بَعْدَ وَفَاتِهِمْ وَاسْتَدَلَّ بِهٰذَا

بالیقین حضرات انبیاء علیہم السلام زندگی میں بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے جیسا کہ ان کی وفات کے بعد ان کا کوئی اختیار

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم 154

الحدیث وَنَانَ اَنَّہٗ قَاسِمٌ لَا غَیْرَ وَلَا مِلْکَ لَہٗ اَصْلًا۔ | نہیں۔ اور انہوں (یعنی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ) نے اسی حدیث ۱؎

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللہُ یُعْطِی سے استدلال کیا ہے اور کہا کہ آپ صرف قاسم ہیں۔ اور ملک واختیار آپ کا بالکل نہیں۔

۱۱۔ مجھے اللہ بچائے گا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے واپسی پر دوپہر کے وقت ایک وادی میں پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نزول اجلال فرمایا، لوگ سایہ دار درختوں کے نیچے اِدھر اُدھر منتشر ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کیکر کے درخت کے نیچے فروکش ہوگئے۔ اور اپنی تلوار درخت کے ساتھ لٹکا دی۔ ہم سوئے ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا اور ایک گنوار شخص آپ کے پاس موجود تھا۔ آپ نے فرمایا میں سو رہا تھا کہ اس شخص نے میری تلوار کھینچ لی۔ میں جاگ اُٹھا (دیکھا) تو تلوار اس کے ہاتھ میں بے نیام تھی۔ اس نے کہا مَنْ یَّمْنَعُکَ مِنِّیْ۔ یعنی اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا اللہ تین بار فرمایا، اس کے بعد آپ بیٹھ گئے اور اس شخص سے کوئی انتقام نہ لیا (صحیح بخاری، صحیح مسلم) ابوبکر اسمٰعیلی ؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اس نے کہا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ تو آپ نے کہا اللہ! (یہ جواب سن کر ہیبت کی وجہ سے ۲؎) کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھالی، اور فرمایا اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ ... کتاب الحمیدی اور ریاض (یعنی ریاض الصالحین للنووی) میں اسی طرح ہے ۳؎

۱؎ "فیض الباری" جلد اول ص ، "فیض الباری" چار جلدوں میں صحیح بخاری کی شرح ہے۔ امام الاد شیخ الاسلام حضرت انور شاہ رحمہ اللہ کی تقریر ہے اور املا حضرت مولانا بدر عالم رحمہ اللہ کے۔

۲؎ صاحب "روح المعانی" نے جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ وہ دشمن تھرا نہ کے بل گر پڑا۔ ... حب ... اللہ تعالیٰ لوجہہ ...... (تفسیر روح المعانی، سورہ نساء آیت وَخُذُوا حِذْرَکُمْ)

۳؎ "مشکوٰۃ المصابیح" باب التوکل والصبر۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اختیاری ظاہر ہے کہ اپنا بچاؤ اور تحفظ بھی آپ نہیں فرما سکتے۔ آپ کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور دشمنوں سے اللہ ہی آپ کو بچاتے ہیں

۱۲۔ وَفَقْرُ إِلَى اللّٰہ | رزین (متوفی ۵۲۰ھ) نے روایت کی ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر میں حضور بھی صحابہ کے ساتھ اینٹیں وغیرہ اٹھا رہے تھے، چنانچہ آپ کے ہاتھ میں اینٹ تھی ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ یہ مجھے دے دیجئے آپ نے فرمایا:

اِذْهَبْ فَخُذْ غَيْرَهَا فَلَسْتَ بِأَفْقَرَ إِلَى اللّٰهِ مِنِّيْ .... [1] | جاؤ تم دوسری اینٹ اٹھا لاؤ۔ تو مجھ سے زیادہ اللہ کا محتاج نہیں ہے۔

سبحان اللہ! رحمۃ للعالمین ہیں، امام المرسلین ہیں، سید الاولین والآخرین ہیں مگر رب العزت کے اسی طرح محتاج ہیں جس طرح کوئی دوسرا۔ تو کیا افقر و محتاج بھی مختارِ کل ہو سکتا ہے؟

۱۳۔ دعا | حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت بارگاہ رب العزت میں طالب دعاء رہتے تھے۔ اسی کتاب کے گزشتہ ابواب میں آپ کی دعاؤں کا کچھ حال آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ ہر وقت دعا۔ صبح و شام، رات دن دعا۔ سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے اللہ سے دعا۔ سفر پر جاتے۔ گھر سے نکلتے، واپس آتے دعا۔ وضو اور نماز کے بعد دعاء۔ نماز کے اندر دعاء۔ باہر دعا۔ ہر وقت، ہر مجلس میں خلوت وجلوت میں اللہ سے دعاء حتیٰ کہ بیت الخلاء جاتے اور نکلتے دعا۔ غرض آپ کی پوری حیات طیبہ کا طول و عرض دعا تھا۔ اور یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ دعا کی اصل و اساس ہی دعا کرنے والے کی بے بسی و بے اختیاری ہے۔ مجبوری و لاچاری ہے۔ اگر اختیار و اقتدار ہو تو دعا کی ضرورت ہی کیا ہے اور جب ہر وقت دستِ طلب و دعاء دراز ہے تو اختیار کہاں؟ دعاء تو نام ہی اختیار کی نفی کا ہے۔

---

[1] "وفاء الوفا" جزء اول ص ۳۳۲، وفاء الوفا۔ تاریخ مدینہ طیبہ پر علامہ سمہودی کی چار جلدوں پر مشتمل بے نظیر کتاب ہے علامہ نور الدین علی بن احمد السمہودی المصری المدنی رحمہ اللہ مدینہ طیبہ کے مفتی مدرس، اور مؤرخ تھے۔ ۹۱۱ھ میں وفات پائی۔

۴۔ شفاعت شفاعت کے معنی ہیں سفارش کسی کو کسی کے لئے سفارش کرنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت امت مسلمہ کا متفق عقیدہ و ایمان ہے۔ قیامت میں سب سے پہلے آپ ہی شفاعت فرمائیں گے۔ اور شفاعت کی حقیقت ہے بے اختیاری۔ اگر مجھے کسی بات کا خود اختیار ہے تو میں اس کے متعلق کسی دوسرے کو سفارش کیوں کروں گا۔ وہ کام خود ہی کیوں نہ کر لوں۔ تو شفاعت کا منشاء بے بسی و بے اختیاری ہے۔ اگر نبی کریم کی شفاعت مسلّم ہے تو آپ کی بے اختیاری کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ اور اگر آپ کے مختار کل ہونے کا پختہ یقین ہے تو شفاعت کا انکار لازم آئے گا۔ شفاعت نام ہی اختیار کی نفی کا ہے۔ اگر شفاعت ہے تو اختیار کہاں؟

خلاصہ قرآن کریم میں ۱۱ مقامات پر اور سنت رسول سے ۴۹ مقامات پر کل ۶۰ جگہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم امام المرسلین کو نفع و نقصان کا ملک و اختیار حاصل نہیں تھا۔ کیا بے بسی و بے اختیاری کے ان پچپن شواہد و نصوص کے بعد بھی آپ کے مختار کل ہونے کا ادعاء باطل برابر جاری رہے گا؟ پھر قرآن کریم کے دس مقامات سے دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کی بے اختیاری ثابت ہوتی ہے۔ امام المرسلین سید الانبیاء سمیت تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کی پینسٹھ نصوص کتاب و سنت سے مطلق بے اختیاری ثابت و واضح ہونے کے بعد اور کون نبیس مارخان ہے۔ جس کو اختیار حاصل ہو؟

سنت رسول سے کل اختیار و قدرت خاصۂ خدا ہونے اور غیر اللہ کے اختیار کی مطلق نفی کا بیان!

کتاب اللہ کے بعد سنت رسول سے بھی یہی ثابت ہے کہ قدرت کاملہ و اختیار کلیہ خاصۂ خدا ہے۔ احادیث نبوی میں نہایت صراحت و تکرار کے ساتھ اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطور خبر خود بھی نا

سلہ ۵۲ ان پر حد نہیں، نہ حد مقصود ہے اور نہ ہی کوئی آسان کام ہے۔

قسم کے الفاظ کو پڑھا کرتے تھے اور اپنے اہل و عیال اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ان وظائف کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً:

حضرت کا ہر نماز کے بعد کا وظیفہ

۱۔ بروایت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھتے تھے۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (متفق علیہ)[1]	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی سلطنت ہے اور تعریف بھی اسی کی ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ الٰہی! جو تو عطا فرمائے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو نہ دے

وہ کوئی نہیں دے سکتا، اور تیرے سامنے کسی دولت والے کو اس کی دولت نفع نہیں دے سکتی۔ (یا تیری بارگاہ میں کسی عزت والے کو اس کی عزت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی)

ایک مرد مومن حضرتؐ کی سنت کے اتباع میں ان صفات ربانی کو آٹھ پہر میں پانچ وقت دہراتا ہے کہ جب اس کے سوا معبود کوئی نہیں اور جب ملک و بادشاہی اسی کی ہے تو منع و اعطاء کی دو صفتوں میں بھی وہ واحد و لاشریک ہے وہی دینے والا ہے اور وہی نہ دینے والا۔ وہ دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور وہ نہ دے تو کوئی دے نہیں سکتا۔

اللہ رب العزت کے اقتدار و اختیار کا اثبات اور غیر اللہ کے اختیار کی نفی کا کیا مؤثر انداز ہے۔

صبح و شام کا وظیفہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صبح و شام کا ورد وظیفہ فرمایا ہے:۔

۲۔ بعض بنات النبیؐ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تعلیم دیتے تھے کہ صبح و شام کہا کریں۔

۱؎ مشکوٰۃ المصابیح، باب الذکر بعد الصلوٰۃ۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَاءْ لَمْ يَكُنْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا

اللہ پاک ہے اور تعریف اسی کی ہے اور اللہ کے سوا کسی کو کوئی زور و قوت نہیں جو اللہ چاہے وہی ہوگا اور جو وہ نہ چاہے وہ نہ ہوگا میں جانتا ہوں کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور بیشک اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

فرمایا جو شخص صبح کو یہ کہے وہ شام تک محفوظ رہتا ہے اور جو شام کو یہ کہے وہ صبح تک محفوظ رہتا ہے اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ [1]

تو مسلمان کا صبح و شام کا وظیفہ یہی ہے کہ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اللہ رب العزت ہے۔ اور علم کل وعلم محیط و بسیط بھی اسی کی شان ہے۔

دن بھر میں سو بار

۳۔ بروایت حضرت ابو ہریرہؓ ارشاد فرمایا۔ جس نے دن میں سو بار پڑھا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی سو برائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور یہ سارا دن اس کے لئے شیطان سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ یہاں تک کہ شام ہو جائے وَلَمْ يَاْتِ اَحَدٌ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ اِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ اَكْثَرَ مِنْهُ۔ (متفق علیہ) [2]
اور اس سے کوئی شخص بہتر عمل لے کر نہیں آئے گا مگر وہ شخص جس نے ان کلمات کو اس سے بھی زیادہ پڑھا۔

سبحان اللہ! صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کی ان خاص صفات کا ورد وظیفہ کرنے والے کے لئے کتنا اجر و ثواب ہے۔

۴۔ اور حضرت ابو عیاشؓ کی روایت میں ہے فرمایا۔ جس نے صبح کو کہا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اس کے لئے اولاد اسمٰعیل میں سے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہے۔ اور اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی دس برائیاں گرا دی جائیں گی، اور اس

---

[1] دیکھو مشکوٰۃ المصابیح باب ما یقول عند الصباح والمساء۔
[2] ″ ″ ″ ثواب التسبیح......

کے دس درجے بڑھا دیئے جائیں گے اور وہ شام تک شیطان سے محفوظ رہے گا
اور اگر شام کو یہی کلمات کہے گا تو یہی اجر ملے گا۔ (ابوداؤد۔ ابن ماجہ) ؎۱

صرف انہی وظائف پر بس نہیں۔ بلکہ اس کتاب کے صفحہ ۱۲۰ تا ۱۲۱ پر جو دو ۱۲۰۹
احادیث پاک پیش کی جا چکی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ مطلقہ سے متعلق اذکار
اوراد کے فضائل کا بیان ہے۔ ان احادیث کو ایک بار پھر ملاحظہ فرما لیا جائے۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ

اسلام کا تیسرا کلمہ تمجید ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اس کلمہ پاک کا ایک حصہ ہے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ اس کے معنیٰ ہیں: نہیں ہے طاقت اور نہ قوت مگر ساتھ اللہ کے۔ گویا جس مضمون کو قرآن کریم میں علیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ سے بیان فرمایا گیا ہے نہ صرف اس مضمون کو حدیث پاک لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ بلکہ غیر اللہ سے قدرت و طاقت کی نفی مستزاد ہے۔ قدرت و طاقت اور قوت کا سرچشمہ صرف ذات پاک رب العزت ہے۔ اللہ کے سوا نہ تو کسی کو قدرت و طاقت حاصل ہے نہ قوت۔ تو اس انداز اور ان الفاظ میں بھی قدرت و اختیار کو اللہ تعالیٰ کا حق ثابت کیا گیا ہے۔ اور غیر اللہ کے اختیار کی مطلقاً نفی کی گئی ہے۔ اب دیکھئے یہ انداز و الفاظ نبی کریم کے وظائف میں شامل ہیں۔

گھر سے باہر نکلتے وقت کا وظیفہ

۱۔ بروایت حضرت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے باہر نکلتے تھے تو یہ کہتے۔

بِسْمِ اللّٰہِ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ التُّکْلَانُ عَلَی اللّٰہِ۔ ؎۲	اللہ کے نام کے ساتھ۔ اور قدرت و طاقت سوائے اللہ کے نہیں ہے اور اللہ کے سپرد ہوں۔

۲۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلے اور کہے۔

؎۱ مشکوٰۃ باب ما یقول عند الصباح والمساء۔ ؎۲ ابن ماجہ باب ما یدعو بہ الرجل اذا خرج...

بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ۔	اللہ کے نام کے ساتھ، میں اللہ پر توکل کرتا ہوں قدرت اور طاقت وقوت اللہ کے سوا نہیں ہے۔

تو (بذریعہ فرشتہ) اسے جواب دیا جاتا ہے تو ہدایت دیا گیا۔ اور کفایت کیا گیا اور تو محفوظ ہو گیا...... (ابوداؤد، ترمذی) [1]

ہر وقت کا وظیفہ

نہ صرف گھر سے نکلتے وقت بلکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہر وقت کا وظیفہ قرار دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا

۷۔

اَکْثِرْ مِنْ قَوْلِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ فَاِنَّهَا مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ رواہ الترمذی	لاحول ولا قوۃ۔ کثرت سے پڑھا کرو۔ یہ جنت کا خزانہ ہے۔

۸۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تجھے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کی خبر نہ دوں میں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ، فرمایا۔
لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ متفق علیہ [2]

۹۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کہا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللهِ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ

كُفِّرَتْ عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ وَاِنْ كَانَتْ اَكْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ [3]	اس کے گناہ معاف کر دیئے گو سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔

۱۰۔ بروایت ابوہریرہؓ ارشاد فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ دَوَاءٌ مِنْ تِسْعَةٍ وَتِسْعِيْنَ دَاءً اَيْسَرُهَا الْهَمُّ۔	لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ننانوے بیماریوں کی دوا ہے جن میں سے معمولی غم والم ہے۔

۱۱۔ نبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تجھے وہ ... نہ بتلاؤں،۔

---

[1] مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات۔ [2] مشکوٰۃ باب ثواب التسبیح ......
[3] مشکوٰۃ المصابیح، باب ثواب التسبیح۔ [4] مستدرک حاکم، جلد اول ص ۵۰۰ کتاب الدعاء

من تحت العرش من كنز الجنة لا حول ولا قوة الا باللہ ۔ رواہما البیہقی فی الدعوات الکبیر ۔۔۔۔ [1]

جو تحت العرش جنت کا خزانہ ہے (وہ عرشی وجنتی خزانہ ہے) لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔

صبح وشام گھر سے نکلتے وقت، اور ہر وقت کا وظیفہ، جنت کا اور تحت العرش خزانہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہے۔ اس کی عظمت کا سارا راز اسی میں مضمر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اثبات اور غیر اللہ کے اختیار کی نفی ہے۔

اللہ کے حکم کے خلاف ساری دنیا مل کر نفع نقصان نہیں دے سکتی

۱۲۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرمایا۔ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار تھا۔ آپ نے مجھے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرو، اللہ (دارین میں) تمہاری حفاظت کریگا اور جب بھی تو سوال کرے اللہ سے سوال کر۔ اور جب تو مدد طلب کرے تو اللہ سے مدد طلب کر۔

وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عليك

اور جان لے کہ اگر سب لوگ جمع ہو کر تجھے کوئی نفع دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے سوائے اس کے جو کچھ اللہ نے تیرے لئے مقدر کر دیا ہے۔ اور اگر سب تجھے نقصان پہنچانے پر جمع ہو جائیں تو تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے مقدر کر دیا ہے۔ (تقدیر کے قلم لکھ چکے اور رجسٹر خشک ہو چکے) رواہ احمد والترمذی [2]

سبحان اللہ! سوال کرنا، دعا کرنا۔ مدد طلب کرنا یہ اللہ ہی کی ذات سے لازم ہے ساری دنیا مل کر بھی اللہ کی مشیئت اور تقدیر الٰہی کے خلاف کسی کو نہ تو کوئی فائدہ

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ۔ باب ثواب التسبیح
[2] مشکوٰۃ المصابیح ۔ باب التوکل والصبر

پہنچا سکتی ہے۔ نہ نقصان، نفع نقصان پہنچانا یہ صرف خاصۂ خدا ہے۔ غیر اللہ کے اختیار و اقتدار کی نفی کا اس سے بہتر انداز اور کون سا ہو سکتا ہے؟

۱۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو عزم کے ساتھ دعا مانگے۔

اِنَّهٗ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَلَا مُكْرِهَ لَهٗ۔ بالیقین وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر زبردستی کرنے والا کوئی نہیں۔ (صحیح بخاری) ؎۱

ساری دنیا پر اس کی مشیئت و قدرت غالب ہے کسی کی کیا مجال ہے جو اس قادر مطلق پر دباؤ ڈال سکے۔ زبردستی کرسکے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ۔

تو کتاب اللہ کے ساتھ سنتِ رسول سے بھی اسی حقیقت کا وضوح و اثبات ہوا کہ قدرت و اختیار خاصۂ خدا ہے۔ نفع نقصان کا مالک واحد اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ کے سوا کسی کو بھی نفع نقصان کا قطعاً کوئی اختیار نہیں۔

آثار صحابہؓ و اقوالِ سلف

کتاب و سنت کے بعد اب حضرات صحابہؓ و کبار اولیاء کے آثار و اقوال سے اللہ رب العزت کے لئے اختیار و قدرت کا اثبات اور غیر اللہ کے لئے اس کی مطلق نفی ملاحظہ ہو۔

حجرِ اسود سے حضرت عمرؓ کا خطاب!

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما وغیرہم سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ اور (حجر اسود سے) فرمایا۔

اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا اَنِّیْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ۔ (متفق علیہ) ؎۲

میں خوب جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔

؎۱ "ترجمان السنۃ" جلد دوم حدیث نمبر ۶۲۹۔

؎۲ "مشکوٰۃ المصابیح" باب دخول المکۃ والطواف۔ نیز مؤطا امام مالکؒ باب تقبیل الرکن الاسود، ابوداؤد باب فی تقبیل الحجر اور ترمذی باب فی تقبیل الرکن میں بھی یہ روایت ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے بحوالہ دارقطنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ [1]

ایک عظیم و معظم پتھر ہے۔ شعائر میں داخل ہے۔ اسے بوسہ دینا سنت ثابتہ و معمول صحابہ و امت ہے مگر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اس کے نافع و ضار ہونے کی نفی فرما رہے ہیں تاکہ کل کوئی اس کی عظمت کی وجہ سے اسے نفع نقصان کا مالک نہ سمجھنے لگ جائے

حضرت محبوب سبحانیؒ کا ارشاد

سرخیل صلحاء امت امام الاولیاء سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:- اور کیا خوب فرماتے ہیں۔ اور الفاظ مبارکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے کس درجہ مشابہ ہیں:-

۱۔ وَاِنَّ الْخَلَائِقَ لَوْجَهَدُوْا اَنْ يَّنْفَعُوا الْمَرْءَ بِمَا لَمْ يَقْضِهِ اللّٰهُ تَعَالٰى لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ وَلَوْجَهَدُوْا اَنْ يَّضُرُّوْهُ بِمَا لَمْ يَقْضِهِ اللّٰهُ تَعَالٰى لَمْ يَسْتَطِيْعُوْا كَمَا وَرَدَ فِيْ خَبَرِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَ تَعَالٰى وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ الاٰيَة [1]

۲۔ آپ کی مرض وفات میں آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالوہاب رحمہ اللہ نے آپ سے وصیت کی استدعا کی تو فرمایا:-

۲۔ عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَا تَخَفْ اَحَدًا سِوَى اللّٰهِ وَلَا تَرْجُ اَحَدًا سِوَى اللّٰهِ وَكِلِ الْحَوَائِجَ اِلَى اللّٰهِ وَلَا تَعْتَمِدْ اِلَّا عَلَيْهِ وَاطْلُبْهَا جَمِيْعًا مِنْهُ تَعَالٰى وَلَا تَثِقْ بِاَحَدٍ غَيْرَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ اَلتَّوْحِيْدُ اَلتَّوْحِيْدُ اِجْمَاعُ الْكُلِّ۔ [2]

اپنے اوپر خدا کے تقویٰ کو لازم رکھو اللہ کے سوا کسی سے خوف نہ کھاؤ نہ کسی سے امید رکھو تمام حاجتیں اللہ کو سونپ دو اس کے سوا کسی پر تکیہ نہ کرو، سب کچھ اسی سے طلب کرو۔ اور اللہ سبحانہ کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کرو۔ توحید پر قائم رہو کہ توحید پر سب کا اجماع ہے۔

شیخ المشائخ ایک اور موقع پر رقمطراز ہیں:-

---

[1] "تاریخ الخلفاء" فصل فیما ورد عن ابی بکر [2] "غنیۃ الطالبین" جلد اول فصل بیان مذاہب [3] ذکر فتوح الغیب

۳۔ لَا يَمْلِكُ مَعَهُ تَعَالَى فِي مِلْكِهِ أَحَدٌ شَيْئًا لَا ضَارَّ وَلَا نَافِعَ وَلَا دَافِعَ وَلَا جَالِبَ وَلَا مُسْقِمَ وَلَا مُبْلِي وَلَا مُعَافِي وَلَا مُبْرِئَ غَيْرُهُ فَلَا تَشْتَغِلْ بِالْخَلْقِ لَا فِي الظَّاهِرِ وَلَا فِي الْبَاطِنِ فَإِنَّهُمْ لَمْ يُغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا۔ [1]

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ملک و اختیار میں کسی کا بھی کوئی حصہ نہیں اللہ کے سوا نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے نہ کوئی نفع، نہ کوئی تکلیف دفع کرنے والا ہے نہ کوئی بھلائی کرنے والا، نہ کوئی بیمار کرنے والا ہے نہ کوئی آزمائش میں ڈالنے والا اور نہ کوئی صحت دینے والا ہے نہ کوئی نجات دینے والا۔ لہٰذا مخلوق میں مشغول نہ ہو نہ ظاہراً نہ باطناً۔ کیونکہ یہ بالیقین اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تیرے کسی کام نہیں آ سکتے۔

اللہ اللہ! اقلیم علم و تصوف کے اس تاجدار نے کس زوردار انداز اور مؤثر الفاظ میں اللہ رب العزت کی قدرت و اختیار کے اثبات کے ساتھ ساری مخلوق تمام ماسوی اللہ کے اختیار کی مطلق نفی فرمائی ہے۔

مگر آہ! آج جھوٹے مدعیان تصوف غیر اللہ کے لئے اختیار ثابت کرنے اور انہیں نفع نقصان کا مالک قرار دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ مگر ان تاجداران اقلیم ولایت و صدر نشینان مسند تصوف کے مقابلے میں ان کی بے سند و بے دلیل بات ایک بڑ سے زیادہ کیا حیثیت رکھتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ:۔

کفار کا عقیدہ تھا کہ بت نفع نقصان کے مالک ہیں مگر اسلام اس باطل عقیدہ کی نفی کرتا ہے!

سیدنا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ جن سات مظلوم و مقہور اولین سابقین اصحاب رسول ﷺ کو خرید کر آزاد فرمایا۔ ان میں ایک مظلومہ صحابیہ حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں:۔

۱۔ وَأُصِيبَ بَصَرُهَا حِينَ أَعْتَقَهَا فَقَالَتْ قُرَيْشٌ مَا أَذْهَبَ بَصَرَهَا إِلَّا

جب انہیں خرید کر آزاد کیا گیا تو ان کی بینائی جاتی رہی۔ قریش کہنے لگے اس

---

[1] فتوح الغیب ۔۔۔ مقالہ ۵۵ [illegible]

اللاتُ وَالعُزّیٰ فقالت کذبوا وبیتِ اللّٰہ ما تضرُّ اللاتُ والعُزّیٰ وَمَا تنفعان فردّ اللّٰہ بصرھا۔ | کی بینائی لات وعزّیٰ نے ختم کر دی ہے، حضرت زنیرہؓ نے فرمایا یہ جھوٹ بکتے ہیں، رب کی قسم! لات وعزّیٰ نہ تو نقصان پہنچا سکتے ہیں، ورنہ ہی نفع! چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی واپس لوٹا دی۔

۲۔ علیٰ ہذا مشرکین کہ جنگ میں بتوں کو پکارتے تھے۔ غزوہ اُحد میں فرمایا۔

نادیٰ المشرکون بشعارھم: یا لِلعُزّیٰ! یا لِھُبَلَ! [۶] | مشرکین نے اپنے معمول کے مطابق پکارا اے عزّیٰ! اے ھُبل!

اُحد ہی کے دن فتح کے نشے میں مخمور ہو کر ابوسفیان نے ھُبل کی جے پکارتے ہوئے کہا تھا۔

اُعلُ ھُبَلُ اُعلُ ھُبَلُ۔ | ہبل کا بول بالا، ہبل کا بول بالا۔

حضورؐ نے فرمایا تم اس کو جواب نہیں دیتے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کن الفاظ سے یا رسول اللہ؟ فرمایا تم کہو:

اَللّٰہُ اعلیٰ واجلّ۔ [۷] اللہ ہی سب سے بالا ہے اور اللہ ہی بڑی شان والا ہے۔

اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کے نادر و حیرت انگیز واقعات اور انکی ایمان افروز کرامات!

(احافہ از راقم)

کہ اس ایمان ویقین میں — کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی چیز نفع نقصان نہیں پہنچا سکتی — اس درجہ غلو تھا کہ وہ اشیاء میں ان کی خداداد تاثیر وخاصیت کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، اور اپنے اس یقینِ کامل کی بنا پر مؤثر حقیقی اللہ ربّ العزت کا نام لے کر سمندر میں کود پڑتے تھے اور نہیں ڈوبتے تھے، آگ کے شعلوں میں ڈالے جاتے تھے اور نہیں جلتے تھے، زہر پھانک لیتے تھے اور نہیں مرتے تھے، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ا۔ خلافتِ صدیقی میں حضرت علاءؓ بن الحضرمی نے بحرین کے مرتدین پر حملہ کر کے انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا، جو بچ گئے وہ کشتیوں میں سوار ہو کر دارین پہنچ گئے دارین خلیج فارس کا ایک جزیرہ ہے ساحل سے بذریعہ کشتی چوبیس گھنٹوں کی مسافت پر!

حضرت علاءؓ بن الحضرمی نے ان کے تعاقب میں اس جزیرے پر حملہ کا فیصلہ کیا مگر کشتیاں تھی نہیں، لہٰذا انہوں نے اپنے لشکر سے خطاب میں فرمایا! "اللہ تعالیٰ نے سمندر میں بھی اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلا

---

[۵] سیرت ابن ہشام، جلد اول ص ۳۴۰ و اصابہ، ترجمہ حضرت زنیرہ۔ منہ
[۶] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۴۲ [۷] صحیح بخاری باب غزوۂ اُحد۔

سکتا ہے۔ لہٰذا تم سمندر میں کود پڑو۔ سارے لشکر نے کہا: "ہمیں کوئی خطرہ نہیں" اور پورے لشکر نے توکلاً علی اللہ سمندر میں اپنے اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے ڈال دیئے۔ حضرت علاءؓ اور سارے لشکر نے یہ دعا کی:۔ یا ارحم الراحمین! یا کریم، یا حلیم، یا احد، یا صمد، یا محی الموتی، یا حیُّ یا قیوم، لا الٰہ الا انت یا ربنا۔ اللہ کے حکم سے سب پار ہوگئے وہ سمندر میں ایسے جا رہے تھے جیسے نرم ریت پر چل رہے ہوں، سمندر کے پانی سے اونٹوں کے صرف پاؤں تر ہوئے۔ دارین پہنچ کر تمام مرتدین کو قتل کر دیا۔ (لشکر کے ایک جرنیل) حضرت عفیف بن المنذرؓ نے اس واقعہ پر کہا

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ ذَلَّلَ بَحْرَہٗ	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو تابع کر دیا اور کفار
وَاَنْزَلَ بِالْکُفَّارِ اِحْدَی الْجَلَائِلِ	پر ایک مصیبتِ عظمیٰ ڈال دی ہم نے اس ذات کو پکارا جس نے
دَعَوْنَا الَّذِیْ شَقَّ الْبِحَارَ فَجَاءَنَا	سمندر کو پھاڑ دیا تھا پس وہ ہماری مدد کو آن پہنچا اور پہلی دفعہ
بِاَعْجَبَ مِنْ فَلْقِ الْبِحَارِ الْاَوَائِلِ[۲]	سمندر کو پھاڑ دینے کی نسبت زیادہ عجیب انداز میں آن پہنچا۔

۲۔ عہدِ صدیقی میں اسود عنسی کذاب نے حضرت عبداللہ بن ثوب ابو مسلم خولانی کو اپنی نبوت کے انکار اور رسالتِ محمدی کے اقرار پر آگ کے شعلوں میں ڈال دیا مگر آگ نے ان کا بال بھی بیکا نہ کیا۔ یہ خلافتِ صدیقی میں مدینہ آئے۔ تو حضرت عمرؓ نے انہیں گلے لگایا اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس وقت تک نہ مارا جب تک مجھے اُمتِ محمدیہ میں ایسا شخص نہ دکھا دیا جس کے ساتھ وہی معاملہ ہوا جو ابراہیمؑ خلیل اللہ کے ساتھ ہوا تھا۔ (استیعاب ترجمہ ابو مسلم خولانی)

۳۔ اسی طرح مشہور ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید نے ایک موقع پر زہر ہلاہل پھانک لی مگر زہر نے ان پر کچھ بھی اثر نہ کیا۔

یہ گندہ عقیدہ کہاں سے درآمد ہُوا!

کتاب اللہ اور سنّتِ رسول، آثارِ صحابہؓ اور اقوال و ارشاداتِ فقہاء، ائمہ و اولیاء اللہ رحمہم اللہ سے یہ ثابت ہے کہ تصرف و اختیار صرف ذاتِ پاک ربّ العزت کا حق ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا خیر و شر اور نفع نقصان کا مالک کوئی بھی نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ غیر اللہ کے اختیار کا گندہ عقیدہ مسلمانوں میں کہاں سے درآمد ہُوا؟

اس عقیدہ کا ماخذ "تشیع" ہے۔ یہ اہلِ تشیع کا ایمان و عقیدہ ہے کہ تدبیرِ امور حتٰی کہ خلقِ مخلوق اور تحلیل و تحریم کا اختیار نبی کریمؐ اور ائمہؒ کو حاصل ہے۔ چنانچہ شیعوں کی بنیادی کتاب اصول کافی میں ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ فَوَّضَ اِلٰی نَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمْرَ خَلْقِہٖ[۳]	بیشک اللہ عزّ و جلّ نے اپنی مخلوق کا کام اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا ہے

دوسرے مقام پر ہے:۔ فَھُمْ یُحِلُّوْنَ مَا یَشَاءُوْنَ وَیُحَرِّمُوْنَ مَا یَشَاءُوْنَ

لہ سورہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لئے سمندر میں راستے بنا دینے کی طرف اشارہ ہے۔

[۲] طبری جلد ۲ ص ۵۲۵ تا ۵۲۷، و اصابہ ترجمہ عفیف بن المنذر [۳] اصول کافی باب التفویض الی رسول اللہ

شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں۔

وَاَمَّا الْمُفَوِّضَۃُ فَہُمُ الْقَائِلُوْنَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی فَوَّضَ تَدْبِیْرَ الْخَلْقِ اِلَی الْاَئِمَّۃِ وَاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ اَقْدَرَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی خَلْقِ الْعَالَمِ وَتَدْبِیْرِ الْخَلْقِ وَاِنْ کَانَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا وَکَذٰلِکَ قَالُوْا فِیْ حَقِّ عَلِیٍّ رض لہ

مفوضہ اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے امور کی تدبیر ائمہ کے سپرد کر دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیق عالم اور تدبیر کائنات پر قادر فرما دیا ہے۔ اور دنیا کی کوئی چیز اللہ نے پیدا نہیں کی۔ اور اسی طرح حضرت علی رض کے حق میں کہتے ہیں (کہ خلق و تدبیر عالم اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کر دیا۔)

ذاتی نہ ! بلکہ عطائی

مفوضہ شیعوں کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ نبی کریم ؐ یا حضرت علی رض کو ذاتی قدرت و اختیار حاصل ہے۔ ان کا ایمان و یقین یہ تھا کہ اللہ رب العزت نے انہیں خلق و تدبیر عالم کے اختیارات تفویض کر دیئے ہیں۔ اسی طرح کتاب و سنت سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ مشرکین کا بھی اپنے معبودین سے متعلق یہ ایمان و یقین نہیں تھا کہ وہ ان کی مشکل کشائی و حاجت روائی پر ذاتی طور پہ قادر ہیں۔ نہ وہ اپنے معبود اللہ کے نیک اور صالح و مقبول بندوں کو صفاتِ ربانی میں ذاتی طور پر شریک مانتے تھے، ان کا عقیدہ صرف یہ تھا کہ اللہ کے یہ بندے ہمیں خدا سے قریب کر سکتے ہیں، بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش کر کے ہمارے کام کرا سکتے ہیں۔ گویا وہ بالواسطہ طور پر اپنے معبودوں کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے تھے اور ان کی من جانب اللہ عطائی ملک و قدرت پر ایمان رکھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین طواف کرتے وقت کہتے تھے

لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا ھُوَ لَکَ تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ ۔ ۔ ۔ ۔ سے

یعنی مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اے اللہ ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں، تیرا کوئی

لہ غنیۃ الطالبین حصہ اول فصل اصناف الرافضۃ۔ سے صحیح مسلم باب التلبیہ۔

شریک نہیں، مگر وہ آپ کا شریک (ضرور) ہے، جس کا تو مالک ہے اور اس کی تمام مملوکات کا بھی تو ہی مالک ہے۔

تو وہ ذاتی طور پر کسی کو بھی ملک و قدرت میں خدا کا شریک نہیں مانتے تھے اور جن کو وہ خدا کا شریک مانتے تھے، ان میں عطائی قدرت و مالکیت اور اختیار و اقتدار کے قائل تھے نہ کہ ذاتی طور پر انہیں قادر و مالک مانتے تھے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:۔

جان لو کہ سارے جہان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کا ایسا شریک مانتا ہو جو وجود قدرت اور علم و حکمت میں اللہ کے برابر ہو۔ اور ایسا عقیدہ اس وقت تک (دنیا میں کہیں) موجود نہیں۔	اِعْلَمْ اَنَّ لَيْسَ فِى الْعَالَمِ اَحَدٌ يُّثْبِتُ لِلّٰهِ شَرِيْكًا يُّسَاوِيْهِ فِى الْوُجُوْدِ وَالْقُدْرَةِ وَالْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ وَهٰذَا مِمَّا لَمْ يُوْجَدْ اِلَى الْاٰنَ [1]

تو اللہ تعالیٰ کی صفات، قدرت علم اختیار و ملک جو بھی ہیں ذاتی ہیں، اس طرح ذاتی صفات کا مالک دنیا میں کسی مشرک نے اپنے معبودین کو نہیں مانا جس نے مانا اپنے معبود کو عطائی صفات کا مالک مانا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ ملک و قدرت اور علم و حکمت عطا کی ہے۔ مالک حقیقی نے یہ صفات انہیں بخشی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔

ان (مشرکین) میں سے بعض کا اعتقاد یہ تھا کہ:۔ بیشک آقا اور مدبر تو اللہ ہی ہے

لیکن وہ اپنے بعض بندوں کو بزرگی اور الوہیت کا لباس پہنا دیتا ہے اور ان کو بعض خاص کاموں کا اختیار دے دیتا	لكنه قد يخلع على بعض عبيده لباس الشرف والتأله ويجعله متصرفا في بعض الامور الخاصة۔

ہے...... اس وجہ سے ایسے اشخاص کو بندگان خدا (عباد اللہ) کہنے کی لوگوں کو جرأت نہیں ہوتی وہ ان کو ابن اللہ اور محبوب اللہ کہتے ہیں اور اپنا نام ایسا رکھتے ہیں جن میں ان کا عبد (غلام) ہونا ظاہر ہو جیسے عبد المسیح اور عبد العزیٰ۔

---

[1] تفسیر کبیر جزء ۲ ص ۱۱۲ تفسیر آیت فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا۔

وَهٰذَا امرض جمهور الیهود والنصاریٰ والمشرکین وبعض الغلاة من منافقی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ممن ینتسبون الیہ (مبتلا) ہذا لہ

یہ مرض عام یہود و نصاریٰ مشرکین اور آج دینِ محمدی کے بعض غالی منافقوں کو لاحق ہے۔

عام یہود و نصاریٰ اور مشرکین تو اس مرض میں مبتلا تھے ہی وہ اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اختیارات کا مالک یقین کرتے تھے، اپنے آپ کو ان کا غلام اور عبد سمجھتے تھے اور اپنے نام عبد المسیح اور عبد العزّیٰ وغیرہ رکھتے تھے مگر آہ! کہ آج بعض مسلمان کہلانے والے بھی اس مرض کا شکار ہو گئے ہیں وہ بھی حضرات انبیاءؑ و اولیاءؒ کو عطائی اختیارات کا مالک سمجھتے ہیں۔ اپنے نفع نقصان اور سود و زیاں کا اختیار انہیں دیتے ہیں۔ دُکھ، درد مصیبت اور تکلیف کے وقت انہیں پکارتے ہیں، انہیں اپنا آقا، مالک و مختار جانتے ہیں، خود کو ان کا عبد (غلام) جانتے ہیں اور اپنا نام عبد الرسول، عبد النبی وغیرہ رکھتے ہیں۔ حضرت محدّث دہلویؒ انہیں دینِ محمد کے غالی منافقوں "کہتے ہیں، "الغُلَاة مِن منافقی دین محمد"

خلاصہ کتاب اللہ سے نہایت صراحت کے ساتھ قدرت اور علمِ غیب اور ہر جگہ ہر وقت حاضر و ناظر ہونا یہ تین صفات خاص اللہ ربّ العزّت کے لئے ثابت ہوتی ہیں، اور غیر اللہ سے واضح طور پر ان تینوں صفتوں کی بار بار نفی کی گئی ہے، اللہ کے محبوب رسولؐ قرآن کریم میں بھی اور احادیث صحیحہ میں بھی اپنے لئے ان تینوں صفات کی بصراحت نفی فرما رہے ہیں، پھر حضرات صحابہؓ و تابعین اور اجلّہ ائمہ دین و اکابر اولیاء اللہ رحمہم اللہ بھی ان صفات کو غیر اللہ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ثابت کرنے اور ماننے کو صاف صاف کفر قرار دے رہے ہیں تو پھر اٹکل پچو باتوں اور جاہل و بے دین لوگوں کی ہزلیات و خرافات کی بناء پر قدرت و اختیار یا علمِ غیب یا حاضر ناظر ہونا کسی غیر اللہ کسی ولی، کسی نبی حتیٰ کہ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت و شان قرار دینے کا آخر کیا جواز ہے؟ اگر یہ صفات کم از کم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہوتیں تو چونکہ یہ عقیدے کا مسئلہ تھا لہٰذا اللہ تبارک و تعالےٰ

لہ حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور جلد اول ص ۱۱۲

اپنی کتاب پاک قرآن کریم میں صاف صاف فرما دیتے کہ میرے محبوب رسولؐ کو بھی میری طرح قدرت واختیار، علم غیب اور ہر جگہ ہر وقت حضور وشہود حاصل ہے تم انہیں بھی قادر وقدیر، عالم الغیب اور حاضر وناظر مانو۔ ورنہ مسلمان نہیں رہ سکتے پھر نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قادر ومتصرف، عالم الکل، اور حاضر وناظر ہونے کا دعویٰ فرماتے، لوگوں کو اسے ماننے کی دعوت دیتے، نہ ماننے والوں کو وعید شدید کا مستحق قرار دیتے، پھر اصحابؓ رسولؐ وسلف صالحین کا ہر فرد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اقتدار واختیار عامہ علم بسیط ومحیط اور ہمہ وقت ہر جگہ حاضر وموجود ہونے کی صفات سے متصف مانتا، حدیث وفقہ کا ہر امام آپ کو علیٰ کُلِّ شیئٍ قدیر اور عالم الغیب تسلیم کرتا اور جمیع ائمہ عقائد وکلام اپنی مصنفات میں اس عقیدہ کو صراحت کے ساتھ رقم کرتے، اور اسلاف میں یہ عقیدہ عام شائع ہوتا۔

بہر حال کتاب وسنت اور توابع سنت سے یہ ثابت ہو گیا کہ علم غیب حضور وشہود اور اقتدار واختیار کل یہ تینوں صفات خاصۂ خدا ہیں۔ پھر یہی تینوں صفات اصل واساس عبادت ولوازم الوہیت ہیں۔ جب عبادت کی بنیاد انہی تین صفات پر قائم ہے اور یہ تینوں صفات خاصۂ خدا ہیں تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عبادت خاصۂ خدا ہے اور اس میں خدا کے سوا کسی کا بھی کوئی حصہ نہیں۔

اب اگر کوئی بندۂ خدا کسی غیر خدا یعنی کسی نبی یا ولی کو ان تینوں صفات یا ان میں سے کسی ایک صفت سے مُتّصف جانتا ہے۔ یعنی کسی بزرگ کو ہر جگہ حاضر وموجود یا عالم الغیب یا ہر بات پر قادر اور صاحب اختیار یقین کرتا ہے تو وہ گویا اسے اپنا الٰہ یعنی خدا مانتا ہے، خواہ زبان سے اسے خدا نہ کہے بلکہ پیر ومرشد یا ولی اور نبی کہے۔ کیوں کہ جب یہ صفات خاصہ خدا ہیں تو کوئی شخص جس کسی میں یہ صفات مانے گا گویا وہ اس شخص کا خدا ہو گا، گو درحقیقت وہ خدا نہیں۔

جیسے ایک شخص مانتا ہے کہ فلاں صاحب کا اس کی ماں کے ساتھ نکاح ہے اور وہ صاحب خانہ ہے پھر یہ بھی مانتا ہے کہ میں اپنی ماں کے بطن سے اس نکاح کے بہت مدت بعد پیدا ہوا ہوں اور ہمارا نان ونفقہ سب اس پر ہے۔ تو اب وہ صاحب اس شخص کا باپ ہو گا خواہ یہ ناخلف اسے باپ نہ مانے اور درواقعہ میں بھی وہ اس کا باپ نہ ہو بلکہ یہ شخص کسی دوسرے آدمی کا خون ہو۔ لیکن شرعاً قانوناً اور عرفاً بھی وہ صاحب اس کا باپ ہے، کیونکہ باپ کی صفاتِ خاصہ اس میں موجود ہیں۔

بحث نور و بشر

اپنے عقیدہ اور مسلک کی وضاحت!

ہمارا اور ہمارے تمام اکابرین علماء دیوبند کثر اللہ سوادہم کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص افضل البشر سید الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ سی بے ادبی اور توہین گناہ کبیرہ ہے بلکہ ایمان ضائع ہونے کا خوف ہے۔ علماء حق کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت وعشق اور عقیدت ہے مبتدعین کے دل میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں! یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اکابرین کے سینوں کو قرآن و حدیث کے علوم و معارف سے مملو فرمایا ہے اور ان کے تدریسی و تفسیری خدمات سے پورا عالم مستفید ہو رہا ہے۔ اور انشاء اللہ العزیز تا قیامت دنیا ان کے فیض سے مستفیض ہوتی رہے گی۔ اور بفضل تعالیٰ تا رہتی دنیا یہ فیض جاری رہے گا۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۝

قارئین کرام! اب آپ کے سامنے قرآن کریم کی وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جا بجا بشر فرمایا ہے۔

بحکم خداوندی آپ کا اعلان کہ میں بھی تم جیسا بشر ہوں!

ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ... (اے پیغمبر) آپ کہدیں کہ میں

يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ (سورہ کہف پ۱۶ رکوع۳)
بھی تم جیسا بشر ہوں، میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے ۔

(۲) قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ (بنی اسرائیل پ۱۵ رکوع۱۰)
آپ کہدیں میرے رب کی ذات (شرکیوں سے) پاک ہے میں بھی تمہارے ہی جیسا بشر رسول ہوں ۔

(۳) قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ (سورہ حم سجدہ پ۲۴، رکوع۱۵)
آپ کہہ دیں کہ میں بھی تم جیسا بشر ہوں میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے ۔

نصاریٰ نجران کے جواب میں فرمایا!

ارشادِ باری تعالیٰ ہے ۔

(۴) مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ (سورہ آل عمران پ۳ رکوع۸)
کسی بشر کی شان کے لائق نہیں کہ اللہ اسکو کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا کرے پھر وہ لوگوں کو یوں کہے کہ میرے بندے بن جاؤ، اللہ کے سوا ،

یہود ونصاریٰ کے بیہودہ دعویٰ کا ردّ فرمایا!

(۸) وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ
قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ
قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ
الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى
(الخ پ سورہ انعام رکوع)

ان لوگوں نے اللہ کی قدر
نہیں کی جیسے اسکی قدر کرنیکا حق تھا.
جب انہوں نے کہا. کہ اللہ نے بشر پر کوئی
چیز (وحی کی قسم میں سے) نہیں اتاری
آپ فرمادیں کہ وہ کتاب جو موسیٰ
لیکر آئے کس نے اتاری ۔

مزید وحی کے متعلق فرمایا!

(۶) مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ
اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ
حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا
فَيُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ
اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ
(سورہ الشوریٰ
پ ۲۵، رکوع ۶)

کسی بشر کی شان کے لائق
نہیں، کہ اللہ تعالیٰ اس کیساتھ
کلام کرے مگر بذریعہ وحی کے
یا پردہ کے پیچھے سے، یا رسول
بھیجے بذریعہ وحی کرے اُس کے حکم
سے بے شک وہ بلند
حکمت والا ہے ۔

مذکورۃ الصدر تین آیات میں حق تعالیٰ جل شانہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بشریت کا اعلان کروایا، اور حکم فرمایا کہ آپ واضح الفاظ میں لوگوں سے کہہ دیں کہ میں بھی تم جیسا انسان اور بشر ہوں یعنی میں کوئی خدائی دعویٰ نہیں کرتا، تاکہ کسی کو آپ کی بشریت میں کوئی شک وشبہ نہ رہے اور

آپ کو اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت و ربوبیت میں کوئی شریک نہ بنائے۔

زیر بحث آیت میں نجران کے عیسائیوں کے ایک وفد کا ذکر ہے۔ علاقہ نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد حضورؐ کے پاس آیا۔ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے کیلئے آپؐ سے بحث مباحثہ شروع کیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے لاجواب ہو گئے اور آپؐ کے دلائل کا کوئی جواب نہ دے سکے تو عاجز ہو کر بعض اُن میں سے کہنے لگے کہ اَے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تم بھی یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہاری پُوجا کریں؟ جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا معاذاللہ خدا کی پناہ کہ میں کسی سے اپنی پُوجا کراؤں یا کسی کو غیراللہ کی پُوجا کا حکم دوں یا خود غیراللہ کی پوجا کروں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ یہود و نصاریٰ کو جواب دیتے ہوئے فرمایا، کہ کسی آدمی اور بشر کی شان کے لائق نہیں کہ اللہ تم اس کو کتاب و حکمت اور منصب نبوت اس لئے عطا کرے کہ وہ لوگوں کو خدائے واحد کی بندگی، عبادت اور توحید کی طرف دعوت دے۔ پھر وہ لوگوں کو یوں کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ یہ بات کہنا اس کی شان کے مناسب نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ بقول مبتدعین اگر بشر کہنے میں پیغمبر کی بے ادبی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ نجران کو جواب دیتے ہوئے آپ کے متعلق "مَا كَانَ لِبَشَرٍ" کیوں فرمایا؟ اس کے بجائے "مَا كَانَ لِنَبِيٍّ" "مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ" یا "مَا كَانَ لِمُحَمَّدٍ" (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں نہ فرمایا؟ جیسا کہ غزوہ اُحد کی غنیمت کے موقع پر فرمایا۔ (مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ اَنْ يَّغُلَّ) (نبی کی شان نہیں کہ وہ غنیمت کے مال میں سے کسی چیز میں خیانت کرے۔ ایسے میں اُساریٰ بدر کے متعلق فرمایا، (مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ) (نبی کی شان کے لائق نہیں کہ اپنے پاس

قیدیوں کو رکھے جب تک خوب خونریزی نہ کرلے ، ایسے ہی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کے لئے مغفرت کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ	نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ	دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں
يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ	کہ مشرکین کیلئے مغفرت کی دعا
وَلَوْ كَانُوْٓا	مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار
اُولِيْ قُرْبٰى ؕ	ہی (کیوں نہ) ہوں ۔

ایک دوسرے مقام پر معجزہ اور نشانی لانے کے متعلق فرمایا!

مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ	کسی رسول کے اختیار
اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا	میں نہیں کہ کوئی نشانی (معجزہ وغیرہ)
بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ	ظاہر کردے مگر اللہ کے حکم سے۔

سورۃ الاحزاب بائیسویں پارہ کے شروع میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ	محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے
مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ	مردوں میں سے کسی کے باپ
اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ	نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں۔

اور نبیوں کی مہر ہیں یعنی سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے ہیں! اب مبتدعین حضرات ہی بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق (مَا كَانَ لِنَبِيٍّ یا مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ ، مَا كَانَ لِمُحَمَّدٍ) (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے الفاظ چھوڑ کر (مَا كَانَ لِبَشَرٍ) فرمایا ہے تو کیا

یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی خود بے ادبی کی ہے؟ (العیاذ باللہ) حالانکہ اللہ جل شانہٗ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ سی گستاخی اور بے ادبی سے منع فرمایا ہے۔ اور معمولی سی بے ادبی کی وجہ سے زندگی بھر کے اعمال ضائع ہونے سے ڈرایا ہے۔ اور آپؐ کو اونچی آواز کے ساتھ پکارنے اور بلانے سے روکا ہے۔

چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو تم اپنی آوازیں
لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ	کو نبیؐ کی آواز پر مت بلند کرو
فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا	اور ان کو تم اونچی آواز سے مت
تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ	پکارو جیسا کہ تم آپس میں ایک
كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ	دوسرے کو پکارتے ہو کہیں
لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ	ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال
اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ	ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر
لَا تَشْعُرُوْنَ ۝	بھی نہ ہو۔

مزید ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ	بلا شک جو لوگ اللہ تعالیٰ
اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ	کے رسول کے سامنے اپنی آوازوں
اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ	کو پست کرتے ہیں یہ وہ لوگ
امْتَحَنَ اللّٰهُ	ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ
قُلُوْبَهُمْ	نے تقویٰ اور پرہیزگاری کے
لِلتَّقْوٰى ۝	لئے جانچ لیا ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ	بے شک جو لوگ آپکو حجروں کے
وَّرَاءِ الْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ	باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر
لَا يَعْقِلُوْنَ ط (پ ۔ ۔ الحجرات)	ایسے ہیں جو بے عقل ہیں ۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سکھائے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی مجلس میں ایمان والوں کو تین آداب کی تعلیم فرمائی ان میں سے ایک کو شروع سورۃ میں ذکر فرمایا۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا	یعنی اے ایمان والو! تم کسی
لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ	بھی قول یا فعل میں خدا اور رسول
وَرَسُوْلِهٖ ط	سے آگے نہ بڑھو۔ پیشقدمی مت

مت کرو۔ جب تک پیغمبر کچھ نہ کہے تم خاموش رہو۔

دوسرے یہ کہ پیغمبر کے سامنے ادب سے رہو ان کے پاس اپنی آوازیں اُن کی آواز پر بلند نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تمہاری آوازیں بلند کرنا حبطِ اعمال کا سبب بن جائیں ۔ ایسے ہی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے سامنے درود وسلام بہت اونچی آواز سے پڑھنا منع ہے ۔ اور علماء نے فرمایا ہے کہ جہاں آپ کی حدیث پڑھی جا رہی ہو یا آپ کے ارشادات سُنائے جا رہے ہوں وہاں بھی اونچی آواز سے بولنا ، شور وغل کرنا آداب کے خلاف ہے ۔

تیسرا ادب یہ سکھلایا ہے کہ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر بلند آواز سے پکارتے ہو ، اس طرح بے محابا بلند آواز سے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مت پکارو ۔

چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی تھی اور عرض کیا ، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آج کے بعد آپ سے ایسے بولوں

گا جیسے کوئی کسی کے ساتھ سرگوشی کرتا ہے۔ حضرت عمر فاروق حضورؐ کے سامنے اتنے آہستہ بات کرتے تھے کہ دوبارہ پوچھنا پڑتا۔ اور ایک صحابی جن کا نام ثابت بن قیسؓ ہے۔ یہ طبعی طور پر جہیر الصوت تھے یعنی طبعاً ان کی آواز بلند تھی یہ آیت سن کر بہت پریشان ہوئے اور ڈر گئے، اپنی آواز کو پست کرتے تھے اور روتے تھے چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ان بزرگ ہستیوں کے حق میں فرمایا۔ بے شک جو لوگ اللہ کے رسولؐ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ اور پرہیزگاری کے لئے جانچ لیا ہے۔ یعنی ان کے قلوب کو خوب مانج کر تقویٰ کی تخم ریزی کے لئے خالص کر دیا ہے! (اللہ اکبر) کیا شان ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جن کے قلوب میں اللہ تعالیٰ تقویٰ اور پرہیزگاری کا بیج ڈالیں۔ اس کے برعکس جو لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر پکارتے ہیں جیسے بنو تمیم کے کچھ لوگ مدینہ طیبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے میں آرام فرما رہے تھے۔ یہ لوگ دیہاتی پن میں آپؐ کا نام لے کر پکارنے لگے، (یَا مُحَمَّدُ اُخْرُجْ اِلَیْنَا) اے محمد باہر ہمارے پاس آیئے! اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا جو لوگ آپؐ کو نام لیکر پکارتے ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جو عقل نہیں رکھتے اور پیغمبر کے آداب سے بھی ناواقف ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گنوار نے بلند آواز سے کہا "یَا مُحَمَّدُ" آپؐ نے غصے میں اس طرح بلند آواز سے جواب دیا میں یہاں ہوں کیا کہتے ہو؟ یعنی آپ کو غصہ آیا کہ یہ شخص کیسی بے ادبی سے مجھے نام لے کر پکار رہا ہے۔

قارئین کرام! ملاحظہ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو سید الانبیاء خاتم النبیین

صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کی تعلیم فرمائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز سے بولنے اور آپ کو نام لے کر پکارنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن مبتدعین کو اس کی کیا پرواہ ہے اُن کو تو اپنے خود ساختہ عقیدے کا تحفظ اور بول بالا چاہیئے جلسوں اور میلادوں میں لاؤڈ سپیکر کے آگے گلے پھاڑ پھاڑ کر عوام کالانعام کو کہتے ہیں دَم بَدم پڑھو درود حضرت بھی ہیں یہاں موجود۔ شاعر نے کیا ہی خوب کہا۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

پس مبتدعین کا بھی یہی حال ہے کہ اپنی من گھڑت، خودساختہ بدعات کو خوب چمکاؤ خواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کیوں نہ ہو۔ بلکہ اس کا نام عشق اور محبت رکھ لو!

پانچویں آیت میں یہود معاندین کی ایک معاندانہ بات کا رد فرمایا۔ یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم بھی ہمارے جیسے بشر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بشر پر کتاب کی قسم میں سے کوئی چیز نہیں اتاری۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ نے ان کے رد میں فرمایا کہ ان منکرین نے اللہ کی قدر نہیں کی اور اس کو پہچانا نہیں جیسے اُس کو پہچاننے کا حق تھا جب انہوں نے پیغمبر سے کہہ دیا، کہ اللہ تعالیٰ نے بشر پر کوئی چیز نہیں اتاری۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے پوچھیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بشر ہونا تم تسلیم کرتے ہو اور انکی کتاب تورات کو بھی سچا مانتے ہو وہ کتاب بشر پر کس نے اُتاری؟ چھٹویں آیت کا مطلب بھی وہی ہے جو آیت نمبر چار کا ہے یعنی کسی بشر کو یہ طاقت اور مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُسے بالمشافہ کلام کرے مگر اشارہ سے، یعنی نبی کے دل میں کوئی بات القا کردے۔ یا پردہ کے پیچھے سے کلام فرمائے، جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کوہِ طور پر پس پردہ کلام فرمایا۔ یا کسی

فرشتہ کو پیغام دے کر بھیج دے، پھر وہ اللہ کے حکم سے نبی کے دل پر القا کرے۔ سوال یہ ہے کہ منکرین کا اعتراض عام بشر پر نہیں تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے جواب میں فرمایا "ما کان لبشر" کسی بشر کی شان کے لائق نہیں، اس کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے چونکہ عام مشرکین اور موجودہ مبتدعین کا یہ باطل عقیدہ ہے کہ نبوت اور بشریت میں منافات ہے، لہٰذا اس کی تردید فرمائی اور مشرکین کو باور کرایا گیا کہ سب پیغمبر بشر تھے اُن کو بشر کہنا کوئی گستاخی یا بے ادبی نہیں، اور نہ ہی بشریت اور نبوت میں کوئی منافات ہے، چنانچہ ابوالبشر آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ o فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ o	بے شک میں ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں بجنے والا سیاہ گارے سے سو جس وقت میں اس کی صورت بنا کر درست کر لوں اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدہ کرو۔
(پ ۱۴، سورہ الحجر)	
اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ o	جس وقت آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی (کیچڑ) سے بشر پیدا کرنے والا ہوں پس جب میں درست کر لوں اور اُس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔
(سورہ ص پ ۲۳، رکوع ۱۴)	

سابقہ انبیاء علیہم السلام کا اپنا خود اقرار کہ ہم بھی تم جیسے بشر ہیں !

ارشادِ خداوندی ہے ۔

(۹) قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط

ان لوگوں سے ان کے پیغمبروں نے کہا کہ یقیناً ہم بھی تم جیسے بشر ہیں لیکن خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے ۔

حق تعالیٰ کا ارشاد کہ آپ سے پہلے کوئی پیغمبر دُنیا میں ہمیشہ نہیں رہا !

(۱۰) وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝

(سورہ الانبیاء پ ۱۷ رکوع ۳)

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کے لئے دنیا میں ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا۔ پس اگر آپ وفات پا جائیں گے تو کیا وہ دُنیا میں ہمیشہ رہیں گے ۔

قارئین کرام سے مخلصانہ التماس ہے کہ وہ قرآن کریم کی پیش کردہ آیات کو پڑھ کر خود فیصلہ فرمائیں کہ بقول مبتدعین پیغمبر کو بشر کہنا بے ادبی ہے تو اللہ تعالیٰ نے جا بجا پیغمبر کو بشر کیوں فرمایا ؟ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئینِ کرام کی مزید تسلی کے لئے چند احادیث بھی ذکر کردی جائیں ۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنا ارشاد کہ میں بھی تم جیسا بشر ہوں!

پہلی حدیث۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا فَقِيْلَ لَهٗ اَزِيْدَ فِى الصَّلٰوةِ فَقَالَ مَا ذَاكَ قَالُوْا صَلَّيْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِىْ ۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۹۲)

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھائیں، عرض کیا گیا، حضرت نماز میں کیا کچھ زیادتی ہوگئی ہے، آپؐ نے فرمایا، کیا ہوا، صحابہؓ نے عرض کی آپ نے پانچ رکعتیں پڑھائی ہیں، چنانچہ آپؐ نے سلام کے بعد دو سجدے ادا کئے، اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا میں بھی تم جیسا بشر ہوں میں بھی بھول سکتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو، پس جب میں نماز میں بھول جاؤں تو مجھے یاد کرادیا کرو۔

دوسری حدیث۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَوْمًا خَطِيْبًا اِلٰى اَنْ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ!

حضرت زید بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: اما بعد!

أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا
بَشَرٌ يُوْشِكُ أَنْ يَأْتِيَنِيْ
رَسُوْلُ رَبِّيْ فَأُجِيْبُ وَأَنَا
تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ
أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ
فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا
بِهِ فَحَثَّ عَلٰى
كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ
فِيْهِ ثُمَّ قَالَ
وَأَهْلُ بَيْتِيْ أُذَكِّرُكُمُ
اللّٰهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ
أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ ط

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ
ص ۵۶۰)

اے لوگو میں بھی ایک بشر ہوں
قریب ہے کہ میرے رب کا فرشتہ
موت کا پیغام لیکر میرے پاس آجائے
اور میں رب کا پیغام قبول کروں
اور میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ کر چلا
ہوں ان میں پہلی چیز اللہ تعالیٰ
کی کتاب ہے اس میں (تمہارے لئے)
ہدایت اور روشنی ہے، پس اللہ
کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو
پھر آپ نے اللہ کی کتاب کے
تمسک پر خوب شوق اور اس
میں ترغیب دلائی، پھر فرمایا
(دوسری چیز میری اہلبیت ہے) میں
اپنی اہلبیت کے حق میں تم کو اللہ
سے ڈراتا ہوں۔

تیسری حدیث۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ
قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ
يَأْبُرُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ

حضرت رافع بن خدیج رضی
فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے
تو دیکھا کہ مدینہ طیبہ کے لوگ

مَا تَصْنَعُوْنَ قَالُوْا كُنَّا نَصْنَعُهٗ قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَصْنَعُوْا كَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوْهَا فَنَقَصَتْ قَالَ فَذَكَرُوْا ذَالِكَ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْئٍ مِنْ اَمْرِ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهٖ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْئٍ مِنْ رَّأْيِيْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ ط

رواہ مسلم
مشکوٰۃ ص ۲۰

کھجور کی شاخوں میں نر و مادہ کی قلمیں لگا رہے تھے آپ نے فرمایا ایسا کیوں کرتے ہو انہوں نے کہا ہم ہمیشہ ایسا کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا اگر ایسا نہ کرو تو شاید بہتر ہو۔ پس لوگوں نے اس عمل کو ترک کر دیا۔ لیکن پھل میں نقصان واقع ہوا چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا: میں بھی ایک بشر ہوں جب میں تم کو امر دین میں کسی چیز کا حکم دوں تو اُس پر عمل کرو اور جب میں اپنی رائے سے تم کو کسی دُنیاوی چیز کے متعلق کچھ کہوں تو آخر میں بھی بشر ہوں۔ یعنی تم لوگ اپنے تجربہ پر عمل کیا کرو۔

چوتھی حدیث

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رضی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ

اُمِّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا بے شک میں ایک بشر ہوں اور تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لے کر آتے ہو۔

إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْضِي لَهُ بِحَقِّ أَخِيهِ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ ط متفق علیہ
ریاض الصالحین صـ۱۹۰ بخاری صـ۲۳۲

اور ہوسکتا ہے کہ تمہارا بعض آدمی دوسرے آدمی سے زیادہ فصیح اور ہوشیار ہو پس جس شخص کو میں نے فیصلہ کرکے اُس کے بھائی کی کوئی چیز دے دی (تو گویا) میں نے اسکو آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دیا۔

پانچویں حدیث

عَنْ عَائِشَةَ رضؓ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْصِفُ نَعْلَهُ وَيَخِيطُ ثَوْبَهُ وَيَعْمَلُ فِي بَيْتِهِ كَمَا يَعْمَلُ أَحَدُكُمْ فِي بَيْتِهِ قَالَتْ كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ يَفْلِي ثَوْبَهُ وَيَحْلِبُ شَاتَهُ وَيَخْدِمُ نَفْسَهُ ط
رواه الترمذی:
مشکوٰۃ صـ۵۱۲

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی جوتی کو خود مرمت کر لیتے اور اپنے کپڑے کو بھی سی لیتے اور اپنے گھر کام کرتے جیسے تم اپنے گھر میں کام کرتے ہو اور فرماتی ہیں آپ بشروں میں سے بشر تھے۔ اپنے کپڑوں سے جُوں وغیرہ نکال لیتے اور اپنی بکری دودھ لیتے اور اپنا کام خود کرتے (یعنی دوسرے آدمی سے مدد نہیں لیتے تھے)

چھٹی حدیث

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اللهم انی اتخذت عندك عهدا لن تخلفنیه فانما انا بشر فای المؤمنین اذیته شتمته لعنته جلدته فاجعلها له صلوة وزکوة وقربة

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا اے اللہ تحقیق میں نے تجھ سے عہد لیا ہے کہ ہرگز تو میرے ساتھ خلاف ورزی نہیں کرے گا پس میں بشر ہوں جس مومن کو میں نے کوئی اذیت پہنچائی ہو یا اسے سخت کلامی کی ہو یا میں نے اسکو لعن طعن کیا ہو یا اس کو میں نے مارا ہو تو ان کیلئے انکو رحمت بنا دے اور گناہوں سے پاکیزگی اور قربت جسے وہ قیامت کے دن تیرا قرب حاصل کریں۔

حدیث نمبر

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اللهم انما انا بشر فایما رجل من المسلمین سببته او لعنته او جلدته فاجعلها له زکوة ورحمة

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے اللہ میں بھی ایک بشر ہوں، سو جس مسلمان مرد کو میں سب کروں یا لعن طعن کروں یا میں اس کو ماروں پس تو اس کو اس شخص کے لئے گناہوں سے پاکیزگی اور اس کیلئے رحمت بنا دے۔

(رواہ مسلم، ص ۳۲۴ ج ۱)

حدیث نمبر ۸

عن جابر بن عبد اللہ رضہ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنِّی اشْتَرَطْتُ عَلٰی رَبِّیْ اَیُّ عَبْدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ سَبَبْتُہٗ اَنْ یَّکُوْنَ ذٰالِکَ لَہٗ زَکَاۃً وَّاَجْرًا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا بے شک میں ایک بشر ہوں اس لئے میں نے اپنے رب سے (یہ بات) مشروط کی ہے کہ اگر میں مسلمانوں میں سے کسی بندے کو سب وشتم کروں (برا بھلا کہوں) تو یہ اس کے لئے پاکیزگی اور اجر ثابت ہو۔

حدیث نمبر ۹

عن عائشۃ قالت دخل علٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلان فکلماہ بشیٍٔ لا ادری ما ھو فاغضباہ فلعنھما وسبھما فلما خرجا قلت یا رسول اللہ لمن اصاب من الخیر شیئا ما اصابہ ھذان قال

حضرت عائشہ رضہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو مرد حاضر ہوئے اور آپ سے کسی بات میں کلام کیا جو مجھے معلوم نہیں، پس انہوں نے آنحضرت کو غصہ دلایا آپ نے انکو سب وشتم اور لعن وطعن کیا پس جب وہ نکل گئے تو میں نے کہا یا رسول اللہ ان دو مردوں

وَ مَا ذَاكِ قَالَتْ لَعَنْتَهُمَا وَ سَبَبْتَهُمَا قَالَ أَوَ مَا عَلِمْتِ مَا شَارَطْتُ عَلَيْهِ رَبِّي اللّٰهُمَّ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ فَأَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ لَعَنْتُهُ أَوْ سَبَبْتُهُ فَاجْعَلْهُ لَهُ زَكَاةً وَّ أَجْرًا ه

مسلم ص ۳۲۳ / ۱۲

کے تلے یہ نیکی باقی رہی آپ نے فرمایا کیا ہوا؟ کہتی ہیں میں نے عرض کیا آپ نے اُن دونوں کو سب وشتم اور لعن وطعن فرمایا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں نے اپنے رب پر شرط کیا ہے، کہ اے اللہ بیشک میں ایک بشر ہوں پس جس مسلمان کو میں لعن وطعن کروں یا اُسکو بُرا بھلا کہوں تو اُسکو اس کیلئے پاکیزگی اور اجر بنادے۔

حدیث نمبر ۱۰

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَخَرَجَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ مُتَجَلِّلَةً تَلُوْثُ خِمَارَهَا حَتّٰى لَقِيَتْ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهَا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَالَكِ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ فَقَالَتْ يَا نَبِيَّ اللهِ أَدَعَوْتَ عَلٰى يَتِيْمَتِيْ قَالَ وَمَا ذَاكِ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ قَالَتْ زَعَمَتْ أَنَّكَ دَعَوْتَ أَنْ لَّا يَكْبَرَ سِنُّهَا أَوْ لَا يَكْبَرَ

حضرت انسؓ ایک طویل حدیث میں اپنی والدہ اُمِ سلیم کا واقعہ بیان فرماتے ہیں وہ سر پر دوپٹہ اوڑھے ہوئے جلدی جلدی اپنے گھر سے نکلی یہاں تک کہ حضور اقدسؐ سے ملاقات کی پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُمِ سلیم کیا بات ہے؟ عرض کی کہ اے اللہ کے نبی کیا میرے پاس جو یتیم لڑکی ہے اُسکے متعلق آپ نے کوئی دعا کی ہے؟ آپ نے فرمایا،

قَدْ نُعَمْ قَالَ فَضَحِكَ
رسول الله صلى الله عليه وسلم
ثُمَّ قَالَ يَا اُمِّ سُلَيْمٍ
اَمَا تَعْلَمِيْنَ اِنَّ شَرْطِيْ
عَلٰى رَبِّيْ اِنِّيْ اِشْتَرَطْتُ
عَلٰى رَبِّيْ فَقُلْتُ اِنَّمَا
اَنَا بَشَرٌ اَرْضٰى كَمَا
يَرْضَى الْبَشَرُ وَاَغْضَبُ
كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ فَاَيُّمَا
اَحَدٍ دَعَوْتُ عَلَيْهِ مِنْ
اُمَّتِيْ بِدَعْوَةٍ لَيْسَ لَهَا
بِاَهْلٍ اَنْ تَجْعَلَهَا لَهُ
طَهُوْرًا وَزَكَاةً وَقُرْبَةً
تُقَرِّبُهُ بِهَا مِنْهُ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط

سے اُمِّ سلیم یہ کیسے؟ اُمِّ سلیم نے
کہا: لڑکی کہتی ہے کہ آپ نے دعا
کی ہے۔ اَنْ لَا یَکْبَرَ سِنُّهَا اَوْ لَا
یَکْبَرَ قَرْنُهَا یعنی اسکی عمر بڑی نہ ہو
حضرت انسؓ کہتے ہیں پس آپؐ ہنس پڑے اور
فرمایا: اُمِّ سلیم تجھے معلوم نہیں کہ
اللہ تعالیٰ کی ذات پر میری شرط
ہے اور میں نے اللہ تعالیٰ سے
شرط قرار دیا ہے اور میں نے کہا ہے
کہ بے شک میں ایک بشر ہوں کبھی
ہشاش بشاش ہوتا ہوں جیسے
دوسرا کوئی بشر خوش ہوتا ہے اور
کبھی غصہ بھی آجاتا ہے جیسے دوسرے
بشر کو غصہ آتا ہے۔ پس میں اپنی امت
میں سے کسی کے لئے کوئی ایسی دعا
کروں جس کا وہ اہل نہیں ہے۔
تو اس کو اس شخص کے لئے
(اے اللہ) طہارت اور پاکیزگی
اور قربت بنا دے اور اس دعا
کو قیامت کے روز اس شخص کیلئے اپنے
قرب کا ذریعہ بنا دے۔

۱۴۳ مسلم ص ۳۲۴ ج ۲

حضرات گرامی! احادیث تو اور بھی پیش کی جاسکتی ہیں مگر ہم ان دس احادیث پر اکتفا کرتا ہوں۔ تِلْکَ عَشَرَةٌ کَامِلَةٌ! اس مفصل بحث سے ثابت ہوگیا ہے جس کو آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو حتیٰ کہ سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جا بجا لبشر لہا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی آپ کو بشر کہتی ہیں۔

لفظِ بشر کی لغوی اور معنوی تحقیق!

سوال: کیا لفظِ بشر میں لغوی یا معنوی طور پر کوئی بے ادبی کا معنیٰ پایا جاتا ہے!

جواب: یہ بحث پہلے مفصل باحوالہ گذر چکی ہے کہ اگر لفظِ بشر میں بے ادبی کا کوئی شیبہ بھی ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس لفظ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ نہ فرماتے۔ اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کھلواتے کہ آپ کہدیں میں تم جیسا بشر ہوں۔

لفظِ بشر کے مادہ اور ماخذ کے تین حروف ہیں۔ ب، ش، ر۔ لغت میں بشر ظاہری جلد اور چمڑے کو کہا جاتا ہے۔ جیسے امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں فرماتے ہیں۔ (البشرۃ ظاہر الجلد) بشر کا معنیٰ ظاہری جلد انسان کو بشر سے اس لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کے جسم کی جلد بالوں سے نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے بخلاف دیگر حیوانات کے، چنانچہ امام راغب فرماتے ہیں۔

وَعُبِّرَ عَنِ الْإِنْسَانِ	انسان کو بشر سے اس
بِالْبَشَرِ اعْتِبَارًا بِظُهُورِ	لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کی
جِلْدِهٖ مِنَ الشَّعْرِ	جلد بالوں سے ظاہر ہوتی ہے۔
بِخِلَافِ الْحَيَوَانَاتِ	بخلاف دیگر حیوانات کے۔

آگے فرماتے ہیں۔

وَخُصَّ فِي الْقُرْآنِ كُلَّ مَوْضِعٍ اُعْتُبِرَ مِنَ الْإِنْسَانِ جُثَّتُهُ وَظَاهِرُهُ بِلَفْظِ الْبَشَرِ ۔

قرآن کریم میں ہر اس جگہ کو لفظ بشر سے مخصوص طور پر مراد لیا گیا ہے جس کو انسان کے جسم اور ظاہر سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا وَقَالَ تَعَالَىٰ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ ۔

اللہ وہ ذات ہے جس نے بشر کو پانی سے پیدا کیا ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے بیشک میں مٹی (کیچڑ) سے بشر پیدا کرنے والا ہوں ۔

پھر آگے فرماتے ہیں ۔

ثُمَّ عَبَّرَ بِذَالِكَ عَنِ الْكَامِلِ الَّذِي يَجْمَعُ بَيْنَ الْفَضِيلَتَيْنِ الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنَةِ ۔

پھر اس سے وہ کامل ذات مراد لی جاتی ہے جو ظاہری اور باطنی دونوں فضیلتوں کو جامع ہو ۔

لفظ بشر میں واحد اور جمع دونوں برابر ہیں جیسا کہ مفردات القرآن میں ہے ۔ وَاسْتَوَىٰ فِي لَفْظِ الْبَشَرِ ۔ اَلْوَاحِدُ وَالْجَمْعُ ، فیروز اللغات میں ہے ۔ "البشر" مذکر و مونث دونوں کے لئے یکساں آتا ہے ۔ یہ مادہ اگر مجرد سے آئے تو اس کا معنی ہوتا ہے خوشخبری سنانا جیسے بَشَّرْتُهُ ، فَاَبْشَرَ ، میں نے اس کو خوشخبری دی پس وہ خوش ہو گیا ، اگر مزید کے ابواب سے آئے تو کبھی خوشخبری اور بشارت دینے کے معنی میں آتا ہے اور کبھی خوشی حاصل ہونے کے معنی

میں جیسے "اَبْشَرَ رَجُلٌ" وہ مرد خوش ہوا، اس کو خوشی حاصل ہوئی۔ اور ارشادِ خداوندی ہے

اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰی	اے زکریا! تجھے اللہ تعالیٰ (بیٹے) یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے۔
اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ۝	اے ابراہیم ہم تم کو ایک لڑکے کی خوشخبری سناتے ہیں جو علم والا ہوگا۔
قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۝	حضرت ابراہیم نے کہا تم مجھے خوشخبری اس حال میں سناتے ہو جب مجھے بڑھاپا لاحق ہوگیا؟ اب کس چیز کی خوشخبری سناتے ہو۔
قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ ط	فرشتوں نے کہا (اے) ابراہیم تم کو سچی خوشخبری سنا رہے ہیں۔

اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا ۔	جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے
اور فرمایا بَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝	(اے پیغمبر) ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔

مزید فرمایا۔

اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝	خوش ہو جاؤ ساتھ جنت کے جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا ہے۔
یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ	وہ خوش ہو گئے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے فضل پر اور

يَسْتَبْشِرُوْنَ ۔ (لوط علیہ السلام کے گھر آئے شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے ۔

امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ خوش کرنے والی خبر کو بشریٰ یا بشارت کہا جاتا ہے۔

جیسے ۔

وَيُقَالُ لِلْخَبَرِ الْيَسَارِ الْبَشَارَةُ وَالْبُشْرٰى ۔ یعنی اچھی خبر کو بشارت یا بشریٰ کہا جاتا ہے ۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔ ان کے لئے خوشخبری ہے دنیا اور آخرت میں ۔

لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِلْمُجْرِمِيْنَ يَا بُشْرٰى هٰذَا غُلَامٌ ۔ اس دن مجرموں کیلئے کوئی خوشخبری نہیں ہوگی ۔ اے خوشخبری یہ کیا ہی خوبصورت لڑکا ہے ۔

مزید فرمایا ۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ ۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا بھیجنا اس لئے تجویز کیا ہے تاکہ تم اپنی کثرت کو دیکھ کر خوش ہو جاؤ ۔

ایسے ہی ۔

اَلْبَشِيْرُ وَالْمُبَشِّرُ ۔ دونوں کا معنی خوشخبری سنانے والا ۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلَمَّا اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ پس جب آیا خوشخبری سنانے والا ۔

وَيُرْسِلُ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ ۔ اللہ تعالیٰ ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے، جو بارش کی خوشخبری لانے والیاں ہوتی ہیں ۔

سچی خوابوں کے متعلق فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے ۔

اِنْقَطَعَ الْوَحْیُ وَلَمْ یَبْقَ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ ۔ آپؐ کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اب وحی کی کوئی چیز باقی نہیں مگر مؤمن کے سچے خواب ۔

کبھی بشر کے ماخذ میں حُسن و جمال کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے ، جیسا کہ ۔

اَبْشَرَتِ الْاَرْضُ اَیْ حَسُنَ طُلُوْعُ نَبَاتِهَا ۔ زمین اپنے سبزہ کے طلوع سے خوبصورت ہوگئی ہے ۔

لفظِ بشر کی لغوی اور معنوی تحقیق سے بھی بصراحت ثابت ہوگیا ہے کہ لفظ بشر کے ماخذ سے جتنے الفاظ نکلتے ہیں یا تتبع اور تلاش سے جس قدر الفاظ ملے کسی میں بھی بے ادبی یا گستاخی کا معنیٰ نہیں پایا جاتا اور نہ ہی لغوی اعتبار سے اس میں کوئی قباحت پائی جاتی ہے ۔

سب سے پہلے شیطان لعین نے بشر کو حقیر سمجھا !

سوال یہ ہے کہ مبتدعین کے ذہن نارسا میں یہ بات کہاں سے پیدا ہوگئی کہ لفظِ بشر میں بے ادبی ہے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر نہ کہنا چاہیئے ۔

جواب : چونکہ شیطان لعین ازل سے ہی حضرت آدمؑ کا دشمن بن گیا تھا اس لئے اُس نے پختہ عہد کرلیا تھا کہ اولادِ آدم کو گمراہ کرکے جہنم کا ایندھن بناؤں گا۔ اس لئے اس نے مبتدعین کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ بشر حقیر ہے اس لئے کہ وہ مٹی سے پیدا ہوا ہے۔ جب ابوالبشر آدم علیہ السلام کو خلافت ارضی عطا کی گئی اور فرشتوں کو

سجدہ کا حکم ہوا تو شیطان لعین کو بھی ملائکہ کے ساتھ سجدہ کرنے کا حکم ہوا تھا۔ حکم ملتے ہی سب ملائکہ سربسجود ہو گئے۔ مگر شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے لعین تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ نہیں کیا؟ جواب میں کہنے لگا میں اس بشر کو سجدہ نہیں کرتا جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ میں اس سے بہتر ہوں۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(۱) فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ	پس سجدہ کیا تمام فرشتوں
كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّا	نے مگر ابلیس نے انکار کیا کہ وہ
اِبْلِيْسَ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ	سجدہ کرنے والوں سے ہوتا۔
مَعَ السّٰجِدِيْنَ قَالَ يَا	اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابلیس
اِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا	تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے
تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ	والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ کہا میں
قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ	اس بشر کو سجدہ نہیں کرتا جس
خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ	کو تو نے کالے سیاہ گارے سے
حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (ربع، سورۃ الحجر)	پیدا کیا ہے۔
(۲) وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ	اور جب ہم نے فرشتوں سے
اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا	کہا کہ سجدہ کرو آدم کو پس تمام نے
اِلَّآ اِبْلِيْسَ قَالَ	سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا۔
ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ	کہنے لگا کیا میں اس کو سجدہ کروں
طِيْنًا قَالَ اَرَءَيْتَكَ	جسکو تو نے کیچڑ سے پیدا کیا ہے؟
هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ	مزید کہا کیا یہ وہ ہے جس کو تو نے
عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ	فضیلت دی ہے مجھ پر اگر تو مجھے

اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ
لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗ
اِلَّا قَلِیْلًا ۝
(پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل)

قیامت تک مہلت دیگا تو میں
ضرور اس کی اولاد کا استیصال
کردوں گا یعنی تباہ کردوں گا۔ مگر
تھوڑے (جو مجھ سے بچ سکیں گے)

(۳) وَلَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ
ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ ثُمَّ
قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ
اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا
اِلَّآ اِبْلِیْسَ ۝ لَمْ
یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ۝
قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا
تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ
قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ
خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ
وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ
طِیْنٍ ۝
(پ ۸ سورہ اعراف)

اور تحقیق ہم نے پیدا کیا ہے
تم کو پھر ہم نے تمہاری صورتیں
بنائیں۔ پھر ہم نے فرشتوں سے
کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، پس سب
نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے انکار
کیا۔ یعنی وہ سجدہ کرنے والوں
سے نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے
ابلیس تجھے کیا ہوگیا ہے کہ تو نے
سجدہ نہیں کیا۔ یعنی کس چیز نے
سجدہ کرنے سے تجھے روکا ہے،
کہا میں اُس سے بہتر ہوں، مجھے
تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور
اُس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا!

مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ سب سے پہلے شیطان لعین نے بشر کے فضائل و کمالات کا انکار کر کے اس کو حقیر اور کم مرتبہ ثابت کرنے کی کوشش کی اور اپنی فضیلت کا دعویٰ کر کے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے لعنت کا طوق اس کے گلے میں ڈالا گیا۔ بشر اور انسان کو حق تعالیٰ نے

فوراً پردے میں چلی گئی کہ آپ نے مجھے طلاق دے دی۔ بات تو ہنسی مذاق کی تھی مگر طلاق جب صریح لفظ کے ساتھ ہو تو بہر صورت واقعہ ہو جاتی ہے، خواہ دلگی میں کیوں نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ثلاث جدھن جد	تین چیزیں ایسی ہیں جن کو
وھزلھن جد النکاح والطلاق	قصد وارادہ سے کہنا اور مذاق کے
والرجعۃ ۔ (ابوداود ج ۱ ص ۲۹۸)	طور پر کہنا برابر ہے۔

ایک نکاح دوسرے طلاق تیسرے رجعت، عیسٰی بن موسیٰ نے رات بڑی بے چینی اور پریشانی میں گذاری۔ صبح کو خلیفہ ابوجعفر کے دربار میں حاضر ہوئے اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ خلیفہ منصور نے شہر کے تمام فقہاء اور اہل فتویٰ علماء کو جمع کر کے سوال کیا کہ کیا اس کی بیوی کو طلاق ہو گئی ہے یا کہ نہیں؟ سب نے جواب دیا کہ طلاق ہو گئی، کیونکہ چاند سے زیادہ حسین کوئی انسان نہیں ہو سکتا، مگر ایک عالم جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سے تھے خاموش رہے۔ خلیفہ نے پوچھا کہ آپ کیوں خاموش ہیں آپ بھی کچھ فرمائیں۔ تب انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورہ تین تلاوت کی اور فرمایا، اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں ہر انسان کا احسن تقویم ہونا بیان فرمایا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ کوئی شے اور کوئی چیز بھی انسان سے زیادہ حسین نہیں۔ یہ سن کر تمام علماء فقہاء حیران رہ گئے، سب نے اتفاق کیا کسی نے مخالفت نہیں کی، خلیفہ منصور نے حکم دے دیا کہ طلاق نہیں ہوئی!

کیا کوئی نوری بشری لباس اور صورت میں دنیا میں آیا ہے!

بعض مبتدعین حضرات کبھی یہ کہتے ہیں، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نور

میں سے نور ہیں۔ صرف آپ کا ظاہری جسدِ اطہر یا جسم مبارک بشری لباس میں ہے۔ جیسا کہ ملائکہ اور فرشتے دنیا میں بشری لباس میں آتے ہیں۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے پاس فرشتے انسانی صورت میں آئے ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جبریلؑ بیٹے کی بشارت لے کر انسانی صورت میں تشریف لائے ہیں۔

جواب: اولاً یہ بحث پہلے باحوالہ اور مفصل گزر چکی ہے کہ زمین پر بشر اور انسان آباد ہیں لہٰذا ان کی اصلاح اور ہدایت کے لئے جو نبی اور پیغمبر بھیجے جائیں وہ بھی بشر اور انسان ہی ہونے چاہئیں۔ اگر انسان کے بجائے فرشتے زمین پر آباد ہوتے تو ان کی ہدایت کے لئے فرشتوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا کما قال اللہ تعالیٰ۔

لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ	اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے
مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ	جو اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم
لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ	آسمان سے کسی فرشتے کو ان پر رسول
مَلَكًا رَسُولًا (پ ۱۵ بنی اسرائیل)	بنا کر اتار دیتے۔

نبی اور رسول غیر جنس سے ہونے کی صورت میں رسالت کا مقصد پورا نہیں ہوتا، کیونکہ افادہ اور استفادہ حاصل کرنا مشکل اور ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور سے ہوتے۔ صرف ظاہری صورت انسانی ہوتی تو اس صورت میں آپ سے افادہ اور استفادہ حاصل کرنا ناممکن تھا۔ کیونکہ اس وقت آپ کو نہ کھانے کی ضرورت ہوتی نہ پینے کی اور نہ ہی روزہ رکھنے اور افطار کرنے کی ایسے ہی آپ پر کبھی نیند اور اونگھ طاری نہ ہوتی اور نہ کبھی بھوک پیاس کی تکلیف ہوتی، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کے متعلق ہے۔

لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ وقال تعالیٰ هُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ

نہیں طاری ہوتی اس پر اونگھ اور نہ نیند، اور فرمایا اللہ تعالیٰ، وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا

جو کھاتا، پیتا ہو، اور کھانے پینے کا محتاج ہو وہ نہ نور ہوتا ہے اور نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کا جز ہو سکتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرمایا ہے۔

كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ؕ — وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔

یعنی دونوں ماں بیٹا جب کھانا کھاتے تھے تو خدا یا خدائے تعالیٰ کا جز کیسے بن گئے؟ سبحان اللہ یہ کیسی واضح اور عمدہ دلیل ہے جس کو عالم اور جاہل ہر ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود مشرکین خداوند قدوس کے لئے اس کے بندوں میں سے اس کی جزیں قرار دیتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ — اور وہ مشرک اللہ تعالیٰ کیلئے
مِنْ عِبَادِهٖ — اس کے بندوں میں سے اس کی
جُزْءًا ؕ — جزیں بناتے اور قرار دیتے ہیں۔

جیسا کہ مشرکین عرب اور مشرکین مکہ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کے لئے بیٹا ثابت کرتے تھے۔ چنانچہ مشرکین مکہ کے متعلق فرمایا۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ — اور مشرکین نے فرشتوں کو
الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ — جو خدائے رحمٰن کے بندے ہیں اس
اِنَاثًا ؕ (پ ۲۵ رکوع ۶) — کے لئے بیٹیاں قرار دیا ہے۔

یہود و نصریٰ کے متعلق فرمایا۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ (پ ۱۰ سورۃ توبہ)

ترجمہ: اور یہود نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

افسوس کہ مبتدعین بھی یہود و نصاریٰ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت کے دعویٰ میں غلو کر کے آپ کی بشریت کا انکار کرتے ہیں، اور قرآن و حدیث کی واضح نصوص کے خلاف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا نور ثابت کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ قرآن و حدیث کی نصوص قطعیہ کے علاوہ قیاس اور اجماع اُمت کے بھی خلاف ہے۔

مبتدعین سے گذارش ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو (نُوْرٌ مِنْ نُوْرِ اللہِ) کہنے سے کوئی شرک لازم نہیں آتا تو یہود و نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہنے سے کیونکر شرک لازم آجاتا ہے؟ اور اگر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو (نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللہِ) کہنے سے کوئی مسلمان مشرک نہیں ہوتا تو حضرت عیسیٰؑ و عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہنے سے یہود و نصاریٰ کیسے مشرک ہو گئے؟ جیسے یہود و نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ کو ابن اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کا جز قرار دیا ہے۔ ایسے ہی مبتدعین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو (نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللہِ) ثابت کر کے اللہ تعالیٰ کا جز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ	میری تعریف میں بے جا
النَّصَارٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ	مبالغہ نہ کرنا جیسا کہ نصاریٰ نے
فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ	حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کیا، کیونکہ
وَلٰکِنْ قُوْلُوْا عَبْدُ اللہِ	میں تو فقط خدا کا بندہ ہوں اور
وَرَسُوْلُہٗ	لیکن یہ کہنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
بخاری باب قول اللہ	خدا کے بندے اور اس کے
عزوجل واذکر فی الکتاب مریم	رسول ہیں۔

الغرض! مبتدعین کا یہ کہنا یا دعویٰ کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف ظاہری صورت میں بشر ہیں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا نور ہیں یہ بالکل باطل اور مردود نظریہ ہے انبیاء علیہم السلام صرف زبانی ہی تعلیم نہیں دیتے بلکہ وہ عملی نمونہ پیش کر کے امت کو احکام خداوندی سکھاتے اور سمجھاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم زیادہ مؤثر ہوتی ہے، کیونکہ وہ جو کچھ زبان سے فرماتے ہیں اُس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھاتے ہیں۔

آج ہماری تعلیم اور دعوت و تبلیغ کا کمزور پہلو یہی ہے کہ ہم کہتے تو بہت کچھ ہیں مگر عملی طور پر ہم مُفلس اور تہی دست ہو گئے ہیں۔ عمل ہمارے پلے میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری تعلیم و تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ حُدیبیہ کے مقام پر جب مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرہ کرنے سے روک دیا تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو تین دفعہ حکم فرمایا کہ ہدی اور قربانی کے جانور ذبح کر دیں مگر ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک نے بھی جانور ذبح نہیں کیا۔ لیکن جب آپ نے اپنی قربانی اور ہدی کے جانور کو اپنے ہاتھِ مُبارک سے نحر اور ذبح کیا تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی۔ اور اپنے اپنے جانور ذبح کر دیئے۔ ایک موقع پر شمع رسالت کے پروانوں نے بارگاہِ رسالت میں سخت بھوک کی شکایت کی اور پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے دکھائے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بطن مُبارک سے کپڑا اُٹھا کر دو پتھر دکھائے اور فرمایا دیکھو میں نے بھی بھوک کی وجہ سے دو پتھر باندھے ہوئے ہیں۔ حدیث ملاحظہ فرمایئے۔

عَنْ اَبِیْ طلحۃ قَالَ شکونا رسولؐ اللّٰہ	حضرت ابوطلحہؓ فرماتے ہیں کہ
الجوع فَرَفَعْنَا عن بُطُوْنِنَا عَنْ	ہم نے بارگاہِ رسالتؐ میں بھوک
حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ	کی شکایت کی اور اپنے پیٹوں پر

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِهٖ حَجَرَيْنِ ۔
(رواہ ترمذی، مشکوٰۃ ص۴۴۷)

پتھر باندھے ہوئے تو آنحضرت ؐ نے اپنے پیٹ مبارک پر دو پتھر باندھے ہوئے دکھائے ۔

دوسری حدیث ۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَهٗ اِلٰى يَدِهٖ لِيَرَاهُ النَّاسُ فَاَفْطَرَ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَذٰلِكَ فِيْ رَمَضَانَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
(مشکوٰۃ ص۱۶۹/۱۷)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے اور روزہ رکھا ہوا تھا جب مقام عُسفان میں پہنچے تو آپ نے پانی طلب کیا اور پانی کا پیالہ اپنے ہاتھ مبارک پر اٹھایا تاکہ سب دیکھیں پھر روزہ افطار کیا اور مکہ میں تشریف لے آئے اور یہ واقعہ رمضان میں پیش آیا تھا ۔

حدیث کا خلاصہ اور مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ سفر میں روزہ سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچ رہی ہے ۔ اور گرمی بھی شدت کی ہے تو مقام عُسفان پر پہنچ کر (جو مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ہے) پانی کا پیالہ ہاتھ مبارک میں لے کر سب کے سامنے روزہ افطار فرمایا ۔ یہ روزہ رمضان کا تھا آپ نے عملی نمونہ پیش کر کے سمجھایا کہ سفر میں روزہ سے تکلیف ہوتی ہو تو رمضان کا روزہ بھی توڑ دیا جائے ، البتہ بعد میں قضا کیا جائے ۔ اگر بقول مبتدعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نور ہوتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھوک پیاس کی شدت اور تکلیف

تو کیسے محسوس کرتے ؟ روزہ رکھنے یا توڑنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر حاضر ہوئے اور آپ کی عبادت سے متعلق کچھ دریافت کیا۔ جب حضور ﷺ کی عبادت کے متعلق ان کو بتایا گیا تو گویا انہوں نے وہ عبادت اپنے حق میں بہت کم سمجھی۔ اور کہنے لگے کہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند مرتبہ اور کہاں ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اگلی پچھلی تمام لغزشیں معاف ہیں۔ چنانچہ ایک نے کہا میں زندگی بھر رات عبادت میں گذاروں گا، یعنی ساری رات عبادت کیا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں ہمیشہ عورتوں سے علیحدہ اور دور رہوں گا، کبھی شادی نہیں کروں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو اُن کے پاس گئے اور فرمایا کیا تم نے ایسا کہا ہے ؟ سُن لو۔ واللہ! میں تم سے زیادہ متقی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں، لیکن روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور نیند بھی کرتا ہوں۔ اور عورتوں سے نکاح شادیاں بھی کرتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ روزہ رکھنا، نکاح شادیاں کرنا، کھانا پینا، بھوک پیاس کی تکلیف کا محسوس ہونا یہ سب خواص بشریہ ہیں۔

ثانیاً بلاشبہ بعض دفعہ نوری فرشتے بشری جامہ اور انسانی صورت میں دُنیا میں آئے ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور لوط علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کے پاس فرشتے انسانی صورت اور بشری لباس میں آئے ہیں۔ مگر ان فرشتوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو قیاس کرنا مبتدعین کا یہ قیاس باطل ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیم ؑ کے پاس جو فرشتے انسانی صورت میں آئے اور اُن کو بیٹے کی خوشخبری دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو مہمان

سمجھ کر ان کے لئے بچھڑا ذبح کیا اور کھانا تیار کر کے ان کے سامنے لے آئے لیکن فرشتوں نے کھانے کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ ۝ فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝

(پ۱۲ رکوع ۷، سورہ ہود)

اور بلاشک جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر آئے تو کہا السلام علیکم، ابراہیمؑ نے وعلیکم السلام کہا پھر ابراہیمؑ بغیر کسی تاخیر کے بچھڑا بھون کر (کھانا تیار کر کے) لے آئے۔ جب ان کے ہاتھوں کی طرف دیکھا کہ وہ کھانے کی طرف نہیں بڑھتے تو ابراہیمؑ نے ان فرشتوں کو اجنبی سمجھا اور دل میں اُن سے ڈر گئے، فرشتوں نے کہا ابراہیمؑ ڈرو نہیں ہم فرشتے ہیں جو لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ﹰالْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا

پھر وہ فرشتے جب لوطؑ کے پاس آئے تو لوطؑ نے کہا تم لوگ کچھ اجنبی معلوم ہوتے ہو۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ ہم تو وہ

فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝
(پ ۱۴، سورہ الحجر رکوع ۵)

چیز لے کر آئے ہیں جس میں تیری قوم کے لوگ شک کیا کرتے تھے۔

اِسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جبریل علیہ السلام انسانی صورت اور بشری جامہ میں آئے اور سامنے کھڑے ہو گئے۔ جبکہ حضرت مریمؑ ایک مکان میں جو بیت المقدس سے مشرق کی جانب تھا تنہائی میں غسل کرنے لگی تھیں، فرشتہ کو انسانی صورت میں دیکھ کر حضرت مریم اس سے گھبرا گئیں اور پردہ کرنے لگیں۔ فرشتہ نے کہا مجھ سے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں میں تو آپ کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا فرشتہ ہوں۔ اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ تجھ کو ایک پاکیزہ بیٹے کی بشارت دے دوں۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝
(پ ۱۶، رکوع ۵، سورہ مریم)

اور (اے پیغمبر) یاد کر کتاب میں مریم کے واقعہ کو جب وہ ایک مشرقی مکان میں اپنے گھر والوں سے الگ ہو گئیں۔ اور ان کے آگے پردہ حائل کیا پس ہم نے اس کی طرف اپنے فرشتہ کو بھیجا، پھر وہ فرشتہ ایک تندرست آدمی کی صورت میں اس کے سامنے آیا اور دیکھ کر مریم نے کہا میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ لیتی ہوں اگرچہ تو متقی ہے، فرشتہ نے کہا میں تو تیرے رب کی طرف سے بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دیدوں

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان جیسے واقعات سے جسطرح یہ ثابت ہے کہ نوری فرشتے انسانی صورت میں دنیا میں آئے ہیں۔ اسی طرح روز روشن کی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ جو فرشتے دُنیا میں انسانی صُورت یا بشری لباس میں آئے ہیں نہ انہوں نے کھانا کھایا نہ ہی انہیں بھوک پیاس کی تکلیف محسوس ہوئی اور نہ ان کو کوئی جسمانی اذیت پہنچی۔ اور نہ ان سے پردہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی نعوذ باللہ بشر ہوتے اور حقیقتاً نور ہوتے تو آپ بھی ان خواص اور خوائج بشریہ کے محتاج نہ ہوتے مگر اس حقیقت کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو مخالفین اور اعداء اسلام کی طرف سے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ طائف میں آپ پر پتھر برسائے گئے آپ لہو لہان ہو کر بے ہوش ہو گئے۔ جنگِ اُحد میں چہرہ مُبارک زخمی ہوا اور سامنے کے دو دانت مُبارک بھی شہید ہو گئے، نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے کبھی کسی اجنبی عورت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اور اس سے بھی انکار نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانا بھی کھاتے تھے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روحانی قوت اس قدر عطا فرمائی تھی کہ آپ کئی کئی دن وصال کے روزہ میں گزار دیتے۔ لیکن ازراہِ شفقت امت کو وصال کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا روصال کا روزہ یہ ہے کہ دو تین دن کا مسلسل روزہ رکھا جائے درمیان افطار نہ کیا جائے) اس سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ آپ تو وصال کا روزہ رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم میں سے میری طرح کون ہو سکتا ہے؛ میں اس حال میں رات گذارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ	حضرت ابوہریرہؓ بیان
نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم	فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
عَنِ الْوِصَالِ فَقَالَ لَہٗ	وصال کا روزہ رکھنے سے منع

وَرَجُلٌ : أَنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّكُمْ مِثْلِي إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۷۵

فرمایا تو ایک آدمی نے آپ سے کہا یا رسول اللہ آپ خود وصال کا روزہ رکھتے۔ ہمیں منع کیوں فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے میری مانند کون ہو سکتا ہے؟ میں تو اس حالت میں رات گذارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

بایں ہمہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک کی تکلیف بھی محسوس ہوئی، جیسا کہ اس سے پہلے دو حدیثیں بیان ہو چکی ہیں۔ مزید مسلم شریف کی ایک حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے۔ اچانک دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رض اور عمر فاروق رض بھی گھر سے باہر پریشان ہو کر وقت گذار رہے ہیں۔ آپ نے اُن سے فرمایا اس وقت گھر سے باہر نکلنے کا کیا سبب ہے؟ دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس وقت بھوک نے پریشان کیا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا قسم ہے، اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مجھے بھی اُسی چیز نے گھر سے باہر نکالا ہے جس نے تم کو نکالا! حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ذَاتَ يَوْمٍ أَوْ لَيْلَةٍ فَإِذَا هُوَ بِأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ

حضرت ابوہریرہ رض بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن یا رات رسول اللہ باہر تشریف لائے تو اچانک ابوبکر صدیق رض اور عمر فاروق رض کو دیکھا۔

حدیث ملاحظہ ہو۔

فَقَالَ مَا اَخْرَجَكُمَا	فرمایا اس وقت کس چیز نے
مِنْ بُيُوْتِكُمَا هٰذِهِ	تم کو اپنے گھروں سے نکالا، عرض کیا
السَّاعَةَ قَالَا الْجُوْعُ	یا رسول اللہ بھوک نے نکالا ہے۔
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَنَا	آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جسکے
وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ	قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے
لَاَخْرَجَنِيْ الَّذِيْ	بھی اسی چیز نے نکالا ہے جس نے
اَخْرَجَكُمَا ؕ	تم کو نکالا۔ (ریاض الصالحین صـ ۲۲۳ ج ۱)

مشرکینِ مکہ بھی آپ کی ذاتِ اقدس پر یہی اعتراض کرتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا جو ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے اور ساتھ ہی رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا۔ ہم نے آپ سے پہلے بھی جو پیغمبر بھیجے وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور کسی بھی پیغمبر کو ایسا جسم نہیں عطا کیا گیا کہ وہ کھانا کھانے کا محتاج نہ ہو۔

ہاں! اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر اور انسان تسلیم کرتے ہوئے کوئی شخص لحاظِ صفات کے نور کہتا ہے، یعنی نورِ ہدایت کہتا ہے تو اس اعتبار سے آپ کو نور کہنے میں کوئی قباحت نہیں۔

قرآن حکیم میں آپ ﷺ کی عبدیت کا اعلان

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم سے بھی اس مضمون کی چند آیات پیش کی جائیں تاکہ مسئلہ کی وضاحت ہو جائے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ	وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے
اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ	(برگزیدہ) بندے کو سیر کرائی (اسریٰ اور معراج
(سورہ بنی اسرائیل پ ۱۵)	میں اپنے نبی کو عبدہ فرمایا یعنی اپنا بندہ)
فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ	پس وحی فرمائی اپنے بندے کی
مَا اَوْحٰی (سورہ نجم پ ۲۷)	جانب جو بھی وحی فرمائی۔

اس آیت میں حق جل شانہ نے پیارے پیغمبر کے ساتھ ایک راز کی وحی کا ذکر فرمایا ہے تو (عَبْدِہٖ) فرمایا، سورہ جن پ ۲۹ میں حق تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ نبی کی پُرخلوص عبادت کا اور مشرکین مکہ کی شر انگیزی کا ذکر فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد اللہ فرمایا چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ	اور جب اللہ کا بندہ کھڑے
یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ	ہو کر اس کو پکارتا ہے تو یہ کافر
عَلَیْہِ لِبَدًا۔	اس بندے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ	سب تعریفیں اس اللہ کے
اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ	لائق ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب
وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا۔	نازل کی اور اس میں ذرہ برابر بھی کجی نہیں رکھی۔

تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ	ہر طرح کی بابرکت ذات وہ
الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ	ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل
لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًاo ﴿پ﴾ (سورہ فرقان)	کی تاکہ وہ جہان والوں کو ڈر سنا دے۔
هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی	اللہ جل شانہٗ وہ ذات
عَبْدِہٖ آیَاتٍ بَیِّنَاتٍ لِیُخْرِجَکُمْ	ہے جو نازل کرتا ہے اپنے بندے پر
مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی	واضح آیتیں تاکہ تم کو کفر و شرک کی
النُّوْرِ o	تاریکیوں سے نور اسلام کی طرف نکالے۔

مذکورۃ الصدر تین آیات میں خداوند قدوس نے قرآن حکیم کے نزول کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عَبْدِہٖ فرمایا ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور نصرۃ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ	کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی
بِکَافٍ عَبْدَہٗ o	مدد اور نصرۃ کے لئے کافی نہیں ہے

قارئین کرام غور فرمایئے۔ ان آیاتِ مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عَبْدِہٖ یا عبد اللہ فرمایا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے عبد کی اضافت (نسبت) اپنی طرف کی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مرتبہ عبدیت میں آپ سب سے مقدم اور اقدم ہیں جیسا کہ ایک مقام میں فرمایا۔

قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ	اگر رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی
فَاَنَا اَوَّلُ الْعَابِدِیْنَ o	تو میں سب سے پہلے عبادت کرتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات ملاحظہ ہوں

شمع رسالت کے پروانے اور آپ کے جانثار صحابہؓ بھی آپ کو بشر اور انسان سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ کے یار غار سیدنا صدیق اکبرؓ کی

شہادت ملاحظہ ہو، بخاری باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت آتی ہے۔

أَقْبَلَ نَبِيُّ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ وَهُوَ مُرْدِفٌ أَبَا بَكْرٍ وَأَبُوْ بَكْرٍ شَيْخٌ يُعْرَفُ وَنَبِيُّ اللهِ شَابٌّ لَا يُعْرَفُ قَالَ فَيَلْقَى الرَّجُلُ أَبَا بَكْرٍ فَيَقُوْلُ يَا أَبَا بَكْرٍ مَنْ هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْكَ فَيَقُوْلُ هٰذَا الرَّجُلُ يَهْدِيْنِي السَّبِيْلَ ۔

انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرتے ہوئے مدینہ کی طرف نکلے، حضرت صدیق اکبرؓ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا حضرت صدیقؓ اکبر بوڑھے تھے اور معمر ہونے کی وجہ سے لوگوں میں جانے پہچانے ہوئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ آپؐ کو نہیں جانتے تھے۔ پس جو آدمی ابوبکرؓ کو ملتا کہتا اے ابوبکر یہ کون آدمی جو آپ کے آگے سوار ہے۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے هٰذَا الرَّجُلُ يَهْدِيْنِي السَّبِيْلَ ۔ یہ ایک مرد ہے جو مجھے راستہ دکھا رہا ہے۔

سیدنا حضرت علیؓ کی شہادت!

آپؓ فرماتے ہیں۔

هُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ أَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا وَأَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً وَأَلْيَنُهُمْ عَرِيْكَةً وَأَكْرَمُهُمْ

آپؐ خاتم النبیین میں سب سے زیادہ سخی دل اور تمام انسانوں سے زیادہ سچی زبان والے اور تمام انسانوں سے زیادہ نرم خو تھے۔ اور خاندان

عشیرتہٗ — لحاظ سے سب سے زیادہ معزز
(باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم) — وبزرگ تھے۔

حضرت ابنِ عباسؓ کی شہادت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمزاد پیارے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس بھی آپ کو بشر اور انسان فرماتے ہیں۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم — آپ سب سے زیادہ سخی
اجود الناس — اور فیاض تھے۔

حضرت برار بن عازبؓ کی شہادت

حضرت برار بن عازبؓ فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ
وسلم رجلاً مربوعاً — قد کے آدمی تھے۔

آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ بھی حضورؐ کو بشر فرماتی ہیں چنانچہ فرماتی ہیں۔

کَانَ رسولُ اللہِ بَشَرًا — یعنی رسولؐ بشروں میں سے
مِنَ البَشَرِ — بشر تھے۔

منکرین سے سوال کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی محبت سے بھی تمہاری محبت زیادہ ہے جنہوں نے حضورؐ کی ذات پر سب کچھ قربان کر دیا تھا؟

باوجود محبت کے وہ حضرات حضورؐ کو بشر فرماتے ہیں۔ اگر علمائے حق حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنے کی وجہ سے کافر ہیں تو صدیق اکبرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟

علمائے مفسرین و محدثین کے ارشادات

اَب آپ علمائے مُفسرین و محدثین کرام کے ارشادات بھی سُن لیں کہ وہ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ خاتم المفسرین علامہ محمود آلوسیؒ بغدادی اپنی مایہ ناز تفسیر روح المعانی میں آیت لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ) کی تفسیر میں اور امام المحدثین ورأس المورخین علامہ زرقانی اپنی سیرت میں حضرت شیخ ولی الدین العراقیؒ کا ارشاد نقل کرتے ہیں

حضرت شیخ ولی الدین العراقیؒ سے سوال کیا گیا، کہ (کیا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے یا عربی ہونے کا علم صحت ایمان کے لئے شرط ہے یا کہ فرض کفایہ کے درجہ میں ہے۔ (فاجاب بانّہ) شرط فی صحت الایمان، یعنی آپ نے جواب میں فرمایا کہ صحت ایمان کے لئے شرط، پھر فرمایا اگر کوئی شخص کہے کہ میں آپ کی رسالت الی جمیع الخلق پر ایمان رکھتا ہوں لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ آپؐ جنس بشر سے ہیں یا جنس ملائکہ میں سے یا جنوں میں سے ہیں اور میں نہیں جانتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عربی ہیں یا عجمی، تو فرماتے ہیں لَا شَكَّ فِيْ كُفْرِهٖ لِتَكْذِيْبِهِ الْقُرْاٰنَ یعنی بوجہ تکذیب قرآن اس کے کُفر میں کوئی شک نہیں۔ روح المعانی ص ۱۱۳ ج ۴، الزرقانی علی المواہب اللدنیا ص ۱۶۸ ج ۶۔

کیونکہ اس شخص نے صحیح عقیدہ کا انکار کیا جس پر قرونِ اسلام خلفاً عن سلفٍ

قائم رہے اور جو عقیدہ خاص و عام سب مسلمانوں کو معلوم ہے، میں نہیں جانتا کہ اس میں کسی کو خلاف ہو (وَلَا اَعْلَمُ فِي ذَالِكَ خِلَافًا) اگر کوئی غبی اور جاہل مطلق ہو جو اس عقیدہ کو نہ جانتا ہو تو اس کو پہلے تعلیم دینا ضروری ہے پھر اگر سمجھانے کے بعد بھی اس کا انکار کرے تو (حَكَمْنَا بِكُفْرِهٖ) یعنی اس کے متعلق ہم کفر کا حکم دیں گے، کیونکہ وہ قطعی الثبوت اور صحیح عقیدہ کا انکار کرتا ہے۔ بہتر ہوگا روح المعانی کی ساری عبارت کو ملاحظہ فرمالیں۔

علامہ محمود آلوسی فرماتے ہیں۔

قَدْ سُئِلَ الشيخ والى	حضرت شیخ ولی الدین عراقی
الدِّيْنُ العراقی هل العلم بكونه	سے سوال کیا گیا کہ (کیا) آنحضرت
صلى الله عليه وسلم بشراً	صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے یا
او من العرب شرط فی صحة	عربی ہونے کا علم صحۃ ایمان کیلئے
الايمان او من فروض الكفاية؟	شرط ہے یا فرض کفایہ میں سے
فأجاب بِأَنَّهٗ شرط فی صحة	ہے؟ پس آپ نے جواب میں
الايمان، ثم قال، فلو قال	فرمایا (اتنا جاننا کہ آپ بشر ہیں اور
شخص اؤمِنُ برسالة محمد	عربی ہیں) صحۃ ایمان کیلئے شرط ہے پھر
صلى الله عليه وسلم الى	فرماتے ہیں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ
جميع الخلق لكنّ لا ادری	میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
هل هو من البشر اَو مِن	رسالت الی جمیع الخلق پر ایمان رکھتا
الملائكة امن الجن،	ہوں لیکن میں نہیں جانتا کہ آپ
او لا ادری هل هو من	جنس بشر سے ہیں یا ملائکہ میں سے
العرب او العجم ؟	اور میں نہیں جانتا کہ حضور عرب

فلا شك في كفره بتكذيبه القرآن وجحده ما تلقته قرون الاسلام خلفا عن سلف وصار معلومًا بالضرورة عند الخاص والعامة ولا اعلم في ذلك خلافًا فلو كان غبيا لا يعرف ذلك وجب تعليمه اياه فان جحده بعد ذلك حكمنا بكفره ۔

میں سے ہیں یا عجم میں سے فلا شک فی کفرہ اس شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں بوجہ تکذیب قرآن کے (کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بشر فرمایا ہے) اور اس شخص نے ایسی چیز کا انکار کیا ہے جس پر قرونِ اسلام خلفاً عن سلفٍ قائم چلے آتے ہیں اور بہرحال خاص و عام سب (مسلمانوں) کو (یہ عقیدہ) معلوم ہو گیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ اس میں کسی کا خلاف ہو۔ البتہ کوئی ایسا غبی ہو جو اس عقیدہ کو نہیں جانتا تو اس کو تعلیم دینا ضروری ہے پھر اگر اس کے بعد بھی وہ شخص انکار کرے تو ہم اُس پر کفر کا حکم لگائیں گے!

امام الموحدین ورأس المفسرین علامہ ابن کثیر آیت (وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اِیْ قَدْ كَانُوْا بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ يَاْكُلُوْنَ وَيَشْرَبُوْنَ مِثْلُ النَّاسِ ۔

یعنی بیشک سب پیغمبر بشروں میں سے بشر تھے کھاتے تھے اور پیتے بھی تھے مثل دوسرے لوگوں کے۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۱۷۳ ج ۳)

علمارعقائد کے ارشادات

شرح عقائد علامہ سعد الدین التفتازانیؒ کا ارشاد۔

وقد ارسل اللہ تعالیٰ	بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے بشر
من البشر الی البشر۔	کی طرف رسول بھی بشر میں سے بھیجا۔

اس سے پہلے رسالت کی تعریف فرماتے ہیں۔

ھو سفارۃ العبد بین	وہ سفارت ہے بندے
اللہ سبحانہ وبین ذوی الالباب۔	کی، اللہ اور عقلمندوں کے درمیان۔

یعنی رسالت خدا اور بندوں کے درمیان ایک بندے کی سفارت کا نام ہے گویا رسول ایک واسطہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان اور وہ انسان ہوتا ہے، علامہ کمال بن ابی شریف کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو!

ان النبی انسان	تحقیق نبی ایک انسان ہے
بعثہ لتبلیغ ما اوحی	جسکو اللہ تعالیٰ مبعوث فرماتے ہیں
الیہ وکذا الرسول فلافرق۔	تاکہ جو اُسے وحی دی گئی ہے اس
	کی تبلیغ کرے اس معنی میں نبی
(مسامرہ صفحہ ۱۹۵)	اور رسول میں کوئی فرق نہیں۔

اس کی شرح مسائرہ لعلامۃ الکمال بن الہمامؒ صفحہ ۱۹۷ میں فرماتے ہیں

فالنبی علی ھذا	پس اس لحاظ سے نبی
انسان اوحی الیہ	ایک انسان ہے جس کی طرف
بشرع۔	شریعت وحی کی گئی۔

قاضی عیاضؒ کتاب الشفا فی حقوق المصطفٰے ص۸۶ میں آیت (قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ) کے تحت لکھتے ہیں

فَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور
وَسَائِرُ الْأَنْبِيَاءِ مِنَ	تمام انبیاء بشر ہیں، بشروں کی
الْبَشَرِ أُرْسِلُوا إِلَى الْبَشَرِ ۔	طرف بھیجے گئے۔

جلد دوم پر ص۹۵ مدینہ طیبہ کی تعریف اور فضائل میں فرماتے ہیں۔

واشتملت تربتها على	یہ مدینہ طیبہ کی تربت پاک
جسد سید البشر، مواقف	سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر پر
سید المرسلین ۔	مشتمل ہے (آپ اس میں مدفون)

اور یہ مدینہ طیبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

ایسے ہی جلد اول ص۱۳۰ پر لکھتے ہیں۔

لا خلاف انه	اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ
اکرم البشر	آپؐ بیشک سب بشروں میں سے
وسید ولد	زیادہ عزت والے ہیں اور اولادِ
آدم ۔	آدم میں سید البشر ہیں۔

صوفیاء کرام کے ارشادات!

امام الصوفیاء حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیے۔

پیغمبران ما علیهم الصلوٰة	ہمارے کل پیغمبر جو ایک
والتسلیمات که قریب یک لک	لاکھ چوبیس ہزار گزرے ہیں سب کے

دویست و چہار ہزار
گذشتہ اند خلائق
را بعبادت خالق
ترغیب فرمودہ اند
و از عبادت غیر منع نمودہ
خود را بندہ عاجز دانستہ
اند و از ہیبت و از عظمت او تعالیٰ
ترساں و لرزاں بودہ اند و آلہ
ہنود خلق را بعبادت خود
ترغیب کردہ اند (الیٰ قولہ)
بخلاف پیغمبران علیہم الصلوٰۃ
والتسلیمات کہ خلائق را از آنچہ
فرمودہ اند خود را نیز از آں
باز داشتہ اند بر وجہ
اتم و اکمل خود را بشر مثل
سائر بشر می گفتہ اند۔

سب مخلوق کو خالق جل مجدہ کی عبادت
کی عبادت کی ترغیب دیتے رہے، غیر اللہ کی
عبادت سے منع فرماتے رہے اور سب اپنے
آپکو اللہ کا عاجز بندہ سمجھا۔ اللہ کے خوف
اور اس کی بزرگی سے کانپتے رہے۔
اور ہندوؤں کے خداؤں نے خلائق
کو اپنی عبادت کی رغبت دلائی۔
(الیٰ قولہ) بخلاف انبیاء علیہم والتسلیمات
کے کہ مخلوق کو جن چیزوں سے منع
فرمایا ہے، خود بھی ان سے باز رہے
ہیں بالکل پورے طور پر دوسرے
لوگوں کی طرح اپنے آپ کو وہ بشر
کہا کرتے تھے۔

(مکتوبات ص۱۶۶۔ دفتر اول
ص۵، حصہ دوم، بحوالہ رسالہ
بشریت النبی مؤلفہ نور الحسن شاہ بخاری)

مکتوب نمبر ۲۶۳، دفتر اول میں فرماتے ہیں کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ) سے مراد یہ ہے کہ جھوٹے خداؤں کی عبادت کا انکار کیا جائے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کو معبود برحق ثابت کیا جائے اور کلمہ طیبہ کا دوسرا حصہ یعنی محمد رسول اللہ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس سے مراد ہے کہ پیغمبر اپنے آپ کو تمام آدمیوں کی طرح بشر یعنی انسان جانتے ہیں۔ آگے مکتوب نمبر ۱۶۳، دفتر

اوّل میں فرماتے ہیں۔

اے بھائی! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شان بلند و برتر ہونے کے باوجود بشر یعنی انسان تھے، اور حدوث و امکان کے داغ سے داغدار تھے یعنی آپ کا شروع اور اخیر تھا۔ انسان خالق البشر جل سلطانہٗ کی شان کیسے متعلق کیا پائے گا۔ بحوالہ آئینہ مجددی مؤلفہ حکیم محمد صادق گکھڑ۔

نیز فرماتے ہیں، اِتیان لفظِ "مثلکم" برائے تاکید بشریت مکتوب جلد اول ص ۲۱۰ طبع نول کشور۔ (ترجمہ) لفظِ "مثلکم" کا لانا بشریت کی تاکید کے لئے ہے۔

صوفی باکمال مولانا جلال الدین رومی مثنوی میں فرماتے ہیں۔

انبیاء زین رہ بشر ہا بودہ اند
از تجانس راہِ حق پیمودہ اند
بوئے جنسیت رسد فیضش شتاب
از ملک آدم نگشتی بے حجاب

قصیدہ بردہ اور آپؐ کی بشریت!

قصیدہ،

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النصارىٰ فِي نَبِيِّهِمْ
واحكم بما شئت مدحًا فيه واحتكم
فمبلغ العلم فيه انّه

اس دعویٰ کو چھوڑ دو جو نصاریٰ نے اپنے نبی کی بابت کیا ہے، اس کے سوا آپ کی مدح و تعریف میں جو تو چاہے کہہ اور اس پر پختہ رہے۔ پس انتہا علم یہ ہے کہ آپ بشر

وَبَشَرٌ وَاِنَّهٗ خَیْرُ خَلْقِ اللّٰہِ کُلِّھِمْ ہیں اور یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے بہتر اور افضل ہیں۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ کی تحقیق!

بعض مبتدعین حضرات کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ لہٰذا آپؐ نور تھے، قطع نظر اس سے کہ آپؐ کا سایہ تھا یا نہیں، اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ سایہ کا نہ ہونا نور کی دلیل ہے؟ بالفرض اگر معجزاتی طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ آپؐ نور تھے۔ علاوہ ازیں کیا مبتدعین حضرات کوئی صحیح حدیث پیش کر سکتے ہیں جس میں یہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا؟ انشاء اللہ تادمِ زیست کوئی حدیث نہیں پیش کر سکتے۔

اب آپ کے سایہ کے ثبوت کی احادیث ملاحظہ ہوں۔

مستدرک حاکم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھائی، نماز کے دوران کچھ پیچھے ہٹے، نماز کے بعد صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ اس نماز میں ہم نے آپ کو ایسا کام کرتے دیکھا جو آپؐ نے پہلے کبھی نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا میرے سامنے جہنم کو پیش کیا گیا (حَتّٰی رَأَیْتُ ظِلِّیْ وَظِلَّکُمْ) حتیٰ کہ (اُس آگ کی روشنی میں) میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ مستدرک صفحہ ۴۵۶ ج ۴۔

ایک روایت میں حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ سے ناراض ہو کر میرے گھر چلے آئے تھے۔ ایک دن دوپہر کے وقت وہ (اپنے گھر میں) بیٹھی ہوئی تھیں کہ اچانک آپ کا سایہ دیکھا (دل میں)

کہنے لگیں یہ کسی مرد کا سایہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مجھ سے ناراض ہیں. میرے گھر نہیں آتے (نہ معلوم یہ کس کا سایہ ہے) چنانچہ دیکھا تو واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے. حدیث کے الفاظ یہ ہیں ۔

فرأت ظلّة فقالت	پس حضرت زینبؓ نے
إنّ هذا الظلّ لرجل	(کسی آدمی کا) سایہ دیکھا (دل میں)
وما يدخل على النبيّ	کہا یہ کسی مرد کا سایہ ہے نبی صلی اللہ
صلى الله عليه وسلم فدخل	علیہ وسلم تو میرے گھر نہیں آتے، پس
النبيّ صلى الله عليه وسلم	دیکھا تو واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
(مجمع الزوائد ص۳۲۱-۳۲۲، مسند احمد ص۳۳۶ ج۶)	(اُن کے گھر) تشریف لائے ۔

بحث یا رسول اللہ کہنا

مولانا یوسف لدھیانوی صاحب لکھتے ہیں

ان میں سے ایک مشہور مسئلہ یہ ہے کہ "یا رسول اللہ" کہنا جائز ہے یا نہیں!
اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے کہ "یا رسول اللہ!" کہنے کی کئی صورتیں ہیں۔ اور سب کا حکم ایک نہیں۔ مثلاً ایک صورت یہ ہے کہ شعراء اپنے تخیل میں جس طرح کبھی بادِ صبا کو خطاب کرتے ہیں۔ اور کبھی پہاڑوں اور جنگلوں کو، کبھی حیوانات اور پرندوں کو ——— ان میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ جن کو وہ خطاب کر رہے ہیں وہ انکی بات کو سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں، بلکہ یہ محض ایک ذہنی پرواز اور تخیلاتی چیز ہوتی ہے، جس پر واقعاتی احکام جاری نہیں ہوتے، اسی طرح شعراء کے کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یا دیگر مقبولانِ الٰہی کو تخیلاتی طور پر جو خطاب کیا جاتا ہے، میں اس کو صحیح اور درست سمجھتا ہوں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جس طرح عُشاق اپنے محبوبوں کو خطاب کرتے ہیں اسی طرح آپ کو محض اظہارِ محبت کے لئے خطاب کیا جائے۔ واقعۃً ندا مقصود نہ ہو ———
یا جس طرح کہ کسی مادرِ شفیق کا بچہ فوت ہو جائے تو وہ اس کا نام لیکر پکارتی ہے وہ جانتی ہے کہ اسکی آہ و بکا کی آواز بچے کی قبر تک نہیں پہنچ رہی اس کے باوجود وہ اپنی ماماتا کی وجہ سے ایسا کرنے پر گویا مجبور رہے۔ اسی طرح جو عشاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عشق میں واقعی جل بھُن گئے ہوں اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارے بغیر کسی کروٹ چین ہی نہ آئے۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کی آہ و پکار سامعہ مبارک تک نہیں پہنچتی، ان کا "یا رسول اللہ!" کہنا بھی جائز ہوگا، بشرطیکہ عقیدہ میں فساد نہ ہو۔

ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کے صیغہ سے درود شریف پڑھتا ہے، اور یہ خیال کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے اس درود کو بارگاہِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) میں پہونچا دیں گے۔ اس کے اس فعل کو بھی ناجائز نہیں کہا جا سکتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

من صلّی عند قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ نائیا ابلغتہ (مشکوٰۃ شریف ص۸۶)

جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں اسے خود سنوں گا۔ اور جو شخص مجھ پر دور سے درود شریف پڑھے وہ مجھے پہونچایا جائے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

ان للّٰہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلّغونی من امّتی السلام۔ (مشکوٰۃ شریف ص۸۶)

بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں اور میری امّت کا سلام مجھے پہونچاتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے:

لا تجعلوا بیوتکم قبورا ولا تجعلوا قبری عیدا وصلّوا علیّ فانّ صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتم۔ (حوالۂ بالا)

اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ اور میری قبر کو عید میلہ نہ بنا لینا۔ اور مجھ پر درود شریف پڑھا کرو، کیونکہ تم جہاں سے بھی درود پڑھو وہ مجھے پہونچا دیا جاتا ہے۔

اگرچہ اس کے لئے بھی صحیح طریقہ یہی ہے کہ دور سے درود و سلام بھیجنے کا جو طریقہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اسی کو اختیار کرے، غائبانہ درود میں خطاب کے صیغے استعمال نہ کرے۔ اس کے باوجود اگر اس کے عقیدے میں کسی قسم کا فساد نہیں۔ یا اس کے فعل سے کسی دوسرے کے عقیدے میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں تو اس کے "یا رسول اللہ" کہنے کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ ہاں اگر فساد

عقیدہ کا اندیشہ ہو تو ناجائز کہے بغیر چارہ نہیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اس نیت سے یارسول اللہ کہتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر شخص کی ہر جگہ سنتے ہیں، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حاضر و ناظر ہیں اور ہر شخص کی ہر جگہ سنتے ہیں، میں اس صورت کو صحیح نہیں سمجھتا، یہ عقیدہ جیساکہ میں پہلے بتا چکا ہوں، غلط ہے، اور قرآن کریم، حدیث نبوی اور فقہ حنفی میں اسکی کوئی گنجائش نہیں ___ چونکہ عوام حدود کی رعایت کم ہی رکھا کرتے ہیں اس لئے سلف صالحین اس معاملہ میں بڑی احتیاط فرماتے تھے، صحیح بخاری شریف میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ:

"جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے، ہم التحیات میں "السلام علیک أیہا النبی" پڑھا کرتے تھے۔ مگر جب آپؐ کا وصال ہوگیا تو ہم اس کے بجائے "السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کہنے لگے۔ (ص ۹۲۶ ج ۲)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا مقصد اس سے یہ بتانا تھا کہ "التحیات" میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کے صیغہ سے سلام کیا جاتا ہے وہ اس عقیدہ پر مبنی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و موجود ہیں۔ اور ہر شخص کے سلام کو خود سماعت فرماتے ہیں۔ نہیں! بلکہ یہ خطاب کا صیغہ اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں فرمایا تھا۔

"یارسول اللہ!" کہنے کی صورت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر مواجہ شریفہ کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھے "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ اطہر میں حیات ہیں۔ اور ہر زائر کے سلام کو سماعت فرماتے اور اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں اس لئے وہاں جاکر خطاب کرنا نہ صرف جائز بلکہ احسن ہے۔

یہ ہیں وہ چند صورتیں، جن میں سے ہر ایک کا حکم میں عرض کر چکا ہوں۔ اب ہمارے یہاں جو لوگ "یا رسول اللہ" لکھتے ہیں وہ کس نیت، کس کیفیت، اور کس مقصد سے کہتے ہیں؟ اس کا فیصلہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ البتہ یہاں دو مسئلے اور عرض کر دینا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ شیعہ صاحبان نے "نعرۂ حیدری": "یا علی" ایجاد کیا تھا۔ بعض لوگوں نے ان کی تقلید میں "نعرۂ رسالت: یا رسول اللہ" اور "نعرۂ غوثیہ: یا غوث" ایجاد کر لیا۔ مگر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور ائمہ ہدیٰ کی زندگی میں کہیں نظر نہیں آیا کہ "اللہ اکبر" کے سوا مسلمانوں نے کسی اور نام کا نعرہ لگایا ہو، نہ قرآن کریم، حدیث نبوی اور فقہ حنفی یا کسی اور فقہ میں اس کا ذکر ہے۔ اس لئے میں اسے شیعوں کی تقلید سمجھتا ہوں، جس سے اہل سنت والجماعت بالکل بری ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح بطورِ دعاء و تقرب حق تعالیٰ کو پکارا جاتا اور اس کے پاک نام کا وظیفہ پڑھا جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور بزرگ ہستی کو پکارنا اور اس کے نام کا وظیفہ جپنا اسلام نے جائز نہیں رکھا۔ کیونکہ یہ فعل عبادت کے زمرے میں آتا ہے، اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ شانہٗ کا حق ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور اولیائے امت میں سے کسی نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بزرگ ہستی کے نام کا وظیفہ نہیں پڑھا۔ حضرت قاضی ثناء اللہ حنفی پانی پتی "ارشاد الطالبین" میں فرماتے ہیں:

ولا یصح الذکر باسماء الاولیاء علی سبیل الوظیفۃ او السیفی لقضاء الحاجۃ کما یقرؤن الجہال۔	اور اولیاء اللہ کے نام کا وظیفہ پڑھنا یا کسی مراد کے لیے سیفی پڑھنا صحیح نہیں۔ جیسا کہ جاہل لوگ پڑھتے ہیں۔

(بحوالہ الجنۃ لاہل السنۃ ص ۱)

نیز ارشاد الطالبین فارسی ص۱۸ میں فرماتے ہیں:

مگر آنکہ ذکر محمد رسول اللہ باذکر خدائے تعالیٰ	مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ محمد رسول اللہ

در اذان و اقامت و تشہد و مانند آن عبادت است و ذکر محمد رسول اللہ ہم بر وجہیکہ در شرع وارد شدہ است، چنانچہ کسے بطور وظیفہ یا محمد یا محمد گفتہ باشد روا نباشد اھ ص۱۹

کہ نماز، اذان، اقامت، اور تشہد وغیرہ میں ذکر عبادت ہے... مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ایسے طریقہ پر کرنا جو شریعت میں نہیں آیا مثلاً یہ کہ کوئی شخص "یا محمد یا محمد" کا وظیفہ پڑھنے لگے۔ یہ جائز نہیں،

مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لکھتے ہیں

یا رسول اللہ کہنا کیسا ہے؟

سوال - یا رسول اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب - یا رسول اللہ کہنے میں بڑی تفصیل ہے بعض طریقے سے جائز اور بعض طریقے سے ناجائز ہے - بیشک رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں۔ قبر شریف کے پاس درود و سلام پڑھا جاتا ہے تو آپ خود سنتے ہیں - اور کسی دور دراز مقام سے صلوٰۃ و سلام بھیجا جائے تو فرشتے آپ کی خدمتِ اقدس میں بالاسماء (بھیجنے والے کے نام کے ساتھ) پیش کرتے ہیں اور آپ اس کا جواب دیتے ہیں - حدیث شریف میں ہے - من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی نائیاً ابلغتہ - یعنی جو کوئی میری قبر کے پاس سے درود بھیجتا ہے وہ میں خود سنتا ہوں اور جو کوئی دُور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے ۔ (مشکوٰۃ شریف)

دوسری حدیث میں ہے:- ان اللہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام
خدا تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت مقرر کردی ہے جو زمین میں گشت کرتے رہتے ہیں اور میری امت کا صلوٰۃ وسلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

مطلب یہ کہ نزدیک ہو یا دور صحیح عقیدہ کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھتے وقت یارسول اللہ کہا جائے تو وہ جائز ہے۔ مگر یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ دور سے پڑھے ہوئے درود وسلام آپ کو بذریعۂ فرشتہ پہنچائے جاتے ہیں۔ خدا کی طرح بنفس نفیس سن لینے کا عقیدہ نہ رکھے۔

اسی طرح "التحیات" میں "السلام علیک ایھا النبی" کہہ کر سلام بھیجا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ نیز قرآن پاک پڑھتے وقت "یا ایھا المزمل" عبارت کے طور پر پڑھا جاتا ہے اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اس کو حاضر وناظر کی دلیل بنا لینا جہالت ہے۔ نیز حاضر وناظر کے عقیدے کے بغیر فقط جوش محبت میں یارسول اللہ کہا جائے یہ بھی جائز ہے۔ کبھی غایۃ محبت اور شدید غم کی حالت میں حاضر ناظر کے تصور کے بغیر غائب کے لئے لفظ ندا برتتے ہیں یہ بھی جائز ہے۔ کبھی صرف تخیل کے طریقے کے ساتھ شاعرانہ وعاشقانہ خطاب کیا جاتا ہے اس میں بھی کوئی حرج نہیں (شعراء تو دیواروں اور کھنڈرات کو مخاطب بناتے ہیں۔ یہ ایک محاورہ ہے۔ حاضر ناظر وغیرہ کا کوئی عقیدہ یہاں نہیں ہوتا۔ البتہ بدوں صلوٰۃ وسلام حاضر ناظر جان کر حاجت روائی کیلئے اٹھتے بیٹھتے یارسول اللہ یا علی یا غوث وغیرہ کہنا بیشک ناجائز اور ممنوع ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ادعونی استجب لکم (سورۂ مومن) تم مجھے پکارو میری عبادت کرو میں تم سے غائب نہیں ہوں۔ میں تمہارا کہنا اور پکارنا سنتا ہوں اور تمہاری درخواست وعبادت قبول کرتا ہوں۔ (تفسیر حقانی ص ۱۹۱ ج ۶)

نیز حدیث شریف میں ہے۔ قال رجل یارسول اللہ ای الذنب اکبر عنداللہ قال ان تدعوا للہ ندًا وھو خلقک۔ یعنی ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کون سا گناہ عنداللہ

سب سے بڑا ہے ؟۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ کو پکارنے میں اور اس کی عبادت میں تو کسی کو شریک بناوے۔ یعنی خدا کی طرح اور کو پکارے حالانکہ تجھ کو پیدا اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح حاجت روائی کے لئے یا اللہ کہہ کر پکارتے ہیں اسی طرح دوسرے کو پکارنے بڑا گناہ ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ۔مظاہر حق ج ۴)

لہذا نشست و برخاست اور بوقت مصیبت **یا اللہ** کہہ کر اپنے خالق و مالک اور رازق کو جس کی شان علیٰ کل شیئ قدیر اور "بکل شیئ علیم" ہے، پکار کر مدد مانگنی چاہئیے۔ اور تمام حوائج اسی کی بارگاہ میں پیش کرنے چاہئیں ۔ نہ یہ کہ یا رسول اللہؐ یا علی یا غوث کہہ کر بالاستقلال حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان کو پکارے اور ان کی خدمت میں حوائج کو پیش کرے ۔ یہ تعلیم اسلام کے خلاف ہے حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم عبدالقادر جیلانی رح فرماتے ہیں :۔

اے مخاطب! میں تجھ کو مخلوق کے پاس دیکھ رہا ہوں نہ کہ خالق کے پاس! تو نفس اور مخلوق دونوں کا حق ادا کرتا ہے اور حق تعالیٰ کا حق ساقط کرتا ہے ۔ یہ نعمتیں جن میں تو غرق ہے تجھ کو کس نے دی ہیں کیا خدا کے سوا کسی دوسرے نے دی ہیں ؟ (الفتح الربانی ص ۲۸۵/۴۴۴)

نیز وہ فرماتے ہیں :۔ فلا تذھبن بھمتك الیٰ احد من خلقہ فی معافاتك فذالك اشراك منك به لا یملك معه فی ملکه احد شیئًا۔ لا ضار ولا نافع ولا جالب ولا مسقم ولا مبلی ولا معافی ولا مبری غیرہ !

(ترجمہ) بلا دفع کرانے کے لئے اپنی ہمت اور اپنی توجہ کسی مخلوق کے پاس مت لیجاؤ کہ یہ خداوند تعالیٰ کا شریک بنانا ہے ۔ کوئی شخص اس کے ساتھ اس کی ملک میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہے: نہ نقصان و نفع پہنچانے والا، نہ ہٹانے والا، نہ بیمار و مبتلا کرنے والا۔ نہ صحت و نجات دینے والا اس کے سوا اور کوئی نہیں (فتوح الغیب مقالہ ۵۹ ص ۱۵۰)

اور فرماتے ہیں :۔ فلیکن لك مسئول واحد ومعطی واحد وھمة واحدة وھو ربك عزّ وجل الذی نواصی الملوك بیدہ وقلوب الخلق بیدہ التی ھی امراء الاجساد ۔

ہیں چاہیئے کہ تمہارا مسئول (جس سے تم مانگو) وہ واحد ہو۔ عطا کرنے والا واحد ہو۔ ہمت اور توجہ واحد ہو (پراگندہ نہ ہو) اور وہ تیرا رب ہے (عزوجل) وہ رب کہ تمام بادشاہوں کے پیشانی کے بال اس کے دست قدرت میں ہیں۔ تمام مخلوق کے دل جو جسموں کے حاکم ہوتے ہیں اس کے قبضہ میں ہیں

فتوح الغیب مقالہ ص۵۸

خلاصہ یہ کہ خدا کے سوا کسی اور کے لئے چاہے نبی ہو یا ولی، حاظر وناظر اور حاجت روا ہونے کا عقیدہ بالکل غلط اور باطل ہے اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ حاظر وناظر صرف خدا کی ذات ہے۔ مجدد الف ثانی رح فرماتے ہیں ،۔

"حق سبحانہ وتعالیٰ براحوال جزوی وکلی او مطلع ست وحاضر وناظر! شرم باید کرد!

یعنی خداوند قدوس بندوں کے تمام جزوی وکلی امور پر خبردار اور مطلع اور حاضر وناظر ہیں! اس کے علاوہ کسی اور کے تصور سے ہمیں شرم کرنی چاہیئے" (مکتوب ۸۰ ص۲۱ ج۲)

"علی کل شیئ قدیر" اور "بکل شیئ محیط" "حاضر وناظر وغیرہ صرف اللہ پاک کے اوصاف ہیں ان میں کوئی شریک نہیں۔ حضرت شاہ ہدایت اللہ نقشبندی جے پوری رح فرماتے ہیں خدا تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یکتا ہے کوئی اس کی ذات وصفات اور اس کے افعال میں کسی قسم کی شرکت نہیں رکھتا (معیار السلوک ص۴) اسی لئے حضرت خواجہ بختیار کاکی رح کے استاد سلطان العارفین حضرت قاضی حمید الدین ناگوری "توشیح" میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض اشخاص وہ ہیں جو اپنے حوائج اور مصیبت کے وقت اولیاء وانبیاء کو پکارتے ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی ارواح موجود ہیں ہماری پکار سنتی ہیں اور ہماری ضروریات کو خوب جانتی ہیں یہ بڑا شرک اور کھلی جہالت ہے۔ اور ملا حسین خباز "مفتاح القلوب" میں فرماتے ہیں:۔

واز کلمات کفرست ندا کردن اموات غائبانہ بگمان آں کہ حاضر اند مثل یا رسول اللہ ویا عبدالقادر وماننداں!

یعنی جو بزرگ وفات پا چکے ہیں ان کو ہر جگہ حاضر وناظر گمان کر کے غائبانہ ندا کرنا جیسے یا رسول اللہ، یا عبدالقادر وغیرہ یہ کلمات کفریہ ہیں۔

"و فتاویٰ بزازیہ میں ہے ۔۔ من قال ارواح المشائخ حاضرة یکفر ۔ یعنی جو کوئی کہے کر بزرگوں کی روحیں ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں وہ کافر ہے (ص ۳۲۶ ج ۶ مع فتاویٰ عالمگیری)

اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ عقیدہ باطلہ کے بارے میں یہ تحریر فرماتے ہیں:۔

" انبیاء و مرسلین را لوازم الوہیت از علم غیب و شنیدن فریاد ہر کس در ہر جا و قدرت بر جمیع مقدورات ثابت کنند"۔ انبیاء اور رسولوں کے لئے لوازم الوہیت جیسے کہ عالم الغیب ہونا اور ہر جگہ سے ہر ایک کی فریاد سننا اور تمام مقدورات پر قدرت ثابت کرنا الخ یہ عقیدہ باطل ہے۔ (تفسیر فتح العزیز سورۂ بقرہ ص ۵۲)

بریلوی خیالات کے ایک بڑے عالم بھی مذکورہ بالا عقیدہ کے بارے میں واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:۔ " ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سب جا (ہر جگہ) حاضر و ناظر بجز خدائے عزاسمہ کے کوئی نہیں۔ (انوار الھیہ فی الاستعانۃ من خیر البریہ ص ۱۲)

غرض یہ کہ یا رسول اللہ ، یا غوث وغیرہ اس عقیدہ سے کہنا کہ اللہ کی طرح یہ حضرات بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یا ہماری ہر پکار اور فریاد کو سنتے ہیں اور حاجت روا ہیں۔ جائز نہیں ہے! اگر اپنا یہ عقیدہ نہ ہو لیکن اوروں کا عقیدہ بگڑنے کا اندیشہ ہو تب بھی جائز نہیں ہے کہ ان کے سامنے ایسے کلمات کہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ وعلمہ اتم واحکم!

اللّٰھم ان ھذا الکتاب وسیلتی الیک وفی مغفرتک الوسعۃ حیلتی لدیک لا الٰہ الا انت سبحانک بیلک وسعدیک فاغفر اللّٰھم ارحم امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ عامۃ ایاک نعبد وایاک نستعین ونتوکل علیک ربنا علیک توکلنا والیک انبنا والیک المصیر وماعلینا الا البلاغ المبین ط بلاغ فھل یھلک الا القوم الفاسقون ط ختم الامر وجاء النصر فعلینا لاینصرون ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اے اللہ میں اس کتاب کو تجھ تک رسائی کا وسیلہ بناتا ہوں اور تیری وسیع مغفرت

اور بخشش کے لئے بہانہ۔ تو ہی ہے میرا معبود۔ تیری ذات پاک ہے، میں تیری عبادت کے لئے ہر وقت حاضر ہوں۔ اے اللہ تو اُمتِ محمدیہ پر مہربانی فرما۔ پوری اُمت پر اپنی عام رحمت نازل کر۔ ہم تیری عبادت کرتے ہیں تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں، اے ہمارے رب ہم تجھ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری ہی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ ہمارے ذمہ یہ ہے کہ واضح طور پر تیرا پیغام پہنچا دیں۔ پیغام پہنچنے کے بعد وہی برباد ہوتے ہیں جو فاسق اور بدکردار ہوں پیغام کی طرف توجہ نہ کریں۔

حٰمٓ ا والامر وجاء النصر فعلینا لا ینصرون

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں اور آپ کے تمام آل واصحاب پر۔

غیر اللہ سے مدد مانگنا

شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہٗ

تنقید متین ص۲۲ پر مولانا نعیم الدین پہ تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں.

اوّل۔ مولوی نعیم الدین صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن میں یہ تعلیم فرمائی کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، حقیقی مستعان وہی ہے، باقی آلات و خدام و احباب وغیرہ سب عون الٰہی کے مظہر ہیں بندے کو چاہیئے کہ اس پہ نظر رکھے اور ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن دیکھے اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء و انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے، عقیدۂ باطلہ ہے کیونکہ مقربان حق کی امداد الٰہی ہے استعانت بالغیر نہیں اگر اس آیت کے وہ معنی ہوتے جو وہابیہ نے سمجھے تو قرآن پاک میں اَعِیْنُوْنِیْ

بِقُوَّۃٍ اور اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ کیوں وارد ہوتا، اور احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دیجاتی۔ ص۲

تنقید :-

جناب مولوی نعیم الدین صاحب نے آیت مذکورہ کی یہ تفسیر بلکہ تحریف کر کے اپنی جان اور قرآن کریم پر جو ظلم کیا ہے وہ بجائے خود قابل صد نفرین ہے، معمولی گرامر سے واقف اور عربی کا مبتدی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں نَسْتَعِیْنُ کا مفعول ومعمول ایاک ضمیر منفصل کی صورت میں محض اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ حصر کا فائدہ دے اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات ہی کے ساتھ مختص ہو جائے اور ابتدائی جملوں میں خود مولوی صاحب نے اس کا کافی حد تک اقرار بھی کیا ہے لیکن جب سمجھے کہ اس اقرار سے تو بریلویت و بدعت کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور اس سے ایک بڑے عقیدہ پر ضرب کاری لگتی ہے اور وہابیوں کو اس سے بڑی تقویت حاصل ہوتی ہے تو پینترا بدل کر یہ لکھا کہ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء اور انبیاء سے مدد مانگنا شرک ہے عقیدہ باطلہ ہے اھ اور اس طرح تحریف کا چور دروازہ اپنے لیے کھول لیا ہے، اس لیے ہم بھی اس پر قدرے وضاحت سے کلام کرتے ہیں کہ مولوی صاحب نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ کئی وجوہ سے مردود اور باطل ہے۔ اولاً بزعم خود جو تفسیر اور احتمال اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا انہوں نے بیان کیا ہے بعینہ وہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں بھی جاری ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام کو سجدہ کرتا ہے یا نماز روزہ اور قربانی وغیرہ ان کے نام کی ادا کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ درحقیقت تو میں عبادت بواسطہ یا بے واسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ادا کر رہا ہوں، ہاں مگر ان حضرات کو صرف تقرب الٰہی کا مظہر سمجھتا ہوں تو کیا یہ تفسیر صحیح ہے، اگر یہ صحیح ہے تو پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں نادرست ٹھہری؟ اور کس دلیل سے! اور اگر یہ غلط

ہے تو غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ کیوں کر حق قرار پایا؟ اور اس استعانت کو غلط کہنا کیسے عقیدہ باطلہ ٹھہرا؟ استعانت کی ایک قسم کا نصوص شرعیہ سے جواز ثابت ہے، وہ یہ کہ کوئی شخص کسی زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے جو عادۃً اس کے بس اور اختیار میں ہو اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے، اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں۔

ولا شريك له في وجوب الوجود	وجوب وجود استحقاق عبادت خلق اور
ولا في استحقاق العبادة في الخلق	تدبیر میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔
والتدبير فلا يستحق العبادة اي	استحقاق عبادت یعنی انتہائی تعظیم کا بجز اللہ
اقصى غاية التعظيم الا هو ولا	تعالیٰ کے اور کوئی اہل نہیں۔ بیمار کو شفا
يشفي مريضا ولا يرزق رزقا	دینا، رزق عطا کرنا، اور تکلیف دور کرنا
ولا يكشف ضرا الا من معنى ان يقول لشيء كن	صرف اسی کا کام ہے، وہ جب کسی چیز کو
فيكون لا بمعنى التسبيب العادي الظاهري	کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے لیکن اس
كما يقال شفى الطبيب المريض و	کا دینا عادۃً ظاہری سبب کے طور پر نہیں مثلاً کہا
رزق الامير الجند فهذا	جاتا ہے کہ طبیب نے مریض کو شفا دی اور امیر
غيره وان اشتبه في اللفظ اه	لشکر نے لشکر کو رزق دیا یہ تو ظاہری اور اسباب کے
(تفہیمات الٰہیہ جلد ۱ ص ۱۴۵)	تحت دینا ہے اور یہ اور چیز ہے اگرچہ لفظ میں اشتباہ پیدا ہو جائے

اور الشیخ ابو بکر بن محمد عارف خوقیرؒ فرماتے ہیں کہ:۔

الشرك هو اعتقاد ان لغير الله اثرا	شرک اس اعتقاد کا نام ہے جو غیر اللہ کے متعلق
فوق ما وهبه الله من الاسباب	یوں قائم کر لیا جائے کہ غیر اللہ کا ان ظاہری اسباب سے
الظاهرة وان لشيء من الاشياء سلطانا	بالاتر اثر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری اسباب قرار
عما خرج عن قدرة المخلوقين	دیا ہے اور یہ کہ کسی چیز کا اس شے پر تسلط جو

مخلوق کی قدرت سے خارج ہے۔ (ماله ملخصاً طبع مصر)

اس سے ثابت ہوا کہ استعانت ظاہری اور ما تحت الاسباب جائز اور درست ہے۔ جیسا کہ حضرت ذوالقرنینؑ نے سدِ سکندری کے مقام کے قریب پہنچ کر وہاں کے لوگوں کی یہ درخواست سنی کہ یاجوج ماجوج ہمیں بے حد تکلیف دیتے اور ستاتے ہیں، اس لیے آپ اس درّہ میں ایک بند قائم کر دیں تاکہ ہم ان کے دست بُرد سے نجات حاصل کر لیں اور ہم آپ کی مالی امداد بھی کریں گے تو حضرت ذوالقرنینؑ نے فرمایا کہ مال کی مجھے ضرورت نہیں۔ خداوند تعالیٰ نے بہت کچھ مجھے مرحمت فرمایا ہے ہاں بدنی طور پر تم میری امداد کرو اَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّۃٍ یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء اور اولیاء و شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب، ان سے اس قسم کی استعانت بہرصورت شرک ہے جس کو مٹانے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے، اور شریعت حقہ اس کے لیے وقف ہے اس ظاہری استعانت سے مطلق استعانت یا مافوق الاسباب استعانت کا جواز ثابت کرنا اور عوام الناس کو مغالطہ دینا جیسا کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے کیا ہے، اہل علم کی شان نہیں۔ وثالثاً حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ومنها انهم كانوا يستعينون بغير الله في حوائجهم من شفاء المريض وغناء الفقير وينذرون لهم يتوقعون انجاح مقاصدهم بتلك النذور ويتلون اسمائهم رجاء بركتها فاوجب الله تعالى عليهم ان يقولوا في صلوتهم اياك	اقسام شرک میں سے ایک یہ ہے کہ مشرکین اپنی حاجتوں میں غیر اللہ سے استعانت کرتے تھے مثلاً بیمار کی شفا اور فقیر کی غنیٰ وغیرہ اور ان کے لیے نذریں مانتے تھے اور ان کی وجہ سے وہ اپنی مرادیں پوری ہونے کی امید رکھتے تھے اور برکت حاصل کرنے کی امید پر وہ ان کے نام ورد کے طور پر پڑھتے تھے سو اللہ تعالیٰ

نعبدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ احدًا ولیس المراد من الدعاء العبادۃ کما قال بعض المفسرین بل ھو الاستعانۃ لقولہ تعالیٰ بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ ہ

(حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صلا طبع مصر)

نے ان پر یہ واجب کر دیا کہ وہ اپنی نماز میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پڑھیں اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو مت پکارو اور دعا سے یہاں عبادت مراد نہیں جیسا کہ بعض مفسرین کرامؒ نے کہا ہے بلکہ استعانت مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بلکہ تم صرف اُسی کو پکارو گے سو وہ تمہاری تکلیف کو رفع کرے گا۔

ان صاف اور صریح عبارات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ غیر اللہ سے استعانت شرک ہے، اور یہی مشرکینِ مکہ کا شرک تھا چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ہی ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

وکفر اللہ سبحانہ مشرکی مکۃ بقولھم لرجل سخی کان یلتُّ السویق للحجاج انہ نصب منصب الالوھیۃ وجعلوا یستعینون بہ عند الشدائد۔

(بدور البازغۃ ص۱۲۹)

اور اللہ تعالیٰ نے مکہ کے مشرکوں کو اس لیے کافر فرمایا کہ انہوں نے ایک سخی آدمی کو جو ستو گھول گھول کر پلاتا تھا جس کا نام لات تھا حاجت روائی کا منصب دے رکھا تھا اور تکالیف و مصائب کے مواقع پر وہ اس سے استعانت کیا کرتے تھے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:۔

مسئلہ:۔ عبادت مر غیر خدا را جائز نیست و نہ مدد خواستن از غیر حق اھ

(ارشاد الطالبین ص۲۰)

کہ نہ تو خدا تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت جائز ہے اور نہ اس کے بغیر کسی سے مدد طلب کرنا۔

حیرت ہے کہ یہ اکابر علماء اسلام تو غیر اللہ سے استعانت کو کفر اور شرک

قرار دیں اور اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے سراسر خلاف سمجھیں۔ مگر مولوی نعیم الدین صاحب یہ کہتے رہیں کہ استعانت بالغیر کی نفی اس آیت سے وہابیہ نے سمجھی ہے۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۳۳ھ) مشرکین کے افعال شرکیہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

و در تصرف در کائناتِ جزئیہ مانند کشادہ کردن رزق و دادن اولاد و دفع امراض و تسخیر ارواح و مانند آں بکار می آرند۔ ایں خود شرک صریح است و دریں مقام عذرے نیست۔ (فتاویٰ شاہ رفیع الدین صاحبؒ)	یعنی مشرکین، کائنات کے جزوی تصرفات مثلاً رزق کشادہ کرنے اولاد دینے امراض کو دُور کرنے اور ارواح کو سخر کرنے وغیرہ کے سلسلہ میں افعال شرکیہ کو عمل میں لاتے ہیں اور یہ خود صریح طور پر شرک ہے اور اس مقام میں کوئی عذر نہیں ہوسکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ سارے جہاں کا مدبّر و متصرف خدا تعالیٰ ہی ہے لیکن وہ اپنے بعض بندوں کو بعض مخصوص علاقوں میں تصرف کرنے کا اختیار عطا فرما دیتا ہے (ویجعلہ مؤثرا متصرفا فی قسط من العالم۔ بدور بازغہ ص۱۲۳) پھر آگے لکھتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین کا یہی عقیدہ تھا۔

والغلاۃ من منافقی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی یومنا ھذا (بدور بازغہ ص۱۲۴)	اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کا نام لینے والے انتہائی درجہ کے منافقوں کا بھی آج کل یہی عقیدہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جملہ مشرکین غیر اللہ سے استعانت کرتے تھے مگر ان کو مستقل سمجھ کر استعانت نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ان کو عونِ الٰہی اور امداد الٰہی کا مظہر سمجھ کر استعانت کرتے تھے اور یہی شرک کی حقیقت ہے۔ کیوں کہ دنیا میں کسی مشرک نے غیر اللہ کو حقیقی مستعان کبھی نہیں سمجھا بایں طور پر کہ اس کو واجب الوجود

تسلیم کیا ہو، اور قدرت وطاقت کا باستقلال منبع اس کو یقین کیا ہو بلکہ مشرکین عطائی اختیارات کے تحت ہی ان سے استعانت کرتے تھے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہی فرماتے ہیں کہ :-

والشرك ان يثبت لغير الله سبحانه	شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے
وتعالى شيئاً من صفاته المختصة	لیے اُن صفات میں سے کوئی چیز ثابت کی جائے
كالتصرف فى العالم بالارادة	جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں مثلاً جہان میں
الذى يعبر عنه بكن فيكون او	اس ارادہ سے تصرف کرنا جس کو کن فیکون سے تعبیر کیا
العلم الذاتى من غير اكتساب	جاتا ہے یا علم ذاتی ثابت کیا جائے جو بغیر حواس
بالحواس ودليل العقل و المنام	اور عقلی دلیل اور خواب اور الہام وغیرہ کے ثابت
والالهام ونحو ذالك او الايجاد	ہو یا بیمار کے مرض کو دُور کرنے کی صفت ثابت
لشفاء المريض او اللعن لشخص	کی جائے یا کسی شخص پر ایسی پھٹکار اور ناراضگی ڈال
والسخط عليه حتى يقدر عليه	جائے کہ اُس کی وجہ سے اس پر رزق تنگ ہو
الرزق او يمرض او يشقى لذالك	جائے یا کسی شخص پر رحمت کی جائے جس کی بنا
السخط او الرحمة لشخص حتىٰ	پر اس پر رزق کی وسعت ہو اور اس کا بدن
يبسط له الرزق ويصح بدنه	صحیح ہو جائے، اور وہ سعادت مند ہو جائے
ويسعد ولم يكن المشركون	مشرک لوگ کسی کو خدا تعالیٰ کے ساتھ اجسام و
يشركون احداً فى خلق الجواهر	جواہر کے پیدا کرنے اور بڑے بڑے کاموں
وتدبير الامور العظام ولا يثبتون	کی تدبیر کرنے میں شریک نہیں ٹھہراتے تھے
لاحد قدرة على الممانعة اذا ابرم	اور کسی کے لیے یہ قدرت ثابت نہیں کرتے
الله سبحانه وتعالى امراً وانما	تھے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کر
كان اشراكهم فى الامور الخاصة	چکتا ہے تو وہ اس کو ٹال سکتے ہیں، ان کا
ببعض العباد وكانوا يظنون ان	شرک یہ تھا کہ بعض بندوں کے بارے میں

الملك على الإطلاق جل مجده شرّف
بعض العباد بخلعة الألوهية
ويؤثر رضاهم وسخطهم على
سائر العباد كما أن ملكا من
الملوك عظيم القدر يرسل عبيده
المخصوصين إلى نواحي المملكة
ويجعلهم متصرفين في الأمور
الجزئية إلى أن يصدر عن
الملك حكم صريح فلا يتوجه
إلى تدبير الأمور الجزئية و
يفوض إليهم أمور سائر العباد
ويقبل شفاعتهم في أمور من
يخدمهم ويتوسل بهم فيقولون
بوجوب التقرب بعباد الله سبحانه
المخصوصين المذكورين ليتيسر لهم
قبول الملك المطلق وتقبل شفاعتهم
للمتقربين بهم في مجاري الأمور
وكانوا يجوزون بملاحظة هذه
الأمور أن يسجد لهم ويذبح لهم
ويحلف بهم ويستعان بهم في
الأمور الضرورية بقدرة كن
فيكون وكانوا ينحتون من الحجر

یہ خیال کرتے تھے کہ وہ کچھ مخصوص کام کر
سکتے ہیں اور اُن مشرکوں کا یہ خیال تھا کہ
علی الاطلاق بادشاہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے
لیکن وہ اپنے بعض بندوں کو حاجت روائی
کی خلعت سے مشرف کر دیتا ہے اور ان
کی رضا اور ناراضگی کو سب بندوں پر ترجیح
دیتا ہے جس طرح کہ ایک بڑی شان والا
بادشاہ اپنے مخصوص غلاموں کو اطرافِ مملکت
میں بھیجتا ہے اور اُن کو جزوی معاملات
میں تصرف کا اختیار دے دیتا ہے تا آنکہ
بادشاہ سے اس کے خلاف کوئی حکم صادر
ہو سو بادشاہ ان جزوی امور کی تدبیر کی طرف
توجہ نہیں کرتا اور ان سب لوگوں کے معاملات
ان غلاموں کے سپرد کر دیتا ہے اور ان
لوگوں کے بارے میں ان کی سفارش
قبول کرتا ہے جو ان کی خدمت میں مشغول
رہتے ہیں اور اس انداز سے ان کا توسل چاہتے
ہیں اور اسی وجہ سے مشرک لوگ اللہ تعالیٰ
کے مخصوص بندوں کے تقرب کو ضروری قرار
دیتے تھے تاکہ ان کو بادشاہ مطلق کے ہاں
آسانی سے قبولیت حاصل ہو اور ان سے
تقرب حاصل کرنے والوں کے حق میں ان

الصغر وغير ذلك صورًا يتخذونها قبلة التوجه الى تلك الارواح اھ (الفوز الكبير ص۲۳ و ص۲۴)

کے معاملات کے پورا ہونے میں ان کی سفارش قبول ہو اور انہی امور کے پیش نظر مشرک لوگ ان مخصوص بندوں کو سجدہ جائز سمجھتے تھے اور ان کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے اور ان کے ناموں کی قسم اٹھاتے تھے اور اہم معاملات میں ان سے کن فیکون کی قدرت کے تحت استعانت کرتے تھے اور مشرک لوگ پتھر اور پیتل وغیرہ کی مورتیاں بھی تراشتے تھے مگر ان کو وہ ان نیک لوگوں کے ارواح کی توجہ کا قبلہ سمجھتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے مشرکوں کے شرک کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ تقریباً ہر زمانہ اور ہر جگہ کے مشرکوں پر فٹ ہے، یہ تو ہو سکتا ہے کہ کسی مقام پر ان میں سے کوئی ایک بات اور کسی جگہ کوئی دوسری بات ہو مگر اصولی طور پر مشرک انہی برائیوں میں الجھے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان خرابیوں سے محفوظ رکھے آمین۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ (المتوفی ۱۲۳۰ھ) اپنی مختصر مگر بے حد مفید تفسیر موضح القرآن میں وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ پہلے مسلمان اور کافر میں نسبت ناتا جاری تھا۔ اس آیت سے حرام ٹھہرا۔ اگر مرد یا عورت نے شرک کیا، اس کا نکاح ٹوٹ گیا، شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے مثلاً کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے، یا وہ جو چاہے سو کر سکتا ہے، یا ہمارا بھلا یا برا کرنا اس کے اختیار میں ہے، اور یہ کہ اللہ کی تعظیم کسی اور پر خرچ کرے مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے اور اس سے حاجت طلب کرے اس کو مختار جان کر اھ (حاشیہ حمائل شریف ص۵۵ و ص۵۶) حیرانگی کی بات ہے کہ جن امور کو ذمہ دار بزرگانِ دین قرآن و سنت کی روشنی

میں بہ بانگِ دہل شرک کہتے ہیں، مولوی احمد رضا خان صاحب اور مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے اتباع انہی کو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر خالص ایمان اور سچا اسلام ثابت کرنے کے درپے ہیں، فوا اسفاہ۔

رہا مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ لکھنا کہ اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ کیوں وارد ہوتا، اور احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی ہے اھ تو یہ نرا دھوکہ اور مغالطہ ہے، کیونکہ صبر اور صلوٰۃ بلاشبہ غیر اللہ ہیں مگر استعانت صبر اور صلوٰۃ سے نہیں اور نہ وہ مستعان ہیں بلکہ بِالصَّبْرِ میں حرف با سببیہ ہے، اور مراد یہ ہے کہ تم صبر اور صلوٰۃ کے سبب اور ذریعہ سے استعانت کرو (کیونکہ غیر اللہ حقیقی طور پر اہل اسلام میں سے کسی کے نزدیک بھی مستعان نہیں ہیں، بخلاف باری تعالیٰ کے کہ وہ سبب نہیں بلکہ مسبب الاسباب ہے) یہ تو صرف ذریعہ ہیں مستعان ہرگز نہیں، مستعان کون ہے؟ وہ صرف باری تعالیٰ ہے جیسا کہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ اور اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ مولوی نعیم الدین صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کتب حدیث کے وافر ذخیرہ میں ایک بھی صحیح حدیث ایسی نہیں ہے جس میں یہ تعلیم دی گئی ہو کہ مافوق الاسباب طور پر اہل اللہ سے استعانت کرو چہ جائیکہ اس کے ثبوت میں احادیث ہوں، محض احادیث کے خوش کن لفظ سے عوام کو دھوکہ دینا خیانت علمی ہے، عالم اسباب کی استعانت کا معاملہ جدا ہے اس کی کچھ ضروری تصریح پہلے گزر چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس باطل عقیدہ کی مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے متوسلین نشر و اشاعت کرتے ہیں وہ اسلام کے سراسر خلاف ہے، اگر ہماری بات پر کسی کو یقین نہیں آتا تو ہم مجبور نہیں کرتے، بریلوی مسلک کے ایک مسلم پیر اور مشہور شخصیت کا حوالہ ہم عرض کرتے ہیں جو اپنی جماعت میں علم و تحقیق اور شرف و فضیلت میں بہت مشہور تھے، وہ بزرگ جناب پیر مہر علی شاہ صاحب

گولڑوی (المتوفی ۱۳۵۶ھ) میں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبولوں کو اتنی طاقت بخشی ہے کہ جس امر کی طرف دل سے متوجہ ہو جائیں اللہ تعالیٰ وہ کام کر دیتا ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں کہ جس وقت چاہیں اور جو کچھ چاہیں ہو جائے کیونکہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا ابوطالب کے واسطے یہی چاہتے تھے کہ وہ اسلام لادیں اور ظہور میں ایسا نہ آیا اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جب نبی کو کل اختیار نہیں تو ولی کو کس طرح ہو، یہ تب ہے نعوذ باللہ، نعوذ باللہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی یا ولی کو سب اختیار دے کر آپ معطل ہو بیٹھے اور یہ بالکل برخلاف عقیدۂ اسلام ہے۔ انتہیٰ بلفظہ (مکتوبات طیبات معروف بہ مہر چشتیہ از پیر مہر علی شاہ صاحب ص۱۲۷ مطبوعہ حجازی پریس لاہور) اس حوالہ کو بار بار پڑھیئے اور مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے ہم مشرب دوستوں کے باطل عقیدہ کو بھی دیکھیئے۔ اور یہی پیر صاحب ایک برہمن نجومی کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہماری شریعت نے ایسے امور کو اسی وجہ سے فضول کہا ہے کہ نہ حصول خیر کسی کے ہاتھ میں ہے، نہ دفع ضرر کسی کے اختیار میں جو کچھ ہے خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ پس معاوت اور اس کے خلاف کے جاننے سے کیا فائدہ ہے الخ (مقالات مرضیہ المعروف بہ ملفوظات مہریہ ص۱۳۷ طبع نور آرٹ پریس راولپنڈی)

اور نیز مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ لکھنا کہ کیونکہ مقربان حق کی امداد امداد الٰہی ہے استعانت بالغیر نہیں الخ سراسر مردود ہے کیونکہ جب ان مقربان حق کا وجود پروردگار کے وجود کے غیر ہے، اور وہ غیر اللہ ہیں تو یہ استعانت بالغیر کیوں نہیں؟ ہاں یہ کہ عیسائیوں کی طرح معاذ اللہ ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں گڈمڈ کر دیا جائے اور اثنینیت ختم کر دی تو معاملہ الگ ہے، غرضیکہ مافوق الاسباب طریقہ سے استعانت جو خاصۂ خداوندی ہے جس سے بھی ہوگی شرک ہی ہوگی، اس میں رتی بھر شبہ نہیں ہے۔

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر گلدستہ توحید میں لکھتے ہیں :

فریق مخالف اور احادیث

اس مقام پر زیادہ تفصیل ترتیب کی جائے گی کیونکہ تنقید برالبرزوا اور ازالۃ الریب میں اس کی پوری تشریح کردی گئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اثباتِ عقیدہ کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے یعنی قرآن کریم اور احادیثِ متواترہ لیکن آپ یقین جانئے کہ غیر اللہ کو طریق سابق سے پکارنے پر نہ تو کوئی قرآن کریم کی آیت موجود ہے اور نہ ہی خبر متواتر۔ اور خبر واحد کا قرآن کریم کی سابقہ پیش کردہ آیات کے مقابلہ میں پیش کرنا، اصولِ موضوعہ کے خلاف ہی نہیں بلکہ مولوی احمد رضا خان صاحب قائد فریقِ مخالف۔ کے نزدیک ہرزہ بافی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"عموم آیاتِ قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبارِ احاد سے استناد محض ہرزہ بافی ہے"۔ (الفیوض الملکیہ ص ۱۵۲ وانباء المصطفیٰ ص ۲ واللفظ لہ)

حضرت اخان صاحب کو چاہیئے تھا کہ وہ مصیبت میں غیر اللہ کو پکارنے پر نصِ قرآنی پیش کرتے، اور حدیثِ متواتر کو اس پر دلیل لاتے۔ مگر افسوس کہ خانصاحب اس سے بالکل عاجز ہے اور جو حدیثیں انہوں نے نداء غیر اللہ پر پیش کی ہیں، وہ ضعیف اور موقوف ہیں اور ضعیف ہونے کے ساتھ ان کا مطلب بھی خان صاحب کو چنداں مفید نہیں، اور دوسرے لوگوں نے جو حدیثیں اس پر پیش کی ہیں وہ بھی ضعیف اور کمزور ہیں مثلاً بعض حدیثیں یہ ہیں :۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا پاؤں ایک دفعہ سو گیا، کسی نے کہا کہ :۔

اذکر احب الناس الیک فقال یا محمداہ (ابن سنی ص ۹۵ والادب المفرد)

انہیں یاد کیجئے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں تو حضرت ابن عمرؓ نے کہا یا محمداہ۔

لہ یہ کتب ناظم کتب خانہ اسلامیہ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ سے مل سکتی ہیں۔

ص۲۹۲، کتاب الاذکار ص۱۳۵ و شرح شفاء لعلی القاری ج۲ ص۴۲ و شرح شفاء للخفاجی ۳ ص۲۹۶)

جوابِ اوّل :- یہ حدیث موقوف ہے، مرفوع نہیں اور پھر ہے بھی ضعیف۔ اس کی کوئی سند بھی جرح سے خالی نہیں۔ چنانچہ اس کی ایک سند میں ابوشعبہ نام راوی ہے۔ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں، متروک ہے۔ (میزان ۳ ص۲۶۴ و لسان ۶ ص۲۹۴)

دوسری سند میں محمد بن مصعب ہے۔ امام نسائیؒ کہتے تھے، ضعیف ہے۔ امام ابوحاتمؒ کہتے تھے، اس کی حدیث ضعیف ہے۔ علامہ خطیبؒ کہتے ہیں، کثرت سے غلطیاں کرتا تھا۔ عبداللہؒ بن سیارؒ فرماتے ہیں، ضعیف تھا۔ ابواحمد الحاکمؒ فرماتے ہیں کہ محدثینؒ کے نزدیک ضعیف تھا۔ امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں، اس سے احتجاج صحیح نہیں۔ (تہذیب ۹ ص۴۵۹ و میزان ۳ ص۱۲۷)

تیسری سند میں زہیرؒ بن معاویہؒ عن ابی اسحاقؒ الخ ہے۔ زہیرؒ اگرچہ ثقہ تھے۔ لیکن محدثینؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ ان کی وہ حدیث جو ابواسحاقؒ کے طریق سے ہوگی وہ ضعیف ہے۔ چنانچہ حافظ ابنِ حجرؒ نے تقریب ص۱۳۰ میں اور علامہ ذہبیؒ نے میزان ۱ ص۳۵۵ میں اور امام ابوحاتمؒ نے (بحوالہ تہذیب ۳ ص۳۵۲) اس کی تصریح کی ہے۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ہوتی تب بھی یہ خبرِ واحد ہے حالانکہ سند میں بعض راویوں کا حال بھی آپ نے دیکھ لیا لہٰذا عقائد میں اُن کی روایت کیسے حجت ہوسکتی ہے؟

یہ مولوی محمد عمر صاحب ہی کا کمال ہے کہ یوں لکھتے ہیں :-

(۱) عبداللہؓ بن عمرؓ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتِ مصیبت یا محمداہ یعنی متصرف فی الامور سمجھ کر غائبانہ اپنی حاجت میں پکارنا۔

(۲) یا حرف ندا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھنا الخ (مقیاس ص۲۹۶)

جوابِ دوم :- یہ حدیث موقوف اور ضعیف ہونے کے ساتھ فریقِ مخالف کو چنداں مفید بھی نہیں۔ کیونکہ اس میں اذکر کا لفظ ہے ادع کا نہیں، اور حرفِ ندا

قریب اور بعید دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ (شرح مائۃ عامل ص۲۴) وغیرہ۔

اور اشتیاقاً حرف یا سے کسی کا ذکر کرنا جب کہ اس کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب۔ اور متصرف فی الامور نہ سمجھے، صحیح ہے۔ اور اکثر حضرات صوفیاء کرام اور بزرگان دین سے اس معنیٰ میں یارسول اللہ مروی ہے۔ چنانچہ فریق مخالف کے محقق اور مستم عالم مولوی عبد السمیع صاحب نے اس پر با دلائل بحث کی ہے کہ سلف صالحین یارسول اللہ وغیرہ کے الفاظ سے محض غلبۂ اشتیاق مراد لیتے تھے نہ کہ حاضر و ناظر وغیرہ (ملاحظہ ہو انوار ساطعہ از ص۲۲۰ تا ص۲۲۱ پر پورے مفصل حوالے پہلے بیان ہو چکے ہیں) لیکن اگر کوئی شخص خان صاحب کی طرح یہ شق ہی متعین کر دے کہ میں تو مدد کے لیے پکارتا ہوں تو البتہ ناجائز ہو گا۔

خانصاحب فرماتے ہیں ؎

بیٹھتے، اُٹھتے مدد کے واسطے یارسول اللہ کہا، پھر تجھ کو کیا؟

(حدائق بخشش ۲ ص۵)

اور اس کے ناجائز ہونے پر سابقہ آیات و دلائل ہی کافی ہیں۔

(۲) ایک روایت یہ پیش کی جاتی ہے کہ حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ کا پاؤں سو گیا اور انہوں نے یا محمداہ کہا۔ (کتاب الاذکار وغیرہ)

جواب:۔ اس کی سند میں غیاث بن ابراہیم ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں، متروک ہے۔ امام یحییٰؒ کہتے تھے، ثقہ نہ تھا۔ جوزجانیؒ کہتے ہیں کہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں، متروک ہے۔ (میزان ۲ ص۳۲۳)

(۳) حضرت عبد اللہؓ بن مسعود سے ایک حدیث آتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص جنگل میں سفر کر رہا ہو اور تمہاری سواری کا جانور ہاتھ سے نکل جائے تو اس کو یہ کہنا چاہیئے۔

یاعباد اللہ اعینونی (و فی روایۃ)۔ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔

یاعباد اللہ احبسوا فان للہ فی الارض اے اللہ کے بندو بس کر رو کو

حاضرٌ (وفی روایۃ عباداً) یَحْبِسُہٗ۔ کیونکہ وہاں کچھ ایسے لوگ حاضر ہوتے ہیں جو اس کو روک لیں گے۔

(مجمع الزوائد ۱۰ ص۱۳۲ و ابن سنی ص۱۶۲ و حصن حصین ص۱۹۶ و کتاب الاذکار ص۲۰۱)

جواب اوّل:۔ یہ روایت ایک سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کی سند میں معروف بن حسان ہے۔ علامہ ہیثمیؒ لکھتے ہیں کہ ضعیف ہے (مجمع الزوائد ۱۰ ص۱۳۲) امام ابن عدیؒ کہتے ہیں منکر الحدیث ہے (میزان ۳ صفحہ ۱۸۲) امام ابو حاتمؒ کہتے تھے مجہول ہے۔ (لسان المیزان ۶ ص۶۱)

دوسری سند حضرت عتبہؓ بن غزوان تک پہنچتی ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن اس سند میں حسب تصریح علامہ ہیثمی رح علیٰ ضعف فی بعضھم۔ بعض راوی ضعیف اور کمزور ہیں اور دوسری خرابی یہ ہے کہ زید بن علی راوی کی حضرت عتبہؓ سے ملاقات ثابت نہیں۔ اور نہ اس نے ان کو دیکھا ہے اور نہ ان کا زمانہ پایا ہے۔ لہٰذا یہ روایت حضرات محدثینؒ کی اصطلاح میں منقطع ہے جو ضعیف ہوتی ہے۔ (مجمع الزوائد ۱۰ ص۱۳۲)

جواب دوم:۔ اگر ضعیف ہونے کے ساتھ اس حدیث کے الفاظ پر طائرانہ نگاہ بھی ڈالی جائے تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ لفظ بھی ہیں کہ وہاں کچھ خدا تعالیٰ کے بندے حاضر ہوتے ہیں۔ وہ کون ہیں؟ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے جنگلات میں بستے ہیں۔ جب تمہیں کوئی رکاوٹ پیدا ہو، تو یہ کہا کرو اعینوا عباد اللہ۔ (مجمع الزوائد ۱۰ ص۱۳۲، وقال رجالہ ثقات)

تو اس روایت سے مافوق الاسباب مدد طلب کرنا ثابت نہ ہوا۔ بلکہ وہاں جو فرشتے موجود ہیں۔ ان سے مدد طلب کی گئی ہے۔

میزان الحق

یعنی

دیوبندی، بریلوی اختلاف کا شرعی فیصلہ

مکمّل تین حصّے

اس کتاب میں مسئلہ علمِ غیب، حاضر و ناظر، مختارِ کل، نور و بشر، یا رسول اللہ کہنا، غیر اللہ سے مدد مانگنا۔ بدعت کے لغوی و شرعی معنی اور اقسام اور موجودہ دَور میں پائی جانے والی تمام بدعات پر تبصرہ، علمائے دیوبند پر کیے گئے تمام اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں اور بریلویوں کے پچاس عقیدے بھی آخر میں نقل کیے گئے ہیں۔

مُرتّب:

پیر جی سیّد مشتاق علی شاہ

ناشر: مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ پاکستان

۲

فہرست مضامین



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

لفظ بدعت کے لغوی معنی

لفظ بدعت بدع سے نکلا ہے۔ بدع کے معنی نئی ایجاد کے ہیں اور بدعت کے معنی ہر نئی چیز کے ہیں خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو خواہ معاملات سے ۔۔۔ لغت کے مشہور امام علامہ ابو الفتح ناصر بن سید المطرزی الحنفی (۶۱۲ھ) بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں :-

بدعت ابتداع کا اسم ہے جس کا معنی یہ ہے کہ کوئی نئی چیز ایجاد کی جائے جیسے رفعت ارتفاع کا اسم ہے اور خلفت اختلاف کا اسم ہے۔

یہ اس کے لغوی معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو نئے سرے سے پیدا فرمایا یہ پہلے نہ تھے۔ بدیع السموات والارض (پ الانعام) میں یہی لغوی معنی مراد ہے۔ امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی (۶۷۶ھ) بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں :-

قال اهل اللغة هي كل شيء عمل على غير مثال سابق۔[1]

ترجمہ۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ (بدعت) ہر وہ چیز ہے جو کسی سابق نمونے کے بغیر عمل میں لائی گئی ہے۔

پھر اہل اسلام کے عام محاورے میں بدعت کا لفظ ایسی چیز پر غالب آگیا جس سے دین میں زیادتی یا کمی کی جائے۔[2]

لغت کی دوسری کتاب قاموس میں ہے :-

بدعت ایسی نئی چیز کو کہتے ہیں جو دین کے پورا ہو جانے کی بعد ایجاد کی گئی ہو اور وہ نبی کی خواہش اور اعمال کے مطابق نہ کی جائے۔[3]

یہ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما گئے کہ میرے دین میں کسی قسم کی زیادتی نہ کرنا۔

---

[1] نووی شرح مسلم جلد ا صفحہ ۲۸۵ [2] مغرب جلد ا صفحہ ۳ [3] قاموس جلد ۲ صفحہ ۴

بدعت اصطلاحِ شریعت میں

اصطلاحِ شریعت میں بدعت کے معنی ثواب کی نیت سے کیا جانے والا وہ کام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صحابہ کرامؓ نے نہ کیا ہو نہ قولاً نہ عملاً حتیٰ کہ اشارۃً بھی اس کا ثبوت نہ ہو جیسا کہ علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) نے الاعتصام میں بیان فرمایا ہے۔

شارح بخاری علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:-

والبدعة فی الاصل احداث امر لم یکن فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

ترجمہ: بدعت اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی۔

ملحوظ رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مراد صحابہ کرامؓ کا زمانہ ہے قرون مشہود لہا بالخیر کے یہ اکابر اسلام مراد ہیں۔

بریلوی مسلک کے مشہور عالم مولانا محمد صالح صاحب لکھتے ہیں:-

اصطلاحِ شریعت میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جو امورِ دینیہ سے سمجھی جائے مگر کسی دلیلِ شرعی سے اس کا ثبوت نہ ملتا ہو نہ کتاب سے نہ احادیث سے نہ اجماعِ مجتہدین سے نہ قیاسِ شرعی سے۔[2]

ان حوالہ جات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر ایسا نیا عمل جس کا خیر القرون میں کوئی وجود نہ ہو اور اُسے دین کا جزء بنالیا جائے اور اس پر نیکی و ثواب کا فتوےٰ لگا دیا جائے تو شرعی اصطلاح میں اس کا نام بدعت ہوگا۔

ایسے اعمال کی نہ شریعت میں کوئی دلیل ہوتی ہے، اور نہ کتاب وسنت میں ان کی کوئی نظیر۔

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۵ صفحہ ۳۵۶ مرقات جلد ۱ صفحہ ۱۷۱ [2] تحفۃ الاحباب صفحہ ۹۵ از المنہاج الواضح صفحہ ۹۰

چند شبہات کا اصولی جواب

اہل بدعت جب بدعات کی حمایت میں کھڑے ہوتے ہیں تو مغالطہ دینے کی خاطر شکوک و شبہات سے اپنے عمل بدعت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں مثلاً ان کا کہنا ہے کہ لائٹ، پنکھا، موٹر، کوٹ، شلوار، ریل گاڑی، ہوائی جہاز، قواعدِ عربیہ کا پڑھانا، دینی مقاصد کے لیے مدارس و مکاتب کا انتظام، دینی رسائل کا اجراء کیا یہ سب نئے امور نہیں؟ کیا گھڑی باندھنا بدعت ہے؟ اہل بدعت ان انتظامی امور کو شرعی امور پر قیاس کرتے ہیں یا ذرائع کو مسائل کے حکم میں شمار کرتے ہیں۔ ہم یہاں ان کے اس قسم کے شبہات کا اصولی جواب دیتے ہیں۔ تراویح وغیرہ جیسے جزئی مسائل کا جواب ہم آگے دیں گے۔

جواب

① یاد رکھیے کہ بدعت کی جو تعریف مذکور ہوئی اس میں اس کا پتہ چل گیا کہ جو قول و عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کیا جائے اور اُسے آپ کی تعلیم سمجھ کر عمل میں لایا جائے مگر درحقیقت نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ سے منقول ہو ایسے سب اعمال بدعات شمار ہوں گے۔

لائٹ، موٹر، پنکھا اور عینک وغیرہ وغیرہ کا تعلق ضروریاتِ زندگی سے ہے عہدِ صحابہؓ سے نہیں۔ ضروریاتِ زندگی دُنیوی اُمور ہیں۔ اُن میں سے کسی کا بدعت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سارے کام سنت سمجھ کر عمل میں نہیں لائے جاتے اور نہ ہی اس کے منکر کو گستاخ اور مردود کا فتوے نصیب ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے استعمال کو بدعت نہیں کہا جاتا اور نہ یہ اُمور مذموم اور حرام ہوں گے۔ جناب احمد رضا خاں صاحب کے ممدوح مولانا عبد السمیع رامپوری انوارِ ساطعہ میں بشرح جواہر توحید سے نقل کرتے ہیں :۔

وہ لوگ جاہل ہیں جو ہر اس چیز کو جو حضرات صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں نہ تھی بدعت مذمومہ قرار دیتے ہیں اگرچہ اس کی قبح پر کوئی دلیل قائم نہ ہوسکی ہو اور وہ جاہل یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :۔ ایاکم و

و محدثات الامور » وہ جاہل یہ نہیں جانتے کہ محدثات الامور کا معنی یہ ہے کہ دین میں ایسی چیز ایجاد کی جائے جو اس میں نہ ہو۔[1]

خود مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

رہا اس کا بدعت ہونا یہ کچھ باعث ضرر نہیں کہ یہ بدعت کھانے پینے میں ہے نہ امورِ دین میں۔ تو اس کی حرمت ثابت کرنا ایک دشوار کام ہے۔[2]

مولانا احمد رضا خاں نے بات تو صحیح کہی تھی لیکن ان کے پیروؤں نے اس کا بہت غلط سبق لے لیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کھانے پینے کے لیے بدعات اختیار کرنے کی اعلیحضرت نے اجازت دی ہے۔ اعلیحضرت نے اپنی وفات سے دو گھنٹہ سترہ منٹ پہلے خود بھی لذیذ کھانوں کی ایک نئی فہرست مرتب فرمائی تھی۔

یہ صحیح ہے کہ اعلیحضرت نے اس نازک وقت میں جلدی جلدی یہ فہرست مرتب فرمائی لیکن اس سے آپ کا مقصد کوئی مسئلہ بنانا نہیں تھا صرف ان چیزوں کا منگوانا تھا۔ آپ نے نہیں کہا تھا کہ یہ کوئی مسئلہ ہے یا یہ کوئی دین کی بات ہے صرف یہ کہا تھا کہ یہ چیزیں مجھے بھیج دیا کریں۔

(۲) جہاں تک دینی مدارس و مکاتب کے انتظام و انصرام کا تعلق ہے اس کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے ارشادات سے ملتا ہے اور تعلیم دین کے لیے تاکید وارد ہے اسی طرح رسائل و جرائد کے ذریعہ دین کی تعلیم و تبلیغ بھی حضورؐ کے خطوط اور صحابہ کرامؓ کی تحریرات سے ثابت ہے اور یہ سب انتظامی امور ہیں سو یہ تعلیم و تبلیغ؛ یہ تو محمود اور منشاء اسلام ہے اس کو نہ کسی نے بدعت قرار دیا اور نہ کبھی ان پر بدعت کا فتویٰ لگا کر اسے روکا گیا ہے اسے ہمیشہ ذرائع میں سے سمجھا گیا ہے مسائل میں سے نہیں۔

(۳) اسی طرح صرف و نحو کی تعلیم ہے اور قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے علوم و قواعد عربیہ کی تعلیم کا دینا اس کی اصل بھی موجود ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اس کی تعلیم و ترغیب دے کر حضرت

---

[1] ماخوذ از المنہاج الواضح ص۸۲ [2] احکام شریعت حصہ سوم ص۱۲۸

ابوالاسود دئلی کو اس کے سیکھنے کا امر فرمایا تھا۔[1]

ظاہر بات ہے کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ تو عربی تھے۔ عربی زبان سے واقف تھے۔ نہ تو وہاں ابتدائی کلاسوں کی ضرورت تھی نہ صحابہ کرامؓ کو قواعدِ عربی سکھائے جاتے تھے۔ صحابہ کرامؓ تو مخزنِ علم اور سرچشمۂ ہدایت صلی اللہ علیہ وسلم سے درس لیا کرتے تھے اور ان کے سینے اللہ نے اتنے کشادہ ہو چکے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا صحیح مفہوم و مطلب اُن کے ذہن نشین ہو جایا کرتا تھا۔

اُن کے ادوارِ مبارکہ کے بعد اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ قواعدِ عربی کی تعلیم دی جائے تاکہ قرآن کریم بازیچۂ اطفال نہ بن جائے اور اس پر زبر۔ زیر۔ پیش بھی اس دور میں لگائے گئے۔ تاکہ غیر عربی حضرات بھی قرآن کریم کی صحیح تلاوت کر سکیں۔ صرف و نحو بھی پڑھائی جائے۔ تاکہ قرآن و حدیث کو سمجھنا آسان ہو۔ اس لحاظ سے نہ تو کسی نے ان امور کو بدعت کہا ہے اور نہ ہی ایسا کرنے والے کو بدعتی کہا ہے۔ یہ سب دین تک پہنچنے کے ذرائع تھے۔ انہیں کسی درجے میں مقصود بالذات نہیں ٹھہرایا گیا۔ بل بدعت کا انہیں عین دین بنانا کسی طرح درست نہیں۔

(۴) جہاں تک خلفائے راشدینؓ کے دورِ مبارک کا تعلق ہے۔ ان حضراتِ گرامی کے اقوال و افعال تو از روئے حدیث سنت ہی ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت واضح لفظوں میں اس کی طرف ارشاد فرمایا:۔

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين۔[2]

ترجمہ: تم پر میری اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو پکڑنا لازم ہے۔

علامہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:۔

والسنة هي الطريق المسلوك فيشمل ذلك التمسك بما كان عليه هو وخلفآئه الراشدون من الاعتقادات والاعمال والاقوال وهذه

---

[1] دیکھئے البدایہ جلد ۸ صد ۳۱۲ والاقتراح للسیوطی صد ۲ منقول از المنهاج الواضح صد ۲۷ [2] مشکوٰۃ ترمذی جلد ۲ صد ۹۲

هی السنة الکاملة۔[1]

ترجمہ: سنت اس راہ کا نام ہے جس پہ چلا جائے اور یہ اس راہ کا مسلک ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدینؓ عامل رہے قطع نظر اس سے کہ وہ اعتقادات ہوں یا اقوال و اعمال۔ اور یہی سنت کاملہ ہے۔

حضرت علامہ تورپشتیؒ (ھ) لکھتے ہیں ۔-

واما ذکر سنتهم فی مقابلة سنته لانه علم انه لا یخطئون فیما یستخرجونه ویستنبطونه من سنته بالاجتهاد ولانه عرف ان بعض سنته لا یشتهر الا فی زمانهم فاضاف الیهم لسان من ذهب الارد تلك السنة مخطئ فاطلق القول باتباع سنتهم سد اللباب۔[2]

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے طریقہ کو بھی سنت سے تعبیر فرمایا یہ اس لیے کہ آپ جانتے تھے کہ میرے خلفاء جو استخراج و استنباط کریں گے اس میں خطا نہیں کریں گے یا پھر اس لیے اُن کے طریقے کو سنت فرمایا کہ آپ کی بعض سنتیں خلفاء راشدینؓ کے دور میں مشتہر ہونے والی تھیں ... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے ان تمام اعتراضات کو رد کر دیا اور ان کے پورا سد باب فرما دیا۔

سیدنا ملا علی القاری الحنفیؒ (۱۰۱۴ھ) بھی لکھتے ہیں :-

فانهم لم یعملوا الا بسنتی فالاضافة الیهم اما بعملهم بها او لاستنباطهم واختیارهم ایاها۔[3]

ترجمہ: یہ اس لیے کہ حضرات خلفائے راشدینؓ نے درحقیقت آپ کی سنت پر عمل کیا ہے اور ان کی طرف سنت کی نسبت یا تو اس لیے ہوئی کہ انہوں نے اس پر عمل

---

[1] جامع العلوم والحکم ص۲۳۰ [2] الفتوحات الوہبیہ ص۱۹۸ [3] مرقات جلد ۱ ص۲۳۰

کیا یا اس لیے کہ انہوں نے خود قیاس و استنباط سے کام لے کر اس کو اختیار کیا؟

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیاس و استنباط سے جو بات دریافت ہو وہ اصل کی طرف منسوب ہوتی ہے بدعت نہیں کہلاتی۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

پس ہرچہ خلفاء راشدینؓ بداں حکم کردہ باشند اگرچہ باجتہاد وقیاس ایشاں بود موافق سنت و اطلاق بدعت برآں نتواں کرد چنانکہ فرقہ زائغہ کنند[1]

ترجمہ: جس چیز کے بارے میں خلفائے راشدینؓ نے حکم دیا ہے اگرچہ وہ حکم ان کے قیاس و اجتہاد سے صادر ہوا ہو۔ وہ بھی سنت کے موافق ہے اور اس پر بدعت کا اطلاق ہرگز صحیح نہیں جیسا کہ گمراہ فرقہ کرتا ہے۔

مشہور اہل حدیث بزرگ نواب صدیق حسن خاںؒ (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:۔

اما ما سنہ الخلفاء الراشدون من بعد فالاخذ بہ لیس الا لامرہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاخذ بہ[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو چیز خلفاء راشدینؓ میں مسنون ٹھہرائی ہے اس کو محض اس لیے اخذ کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اخذ کرنے کا حکم دیا ہے۔

عجب بات ہے کہ ان حضرات گرامی قدر کے افعال تو سنت قرار پائیں، اور اہل بدعت ان کے اقوال و اعمال کو بدعت کا نام دے کر ان سے اپنی خواہشات کی ترویج کریں اور ان سے بدعات کا جواز چاہیں۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کے نزدیک بھی ان حضرات گرامی کے افعال سنت ہوا کرتے تھے آپؓ شراب نوشی کی سزا کے سلسلے میں فرماتے ہیں:۔

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ [2] الدین الخالص جلد ۱ صفحہ ۲۳۵

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین وابو بکرؓ اربعین وعمرؓ ثمانین و
کل سنۃ۔[1]

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ نے شرابی کو چالیس کوڑے کی
سزا دی۔ اور حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے کی اور دونوں عمل سنت ہیں۔
امام حاکمؒ نے اپنی مسند کے ساتھ حضرت عثمانؓ کا بھی ذکر فرمایا ہے:۔
واتمہا عثمان ثمانین وکل سنۃ۔[2]
ترجمہ پھر حضرت عثمانؓ نے بھی اسی کوڑے پورے کئے اور یہ سب سنت ہیں۔
نہایت افسوس کی بات ہے کہ اہل بدعت صحابہ کرامؓ کو بھی بدعتی کہنے سے نہیں ڈرتے
فالی اللہ المشتکی۔ اور یہ محض اس لیے کہ اپنی بدعات کو فروغ دے سکیں۔

نوٹ

سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کا ارشاد بتلا رہا ہے کہ آپ حضرت شیخینؓ کے آثار کو نہایت
عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کے اس عمل کو سنت اور امر حق کہتے تھے۔ اس سے
شیعہ فرقہ کے اس عقیدے کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے معاند
و مخالف تھے۔ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) اس ارشاد کی شرح میں لکھتے ہیں:۔
ھٰذا دلیل ان علیاً کان معظماً لآثار عمرؓ وان حکمہ وقولہ سنۃ و
امرہ حق وکذالک ابو بکرؓ خلاف ما یکذب بہ الشیعۃ علیہ۔[3]
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سیدنا مجدد الف ثانیؒ کا ایک ارشاد نقل کر دیا جائے
جس سے ان تمام شبہات کا ازالہ ہو جائے گا۔ آپ میر محمد نعمان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے
لکھتے ہیں:۔

---

[1] مسلم جلد ۲ ص۷۲، ابو داؤد جلد ۲ ص۲۶۱، ابن ماجہ ص۱۸۸ [2] معرفۃ علوم الحدیث ص۱۸۱ [3] نووی شرح مسلم جلد ۲ ص۷۲

آپ نے پوچھا یہ حضرت ذکر بالجہر سے کیوں منع کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ باوجودیکہ یہ لطف و ذوق بخشتا ہے اور کیوں دوسری چیزوں سے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھیں ان سے منع نہیں کرتے مثلاً کوٹ شال اور شلوار وغیرہ۔ حضرت مجدد صاحبؒ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اے میرے مخدوم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دو طرح پہ ہے ایک عبادت کے طور پر اور دوسرا عرف وعادت کے طور پر۔ آپ کا وہ کام جو عبادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کام کو ہم بدترین بدعات میں سے شمار کرتے ہیں اور اس کے رد کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں بدعت پیدا کرنا ہے اور ایسا کام مردود ہے اور وہ عمل جو عرف وعادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کو ہم بدعت نہیں سمجھتے نہ اس کے رد کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں۔ اس کا ہونا یا نہ ہونا عرف وعادت پر مبنی ہے نہ کہ دین و مذہب پر ــــ ظاہر ہے کہ بعض شہروں کا عرف بعض شہروں کے خلاف ہے اور ایسے ہی ایک شہر میں زمانوں کے تفاوت کے اعتبار سے عرف میں تفاوت ظاہر ہے۔ اس بات کے باوجود بھی اگر عادی سنت کو مدنظر رکھیں تو بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔[ك]

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اس قول پر غور کیجئے اور اہل بدعت کے اس طرح کے مغالطوں کا بھی اندازہ لگائیے۔

ہر بدعت گمراہی ہے

حضرت عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت

[ك] مکتوبات دفتر اول حصہ دوم صـ۸۵ اردو ترجمہ

ہی بلیغ وعظ فرمایا کہ جس سے لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے اور دل ڈر گئے۔ حاضرین نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج کا وعظ تو ایسا ہے جیسے آخری وصیت ہوتی ہے آپ ہمیں بتلائیں کہ ہم آئندہ کس طرح زندگی گزاریں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نصائح فرمائے۔ اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا:۔

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفآء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔[1]

ترجمہ: تم میری سنت اور میرے خلفاء راشدین مہدیینؓ کی سنت کو لازم پکڑنا، اور اس کو مضبوط تھامنا اور دین میں نئی نئی ایجادات سے بچنا کیونکہ دین میں ہر نئی ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی امر میں جب اختلاف واقع ہوجائے تو سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا یا نہیں؟ اس کا حکم دیا یا نہیں؟ داعیہ کی موجودگی کے باوجود وہ کام سرانجام پایا یا نہیں؟ اگر خیر القرون سے اس کی اصل ثابت ہوجائے تو ارشاد مبارک ہے کہ اس کو مضبوطی سے تھام لینا اس کے مطابق عمل کرنا۔ اگر وہاں سے کوئی چیز نہ ملے اور لوگ اسی کو دین کا جزو بنا کر اس پر اصرار کرتے ہیں تو ارشاد مبارک یہ ہے کہ اس سے بچو۔ اس لیے کہ یہ نیا کام ہے اور دین میں ہر نیا کام بدعت کہلاتا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔

کل محدثۃ بدعۃ وکلّ بدعۃ ضلالۃ وکلّ ضلالۃ فی النّار۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اپنے خطبہ میں

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲ [2] نسائی شریف، مرقاۃ جلد ا صفحہ ۲۱۷

فرمایا کرتے تھے :-

وعمدث لکم فکل محدثۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔[1]

ترجمہ: عبادت کی نئی نئی صورت دین میں پیدا کی جائے گی اور تمہارے سامنے آئے گی لیکن یاد رکھو ہر محدث گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔

اس لیے ہمیشہ بدعات سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ تاکہ ہمارا کوئی عمل ناپسندیدہ نہ بن جائے۔

کیا کوئی بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے؟

بعض اہل بدعت اپنی بدعات کو ترویج دینے کے لیے بدعت کی قسمیں بیان کرتے ہیں کہ ایک بدعت حسنہ ہے اور ایک بدعت سیئہ۔ اور جن پر ہم عامل ہیں وہ بدعت حسنہ ہے نہ کہ سیئہ؟

جواب

اہل بدعت نے بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تقسیم سے جو اپنا مطلب اخذ کرنے کی سعی فرمائی وہ لاحاصل ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز شرعی بدعت ہو اور اس میں حسن و نورانیت ہو؟

ایں خیال است و محال است و جنوں

یاد رکھیئے بدعت میں کبھی حسن پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تو صرف سنت کی شان ہے کہ اس میں حسن ہی حسن ہے۔ نورانیت ہی نورانیت ہے۔ سیدنا مجدد الف ثانیؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

گذشتہ لوگوں میں سے بعض نے بدعت میں کچھ حسن دیکھا ہوگا تو بدعت کی بعض قسموں کو انہوں نے اچھا سمجھا لیکن فقیر کو اس مسئلہ میں اُن سے اتفاق نہیں

---

[1] کتاب الاعتصام جلد ا ص۷۶

وہ کسی بھی بدعت کو حسنہ نہیں سمجھتا اور اس میں اس کو سوائے ظلمت و کدورت کے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کل بدعۃ ضلالۃ[۱]

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

سنت سنیہ کی پیروی کریں اور بدعت نامرضیہ سے پرہیز کریں۔ اگرچہ بدعت صبح کی سفیدی کی مانند روشن ہو لیکن درحقیقت اس میں کوئی نور و روشنی نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی بیماری کی دوا اور بیمار کی شفا ہے کیونکہ بدعت دو حال سے خالی نہیں یا سنت کو اٹھانے والی ہوگی یا سنت کو اٹھانے سے ساکت ہوگی۔ ساکت ہونے کی صورت میں بالضرور سنت پر زائد ہوگی جو درحقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی خیر اور حسن نہیں۔ ہائے افسوس انہوں نے دینِ کامل اور پسندیدہ اسلام میں جب کہ نعمت تمام ہو چکی، بدعت محدثہ کے حسن ہونے کا کس طرح حکم دیا۔ یہ نہیں جانتے کہ اکمال و اتمام اور رضا کے حاصل ہونے کے بعد دین میں کوئی نیا کام پیدا کرنا حسن سے کوسوں دور ہے۔ فما ذا بعد الحق الا الضلال (حق کے بعد صرف ضلال ہی کا درجہ رہ جاتا ہے) اگر یہ جانتے کہ دین میں محدثہ امر کو حسن کہنا دین کے کامل نہ ہونے کو مستلزم ہے اور نعمت کے ناتمام رہنے پر دلالت کرتا ہے تو ہرگز اس قسم کے حکم پر دلیری نہ کرتے[۲]

ایک اور مکتب میں فرماتے ہیں:۔

لوگوں نے کہا ہے کہ بدعت دو قسم پر ہے "حسنہ اور سیئہ" حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور خلفاء راشدینؓ کے زمانے کے بعد پیدا

---

[۱] مکتوبات دفتر دوم ص۲۶ [۲] ایضاً ص۵۴

ہوا اور وہ سنت کو رفع نہ کرے (اور بدعت سیئہ وہ ہے جو رافع سنت ہو)

یہ فقیر ان بدعات میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت نہیں دیکھتا اور

ظلمت و کدورت کے ساتھ کچھ محسوس نہیں کرتا۔ اگرچہ آج بدعتی کے عمل کو

ضعف بصارت کے باعث طراوت و تازگی کی شکل میں دیکھتے ہیں تو کل

جب نظر تیز ہوگی تو خسارہ کے احساس اور ندامت کے سوا اس کا کچھ نتیجہ نہیں

نکلے گا۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت — کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور[1]

اسی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

(دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔ تو پھر بدعت میں

حسن کے کیا معنی؟[2]

آپ کی دعا بھی یہی ہے کہ:۔

(فقیر) عاجزی اور زاری۔ التجا و محتاجی۔ ذلت و انکساری کے ساتھ پوشیدہ اور

ظاہری طور پر حق تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ جو کچھ دین میں نیا پیدا ہوا ہے اور

نیا ایجاد ہوا ہے۔ جو زمانہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدینؓ

کے زمانہ میں نہیں تھا۔ اگرچہ وہ روشنی میں صبح کی سفیدی کی مانند ہو۔ اس

ضعیف بندے کو اس گروہ کے ساتھ جس نے اس بدعت کو اختیار کیا ہے

اس نئے عمل کا گرفتار نہ کرے اور اس نئی ایجاد شدہ چیز کے حسن پہ فریفتہ نہ

کرے بحرمت سید المختار و آلہ الابرار علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔[3]

ان عبارات و ارشادات کا حاصل یہ ہے کہ بدعتِ شرعیہ میں حسن کا سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا کہ اس کو بدعتِ حسنہ کا نام دے کر بدعات کی ترویج کی جائے —— اور جہاں

---

[1] مکتوبات شریف دفتر اول ص۲۱۰ [2] ایضاً ص۲۱۱ [3] ایضاً ص۳۰۹

تک بدعت لغوی کا تعلق ہے وہ صرف الفاظ کا ہی اختلاف ہے ورنہ حقیقت میں اس کی اصل موجود ہے. جیسا کہ نماز تراویح کے بیان میں گزر چکا ہے.

الحاصل بدعت اور اہل بدعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں اس قدر بُرے ہیں کہ اس کا وبال نہ صرف یہ کہ اس پر آپڑے گا بلکہ اس بدعت پہ جتنے لوگ عمل کریں گے سب کا وبال اس کی گردن پر ہو گا. اس لیے کہ اس نے دین میں ایک ایسی چیز جاری کی جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ تھی.

دوسرے کسی بزرگ نے اگر کہیں بدعت حسنہ ذکر کی ہے تو بقول حضرت امام ربانی یہ اس وقت کی بات ہے جب روشن سنتوں کا غلبہ تھا اور بدعت کے اندھیرے ان کے نیچے دب جاتے تھے. سو بدعت حسنہ کا اندھیرا انہیں نظر نہ آیا سو وہ بزرگ اپنی جگہ معذور ہیں. مجدد کا مقام دوسرے علماء سے کہیں آگے ہوتا ہے. مجدد آکر جس غلطی کی اصلاح کرے اس سے اہل سعادت فائدہ پاتے ہیں اور اہل شقاوت اس کی مخالفت کرتے ہیں.

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۵ھ) کے کار تجدید میں سب سے نمایاں اور ممتاز بات آپ کی بدعت کے اندھیروں کے خلاف ایک دہائی ہے. بدعت حسنہ کا ابہام مدت سے چلا آرہا تھا آپ نے اس کے خلاف تجدیدی کام کیا اور اس طرح سے بیخ و بن سے اکھاڑا کہ آج اہل حق میں کوئی عمل نہیں جو بدعت حسنہ کے نام سے جاری ہو. بدعت کیا اور حسن کیا؟

ہاں کوئی بدعت صرف اس وقت تک حسنہ کہلا سکتی ہے جب تک اس کا سبب خارج میں موجود ہو. جب وہ سبب جاتا رہے تو یہ بدعت حسنہ بدعت مطلقہ ہو جائے گی اور کل بدعۃ ضلالۃ میں داخل ہوگی.

جیسے دعا میں اصل اخفاء اور اس کا آہستہ ہونا ہے. اب اگر کوئی شخص تعلیماً دعا جہراً کرے اور نیت یہ ہو کہ لوگوں کو آجائے تو یہ بدعت حسنہ ہوگی اور جب لوگ سیکھ جائیں تو پھر یہ بدعت حسنہ نہ رہے گی. بدعت حسنہ کسی مصلحت کے لیے ہوتی ہے اور اس میں دوام نہیں ہوتا.

بدعات کے سیاہ سائے

(۱) بدعتی کا کوئی نیک عمل مقبول نہیں

آنحضرتؐ کے جلیل القدر صحابی حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

لا یقبل اللہ لصاحب بدعۃ صوماً ولا صلاۃ ولا صدقۃ ولا حجاً ولا عمرۃ ولا جہاداً ولا صرفاً ولا عدلاً یخرج من الاسلام کما تخرج الشعرۃ من العجین۔[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول کرتا ہے نہ نماز، نہ صدقہ قبول کرتا ہے اور نہ حج۔ نہ عمرہ اور نہ جہاد، اور کوئی فرضی عبادت قبول کرتا ہے اور نہ نفلی۔ بدعتی اسلام سے ایسے خارج ہو جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔

اس سے بڑھ کر اور محرومی کیا ہو سکتی ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی تو اسلام کے مطابق گزارے اور نماز، روزہ، حج، صدقہ وغیرہ بھی کرتا رہے۔ لیکن بدعت کا عمل بھی ساتھ ساتھ جاری رکھے تو بدعت اس کی نیکیوں کو ایسے کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے اور وہ بیچارہ بزعم خویش اپنی عبادت کو مقبول سمجھ رہا ہے۔ مگر اس بدعت کی وجہ سے نہ تو اس کا کوئی نیک عمل مقبول ہوتا ہے۔ نہ ہی اس کی کوئی قدر وقیمت بلکہ اس بدبختی یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ یخرج من الاسلام کما تخرج الشعرۃ من العجین کہ اسلام سے ایسا خارج ہو جاتا ہے جیسے گندھے

---

[1] سنن ابن ماجہ ص۶

ہوتے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس نے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء کیا ہے کہ یہ کام بھی ہونا چاہیئے مگر پیغمبر نے نہیں تبلایا۔ نہ صحابہ کرامؓ نے یہ کہا تھا۔ (معاذ اللہ)

ہاں اگر وہ اپنی بدعت سے توبہ کرے اور بدعت کا عمل ترک کرے تو پھر قبول کیا جاتا ہے

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

ابی اللہ ان یقبل عمل صاحب بدعۃ حتٰی یدع بدعتہ[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ بدعتی کے ہر عمل کو رد کر دیتا ہے یہاں تک وہ اپنی بدعت ترک کر دے۔

(۲) بدعتی کو پناہ دینے کا انجام

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں

المدینۃ حرم ما بین عیر الیٰ ثور فمن احدث فیھا حدثاً او اوی محدثاً فعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفاً ولا عدلاً[2]

ترجمہ۔ مدینہ منورہ مقام عیر سے لے کر مقام ثور تک مقام حرم ہے سو جس نے اس میں کوئی بدعت ایجاد یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، نہ تو اس کا کوئی فرض قبول نہ نفل۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک سے پتہ چلا کہ بدعت کا انجام اس قدر خطرناک ہے کہ تمام کائنات اس پر لعنت برساتی ہے۔ اس لیے حکم ہے کہ کسی بدعتی کو پناہ بھی نہ دو۔ کیونکہ جب وہ ملعون ہے تو اس کو پناہ دینے والا بھی ملعون ہی ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک پر غور کریں کہ آپ کو بدعت اور بدعتی سے کتنی نفرت تھی؟ اس کی وجہ یہ ہی ہے

---

[1] سنن ابن ماجہ صد ۶ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صد ۱۰۸۴ صحیح مسلم جلد ۱ صد ۴۴۲

ہے کہ بدعتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ خائن سمجھتا ہے کہ آپ نے رسالت میں خیانت کی اور اس کام کو نہ بتلایا۔ (معاذ اللہ)

اس حدیث سے سبق حاصل کرنے کی بجائے علماء اہلِ بدعت اسے اپنے اس استدلال میں پیش کرتے ہیں کہ بدعت پیدا کرنا صرف مدینہ میں ممنوع ہے دوسری جگہوں پر مقامی حالات کے تحت بدعات پیدا کی جا سکتی ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر مدظلہ اس حدیث کی تشریح فرماتے ہیں:۔

اس حدیث میں حدودِ حرم کی قید محض تقبیح اور تشنیع کے لیے ہے۔ یہ قید احترازی نہیں ہے کہ حرمِ مدینہ میں تو بدعت بُری ہو اور خارج از حرم بُری نہ ہو۔ جو چیز بدعت اور بُری ہے وہ ہر جگہ اور ہر وقت بدعت اور بُری ہی ہو گی۔ ہاں البتہ شرفِ مکان یا فضیلت کی وجہ سے اس کی قباحت اور بُرائی بڑھ جائے گی۔ بدعت اور بدعتی کی مذمت کے لیے اس سے بڑھ کر اور سخت الفاظ کیا ہو سکتے ہیں جو جناب رؤف رحیم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے نکلے ہیں[1]

علامہ ابن البطالؒ بھی اسی کو ذکر فرماتے ہیں:۔

خصت المدینۃ بالذکر لشرفہا لکونہا مہبط الوحی وموطن الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ومنہا انتشر الدین فی اقطار الارض فکان لہا مزید فضل علیٰ غیرھا[2]

ترجمہ۔ مدینہ منورہ کو خاص ذکر کرنے کی وجہ اس کی شرافت و بزرگی ہے کیونکہ مدینہ منورہ مہبطِ وحی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن ہے اور یہیں سے سارے عالم میں دین پھیلا۔ اس لیے اس کو دوسرے مقامات پر فضیلت حاصل ہے۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اس جگہ کو حضورؐ اور حضرات خلفائے راشدینؓ کے مرکز ہونے

---

[1] المنہاج الواضح ص۵۰ [2] فتح الباری جلد ۲۸ ص۲۴۲

شرف حاصل ہے:۔

مدینہ منورہ کو خاص ذکر کرنے کی وجہ موطن الرسول ثم صارت موضع الخلفاء الراشدین ہے۔[1]

معلوم ہوا کہ بدعت، ہر جگہ ہی بُری اور قابلِ رد ہے لیکن مدینہ منورہ میں اس کی قباحت بڑھ جائے گی۔ جیسے کوئی شخص کسی جگہ ایک گناہ کا کام کرے اور وہی کام حرمین شریفین میں کرے تو ظاہر ہے کہ وہ کام تو ہر جگہ بُرا ہی ہے لیکن حرمین میں اس کی قباحت اور بڑھ جائے گی، اس لیے کہ وہ نہایت ہی مکرم و معظم مقامات ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے رمضان شریف میں بُرائی کرنے کا گناہ دوسرے دنوں کے گناہ سے کہیں زیادہ بھاری ہوگا۔

الحاصل بدعت اور بدعتی کا کتنا خطرناک انجام ہے۔ ملاحظہ کریں کہ ایک تو اس کا کوئی عمل قبول نہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ اللہ تعالیٰ کی، اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت اس پر ہوتی ہے۔ کیا یہ عذاب کچھ کم ہے؟

(۳) بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانا ہے

حضرت ابراہیم بن میسرہؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علیٰ ھدم الاسلام۔[2]

ترجمہ جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم و توقیر کی تو اس نے اسلام کو گرانے پر اس کی مدد کی۔

بدعتی کی تعظیم میں اس کی اعانت و مدد، اس کی خدمت سب کچھ شامل ہے معلوم ہوا کہ بدعتی کی تعظیم و تکریم کرنا اسلام کو ڈھانے میں مدد دینا ہے یا پھر سنت کو ختم کرنے میں اس کا ہاتھ بٹانا ہے۔ (معاذ اللہ) اسی طرح اس کے برعکس بدعتی کی تنقیص اور

---

[1] فتح الباری جلد ۲۸ صفحہ ۸۴ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۳۱

اس کی مذمت کرنا اسلام کو قوت پہنچانا اور دین کی تائید کرنا ہے۔ قالہ الطیبیؒ[1]

حضرت علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) اس حدیث پاک کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ووجه ذلک ظاهر لان المشی الیه والتوقیر له تعظیم له لاجل بدعته وقد علمنا ان الشرع یأمر بزجره واهانته واذلاله بما هو اشد من هذا کالضرب والقتل. فصار توقیره صدوداً عن العمل بشرع الاسلام. واقبالاً علی ما یضاده وینافیه. والاسلام لا ینهدم الا بترک العمل به والعمل بما ینافیه.

وایضاً فان توقیر صاحب البدعة مظنة لمفسدتین تعودان علی الاسلام بالهدم،

احداهما: التفات الجهال والعامه الی ذلک التوقیر فیعتقدون فی المبتدع انه افضل الناس وان ما هو علیه خیر مما علیه غیره، فیودی ذلک الی اتباعه علی بدعته دون اتباع اهل السنة علی سنتهم.

الثانیة: انه اذا وقر من اجل بدعته صار ذلک کالحادی المحرض له علی انشاء الابتداع فی کل شئ۔

وعلی کل حال فتحیا البدع وتموت السنن. وهو هدم الاسلام بعینه.[2]

ترجمہ. اور اس کی یہ وجہ ظاہر ہے کہ اس کے پاس جانا اور اسکی عزت کرنا اس کی بوجہ اس کی بدعت کے تعظیم کرنا ہے اور یہ بات ہم جان پائے ہیں کہ شریعت ایسے آدمی کو جھڑکنے اس کی اہانت کرنے اور اسے اس درجہ ذلیل کرنے کا حکم دیتی ہے جو اس سے بھی سخت ہے (جیسے مارنا اور قتل کرنا) سو اس کی عزت کرنا شریعت کے تقاضے پر عمل کرنے میں رکاوٹ ہوگا اور یہ اس بات

---

[1] مرقات جلد ۱ صفحہ ۲۵۷ [2] کتاب الاعتصام جلد ۱ صفحہ ۸۴

پر ہے جو تقاضائے شریعت سے ٹکرائے اور اس کی نفی کرے اور اسلام کی عمارت اسی طرح گرتی ہے کہ شریعت کے تقاضوں پر عمل نہ ہو اور اس پر عمل ہو جو اس کے منافی ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ بدعتی کی تعظیم کرنے میں وہ ایسی برائیوں کا اندیشہ ہے جن سے بنیادِ اسلام گرتی ہے۔

اوّلاً : جاہل اور عوام جب اس عزت افزائی کو دیکھیں گے وہ بدعتی کے بارے میں سمجھیں گے کہ یہ سب پر فضیلت لے جانے والا ہے اور جو بات وہ اختیار کئے ہوئے ہے وہ اس سے بہتر ہے جو دوسروں کا موقف ہے۔ سو یہ بات ان کی اس بدعت کی پیروی کی طرف لے جائے گی اور اس سے اہل سنت کے طریقے کی پیروی نہ ہونے پائے گی۔

ثانیاً : بدعتی جب اپنی بدعت کی وجہ سے عزت پائے گا تو وہ گویا ہر عمل میں بدعات پیدا کرنے کی ترغیب دینے والا داعی الی البدعۃ ہے اور بات کچھ بھی ہو اس سے بدعات زندگی پاتی ہیں اور سنتیں مرتی ہیں اور یہ بعینہٖ ہدم الاسلام ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ لکھتے ہیں :۔

جو شخص بدعتی کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ ملے گا جو اس کی خوشی کا باعث ہو تو اس نے اُس نے اس چیز کی حقارت کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔[1]

سو بدعتی کی تعظیم کرنا گویا دینِ اسلام کو حقیر سمجھنا ہے اور اس کا انجام ظاہر ہے کہ بہت ہی بُرا ہو گا۔ اس لیے جہاں تک ہو سکے بدعت اور اہلِ بدعت سے نفرت کرے اور اس کو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تصور کرے۔

جو شخص کسی مسجد کے لیے بدعتی امام کے لیے ووٹ دیتا ہے وہ اس تمام مسجد کے نمازیوں

---

[1] غنیۃ الطالبین مترجم ص۱۷۶

کے گناہ اپنے سر ڈالتا ہے اور وہ بدعتی مولوی جہاں جہاں بدعات پھیلائے گا۔ یہ سارا وبال اس شخص پر بھی آئے گا جس نے اسے امام بنانے میں ایک بدعتی کو تکریم بخشی۔

شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ السامی ایک حدیث پاک نقل فرماتے ہیں:۔

جو شخص اللہ کے لیے بدعتی کو اپنا دشمن جانے اس کے دل کو اللہ تعالیٰ ایمان سے بھر دیتا ہے اور جو شخص انہیں خدا کا دشمن سمجھ کر اس پر ملامت کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے امن وامان میں رکھے گا اور جو ایسے لوگوں کو ذلیل کرے اُسے بہشت کے سو درجے ملیں گے[1]

شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

بدعتی کی تعظیم ہرگز نہ کر کیونکہ اس سے اسلام کی ذلت ہوتی ہے[2]

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کا ارشاد ہے:۔

اہلِ بدعت کو سلام نہ کرو کیونکہ ان کو سلام کرنے والا ان سے دوستی رکھتا ہے[3]

حضرت فضیل بن عیاضؒ (۱۸۷ھ) کا ارشاد ہے:۔

اہلِ بدعت کے ساتھ دوستی رکھنے والے کے نیک اعمال ضائع کر دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے دل سے ایمان کا نور نکال لیتا ہے اور جو شخص اہلِ بدعت کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے خواہ اس کے نیک اعمال تھوڑے ہوں[4]

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جس شخص نے بدعتی سے معانقہ کیا اس نے اسلام کو نقصان پہنچایا[5]

بدعت اور اہلِ بدعت اکابرین کی نظر میں کیا ہیں۔ اس کے لیے آپ اُن کے بہت سے ارشادات ملاحظہ کریں گے۔

---

[1] غنیۃ الطالبین ص۱۸۶ [2] البلاغ المبین ص۵ [3] غنیہ ص۱۸۵ [4] غنیہ ص۱۸۶ تلبیس ابلیس ص۱۵ [5] ایضاً ص۱۴

غور فرمایئے ایک شخص خود تو بدعتی نہیں مگر ایک بدعتی کو پناہ دیتا ہے، اسے خوش آمدید کہتا ہے اس کی تعریف و توصیف کرتا ہے، اس کی تعظیم و تکریم کرتا ہے، اسے مسجد کا امام بناتا ہے اسے وعظ کہنے کے لیے بلاتا ہے تو چونکہ اس نے بدعتی کی حمایت کی اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس نے اسلام کے قلعہ کو پاش پاش کرنے میں اس کی مدد کی۔ اور اسلام کا قلعہ پاش پاش کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں کا شیوہ نہیں، بلکہ کافروں اور منافقوں کا وطیرہ و طریقہ رہا ہے۔
ایک مسلمان جو وحدہ لاشریک لہ کی توحید اور خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و سنت کا شیدائی ہو کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ میں اسلام کو گرانے میں کسی کی مدد کروں۔ ہاں جو مسلمان ہی نہیں اس سے ایسا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں۔
ان تصریحات کی روشنی میں ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم پر لازم ہے کہ کسی بدعتی کو اپنے ہاں جگہ نہ دیں۔ اس کی تعظیم و توقیر نہ کریں اور جانیں کہ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت نفرت ہے۔

(۴) بدعت کی مخالفت نہ کرنے کا انجام

حضرت معاذ بن جبلؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی نقل فرماتے ہیں:۔

اذا احدث فی امتی البدع وشتم اصحابی فلیظھر العالم علمہ فمن لم یفعل فعلیہ لعنۃ اللہ والملآئکۃ والناس اجمعین۔[1]

ترجمہ جب میری امت میں بدعت شائع ہو جائے اور میرے صحابہؓ کو برا بھلا کہا جائے اس وقت عالم کی ذمہ داری ہے کہ اپنے علم کو کام میں لا کر اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔

---

[1] کتاب الاعتصام للشاطبی جلد ۱ صفحہ ۵۸

سابقہ احادیث میں بدعتی کی تعظیم واہانت اور بدعتی کو پناہ دینے پہ شدید وعید ملاحظہ میں آئی۔

اب اس حدیث پاک میں ان لوگوں پر لعنت کا ذکر آیا ہے جو بدعت کی ترویج وتشہیر پر خاموش بیٹھے رہیں اور صحابہ کرامؓ کو سب وشتم کرنے پر بھی ان کے کانوں پر جُوں تک نہ رینگی۔

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جب بدعت پیدا ہو اور دین میں نئی نئی باتوں کو داخل کیا جائے اور محدثات کا پودا سر نکالنے لگے تو اس کو وہیں کچل دو تاکہ اُگنے نہ پائے۔

آج ذرا اپنے گردو پیش پر نظر دوڑایئے۔ کیا بدعات و محدثات کی بھرمار نہیں؟ کیا آپ نے صحابہ پر سب وشتم کرنے والے کی زبان اور اس کے قلم کو روکنے کی کوئی خدمت سرانجام دی ہے؟ سوچئے! غور کیجئے اور حدیث پاک کو پھر سے ایک مرتبہ پڑھ لیجئے اور اپنی فکر کیجئے۔

سو بدعت کی مذمت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کو اپنانا تو درکنار اس کی مخالفت نہ کرنے کا بھی یہ خطرناک انجام ہے۔

(اللّٰھم احفظنا من ظلماتھم ومن ظلم اھلھا)

⑤ بدعت میں دوسروں کا بھی بوجھ

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من سن فی الاسلام سنة حسنة فعمل بها بعده کتب له مثل اجر من عمل بها ولا ینقص من اجورهم شیء. ومن سن فی الاسلام سنة سیئة فعمل بها بعده کتب علیه مثل وزر من عمل بها ولا ینقص من اوزارهم شیء[1]

ترجمہ جس نے اسلام میں نیک طریقہ جاری کیا پھر اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس شخص کے واسطے اس قدر اجر و ثواب ہے جس قدر سب عمل کرنے والوں

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۸ مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۳۴۱

کو اس کے بعد ہوگا اور ان لوگوں کے ثواب سے کچھ کم نہ کیا جائے گا اور جس نے
کوئی بُرا طریقہ ایجاد کیا اور اس کی پیروی کی گئی تو اسے اپنے اس عمل کا بھی گناہ ہو
گا اور پیروی کرنے والے کے گناہوں کے برابر بھی اس کے گناہوں میں لکھا جاتا
ہے اور ان لوگوں کے گناہ میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔

کسی اچھے اور نیک طریقہ سے اس عمل کا قائم کرنا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت
رکھ اور آپ کی شریعت مطہرہ سے قولاً عملاً یا اشارۃً ثابت ہو۔ جیساکہ دوسری احادیث سے
معلوم ہوتا ہے کہ :۔

من احیا سنۃ من سنتی قد امیتت بعدی۔ (الحدیث[1])

ترجمہ جس نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد مُردہ ہو چکی تھی ۔۔۔۔ الخ

من احیا سنۃ من سنتی نعمل بہا الناس۔۔۔۔ الحدیث[2]

ترجمہ جس نے میری سنتوں میں سے کوئی سنت زندہ کی کہ لوگ اس پر عمل پیرا ہوئے۔۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ طریقہ جس کا صراحۃً یا اشارۃً دینِ اسلام میں ذکر تک نہ ہو اس
سے وہ مراد لینا صحیح نہیں۔ ورنہ سنت و بدعت کی تمیز ختم ہو جائے گی بعض لوگ کہہ دیتے ہیں
کہ یہ کام اچھے ہیں اور لوگ اس پر عمل کرتے ہیں اور اس کو پسند کرتے ہیں اور اس کی ظاہری شکل
بھی صالح نظر آتی ہے، پھر کیا حرج ہے؟ حالانکہ ایسا سمجھنا صحیح نہیں۔ کسی چیز کی شکل و صورت کا
صالح ہونا اور عوام کا اس کو پسند کرنا شریعت تو نہیں بن سکتی۔ شریعت کی نظر میں تو اچھا طریقہ
سے مراد وہی ہے جس کی اصل کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و رجال اللہ
(صحابہ کرامؓ) سے ثابت ہو۔ ورنہ ہزار خوبیوں کے باوجود وہ اچھا طریقہ نہیں بن سکتا۔ اس
لیے کہ ہر شخص اپنے خود ساختہ طریقہ کو اچھا سمجھتا ہے اور لوگوں کا ایک ہجوم بھی اس کے پیچھے
ہو تا ہے تو کیا وہ "اچھا طریقہ" کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اچھا طریقہ ہونے کے

---

[1] ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲ ابن ماجہ صفحہ ۱۹ [2] ابن ماجہ صفحہ ۱۹

لیے ضروری ہے کہ اس کی اصل حضورؐ یا صحابہؓ کی سنت میں موجود ہو۔

بُرا طریقہ سے مراد وہ تمام طریقے ہیں جس کی اصل کتاب و سنت میں موجود نہ ہو اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے خواہ اس کی شکل حسین ہو یا قبیح۔ بہرحال وہ بُرا ہے اور اس کا وبال نہ صرف یہ کہ اُس پر آپڑے گا، بلکہ اس کے بعد جتنے لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے سب کا بوجھ بھی اس کی گردن پر لادا جائے گا۔

⑥ حوضِ کوثر سے محرومین

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اتدرون ما الكوثر فقلنا الله ورسوله اعلم قال فانه نهر وعدنيه ربي عزوجل عليه خير كثير وهو حوض ترد عليه امتي يوم القيامة آنيته عدد النجوم فيختلج العبد منهم فاقول رب انه من امتي فيقال ماتدري مااحدثوا بعدك۔[1]

ترجمہ۔ تم جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ ایک نہر ہے جس کا میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہوا ہے۔ وہ بہت ہی خیر و برکت والی ہے، وہ ایک حوض ہے جس پر میری امت کو لایا جائے گا، اس حوض پر اتنے گلاس ہوں گے جتنے آسمان کے ستارے (مرادِ کثرت) پس ایک آدمی کو وہاں سے بھگا دیا جائے گا۔ اس وقت میں کہوں گا کہ اے اللہ! یہ میری امت سے ہیں ان کو کیوں ہٹایا گیا۔ ارشاد ہوگا۔ ماتدری مااحدثوا بعدك۔ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتیں (دین میں) ایجاد کی تھیں۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۱۷۲

ایک اور روایت میں ہے :۔

فاقول یارب ھؤلآء من اصحابی فیجیبنی ملك فیقول وھل تدرون ما احدثوا بعدك[1]

ترجمہ۔ سو میں کہوں گا اے میرے رب! یہ تو میرے لوگ ہیں۔ اس پر فرشتے کہیں گے کہ آپ کو علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتیں ایجاد کیں۔
یہاں سا تھی سے مراد آپ کے امتی ہیں۔ جیسا کہ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے (کتاب الاعتصام جلد ۱ صفحہ ۹۴۲) کیونکہ صحابہؓ بدعت کا موضوع نہیں ہیں۔ وہ تو خود آسمان ہدایت کے ستارے ہیں جن کے قدموں پر ہمیں چلنے کا حکم ہے۔ بدعت ان میں راہ نہیں پا سکتی۔ وہ خیر امت ہیں جو لوگوں کے لیے نمونہ ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر عرض کریں گے :۔

(فاقول کما قال عبد الصالح) وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علی کل شئ شھید[2]

ترجمہ (آپ فرماتے ہیں کہ میں وہی بات کہوں گا جو نیک بندے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ اے اللہ) میں ان پر مطلع رہا جب تک میں ان میں رہا پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھا لیا تو آپ ان پر مطلع رہے اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اہل بدعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جانے اور آب کوثر کے پینے سے محرومی ہو گی۔

ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے :۔

سحقا سحقا[3] ترجمہ۔ دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲۶ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۳۸۳ [3] نووی شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲۷

غور فرمائیے اس نازک اور کٹھن مرحلے میں اہل بدعت کا کیسا افسوسناک حشر ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے سے دور فرمانے کا حکم دے دیں گے۔

حضرت علامہ ابو عمر بن عبدالبرؒ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:۔

كل من احدث فى الدين فهو من المطرودين عن الحوض كالخوارج والروافض وسائر اصحاب الهوىٰ۔[۱]

ترجمہ: جس نے بھی دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی وہ حوض سے دھتکارے ہوئے ہوں گے جیسے خوارج و روافض اور تمام اہل ہویٰ (یعنی خواہشات نفسانی کا اتباع کرنے والے۔

کتنا بڑا بدقسمت ہے وہ انسان جو بدعات کی ترویج وتشہیر کرتا اور اپناتا ہے اور آخرت کی نعمتوں سے محروم ہو رہا ہے۔ حضرت بکر بن عبداللہ المزنیؒ سے روایت ہے۔

ان النبى صلى الله عليه وسلم قال حلت شفاعتى لامتى الا صاحب بدعة۔[۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شفاعت میری امت کے لیے ثابت ہوگی مگر اہل بدعت کے لیے نہیں۔

کاش! کہ اہل بدعت ان روایات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور اہل سنت کے گروہ میں شامل ہو کر دین و دنیا میں کامیابی و کامرانی حاصل کریں۔

(۷) بدعت کی نحوست

حضرت غضیف بن الحارث الثمالیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔

ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة فتمسك بسنة خير من احداث بدعة۔[۳]

---

[۱] نووی شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲۹ [۲] البدع والنہی عنہا صفحہ ۲۶ الاعتصام جلد ۱ صفحہ ۸۹ [۳] مشکوٰۃ صفحہ ۳۱ مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۰۵

ترجمہ. کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرے گی مگر اس کی مقدار میں اُن سے سنّت اُٹھالی جائے گی. اس لیے سنّت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے.

بدعت کی نحوست کا اندازہ لگایئے کہ اس کی وجہ سے سنّت جیسی مبارک نعمت اُٹھالی جائے تو آپ ہی سوچیں انسان کس طرح کامیابی کے مراحل طے کر سکے گا. کیونکہ کامیابی و کامرانی تو اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مل سکتی ہے اور پھر بدعت کی نحوست اتنی ہے کہ انہیں قیامت تک سنّتِ مبارکہ واپس نہیں دی جاتی. سیّدنا حسان تابعیؒ (۱۲۰ھ) فرماتے ہیں:-

ما ابتدع قوم بدعۃ فی دینھم الا نزع اللہ من سنتھم مثلھا ثم لا یعیدھا الیھم الی یوم القیامۃ[1]

ترجمہ. کوئی قوم دین میں بدعت نہیں نکالے گی مگر اللہ تعالیٰ اتنی ہی مقدار میں سنّت اُن سے اٹھالے گا، اور پھر قیامت تک اُن کو وہ سنّت واپس نہیں کرے گا.

یہی وجہ ہے کہ بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ جس کسی کو بھی کوئی مقام و مرتبہ ملا ہے وہ محض اور محض اتباعِ سنّت اور اجتناب بدعت سے ملا ہے اور اگر کسی کو باوجود ریاضت و مجاہدہ کے کچھ نہ ملا تو اس کی واحد وجہ یہی ہو گی کہ اس میں بدعت کا کوئی نہ کوئی اثر ہے جس کی نحوست کی بناء پر وہ نورانیت نہیں حاصل کر سکا.

حضرت حسن بن الحسین البارسی النیشاپوریؒ فرماتے ہیں:-

لا یظھر علی احد شیء من نور الایمان الا باتباع السنۃ ومجانبۃ البدعۃ وکل موضع ترکی فیہ اجتھادا ظاھرًا بلا نور فاعلم ان ثمہ بدعۃ خفیۃ[2]

---

[1] مشکوٰۃ صـ۳۱ کتاب الاعتصام جلد ا صـ۸۵ [2] نفحات الانس از مولانا جامیؒ صـ۱۵۸

ترجمہ جس کسی پر بھی نورِ ایمان سے کچھ ظاہر ہوا وہ محض اتباعِ سنت اور بدعت کی مخالفت واجتناب سے ہوا اور جس جگہ تم ظاہری مجاہدہ محنت اور کوشش زیادہ دیکھو مگر اس میں نورانیت ظاہر نہ ہو تو سمجھو کہ یہاں کوئی چھپی ہوئی بدعت ہے (جس کی وجہ سے وہ شخص نورانیت سے محروم رہا ہے)۔

آج ذرا اپنے گردوپیش پر نظر کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بہت سی سنتوں کو ترک کر دیا گیا ہے۔ ان سنتوں کی جگہ بدعات نے لے لی ہے۔ اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان بدعات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے تو اس کا نہ صرف یہ کہ مذاق اُڑایا جاتا ہے بلکہ اسے بدنام کرنے، سب وشتم کرنے میں بھی کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا جاتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پھر اس سے زیادہ شرمناک بات یہ ہے کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ ان بدعات کی دلدل سے نکلنا چاہتا ہے اور سنت کا پابند ہونا چاہتا ہے تو اس پر آوازہ اس انداز میں کسی جاتی ہے کہ اس نے سنت کو ترک کر دیا، یہ رسول کا منکر ہو گیا ہے۔ (معاذاللہ)

حضرت حذیفہؓ نے بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا :-

آئندہ زمانے میں بدعت اس طرح پھیل جائے گی کہ اگر کوئی شخص اس بدعت کو ترک کرے گا تو اس کو کہیں گے کہ تُو نے سنت ترک کر دی[1] (معاذاللہ)

یہ درحقیقت ان بدعات کی نحوست ہے جو اہلِ بدعت نے سنتوں کی جگہ اپنالی ہے اور جن کی نحوست کی بناء پر انہیں توفیق نہیں ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کریں اور کسی کو سنت پر عمل کرتا دیکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ بدعات اور اہلِ بدعت سے محفوظ رکھے۔ آمین

---

[1] الاعتصام جلد ۱ صفحہ ۹

(۸) جہنمیوں کے کتے

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اصحاب البدع کلاب اھل النار[1]

ترجمہ: بدعتی جہنمیوں کے کتے ہیں۔

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی بھی لکھتے ہیں:۔

بدمذہب کتا ہے یا نہیں؟ ہاں ضرور ہے بلکہ کتے سے بھی بدتر و ناپاک تر ہے کتا فاسق نہیں ہے اور یہ اصل دین و مذہب میں فاسق ہے۔ کتے پر عذاب نہیں ہے اور یہ عذاب شدید کا مستحق ہے میری نہ مانو سید المرسلین کی حدیث مانو ابوحاتم خزاعی اپنی جزء حدیثی میں حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے راوی ہیں کہ حضورؐ فرماتے ہیں۔ اصحاب البدع کلاب اھل النار۔ بدعتی دوزخیوں کے کتے ہیں۔[2]

نہایت افسوس ہے کہ بریلوی علماء اس حدیث کا بوجھ اپنے سر لینے کی بجائے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح پر ڈالتے ہیں۔ جناب احمد رضا خاں کے پیرخانہ مارہرہ شریف کے بزرگوں سے پوچھا گیا کہ مسٹر محمد علی جناح کو قائداعظم کہنا کیسا ہے۔ اس کے جواب میں مولانا محمد میاں قادری برکاتی مارہروی لکھتے ہیں:۔

بدمذہب جہنمیوں کے کتے ہیں۔ کیا کوئی سچا ایماندار مسلمان کسی کتے کو اور وہ بھی دوزخیوں کے کتے کو اپنا قائداعظم سب سے بڑا پیشوا اور سردار بنانا پسند کرے گا۔ حاشا وکلا ہرگز نہیں۔[3]

بریلویوں نے اس حدیث کو قائداعظم مرحوم پر چسپاں کرنے میں گو غلطی کی ہے لیکن اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصلاً انہوں نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے کہ اصحاب بدعت آخرت

---

[1] جامع صغیر جلد ا صفحہ[illegible] [2] فتاویٰ افریقہ صفحہ ۱۰۲ [3] مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری صفحہ ۱۶ مطبوعہ ۱۹۴۶ء

میں دوزخ کے کتے بنائے جائیں گے اور جس طرح یہ آج کل اہل حق کو بھونکتے ہیں آخرت میں اپنے آپ پر بھونکنا ان کا نصیب ہو گا۔ وہاں اُن کی بھونک قائدِ اعظم تک ہرگز نہ جا سکے گی۔

سو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے معلوم ہوا کہ جنہوں نے دین میں زیادتیاں کی ہیں شریعتِ مطہرہ کا منور چہرہ مسخ کرنے کی سازش کی، دینِ حنیف میں بدعات کو جگہ دی سنت پر عمل کرنے کی بجائے خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کی اور اس کو دین کا نام دیا۔ تو چونکہ انہوں نے یہ ہی گمان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاذ اللہ) پورا پورا دین نہیں پہنچایا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس انداز میں توہین و گستاخی کی سو ان کو جہنمیوں کے کتے سے تشبیہ دینا بالکل صحیح ہے۔

قرآن کریم نے بھی ایک مقام پر ان لوگوں کو کتے سے تشبیہ دی ہے جو خواہشاتِ نفسانی کا اتباع کرتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے :-

ولو شئنا لرفعنٰه بها ولکنه اخلد الی الارض واتبع هوٰه فمثله کمثل الکلب ان تحمل علیه یلهث او تترکه یلهث ذٰلك مثل القوم الذین کذبوا بایٰتنا۔ (پ ۹ : الاعراف)

ترجمہ۔ اور اگر ہم چاہتے تو بلند کرتے اس کا رُتبہ ان آیتوں کی بدولت لیکن وہ تو ہو رہا زمین کا اور اتباع کیا اس نے اپنی خواہش کا تو اس کا حال ایسا ہے جیسے کتا۔ اس پر تو بوجھ لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے۔ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔

غور فرمایئے اسلام کی نظر میں بدعت کتنا بُرا عمل اور اہلِ بدعت کتنے بدنصیب و بے مراد لوگ ہیں۔ ان کے ایجاد کا وبال کہاں کہاں آپڑتا ہے۔ کس کس طرح ان پر لعنت آتی ہے۔

اس لیے ہمیں چاہیئے کہ ہمیشہ بدعات سے اجتناب کریں اور اہلِ بدعت سے دُور رہیں اور ہمیشہ سنتِ مطہرہ کا دامن تھامیں۔ اسی میں خیر و برکت، فلاح و سعادت ہے اور اسی سے دونوں

جہاں کی کامیابی نصیب ہوگی ؎

محال است کہ سعدی راہ صفا — تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

⑨ بدعت ایک فتنہ ہے

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

سیکون فی امتی دجالون کذابون یاتونکم ببدع من الاحادیث لم تسمعوا انتم ولا اٰباءکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم لا یفتنونکم[1]

ترجمہ۔ آخری زمانہ میں کچھ ایسے دجال و کذاب ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی نئی نئی باتیں پیش کریں گے جن کو نہ تم نے سُنا ہوگا نہ تمہارے آباء و اجداد نے پس تم ان سے بچنا۔ ان کو اپنے قریب نہ آنے دینا کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کہ بدعات تمہیں کہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں بتلاتا ہے کہ بدعت فتنوں کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ آج کل مسلمانوں میں جو جھگڑے اور مسجدوں میں جو سرپھٹول ہو رہی ہے۔ آپ اگر ان کی تہہ میں جائیں تو بدعت کی چنگاریوں کے سوا وہاں کچھ نظر نہ آئے گا مسلمانوں نے پہلے اپنی مسجدوں میں بدعتیں گوارا کیں۔ پھر بدعتی امام رکھے۔ اس کے نتیجہ میں زوالِ امت شروع ہوا۔ فتنوں کی یہ ایسی سیاہ رات ہے جس کی تہہ میں بدعات کے اندھیروں کے سوا کچھ نہیں۔ سو بدعت کا دوسرا نام فتنہ ہے اور حدیث کی رُو سے اہل فتن کا مقابلہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ اور اس فتنہ کا مقابلہ کرنے والے بہت زیادہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن علاء الحضرمیؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صفحہ ا

انہ سیکون فی اٰخر ھٰذہ الامۃ قوم لھم مثل اجر اولھم یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقاتلون اھل الفتن۔[۱]

ترجمہ۔ اس امت کے آخری دور میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جن کا نیکیوں کا اجر پہلے بزرگوں کے اجر کی مثل ہوگا۔ وہ لوگ ہوں گے جو معروف کا حکم کریں گے، منکرات سے روکیں گے اور اہلِ فتن سے ٹکرلیں گے (ان کا مقابلہ کریں گے)۔

اس حدیث پاک میں اہلِ فتن کن کو کہا گیا ہے؟ انہی اہلِ بدعت کو جن میں اسلامی خلافت کے باغی، خارجی، شیعہ اور بدعتیوں کے تمام گروہ شامل ہیں۔ حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربنا الباری لکھتے ہیں:-

اھل الفتن ای من البغاۃ والخوارج والروافض وسائر اھل البدع۔[۲]

ترجمہ۔ اہلِ فتن سے مراد باغی، خارجی، رافضی اور تمام بدعتی گروہ ہیں۔

سو چاہیئے کہ اہلِ بدعت سے شدید نفرت کا اظہار کیا جائے اور آدمی اہلِ سنت و الجماعت کا دامن پکڑ رکھے۔

(۱۰) سوءِ خاتمہ کا اندیشہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر ایک لمبی لکیر کھینچی، پھر فرمایا:-

ھٰذا سبیل اللہ ثم خط خطوطا عن یمینہ و عن شمالہ وقال ھٰذہ سبل علی کل سبیل منھا شیطان یدعوا الیہ وقرأ وان ھٰذا صراطی مستقیما فاتبعوہ الاٰیۃ۔[۳]

ترجمہ۔ یہ اللہ کی راہ ہے پھر آپ نے اس کے دائیں اور بائیں خطوط کھینچے اور

---

[۱] مشکوٰۃ ص۵۸۴ [۲] مرقات جلد ۱۱ ص [۳] مشکوٰۃ ص۳۰ والآیۃ پ

فرمایا یہ غلط راہیں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک راہ پر ایک شیطان بیٹھا ہے جو لوگوں کو اس راہ کی طرف بلا رہا ہے اور آپ نے اس پر یہ آیت پڑھی (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے) اور یہ میری سیدھی راہ ہے (صراطِ مستقیم ہے) تم اس پر چلتے رہو۔

دائیں بائیں کے ان خطوط سے مجتہدین کے مختلف اجتہادات مراد نہیں۔ یہ سب ائمہ مجتہدین علماء حق میں سے ہیں۔ یہ شیطان نہیں شیاطین کی راہوں سے مراد بدعتی فرقوں کی راہیں ہیں جیسے معتزلہ، قدریہ، خوارج، روافض اور دیگر اہلِ بدعت وغیرہا۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کو گمراہی کے راستے پر لے جانے کے لیے شیطانی وطاغوتی قوتیں پوری طرح سرگرمِ عمل ہیں۔ اس پر چہار جانب سے حملہ آور ہیں۔ لیکن جب انسان قریب المرگ ہو جاتا ہے اور اس پر عالمِ آخرت کے بعض امور کھلنے لگ جاتے ہیں تو شیطان اپنی پوری شیطانیت کے ساتھ اس کے پاس آ بیٹھتا ہے۔ یہ ایک مومن کے ایمان و اعمال کی کڑی آزمائش کی گھڑی ہے۔ اہل اللہ اور سنت مبارکہ کی پابندی کرنے والے سنت کی برکت سے شیطان کی شیطانیت سے بچ جاتے ہیں لیکن وہ لوگ جو سنت کے مقابلے میں بدعات کو محبوب جان بنائے ہوئے تھے اور اسی یقین پر تھے کہ ان اعمال میں نورانیت ہے۔ عین اس لمحے ان کو وہ اعمال انتہائی سیاہ نظر آنے لگتے ہیں۔ اس پر اس کے ذہن کو عجیب جھٹکا لگتا ہے کہ او ہو۔ میں تو ان اعمال کو نیکیاں سمجھ کر کرتا رہا اور دوسروں کو اس کی تلقین و تائید کرتا رہا مگر یہاں تو معاملہ اس کے اُلٹ نکلا۔ اس وقت شیطان آگے بڑھ کر کہتا ہے کہ ابھی تو یہاں (اس دنیا میں) ہے مرا نہیں۔ ابھی مرنے پر تجھ کو پتہ چل جائے گا کہ اسلام جس کو تو سچا دین سمجھ رہا تھا اور اسے اپنائے ہوئے تھا وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ قرآن اللہ کی کتاب نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول نہیں۔ (استغفر اللہ)

پہلے ناکامی اور بدعات کے اندھیرے تو اس کے سامنے آ چکے ہوں گے لیکن اب وہ

بنیاد اسلام میں بھی شک میں پڑ جائے گا۔ ادھر شکوک و شبہات کا اظہار ہوا ——— اُدھر روح اس کے بدن سے کھینچ لی گئی اور شیطان نے کامیابی کے نعرے اس تیزی سے لگانے لگا جس طرح یہ بدعتی اپنے بدعتی پیروں اور مولویوں کے گرد حلقہ بنا کر زور زور سے نعرے لگایا کرتا تھا ——— یہ ہے بدعت کی ظلمت جو اس کے ایمان تک کو لے گئی۔ اور شیطان اب بھاگ گیا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

كمثل الشيطان اذ قال للانسان اكفر فلما كفر قال انى برئ منك.

(پ ۲۸: الحشر، ع ۲)

ترجمہ۔ ان لوگوں کی مثال شیطان کی سی ہے کہ جب اس نے انسان سے کہا۔ کہ کفر کر۔ جب انسان نے کفر کر لیا تو شیطان کہنے لگا میں تو تجھ سے بری ہوں۔

شیطان اور شیطانی طاقتیں چاہتی ہیں کہ ہر شخص کی موت کفر و شرک پہ ہو۔ اور وہ اس کے لیے ہر حربہ آزماتے ہیں۔ فروعی مسائل کو قطعیت کا درجہ دینے والا بھی بالآخر اس خطرے میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگانِ دین فروعی مسائل میں زیادہ شدت اختیار کرنے سے ہمیشہ اجتناب کی تلقین کرتے ہیں۔ کہ ان میں ایسی شدت اختیار نہ کرو کہ اُسے اس یقین تک لے جاؤ جو یقین ایک مومن کو خدا اور اس کے رسول خاتم کے بارے میں حاصل ہوتا ہے ——— فقہی مسائل کے بارے میں بھی یہ نصیحت مدنظر رکھنی چاہیئے کہ،

مذهبنا صواب و يحتمل الخطاء

(مذهب مخالفنا خطأ و يحتمل الصواب

یہ تو فقہی مسائل کی بات تھی جن کی اصل کسی نہ کسی درجے میں شریعت میں موجود ہوتی ہے جب ان میں احتیاط کا یہ حال ہے تو بدعت جن کی سرے سے اصل ہی نہیں اس پہ عمل اور اصرار کتنا خطرناک ہوگا۔ اور پھر اس کو قطعیت اور کفر و اسلام کا فاصلہ ٹھہرا دینا، جیسا کہ آج کل اہل بدعت نے کر رکھا ہے کس قدر خطرناک ہوگا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بہرحال بدعت ایک ایسا خبیث عمل ہے کہ اس کا مرتکب عین موت کے وقت شیطان کی آخری واردات کا شکار ہو جاتا ہے اور بسا اوقات معاملہ یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ اس کی موت کفر پر ہوتی ہے۔

علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

واما انه يخاف على صاحبها سوء الخاتمة والعياذ بالله فلان صاحبها مرتكب اثما وعاص لله تعالىٰ حتما ولا نقول الآن. هو عاص بالكبائر أو بالصغائر بل نقول هو مصر على ما نهى الله عنه. والاصرار يعظم الصغيرة إن كانت صغيرة حتى تصير كبيرة وان كانت كبيرة فاعظم. ومن مات مصرا على المعصية فيخاف عليه. فربما اذا كشف الغطاء وعاين علامات الآخرة استفزه الشيطان و غلبه على قلبه. حتى يموت على التغيير والتبديل۔[1]

ترجمہ۔ اور بہرحال بے شک بدعتی کے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بچائے۔ اس لیے کہ بدعتی ایک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ حتمی طور پر اللہ کی نافرمانی کر رہا ہوتا ہے۔ ہم اس وقت یہ نہیں کہتے کہ وہ صغیرہ گناہ کے ذریعہ نافرمانی کر رہا ہے یا صغیرہ کے ذریعہ۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے جس چیز سے منع کیا ہے اس پر بدعتی اصرار کرتا ہے اور صغیرہ گناہ پر اصرار اس گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے اور جو شخص کسی معصیت پر اصرار کرے تو اس کے لیے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ جب حقیقت کا پردہ کھُلے گا اور عالمِ آخرت کے اُمور اس کے سامنے آئیں گے تو شیطان بھی آ دھمکے گا اور (وسوسہ دے کر) اس کے قلب پر اپنا غلبہ حاصل کر لے گا۔ یہاں تک وہ اپنے دین سے اس تبدیلی پر آ کر مر جائے۔

---

[1] کتاب الاعتصام جلد ا ص

علامہ موصوفؒ آگے جاکر لکھتے ہیں :۔

لان المبتدع مع کونہ مصرّاعلی مانہی عنہ یزید علی المصر بانہ معارض للشریعۃ بعقلہ. غیر مسلم لہا فی تحصیل أمرہ. معتقدا فی المعصیۃ أنہا طاعۃ. حیث حسن ما قبحہ الشارع. وفی الطاعۃ انہا لا تکون طاعۃ الا بضمیمۃ نظرہ. فہو قد قبح ماحسنہ الشارع ومن کان ہٰکذا فحقیق بالقرب من سوء الخاتمۃ الا ماشآء اللہ. وقد قال تعالیٰ فی جملۃ من ذم أفأمنوا مکر اللہ فلا یأمن مکر اللہ الا القوم الخاسرون (الاعراف) والمکر جلب السوء من حیث لا یفطن لہ وسوء الخاتمۃ من مکر اللہ اذ یاتی الانسان من حیث لا یشعر بہ. اللّٰہم انا نسألک العفو والعافیۃ۔ [1]

ترجمہ۔ بدعتی باوجودیکہ اُس بات پر مصر ہے جس سے اللہ نے روکا ہے. اس شخص سے آگے ہے جو گناہوں پر اپنی عقل سے عمل پیرا ہے اور تحصیل امر میں اس کا قائل نہیں. لیکن وہ بدعتی گناہ کو طاعت سمجھ کر عمل میں لا رہا ہے جس چیز کو شارع علیہ السلام نے بُرا جانا اُسے اچھا کہہ رہا ہے اور اپنی بات کو نیکی سمجھنے والا ہے (اور نیکی سمجھنا تو محض اس کی اپنی اختراع ہے) اس چیز کو قبیح سمجھ رہا ہے جسے شارع نے اچھا کہا ہے اور جس شخص کا یہ حال ہو تو وہ سُوئے خاتمہ کے واقعی بہت قریب ہے مگر یہ کہ اللہ کسی کو بچا لے —— اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت میں اجمالاً یہ کہا ہے ،، کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے. سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر وہی لوگ جو خسارے میں پڑنے والے ہیں،، یہ مکر (تدبیر) بُرائی کو اس طرح لانے میں ہے کہ وہ سمجھ

---

[1] کتاب الاعتصام للشاطبی جلد ۱ ص ۱۴۲

بھی نہ پائے اور خاتمہ تدبیر الٰہی سے بُرا ہونا یہ ہے کہ انسان پر یہ اس طرح آئے کہ وہ اسے جان نہ سکے۔ اے اللہ! ہم آپ سے اس میں معافی اور عافیت چاہتے ہیں۔

حضرت علامہ شاطبیؒ کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ بدعتی کے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ اگر کوئی بدعتی سوئے خاتمہ سے بچ جائے تو یہ محض ایک استثناء ہے۔ ورنہ عام طور پر بدعتی سوئے خاتمہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو سنتِ مطہرہ کی اتباع کی توفیق دے اور بدعت اور اہل بدعت سے بچائے۔ آمین۔

تردّد کے فتنے سے بچنا

بدعتی بدعت پر عمل تو کئے جاتا ہے لیکن تحت الشعور میں وہ تردّد کے فتنے میں بُری طرح گھرا ہوتا ہے۔ علم اور سمجھ کی رُو سے وہ اس میں کوئی روشنی نہیں دیکھتا۔ لیکن جذبات اور ماحول کے زیرِ اثر وہ اپنی بدعات پر نہایت اکڑ کر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اس کے اندر ایک فکری جنگ ہوتی ہے جس سے وہ پوری عمر نکل نہیں پاتا۔ سچائی پر آنے میں وہ سوچتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔ اور بدعات پر عمل پیرا ہونے میں اسے آخرت کی کوئی چمک دکھائی نہیں دیتی۔ وہ ساری عمر اس تردّد کا شکار رہتا ہے اور اسی تردّد میں اس کا آخری وقت آجاتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جس کے انتظار میں شیطان لعین مدّت سے گھات لگائے ہوئے تھا۔

اب یہ تردّد بڑھ کر قطعیاتِ اسلام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور جونہی وہ اسلام کی صداقت میں شک میں پڑتا ہے روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتی ہے۔

؎ حسرت ہے اس مسافرِ بے بس کے حال پر
جو تھک کے رہ جائے ہے منزل کے سامنے

چند شبہات کا اِزالہ

اس راہ میں اُٹھنے والے چند شبہات کا اصولی جواب ہم پہلے دے آئے ہیں، یہاں اس سلسلے میں کچھ اور وضاحت کی جاتی ہے۔

کیا اقامت تراویح بدعت ہے؟

① ــــ اہلِ بدعت کی جانب سے اکثر یہ بات سُنی جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تراویح کی نماز جو باجماعت مقرر کی اس کے لیے وہ خود فرماتے ہیں کہ ان کانت ھذہ بدعۃ فنعمۃ البدعۃ اگر یہ نیا طریقہ ہے تو اچھا طریقہ ہے۔

الجواب

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بدعت کی شرعی حد صحابہ کرامؓ کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء راشدینؓ کا عمل تو ہمارے لیے خود حجت ہے جس کی تفصیل گزر چکی اور خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ (الحدیث)

مدعی گو ید کہ اصحابی نجوم ــــ للسری قدوۃ وللطاغی رجوم

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

انی لا ادری ما قدر بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ وعمرؓ۔[1]

---

[1] ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۷ مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۲۸۵

ترجمہ: میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تمہارے اندر زندہ رہوں گا اس لیے میں تمہیں اپنے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتدار کرنے کی تلقین اور تاکید کرتا ہوں۔

(۲) ــــ جب صحابیؓ اپنے کسی عمل کو بدعت کہے تو اس سے مراد بدعت شرعی نہیں بلکہ بدعت لغوی ہے۔ علامہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:۔

واما ما وقع فی کلام السلف من استحسان بعض البدع فانما ذلک فی البدع اللغویة لا الشرعیة فمن ذلک قول عمر رضی الله عنه لما جمع الناس فی قیام رمضان علی امام واحد فی المسجد وخرج ورآهم یصلون کذلک فقال نعمة البدعة هذه۔

ترجمہ: بزرگوں کے کلام میں جو بدعت کے استحسان کا ذکر آیا ہے اس سے مراد بدعت لغوی ہے بدعت شرعی نہیں۔ اسی میں سیدنا حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد ہے جب انہوں نے لوگوں کو رمضان میں باجماعت نماز تراویح پر جمع کیا اور دیکھا تو فرمایا کہ یہ اچھا طریقہ ہے۔"

علامہ موصوفؒ اس پر لکھتے ہیں:۔

ومراده ان هذا الفعل لم یکن علی هذا الوجه قبل هذا الوقت ولکن له اصل فی الشریعة یرجع الیها۔[1]

ترجمہ: حضرت عمرؓ کی اس قول سے مراد یہ ہے کہ ایسا کرنا اس کیفیت سے پہلے تو نہ تھا لیکن اس کی اصل شریعت میں ضرور موجود تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تراویح کی مسجد میں اقامت کرکے اس کی راہ خود بنا چکے تھے۔

علامہ موصوفؒ نے اس کی چند مثالیں ذکر فرمائی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات گرامی کا یہ عمل دراصل سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مستفاد تھا اور ہم بتا چکے ہیں کہ ان

---

[1] جامع العلوم والحکم ص ۲۳۴

حضرات کے کام بھی سنت ہیں جس کی تائید سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کے ارشاد سے بھی بتلا دی گئی ہے۔ اس لیے ان پر بدعت کا اطلاق ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) بھی لکھتے ہیں :-

ھذا الذی فعلہ سنۃ لکنہ قال نعمۃ البدعۃ ھذہ من حیث المعنی اللغوی لکونھم لم یفعلونہ فی حیاۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی من الاجتماع علی مثل ھذہ وھی سنۃ من الشریعۃ۔[۱]

ترجمہ۔ یہ جو آپ نے کیا وہ سنت تھا لیکن اس نے اسے نعمۃ البدعۃ کہا۔ ایسا کیا لغوی اعتبار سے تھا کیونکہ صحابہؓ اس طرح (ایک جماعت سے تراویح) حضورؐ کے زمانے میں نہ پڑھتے تھے یعنی اس طرح کا اجتماع نہ ہوتا تھا اور تراویح پڑھنا شرعاً سنت ہے بدعت نہیں۔

حضرت امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) کہتے ہیں :-

سألت اباحنیفۃ رحمۃ اللہ عن التراویح وما فعلہ عمر رضی اللہ عنہ فقال التراویح سنۃ مؤکدۃ ولم یخترعہ عمر من تلقاء نفسہ ولم یکن فیہ مبتدعا ولم یأمر بہ الا عن اصل لدیہ وعھد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[۲]

ترجمہ۔ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے حضرت عمرؓ اور تراویح کے فعل کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے اور حضرت عمرؓ نے اس کو اپنی طرف سے اختراع نہیں کیا اور نہ وہ کوئی بدعت ایجاد کرنے والے تھے انہوں نے جو کچھ حکم دیا وہ کسی اصل کی بنا پر تھا جو ان کے پاس موجود تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عہد پر مبنی تھا۔

---

[۱] فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جلد ۲۲ صـ ۲۳۴ [۲] الاختیار لتعلیل المختار جلد ۱ صـ ۷۰ للشیخ موصلی الحنفیؒ ۶۸۳ھ۔

مشکوٰۃ شریف کے شارح حضرت مولانا نواب قطب الدین صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

حق یہ ہے کہ جو کچھ کہ خلفائے راشدینؓ نے کیا سنت ہے۔ پس معنی بدعت کے یہاں باعتبار لغت کے ہیں نہ اصطلاح فقہاء کے۔[1]

خلاصہ کلام یہ کہ جو حضرات سیدنا حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کو سامنے رکھ کر اپنے مروجہ بدعات (جس کی شرع میں کوئی اصل نہیں) کی ترویج و تشہیر چاہتے ہیں وہ درحقیقت ان حضرات گرامی قدر پر بہت بڑا بہتان باندھتے اور یہ کہتے نہیں ڈرتے کہ معاذ اللہ صحابہؓ بھی بدعتی تھے۔ (معاذ اللہ)

اس کی مزید تفصیل علامہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ کی جامع العلوم والحکم ص۲۳۳، علامہ ابن تیمیہؒ کی تصنیف اقتضاء الصراط المستقیم میں، صلوٰۃ التراویح لیست بدعۃ شرعیۃ ص۲۷۵ پر اور علامہ ابن حجر مکیؒ کی فتح المبین بشرح الاربعین ص۱۹۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

محمد بن نصر مروزی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک سوال کے جواب میں الزاماً یہ بات کہی تھی کہ اگر یہ بدعت ہے تو اچھی بدعت سہی اور اچھی بدعت وہ ہے جس کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور اسے آپ نے وقتی عذر پر چھوڑا ہو وہ متروک عن اصلہ نہ ہو۔ اس پر نئے سرے سے عمل کرنا نعمت البدعۃ ہے یہ شرعی بدعت نہیں ہے۔[2]

جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ بدعت نہیں؟

اہل بدعت کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ حدیث پاک میں آیا ہے:۔

مارآہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن۔

ترجمہ: جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

اس سے استدلال کرتے ہوئے اہل بدعت کا کہنا ہے کہ ہمارے اکثر اعمال کو مسلمان

---

[1] مظاہر حق جلد ا صفحہ ۴۲۰ [2] دیکھئے فتح الملہم جلد ۲ ص

اچھا سمجھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں. سو یہ اعمال بدعات کے زمرے میں نہیں آتے. ان کا استدلال یہ ہے کہ تمام مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں وہ بدعت نہیں ہو سکتی۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اہل بدعت کو حدیث پاک کے مفہوم و مطلب کے سمجھنے میں بڑی غلطی لگی ہے. وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری بدعات میں چونکہ بہت سے مسلمان شامل ہو جاتے ہیں اور ان کو اچھا سمجھتے ہیں، اسی لیے یہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہونگی حاشا حدیث پاک کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جسے عام مسلمان اچھا سمجھ لیں تو وہ اچھی بن کر دین بن جائے ـــــ علماء اسلام نے اس کا مطلب واضح کر دیا ہے جس سے یہ شبہ دفع ہو جائے گا. صاحب مجالس الابرار لکھتے ہیں:۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اکثر لوگ ان بدعتوں کے جواز میں جن کے وہ عادی ہیں اس حدیث سے سند لاتے ہیں. اور وہ یہ ہے کہ جس بات کو مسلمان اچھا سمجھیں ... الخ تو کیا ان کا یہ استدلال صحیح ہے؟ ـــــ (جواب یہ ہے کہ) ان کا یہ استدلال جیسا کہ بعض فضلاء نے کہا ہے ٹھیک نہیں ہے اور یہ روایت ان کو مفید نہیں، بلکہ مضر ہے. کیونکہ یہ اس حدیث کا ٹکڑا ہے جو عبداللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے اور اس کو احمد اور بزار، طبرانی، طیالسی. ابونعیم نے اس طرح روایت کیا ہے[۱]:۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا. پھر آپ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا، پھر اس نے اپنے بندوں کے دلوں کی طرف دیکھا تو اُن میں سے آپ کے لیے اصحاب منتخب کیے اور ان کو دین اسلام کا مددگار اور نبی علیہ السلام کا وزیر بنایا. بس جس چیز کو یہ مومنین اچھا سمجھیں، وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی. اور جس چیز کو یہ مومنین بُرا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے۔

---

[۱] علامہ جمال الدین زیلعی نے نصب الرایہ جلد ۴ صفحہ ۱۳۳ پر اور علامہ صلاح الدین علائی نے بھی اس کو ابن مسعودؓ پر موقوف بتلایا ہے۔

(۱) اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ المسلمون میں الف لام مطلق جنس کے لیے نہیں ہے (اگر مطلق جنس کے لیے ہو تو) اس صورت میں یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے خلاف پڑے گی کہ میری امت میں تہتّر فرقے ہوں گے جن میں سوائے ایک کے سب دوزخی ہوں گے، سو امت کا ہر فرقہ اپنے ہی مذہب کو اچھا اور سچا سمجھتا ہے۔ تو لازم آئے گا کہ کوئی فرقہ دوزخی نہ ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے)۔

(۲) اسی طرح چند مسلمان ایک بات کو اچھا سمجھتے ہیں اور چند مسلمان بُرا تو لازم آتا ہے کہ حُسن و قبیح میں کوئی تمیز نہ رہے۔

(۳) یا تو الف لام عہد کے لیے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ معہود وہی لوگ ہیں جن کا ذکر انتخار صحابہؓ میں ہے۔ پس المسلمون سے مراد فقط صحابہؓ ہیں۔

(۴) یا خصائص جنس کے استغراق کے لیے ہے پس المسلمون سے مراد وہ لوگ ہیں جو مجتہد ہیں اور اسلام کی صفت میں کامل ہیں۔ تو اب معنی یہ ہوں گے کہ جس بات کو صحابہ کرامؓ یا اہل اجتہاد اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی عمدہ ہے اور جس کو صحابہ کرامؓ یا اہل اجتہاد قبیح سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔

(۵) اور ممکن ہے کہ لام استغراقِ حقیقی کے لیے ہو، اس صورت میں معنی ہو گا کہ جس بات کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس بات کو تمام مسلمان بُرا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے اور جس بات میں اُن کا اختلاف ہو جائے تو اب اس میں قرونِ ثلاثہ کا اعتبار ہو گا جس کی نسبت خیر کی شہادت ہے۔ مجالس الابرار مترجم ص۱۱

اہلسنت وہی ہیں جو بنیاد دین یہی ہے لیں صحابہ کرامؓ اور قرونِ ثلثہ مشہود لہا بالخیر کی پیروی کریں۔ نہ وہ لوگ کہ اپنی پسند کو صحابہؓ کی پسند کے درجہ میں رکھیں اور اپنے آپ کو ان کے برابر سمجھیں

نوٹ

○ مجالس الابرار کتاب کی امام ہمام حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے تعریف وتوصیف فرمائی ہے اور اس کے مصنف کو عالم، متدین، متورع اور علوم شرعیہ کے فنونِ مختلفہ پہ حاوی بتایا ہے۔ اسی طرح "کشف الظنون" اور "اتحاف النبلاء" میں بھی اس کی تعریف کی گئی ہے۔[1]

مندرجہ بالا تفصیلی عبارت سے واضح ہوگیا کہ یہ روایت جسے اہلِ بدعت بار بار بطورِ دلیل کے پیش کرتے ہیں درحقیقت صحابہ کرامؓ ہی کے بارے میں ہے۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ جس چیز کو اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس کو وہ بُرا سمجھیں اس کی قباحت کا انکار ممکن نہیں۔ اب آپ ہی سوچیں کہ وہ تمام بدعات جن پہ اہلِ بدعت کو بڑا ناز ہے (اور نہ کرنے والوں کو لعن وتشنیع کرتے ہیں) صحابہ کرامؓ سے ثابت ہیں یا نہیں؟ ائمہ مجتہدین سے ثابت ہیں یا نہیں؟ اگر اس میں خیر کا کوئی پہلو ہوتا تو ہرگز ہرگز صحابہ کرامؓ اسے ترک نہ کرتے۔ اس لیے کہ ان کا علم بھی وسیع تھا اور عمل بھی بے نظیر، عشق بھی درجۂ کمال تک پہنچا ہوا تھا اور جذبۂ اطاعت بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، نیکی اور بھلائی کے حریص بھی تھے اور ہر نیکی وبھلائی کو حاصل کر کے اس پر عمل بھی فرمایا کرتے تھے۔ مگر آپ دیکھتے ہیں کہ (ان تمام بدعات پر) نہ تو ان مبارک ہستیوں نے عمل کیا نہ انہوں نے اس کی تاکید کی۔ لہٰذا یہ روایت اہلِ بدعت کے لیے دلیل نہیں بلکہ ان کی مخالفت وتردید پہ صریح ہے۔ اسی لیے صاحب "مجالس الابرار" نے فرمایا کہ "ان کو مفید نہیں بلکہ مُضر ہے۔"

؎ چمن میں تھیں ڈالیاں ہزاروں مگر مقدر کا کھیل دیکھو
گری اسی شاخ پہ ہے بجلی بنایا تھا جس پہ آشیانہ

---

[1] دیکھئے مقدمہ کتاب صہ ۳ مجالس الابرار

(۲) حضرت امام عبد اللہ الحاکم (۵ ۴۰۵ھ) سند صحیح کے ساتھ اس روایت کو اس طرح نقل کرتے ہیں۔

ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن و ماراٰہ المسلمون سیئا فھو عند اللہ سیئ و قد رای الصحابۃ جمیعا ان یستخلفوا ابابکر[۱]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ روایت درحقیقت صحابہ کرامؓ ہی کے بارے میں ہے اور انہی کے قول وعمل پر حسن کا دار و مدار ہے

(۳) احناف کی مشہور کتاب "شامی" میں ہے :۔

لاشک ان فعل الصحابۃ حجۃ و ماراٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن[۲]

ان عبارات کا حاصل یہ کہ صحابہ کرامؓ جس چیز کو اچھا سمجھیں وہی اچھی اور جس کو برا سمجھیں وہ بری ہوگی۔ آج کل کے عوام کا کسی چیز کو اچھا سمجھ لینا دین و شریعت نہیں بن سکتا۔ کہ جس کو اہل بدعت تائید میں پیش کریں۔ وہ شریعت بن جائے۔

عامۃ الناس کے عمل سے سند

اہل بدعت کی جانب سے یہ دلیل اکثر و بیشتر پیش کی جاتی ہے کہ اس میں بہت لوگوں کا تعاون ہے اور ان بدعات میں لوگوں کی رغبت ہے۔ اس لیے لوگوں کا تعامل و تعاون اس بات کی دلیل ہے کہ یہ چیز اللہ کے نزدیک مستحسن ہوگی اور بدعت نہیں کہلا سکتی، اتنے مسلمانوں کی بات کو اللہ تعالیٰ کیسے رد کرے گا۔

جواب

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بدعت بدعت ہی ہے مخلوق کا تعامل یا ان کا تعاون بدعت کو سنت نہیں بنا سکتا اور نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اب یہ بدعت نہیں رہی۔ امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں :۔

---

[۱] المستدرک للحاکم جلد ۳ ص۷۸ [۲] شامی جلد ۱ ص۲۰۴

بے شک ابن عباسؓ نے سچ کہا ہے کیونکہ جو شخص اس زمانہ میں دین پر قائم نہ رہے بلکہ مخلوقات کے ساتھ جس میں وہ لگے ہوں لگ جائے اور جس میں وہ مصروف ہوں یہ بھی مصروف ہو جائے، جس میں وہ ڈوبے ہوئے ہوں یہ بھی ڈوب جائے تو وہ بھی ان کی طرح ہی ہلاک ہوگا۔[1]

صاحب مجالس الابرار بھی لکھتے ہیں :-

حق کو اختیار کرو اور اس پر عمل کرو اگرچہ اس پر عمل کرنے والے کم ہوں اور مخالف زیادہ ہوں۔ اس لیے کہ وہ حق ہے جس پر پہلی جماعت یعنی صحابہ کرامؓ ہوں اور بعد صحابہؓ کے انبوہ باطل کا کچھ اعتبار نہیں۔[2]

حضرت فضیل بن عیاضؒ بھی فرماتے ہیں :-

ہدایت کی راہ مضبوطی سے اختیار کرو۔ اس پر چلنے والوں کی کمی کا کچھ ضرر نہیں اور گمراہی کے راستے سے بچتے رہو۔ اس میں مبتلا ہونے والوں کی کثرت سے دھوکا نہ کھاؤ۔

بعض سلفؒ کا مقولہ ہے :-

جب تم شریعت کے مطابق ہو جاؤ اور حقیقت کو سمجھ لو تو کچھ پروا نہ کرو اگرچہ ساری خلقت تمہاری رائے کے خلاف ہو جائے۔[3]

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ مخلوق کی کثرت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اصل اعتبار کتاب و سنت کا ہے۔ سیدنا مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندیؒ نے بھی بہت خوب لکھا ہے :-

اس زمانے کے اکثر علماء بدعتوں کو رواج دیتے ہیں اور سنتوں کو محو کرتے ہیں، شائع اور پھیلی ہوئی بدعات کو تعامل جان کر جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو بدعت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر

---

[1] مجالس الابرار ص۱۷۳ [2] ایضاً ص۱۷۲ [3] ایضاً ص۱۷۳

گمراہی شائع ہو جائے اور باطل متعارف و مشہور ہو جائے تو تعامل ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ تعامل استحسان کی دلیل نہیں، تعامل جو معتبر ہے وہ وہی ہے جو صدر اول سے آیا ہے یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا ہے جیسا کہ فتاویٰ غیاثیہ میں مذکور ہے۔

شیخ الاسلام شہید کا ارشاد نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ایک شہر کا تعامل جواز پر دلالت نہیں کرتا، وہ تعامل جواز پر دلالت کرتا ہے جو صدر اول سے استمرار کے طور پر ہوتا چلا آیا ہو۔ تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر پر دلیل ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے اس کا مشروع ہونا ثابت ہو اور اگر اس قسم کا تعامل نہ ہو تو لوگوں کا فعل حجت نہیں ہو سکتا۔[1]

حضرت مجدد صاحب کے ارشاد سے معلوم ہو گیا کہ مخلوق کا تعامل جواز کی دلیل و حجت نہیں وہی بات حجت اور معتبر ہے جو صدر اول یعنی کتاب و سنت، صحابہ کرامؓ اور اسلاف عظام سے ثابت و صحیح ہو۔ فافہم

صوفیہ کے عمل سے کیا بدعات کو سند مل سکتی ہے؟

اہل بدعت بدعات کے جواز میں حضرات صوفیہ کرام و مجذوبین کا قول و عمل پیش کر کے کہتے ہیں کہ ان کا قول و عمل اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بدعت نہیں اور بنظر غائر دیکھا جائے تو اکثر و بیشتر ایسے ہی اقوال و اعمال پر بدعات کی عمارت استوار کی جاتی ہے، لوگ اپنے پیر خانوں کے نام سے چپنے لگتے ہیں۔

جواب

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ حضرات صوفیہ بے شک بزرگوں میں سے ہیں لیکن ان کا

[1] مکتوبات دفتر دوم ص۵۴

قول و عمل جب تک کتاب و سنت کے ترازو پر نہ تولا جائے گا معتبر نہ ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ صوفیہ کرام و مجذوبین سے بعض اوقات حالت وجد میں یا حال کے وارد ہونے پر ایسے اعمال و اقوال سرزد ہو جاتے ہیں جن کا تعلق صرف ان کے اس حال سے مخصوص ہوتا ہے۔ اور ان کے اس حال کو خدا کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ان کے اس قول و عمل کو شریعت نہیں قرار دیا جا سکتا سیدنا مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

صوفیا کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں ہے۔ ہمیں اتنا کافی ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ اس معاملہ (یعنی حلت و حرمت) میں۔ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلیؒ، ابوالحسن نوریؒ کا عمل۔ اس زمانہ کے صوفیاء خامؒ نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر سرود و رقص کو اپنے دین و ملت کے طور پر اختیار کیا ہے اور اس کو طاعت و عبادت بنا لیا ہے۔ اتخذوا دینھم لھوا ولعبا (انہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے)۔[1]

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

احکام شرعیہ کے ثابت کرنے میں معتبر کتاب و سنت ہے اور مجتہدوں کا قیاس اور اجماع امت بھی حقیقت میں احکام کے مثبت ہیں۔ ان چار شرعی دلیلوں کے سوا اور کوئی ایسی دلیل نہیں جو احکام شرعیہ کو ثابت کر سکے۔ الہام حلت و حرمت کو ثابت نہیں کرتا اور باطن والوں کا کشف فرض و سنت کو ثابت نہیں کرتا ولایت خاصہ والے لوگ اور عام مومنین مجتہدوں کی تقلید میں برابر ہیں۔[2]

سیدنا مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں کسی نے ایسے ہی کسی بزرگ کا عمل پیش کر کے حجت بنانا چاہا تو آپ اس کی تاب نہ لا سکے اور آپ کے قلم سے بے اختیار یہ فقرے نکل گئے۔

---

[1] مکتوبات شریف دفتر اول ص۲۶۶ [2] ایضاً دفتر دوم ص۱۲۶

مخدوما! فقیر کو ایسی باتوں کے سننے کی تاب نہیں. بے اختیار میری رگِ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے، اور تاویل و توجیہ کا موقع نہیں دیتی. ایسی باتوں کے قائل خواہ شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر، ہمیں کلام محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام درکار ہے نہ کہ کلام محی الدین ابن عربیؒ و صدر الدین قونویؒ و شیخ عبدالرزاق کاشیؒ. ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص سے، فتوحاتِ مدینہ نے فتوحاتِ مکیہ سے مستغنی بنا دیا ہے[1]

مطلب یہ ہے کہ دینی معاملات میں ائمہ مجتہدین کا قول تو معتبر ہو سکتا ہے صوفیہ کرام کا نہیں (اگر کتاب و سنت سے ثابت ہو تو پھر اور بات ہے) اس لیے کہ وہ محض صوفیہ ہیں. اہل اجتہاد میں سے نہیں. حضرت امام ترمذی (۲۷۹ھ) ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں.

وکذلک قال الفقہاء وھو اعلم بمعانی الحدیث[2]

ترجمہ. اور اسی طرح فقہاء نے فرمایا ہے اور وہ حدیث کے معانی کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں.

حضرت امام وکیعؒ (۱۹۷ھ) بھی فرماتے ہیں :-

وحدیث یتداولہ الفقہاء خیر من ان یتداولہ الشیوخ[3]

ترجمہ. اور وہ حدیث جس کو فقہاء روایت کرتے ہیں اس سے زیادہ بہتر ہے جس کو صرف شیوخ بیان کرتے ہوں.

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

فان علم الحلال والحرام انما یتلقی من الفقہاء[4]

ترجمہ. حلال و حرام کا علم (اور مسائل) تو فقہا ہی سے اخذ کیے جا سکتے ہیں.

پتہ چلا کہ دینی معاملات میں یا کسی چیز کی حلت و حرمت میں نرے صوفیہ و شیوخ کے اقوال

---

[1] مکتوبات شریف دفتر اول ص۲۳۵ [2] ترمذی جلد ۱ ص۱۸ [3] معرفۃ علوم الحدیث ص۱۱ [4] فتح الباری ص۳۰ بحوالہ مقام ابی حنیفہ

و اعمال کو بطورِ حجت پیش کرنا درست نہیں، اعتبار و اعتماد فقہاء کرام کا ہے اس لیے کہ وہ دین کے مسائل پہ گہری نظر رکھتے ہیں اور دین کی لم سے واقف ہے اور بات اصل سے کہتے ہیں بےسند نہیں۔

صاحبِ مجالس الابرار بھی تحریر فرماتے ہیں:۔

دلیل مخصص وہی دلیل ہوتی ہے جو شرعی ہو اور قرآن و حدیث اور ان لوگوں کے اجماع سے جو اہلِ اجتہاد ہیں ماخوذ ہو ——— اور جو عابد زاہد اہلِ اجتہاد نہیں ہیں وہ عوام میں داخل ہیں ان کی بات کا اعتبار نہیں۔ ہاں اگر ان کی بات اصول اور معتبر کتابوں کے مطابق ہو تو پھر اس وقت معتبر ہوگی۔ خلافِ قرآن وحدیث کسی عابد و زاہد کی بات نہ ماننا خود حدیث و اجماع امت سے ثابت ہے اور ساتھ ہی قرآن میں بھی اس کا اشارہ پایا جاتا ہے۔[1]

مشائخ اور صوفیہ سے کوئی ایسی بات دیکھیں جو بظاہر قرونِ ثلٰثہ (اسلام کے بہترین زمانوں) میں نہ پائی گئی تو یہی بس ہے کہ ہم اس پہ انہیں ملامت نہ کریں اور اسے منکرات میں نہ سمجھیں لیکن یہ نہیں کہ اس کی سند پکڑیں اور اسے نیکی کا کام سمجھ کر آگے عمل میں لائیں۔ فقہاء جو بات کہیں گے وہ کتاب و سنت سے ماخوذ ہوگی اور اجتہاداً انہوں نے دریافت کی ہوگی اور مشائخ اگر کوئی ایسی بات کریں یا کہیں تو ہو سکتا ہے کہ ان پر کوئی حال وارد ہو یا وہ یہ بات فقط علاجاً کہہ رہے ہوں ——— پیران کرام کے عمل سے نہ کسی اصل شرعی کی تخصیص جائز ہے نہ اس میں امت کے لیے کوئی راہِ عمل ہے۔ اپنے پیروں کے عمل کے بہانے سے کسی عمل کو مسجد میں سند بنانا جائز نہیں۔

صحابہؓ خود بدعت کا موضوع نہیں

صحابہؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر صحبت سے اس درجہ تزکیہ قلب ہو چکا تھا کہ اُن کے سینوں میں رضاء الٰہی کے خلاف کسی نفسانی خواہش کی دھڑکن تک نہ سنی جاتی تھی۔ بدعت کا سرچشمہ ذہنی

[1] مجالس الابرار ص ۱۶۲

رہا نہ گی اور نفسانی خواہشات ہوتی ہیں یہیں سے بدعات کے سوتے پھوٹتے ہیں جب یہ ان حضرات میں منتفی ہوئیں تو یہ ناممکن ہوا کہ کوئی صحابی اپنے طور پر دین میں کوئی نیا کام پیدا کرے اور دین میں وہ دین میں وہ چیز لے آئے جو دین میں سے نہ ہو۔

اُدھر حضورؐ نے فرمایا کہ میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کرو تم راہ ہدایت پا لو گے اب ظاہر ہے کہ ستاروں سے روشنی ہی ملے گی — روشنی تیز ہو مدھم — لیکن ملے گی روشنی ہی اندھیرا کسی سے نہ ملے گا سو صحابہؓ دین کا کوئی کام گو وہ نصاً اور صراحۃً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ بھی منقول ہو، وہ بدعت نہ سمجھا جائے گا ہم یقین رکھیں گے کہ اس صحابی کے پاس اس باب میں حضورؐ سے کوئی مثل ضرور پہنچی ہوگی۔

صحابہؓ کا یہ مقام کسی بڑے سے بڑے شیخ طریقت کو حاصل نہیں، شیخ طریقت اپنے متوسلین کو کسی ایسی چیز کا پابند کرے جو پابندی شریعت نے نہیں لگائی یا جو چیز شرعاً لازم نہیں اس کا التزام کرے اسے اگر کسی درجے میں گوارا کیا جا سکتا ہے تو صرف اس تاویل سے کہ ایسا کرنا عقیدت مندوں کے لیے صرف علاجاً تجویز کیا جا رہا ہے یہ صرف صحابہ کا مقام ہے کہ ان کی دین کی بتائی ہر بات شریعت سمجھ کر قبول کی جائے۔ اگر کوئی بات ان کی اجتہاداً درست نہ بھی ہو تو بھی اس پر بدعت کا طلاق ہرگز نہ ہوگا۔ بدعت کی حد یہ ہے کہ صحابہؓ کے عمل میں اس کی کوئی اصل موجود نہ ہو — بدعت کا دور ان کے بعد شروع ہوا ہے۔ حضرت حذیفہؓ (۳۶ھ) کہتے ہیں:۔

کل عبادة لم یتعبد ھا اصحاب رسول الله فلا تعبدوھا۔

ترجمہ۔ رضاء الٰہی کے ارادے سے کی جانے والی ہر نیکی جسے صحابہؓ نے دین کی بات نہیں سمجھا تم ہرگز اسے دین نہ سمجھنا

مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ لکھتے ہیں:

(۱) سنّت و بدعت باہم متقابل ہیں۔ جب کہا جائے کہ فلاں چیز سنت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ "بدعت" نہیں۔ اور جب کہا جائے کہ یہ چیز "بدعت" ہے تو اس کے دوسرے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ چیز خلافِ سنت ہے۔

(۲) میرا، آپ کا اور تمام مسلمانوں کا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ایک طرف گذشتہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتیں منسوخ ہوگئیں، تو دوسری طرف آئندہ قیامت تک کے لئے نبوّت کا دروازہ بند ہوگیا۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد ایک آپؐ ہی کی ذاتِ گرامی ہے جس کے ذریعہ حق تعالیٰ شانہٗ کی پسند و ناپسند معلوم ہوسکتی ہے۔ اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پسند و ناپسند کا جو آئین دیا اسی کا نام دین و شریعت ہے۔ جس کی تکمیل کا اعلان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے تین مہینے پہلے میدانِ عرفات میں کر دیا گیا۔ اب نہ اس دین میں کمی ہوسکتی ہے اور نہ کسی اضافے کی گنجائش ہے۔

(۳) سنّت طریقہ کو کہتے ہیں۔ پس عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور عادات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ اپنایا وہ "سنّت" ہے اور اس کے خلاف "بدعت" ہے۔ طریقۂ نبویؐ کا علم ہمیں قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ سے ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ساتھ خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم) کی سنت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے، (یہ حدیث میں اس مضمون کی تمہید میں نقل کر چکا ہوں) اس لئے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت بھی سنت نبوی کا حکم رکھتی ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے بہت سے فضائل بیان فرمائے ہیں، ان کو دین کے معاملہ میں ثقہ اور امین فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

اکرموا اصحابی فانھم خیارکم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ ثم یظھر الکذب، الحدیث (مشکوٰۃ ص۵۵۴)

میرے صحابہ کی عزت کرو، کیونکہ وہ تم میں سب سے پسندیدہ لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔ اس کے بعد جھوٹ کا ظہور ہوگا۔"

ایک حدیث میں ہے کہ میرا جو صحابی کسی زمین میں فوت ہوگا وہ قیامت کے دن لوگوں کا قائد اور نور بن کر اٹھے گا۔ (حوالہ بالا)

یہ مضمون بہت سی احادیث میں ارشاد ہوا ہے، ادھر قرآنِ کریم نے جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کو "المؤمنین" اور "خیر امت" کا خطاب دیکر ان کے راستے پر چلنے کا حکم دیا ہے۔ اور جو شخص ان کے راستے سے ہٹ جائے اُسے گمراہ قرار دیکر اس کو جہنم میں جھونکنے کی وعید سنائی ہے۔ اور بہت سی آیاتِ کریمہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رحمت و رضوان کے مژدے سنائے ہیں۔ اس لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کا آئینہ ہے۔ جو کام ان اکابر نے بالاتفاق کیا ہو یا جس کام کو بالاتفاق ترک کر دیا ہو وہ قطعی ہے۔ اور اس سے انحراف کسی کے لئے جائز نہیں۔ اور جو کام بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا اور کسی نے اس پر نکیر نہ کی وہ بھی بلاشبہ حق و صواب ہے۔ اور

اس میں کسی شک و ارتیاب کی گنجائش نہیں،

الغرض کسی چیز پر صحابہ کرامؓ کا تعامل اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین زمانے کے لوگوں کو خیرالقرون کے لوگ فرمایا ہے، یعنی صحابہ کرامؓ۔ ان کے شاگرد، اور ان کے شاگردوں کے شاگرد (ان کو تابعین اور تبع تابعین کہا جاتا ہے) اس لئے ان تین زمانوں میں بغیر کسی روک ٹوک کے جس چیز پر مسلمانوں کا عمل درآمد رہا وہ سنت کے دائرے میں آتی ہے۔

⑤ "سنت" کی اس تشریح سے "بدعت" کی حقیقت خود بخود معلوم ہو جاتی ہے۔ یعنی جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں معمول و مروج نہ رہی ہو اُسے دین کی بات سمجھکر کرنا "بدعت" کہلاتا ہے۔ مگر اس کی مزید تشریح کیلئے چند چیزوں کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

اوّل: یہ کہ جس مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سے زیادہ صورتیں منقول ہوں، وہ سب سنت کہلائیں گی۔ ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر کے دوسری کو "بدعت" کہنا جائز نہیں، الّا یہ کہ ان میں سے ایک منسوخ ہو، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آمین بالجہر بھی ثابت ہے اور آہستہ بھی ——— لہٰذا یہ دونوں سنت ہیں، اور ان میں سے کسی ایک کو "بدعت" کہکر اسکی مخالفت جائز نہیں۔

دوم: ایک کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثری معمول تھا، مگر دوسرا کام آپ نے کبھی ایک آدھ مرتبہ کیا، اس صورت میں اصل "سنت"، تو آپ کا اکثری معمول ہوگا، مگر دوسرے کام کو بھی، جو آپ نے بیانِ جواز کے لئے کیا، "بدعت" کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ اُسے "جائز" کہیں گے اگرچہ اصل سنت وہی ہے جس پر آپ نے ہمیشہ عمل فرمایا

سوم: ان تین زمانوں کے بعد جو چیزیں وجود میں آئی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جن کو خود مقصود سمجھا جاتا ہے۔ دوسری وہ جو خود مقصود بالذات

نہیں، بلکہ کسی مامور شرعی کے حصول کا ذریعہ سمجھ کر ان کو کیا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم اور حدیث نبوی میں دین کا علم سیکھنے سکھانے اور پڑھنے پڑھانے کے بے شمار فضائل آئے ہیں اور اس کی نہایت تاکید فرمائی گئی ہے۔ اب حصولِ علم کے وہ ذرائع جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے زمانے کے بعد ایجاد ہوئے، ان کو اختیار کرنا بدعت نہیں کہہ سکے گا۔ بشرطیکہ وہ بذات خود جائز ہوں، کیونکہ یہ ذرائع خود مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ مامور شرعی کا ذریعہ محض ہیں۔

اسی طرح مثلاً قرآن کریم اور حدیث نبوی میں جہاد کے بہت سے فضائل آئے ہیں۔ تو جن ذرائع سے جہاد کیا جاتا ہے اور جو ہتھیار جہاد میں استعمال کئے جاتے ہیں ان کو اختیار کرنا محض اس لئے "بدعت" نہیں کہلائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرامؓ کے مبارک دور میں یہ آلات و ذرائع نہیں تھے کیونکہ یہ ذرائع خود مقصود بالذات نہیں نہ ان کو بذات خود دین سمجھ کر کیا جاتا ہے۔

اسی طرح سفر حج بہت بڑی عبادت ہے۔ مگر سفر کے جدید ذرائع اختیار کرنا بدعت نہیں۔ کیونکہ ہوائی جہاز یا بحری جہاز میں بیٹھنے کو بذات خود عبادت نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ حصول عبادت کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔

الغرض جو چیزیں ماموراتِ شرعیہ کے لئے ذریعہ اور وسیلہ کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کا استعمال جائز ہے، لیکن کسی چیز کو بذات خود دین کے کام کی حیثیت سے ایجاد کرنا بدعت ہے۔

چہارم: قرآن کریم اور حدیث نبوی میں بہت سے مسائل شریعت کے اصول و قواعد ارشاد فرمائے گئے ہیں، اور اہل استنباط کو ان اصول و قواعد کی روشنی میں ان نئے مسائل کا حکم معلوم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے جو بعد میں رونما ہونے والے تھے۔ پس خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی تعمیل میں ائمہ ہدیٰ نے جو مسائل قرآن و سنت سے نکالے ان کو بھی

بدعت نہیں کہا جائے گا، کیونکہ وہ سب قرآن کریم اور حدیث نبوی سے ہی ثابت ہو گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم، سنت نبوی، تعامل صحابہ و تابعین کے بعد ائمہ اجتہاد کے اجتہادی مسائل کو بھی دین کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اور "اجتہاد" بھی دلائل شرعیہ میں سے ایک غیر مستقل شرعی دلیل ہے۔

پنجم: جو بات نہ قرآن کریم سے ثابت ہو، نہ حدیث نبویؐ سے، نہ تعامل صحابہ و تابعین سے۔ اور نہ فقہائے امت کے اجتہاد و قیاس سے، وہ دین سے خارج ہے، اس کو نہ کسی بزرگ کے کشف و الہام سے "دین" بنایا جا سکتا ہے۔ اور نہ کسی پڑھے لکھے کی قیاس آرائی سے ـــــ کیونکہ شریعت کے دلائل یہی چار ہیں جو میں نے اوپر ذکر کئے۔ ان کے علاوہ کسی چیز کو شرعی دلیل کی حیثیت سے پیش کرنا بجائے خود "بدعت" ہے، چہ جائیکہ اس سے دین کی کسی چیز کو ثابت کیا جائے۔

(۶) "بدعت" کی دو قسمیں ہیں ایک اعتقادی، دوسری عملی ـــــ اعتقادی بدعت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ ایسے عقائد و نظریات رکھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے خلاف ہوں۔ "ظلمات بعضہا فوق بعض" کے مطابق آگے ان کی بہت سی قسمیں بن جاتی ہیں۔ بعض صریح کفر ہیں۔ جیسے قادیانیوں کا یہ عقیدہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ـــــ نعوذ باللہ ـــــ نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ یا یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ وغیرہ۔ اور بعض اعتقادی بدعتیں کفر تو نہیں، مگر ان کو ضلالت و گمراہی کہا جائے گا۔

عملی بدعت یہ کہ کسی عقیدے میں تو تبدیلی نہ ہو، مگر بعض اعمال ایسے اختیار کئے جائیں جو سلف صالحین سے منقول نہیں ـــــــــ

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "بدعت" کی جتنی مذمت فرمائی ہے شاید کفر و شرک کے بعد کسی اور چیز کی اتنی برائی نہیں بیان فرمائی ـــــ اس سلسلہ

کی ایک دو حدیثیں میں مضمون کے شروع میں نقل کر چکا ہوں اور اگر مزید نقل کروں گا تو یہ مضمون زیادہ طویل ہو جائے گا، ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ بدعت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردود و ملعون اور ضلالت و گمراہی فرمایا ہے۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص بدعت ایجاد کرے یا اس میں مبتلا ہو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کسقدر ذلیل آدمی ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اس کا کوئی فرض و نفل اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ جس شخص نے کسی صاحب بدعت کی توقیر کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد دی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص "الجماعت" سے ایک بالشت بھی دور ہٹا اس نے اسلام کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا ـــــــ (مشکوٰۃ شریف ص۳۱)

ان ارشادات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بظاہر معمولی سی بدعت سے بھی کسقدر نفرت تھی۔

رہا یہ کہ "بدعت" اسقدر مبغوض چیز کیوں ہے؟ اکابر امت نے اس پر بہت طویل کلام کیا ہے۔ میں نہایت اختصار کے ساتھ یہاں چند وجوہ کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

اوّل: یہ کہ دینِ اسلام کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہو چکی اور وہ تمام باتیں جن سے حق تعالیٰ شانہٗ کا قرب و رضا حاصل ہو سکتی تھی ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا، اب جو شخص دین کے نام پر کوئی بدعت گھڑ کر لوگوں کو اس کی دعوت دیتا ہے وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین نعوذ باللہ ناقص ہے، اور قرب و رضائے خداوندی کا جو راستہ اس احمق کو معلوم ہوا ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) معلوم نہیں ہوا۔ یا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ شریعت کا جو فہم اور منشائے خداوندی کا جو ادراک اس مبتدع کو ہوا وہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ کو ہوا اور نہ صحابہؓ و تابعینؒ کو ـــــــ نعوذ باللہ۔

الغرض جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعینؒ نے نہیں کیا آج جو شخص اس کو عبادت اور دین بتاتا ہے وہ نہ صرف سلف صالحین پر بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر حملہ کرتا ہے۔ پس ایسے شخص کے مردود ہونے میں کیا شبہ ہے!

دوم: بدعت کے علاوہ آدمی جو گناہ بھی کرتا ہے اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ میں ایک غلط کام کر رہا ہوں، وہ اس گناہ پر پریشان ہوتا ہے اور اس سے توبہ کر لیتا ہے، مگر "بدعت" ایسا منحوس گناہ ہے کہ کرنے والا اسکو غلطی سمجھکر نہیں بلکہ ایک "اچھائی" سمجھ کر کرتا ہے، اور شیطان اس گناہ کو اس کی نظر میں ایسا خوبصورت بناکر پیش کرتا ہے کہ اسے اپنی غلط روی کا کبھی احساس ہی نہ ہو پائے اور وہ مرتے دم تک توبہ سے محروم رہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے گنہ گاروں اور پاپیوں کو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے، مگر بدعت کے مریض کو کبھی شفا نہیں ہوتی، الّا یہ کہ خدا تعالیٰ کی خاص رحمت اسکی دستگیری کرے اور اس کی برائی اس کے سامنے کھل جائے۔

سوم: آدمی کو بدعت کی نحوست اور تاریکی سنت کے نور سے محروم کر دیتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ما احدث قومٌ بدعةً الا رفع مثلها من السنة فتمسك بسنة خيرٌ من احداث بدعة۔ (رواہ احمد۔ مشکوٰۃ ص۳۱)	جب کوئی قوم کوئی سی بدعت ایجاد کر لیتی ہے تو اس کی مثل سنت اس سے اٹھالی جاتی ہے۔ اس لئے چھوٹی سے چھوٹی سنت پر عمل کرنا بظاہر اچھی سے اچھی بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

ما ابتدع قومٌ بدعةً فی دینهم   جب کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت

الا نزع الله من سنتهم مثلها ثم لا یعیدها الیهم الی یوم القیامۃ (رواہ الدارمی عن حسان موقوفا مشکوٰۃ ص۳۱) | مگر لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی بقدر سنت اس سے چھین لیتے ہیں اور پھر قیامت تک اسے انکی طرف واپس نہیں لوٹاتے۔

اور سنت سے اس محرومی کا سبب یہ ہے کہ بدعت میں مبتلا ہونے کے بعد قلب کی نورانیت و صلاحیت زائل ہو جاتی ہے۔ آدمی حق و باطل کی تمیز کھو بیٹھتا ہے، اس کی مثال اس اناڑی کی سی ہو جاتی ہے جس کو کسی نوسرباز نے روپیہ بڑھانے کا جھانسہ دیکر اس سے اصلی نوٹ چھین لئے ہوں، اور جعلی نوٹوں کی گڈی اس کے ہاتھ میں تھما دی ہو۔ وہ احمق خوش ہے کہ اسے ایک کے بدلے میں سو مل گئے مگر یہ خوشی اسی وقت تک ہے جب تک وہ انہیں لیکر بازار کا رخ نہیں کرتا۔ بازار جاتے ہی اس کو نہ صرف کاغذ کے ان بے قیمت پرزوں کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ بلکہ جعلی کرنسی کے الزام میں اسے ہتھکڑی بھی لگا دی جائے گی ——— خوب سمجھ لیجئے کہ آخرت کے بازار میں صرف اور صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا سکہ چلے گا۔ اور جن لوگوں نے بدعتوں کی جعلی کرنسیوں کے انبار لگا رکھے ہیں وہاں ان کی قیمت ایک کوڑی بھی نہ ہوگی۔ بلکہ سکۂ محمدی کے مقابلے میں جعلی کرنسی بنانے اور رکھنے کے الزام میں پابند سلاسل کر دیئے جائیں گے ——— حدیث نبویؐ میں ارشاد ہے کہ

"میں حوض کوثر پر تم سے پہلے موجود ہوں گا۔ جو شخص میرے پاس آئے گا وہ اس کا پانی پیئے گا۔ اور جو ایک بار پی لے گا پھر اسے کبھی پیاس نہیں ہوگی۔ کچھ لوگ میرے پاس وہاں آئیں گے، جن کو میں پہچانتا ہوں گا۔ اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے۔ مگر میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ پیدا کر دی جائے

گی۔ میں کہوں گا کہ یہ تو میرے آدمی ہیں۔ مجھے جواب ملے گا کہ "آپ نہیں جانتے انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا" یہ جواب سنکر میں کہوں گا:

سحقاً سحقاً لمن غیّر بعدی — پھٹکار پھٹکار ان لوگوں کے لئے جنھوں نے میرے بعد میرا طریقہ بدل ڈالا۔ (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۸)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ کر دین میں نئی نئی بدعتیں ایجاد کر لی ہیں وہ قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر سے محروم رہیں گے۔ اس سے بڑی محرومی کیا ہو سکتی ہے؟ یہی سبب ہے کہ اکابر امت کو "بدعت" سے سخت تنفر تھا۔ امام غزالی رح امور عادیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع سنت کی تاکید کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ امورِ عادیہ میں اتباعِ سنت کی ترغیب کے لئے بیان کیا تھا، اور جن اعمال کو عبادت سے تعلق ہے اور ان کا اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے ان میں بلاعذر اتباعِ سنت چھوڑ دینے کی تو سوائے کفر خفی یا حماقتِ جلی کے اور کوئی وجہ ہی سمجھ میں نہیں آتی"۔

(تبلیغ دین ترجمہ اربعین صفحہ ۴۲)

اور امام ربانی مجدد الف ثانی رح لکھتے ہیں،

از حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ بتضرع و زاری والتجاء و افتقار و ذُل و انکسار در سترو جہار مسألت می نماید کہ ہرچہ در دین محدث شدہ است و مبتدع — بندہ، حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے تضرع اور زاری، التجاء، افتقار اور ذلت وانکسار کے ساتھ، خفیہ اور علانیہ درخواست کرتا ہے کہ دین میں جو

گشته که در زمان خیر البشر و خلفائے راشدین او نبوده ـــ علیه و علیهم الصلوات والتسلیمات ـــ اگرچه آں چیز در روشنی مثل فلق صبح بود ایں ضعیف را با جمعے که باو مستند اند گرفتار آں عمل محدث نگرداناد، و مفتون حسن آں مبتدع نکناد. بحرمة سید المختار و آل الابرار علیه و علیهم الصلوة والسلام ـــــــ

(دفتر اول مکتوب ۱۸۶)

ثابت بھی نئی پیدا کی گئی ہے، اور جو بدعت بھی گھڑ لی گئی ہے جو کہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں نہیں تھی اگرچہ وہ چیز روشنی میں سپیدۂ صبح کی طرح ہو اللہ تعالیٰ اس بندۂ ضعیف اور اس کے متعلقین کو اس نئے ایجاد شدہ کام میں گرفتار نہ فرمائے۔ اور اس کے حسن پر فریفتہ نہ کرے۔ بطفیل سید مختار اور آلِ ابرار کے علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

یہ ناکارہ حضرت مجددؒ کی یہ دعا اپنے لئے، آپ کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دہراتا ہے ـــــــ

چہارم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشادِ گرامی سحقاً سحقاً لمن غیّر بعدی (پھٹکار پھٹکار ان لوگوں پر جنہوں نے میرے بعد میرا طریقہ بدل دیا) سے "بدعت" کے مذموم ہونے کی ایک اور وجہ بھی معلوم ہو گئی۔ اور وہ یہ کہ "بدعت" سے دین میں تحریف و تغیّر لازم آتا ہے۔

شرح اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ دین قیامت تک کے لئے نازل کیا ہے، اور قیامت تک آنے والی ساری انسانیت کو اس کا مکلف کیا ہے، یہ تکلیف اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب کہ یہ دین اپنی اصلی شکل میں محفوظ بھی ہو۔ اور جس طرح پہلے دین لوگوں کی آراء و خواہشات کی نذر ہو کر مسخ ہو گئے، اور ان کا حلیہ ہی بگڑ گیا اس دین کو یہ حادثہ پیش نہ آئے۔

پس جو لوگ بدعات ایجاد کرتے ہیں وہ دراصل دینِ اسلام کے چہرے

کو مسخ کرتے ہیں اور اس میں تحریف اور تغیر و تبدل کا راستہ کھولتے ہیں، مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے اس لئے اس نے اپنی رحمت سے اس بات کا خود ہی انتظام فرما دیا ہے کہ یہ دین ہر دور میں انسانی خواہشات کی آمیزش اور بدعات کی ملاوٹ سے پاک ہے اور اہل بدعت جب بھی اس کے حسین چہرے پر بدعات کا گرد و غبار ڈالنے کی کوشش کریں، علمائے ربانیین کی ایک جماعت فوراً اسے جھاڑ پونچھ کر صاف کر دے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یحمل ھذا العلم من خلف عدولہ. ینفون عنہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاھلین (مشکوٰۃ صفحہ ۳۶)	ہر آئندہ نسل میں اس علم کے حامل ایسے عادل لوگ ہوتے رہیں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کے غلط دعوؤں اور جاہلوں کی تاویلوں کو صاف کرتے رہیں گے

اس لئے الحمد للہ اس کا تو اطمینان ہے کہ اہل باطل اس دین کے حسین چہرے کو مسخ کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ کیونکہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کا خود کار نظام پیدا فرما دیا ہے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ نئی نئی گھڑتیں اور بدعتیں ایجاد کر کے نہ صرف اپنی شقاوت میں اضافہ کرتے ہیں، بلکہ بہت سے جاہلوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

(۸) شاید آپ دریافت کریں گے کہ یہ لوگ دین میں نئی نئی جدتیں کیوں نکالتے ہیں؟ اور ان کو خدا کا خوف اس سے کیوں مانع نہیں ہوتا؟ اس کو سمجھنے کے لئے مناسب ہوگا کہ ایجادِ بدعت کے اسباب و محرکات کا مختصر سا جائزہ لیا جائے۔

اوّل: ایجادِ بدعت کا پہلا سبب جہل ہے، شرح اسکی یہ ہے کہ بدعت میں ایک ظاہری اور نمائشی حسن ہوتا ہے، اور آدمی اسکی ظاہری شکل و صورت

نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: "زین لھم الشیطان اعمالھم" کہ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے سامنے آراستہ کر دیا ہے۔

الغرض دینِ حق کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنا اور نئی نئی نظریاتی اور عملی بدعتوں کو ان کی نظر میں مزیّن کر دینا یہ شیطان کا وہ کاری حربہ ہے جس سے وہ اللہ کی مخلوق کو بلا خوف وخطر گمراہ کر سکتا ہے۔ یہ نکتہ ایک ضخیم کتاب کا موضوع ہے۔ اور امام غزالیؒ، امام ابن جوزیؒ اور امام شعرانیؒ جیسے اکابر نے اسپر مستقل رسائل اور کتابیں لکھی ہیں ——————

سوم: بدعات کی ایجاد کا تیسرا سبب حُبِّ جاہ اور شہرت پسندی کا مرض ہے، یہ ایک نفسیاتی چیز ہے کہ لوگ جدّت پسندی میں دلچسپی لیتے ہیں، اور ہر نئی چیز کو (بشرطیکہ اسپر کوئی خوشنما غلاف چڑھا دیا جائے) دوڑ کر اچکتے ہیں، اس لئے شہرت پسندی کے مریض دین کے معاملہ میں بھی نئی نئی جدّتیں تراشتے رہتے ہیں۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ آخری زمانے میں بہت سے جھوٹے دجّال (فریبی) ہوں گے۔ وہ تمھیں ایسی باتیں سنائیں گے جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے۔ ان سے بچتے رہو، وہ تمھیں گمراہ نہ کر دیں، اور فتنے میں نہ ڈال دیں —————— (مشکوٰۃ ص۲۸)

چہارم: بدعات کی اختراع وایجاد کا ایک اہم سبب غیر اقوام کی تقلید ہے، تمدّن ومعاشرت کا یہ ایک فطری اصول ہے کہ جب مختلف تہذیبوں کا امتزاج ہوتا ہے تو غیر شعوری طور پر ایک دوسری کو متاثر کرتی ہیں، جو قوم اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کا اہتمام نہیں کرتی وہ اپنے بہت سے امتیازی اوصاف کھو بیٹھتی ہے ——— خصوصیت کے ساتھ جو تہذیب مفتوح ومغلوب ہو وہ فاتح اور غالب تہذیب کے سامنے سپر ڈال دیتی ہے۔ مسلمان جب تک غالب وفاتح تھے، اور ان میں اپنے تہذیبی خصائص کے

تحفظ کی تب و تاب تھی اس وقت تک وہ دوسری تہذیبوں پر اثر انداز ہوتے رہے لیکن جب انکی ایمانی حرارت ٹھنڈی ہو گئی، دلوں کی انگیٹھیاں سرد پڑ گئیں اور ان میں من حیث القوم اپنے خصائص کے تحفظ کا ولولہ نہ رہا تو وہ خود دوسری تہذیبوں سے متاثر ہونے لگے۔ دور جدید میں مسلمانوں کا انگریزی تہذیب سے متاثر ہونا اس کی کافی شہادت ہے ـــــــ اس اجنبی اثر پذیری کا نتیجہ بسا اوقات یہ بھی ہوا کہ غیر اقوام کے رسوم و رواج کو دینی حیثیت دیدی گئی، اور اس کے جواز و استحسان کے ثبوت پیش کئے جانے لگے۔ یہی راز ہے کہ ہر علاقے کے مسلمانوں میں الگ الگ بدعات رائج ہیں۔ ہندوستان میں جو بدعات رائج ہیں وہ عرب علاقوں میں نہیں۔ اور مصر و شام کی بہت سی بدعات ہندوستان میں رائج نہیں ہو سکیں۔

ہندوستان میں اسلام بڑی کثرت سے پھیلا مگر افسوس ہے کہ ان نومسلموں کی دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام نہ ہو سکا، اس لئے وہ لوگ جو ہندو مذہب چھوڑ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اپنے سابقہ رسم و رواج سے آزاد نہ ہو سکے، بلکہ ہندو معاشرہ سے شدید اختلاط کی بنا پر ان مسلمانوں میں بھی بہت سی یہ چیزیں در آئیں جو باہر سے آئے تھے ـــــــ چنانچہ شادی اور مرگ کے موقعہ پر ہندوستان کے مسلمانوں میں جو خلافِ شرع رسمیں رائج ہیں، اور جن کو مردوں سے زیادہ عورتیں جانتی ہیں وہ سب ہندو مذہب کے جراثیم ہیں، جیسا کہ ایک نومسلم عالم مولانا عبید اللہ نے "تحفۃ الہند" میں تحریر فرمایا ہے۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ خدانخواستہ ہندوستانی مسلمان کی ساری چیزیں ہندوانہ ہیں اور نہ یہ مطلب ہے کہ سارے مسلمان ان میں مبتلا ہیں، بلکہ میری مراد ان رسوم و عادات سے ہے جن کا ثبوت ہماری اسلامی شریعت میں نہیں، بلکہ ہندو معاشرے میں ملتا ہے، بہت

سے ایسے علاقے جہاں ہندؤں کی اکثریت تھی۔ مسلمان وہاں بہت ہی قلیل تعداد میں تھے، اور ان کو اسلامی تعلیم و تربیت کا موقعہ میسر نہیں آتا تھا ان کے نام تک ہندوانہ تھے، وہ سر میں چوٹی تک رکھتے تھے۔ ظاہر ہے جن لوگوں کی یہ حالت ہو وہ بے چارے ہندوانہ بدعات میں مبتلا نہ ہوتے تو اور کر بھی کیا سکتے تھے ــــ اس سے دوسرے ممالک کے مغلوب مسلمانوں کی حالت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، اور پھر چونکہ یہ رسوم و عادات گویا انکی فطرت ثانیہ بن گئی ہیں اس لئے وہ اسلامی تعلیم کو ایک نئی چیز سمجھتے ہیں، بہت سی عورتوں اور ناواقف مردوں کو جب اسلامی مسائل سے مطلع کیا جائے تو انھیں یہ کہتے سنا گیا ہے "نئے نئے مولوی، نئے نئے مسئلے" گویا وہ رسم و رواج جو ہند و معاشرے سے وراثت میں ملا ہے وہ تو ایک مستقل دین کی حیثیت رکھتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، جن سے وہ ہمیشہ غافل اور ناواقف رہے ہیں ان کے نزدیک ایک نیا دین ہے۔

یہ تھے وہ چند اسباب جو اسلامی معاشرے میں بدعات کے فروغ کا سبب بنے، اور مجھے افسوس ہے کہ اس میں قصور عوام سے زیادہ ان اہل علم کا ہے جنہوں نے اسلام کی پاسبانی کا فریضہ انجام دینے اور دین قیم کو بدعات کی آلائش سے پاک رکھنے کے بجائے سیلاب بدعات میں بہ جانے کو کمال سمجھ لیا۔

دوم، جو عمل بذات خود مباح ہو مگر اس میں بدعت کی آمیزش ہو جائے یا اس کو سنت سمجھا جانے لگے تو اس کا کرنا جائز نہیں۔

حدیث و فقہ کی کتابوں میں اس قاعدے کی بہت سی مثالیں مذکور ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے ائمہ احناف نے نمازوں کے بعد سجدہ شکر ادا کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔ (عالمگیری ص۱۳۶ ج ۱، شامی ص۱۲۰ ج ۲)

در مختار (قبیل صلوٰۃ المسافر) وغیرہ میں ہے

سجدۃ الشکر مستحبۃ۔	سجدۂ شکر مستحب ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے
بہ یفتی، لٰکنہا تکرہ بعد	لیکن نمازوں کے بعد مکروہ ہے کیونکہ جاہل
الصلوٰۃ، لان الجہلۃ یعتقدونہا سنۃ	لوگ اس کو سنت یا واجب سمجھ بیٹھیں
اوواجبۃ، وکل مباح	گے، اور ہر مباح جس کا یہ نتیجہ ہو وہ مکروہ
یؤدی الیہ فھو مکروہ۔	ہے۔

علامہ شامیؒ اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ یہ ایک ایسی بات کو، جو دین نہیں، دین میں ٹھونسنے کے مترادف ہے۔

(ردّ المحتار ص۱۲۰ ج۲)

سوم: ایک چیز بذات خود مستحب اور مندوب ہے۔ مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ رفتہ رفتہ اسکو ضروری سمجھا جانے لگے اور اس کے تارک کو ملامت کی جانے لگے تو وہ فعل مستحب کے بجائے گناہ اور بدعت بن جاتا ہے۔

مثلاً آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سلام پھیرنے کے بعد اکثر و بیشتر داہنی جانب سے گھوم کر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصّہ نہ لگائے کہ دائیں جانب سے گھومنے ہی کو ضروری سمجھنے لگے میں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا ہے کہ آپ بسااوقات بائیں جانب سے گھوم کر متوجہ ہوا کرتے تھے (مشکوٰۃ ص۸۵)

چہارم: جس فعل میں کفّار و فجّار اور اہل بدعت کا تشبہ پایا جائے اس کا ترک لازم ہے، کیونکہ بہت سی احادیث میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کفّار و فجّار کی مشابہت سے منع فرمایا ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

من تشبه بقوم فهو منهم۔ جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں شمار ہو گا۔
(مشکوٰۃ ص۳۷۵)

اسی قاعدے کے تحت علمائے اہل سنت نے محرم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے "تذکرۂ شہادت" سے منع کیا ہے۔ اصول الصفار اور جامع الرموز میں ہے:

سئل رضی اللہ عنہ عن ذکر مقتل الحسین فی یوم عاشورا أیجوز ام لا، قال لا، لان ذلک من شعار الروافض
آپ سے دریافت کیا گیا کہ آیا دس محرم کو شہادت حسین رض کا تذکرہ جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا، جائز نہیں کیونکہ یہ رافضیوں کا یہ شعار ہے۔

(بحوالہ الجنۃ لاھل السنۃ ص۱۴۰)

اس قاعدے سے معلوم ہوا کہ وہ تمام افعال جو اہل بدعت کا شعار بن جائیں ان کا ترک لازم ہے۔

پنجم: جب کسی فعل کے سنت و بدعت ہونے میں تردد ہو جائے تو ترک سنت فعل بدعت سے بہتر ہے۔ (البحرالرائق ص۲۱ ج ۲)

اور ردّ المحتار ص۶۴۲ ج ۱ میں ہے:

اذا تردد الحکم بین سنۃ و بدعۃ کان ترک السنۃ راجحًا علی فعل البدعۃ۔
جب کسی حکم میں تردد ہو جائے کہ یہ سنت ہے یا بدعت؟ تو سنت کا ترک کر دینا بہ نسبت بدعت کرنے کے راجح ہے

اس قاعدے سے ان تمام امور کا حکم معلوم ہو جاتا ہے جن کے سنت اور بدعت ہونے میں اختلاف ہو۔ بعض اسے سنت بتاتے ہوں اور بعض بدعت:

سنت و بدعت کے سلسلہ میں جو نکات میں نے ذکر کئے ہیں اگر ان کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو آپ کو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی وقت پیش

نہیں آئے گی کہ اہل سنّت کون ہیں۔ میں اس بحث کو حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانیؒ کی وصیّت پر ختم کرتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں:

"و آں راہ دیگر بزعم فقیر التزام متابعت سنّت سنیّہ است علٰی صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام و التحیۃ واجتناب از اسم و رسم بدعت ——— تا از بدعت حسنہ در رنگ بدعت سیئہ احتراز نماید بوئے ازیں دولت بمشام جانِ او نرسد وایں معنی امروز متعسر است کہ عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است و بظلمات بدعت آرام گرفتہ۔ کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند۔ و باحیائے سنت لب کشاید۔

اکثر علماء ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند و محوکنندہائے سنّت۔ بدعتہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بجواز بلکہ باستحسان آن فتوای می دہند۔ و مردم را بیدعت دلالت می نمایند۔ (مکتوبات امام ربّانی دفتر دوم مکتوب ۵۴)

ترجمہ: وصول الی اللہ کا دوسرا راستہ (جو ولایت سے بھی قریب تر ہے) اس فقیر کے نزدیک آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت کی پیروی کرنا اور بدعت کے نام و رسم سے بھی اجتناب کرنا ہے۔ آدمی جب تک بدعت سیّئہ کی طرح بدعت حسنہ سے بھی پرہیز نہ کرے اس دولت کی بُو بھی اس کے مشامِ جان تک نہیں پہنچ سکتی اور یہ بات آج کل ازبس دشوار ہے۔ کیونکہ جہان کا جہان دریائے بدعت میں ڈوبا ہوا اور بدعت کی تاریکیوں میں آرام پکڑے ہوئے ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعت کی مخالفت کا دم مارے، یا کسی سنّت کو زندہ کرنے میں لب کشائی کرے۔

اس دور کے اکثر علماء بدعات کو رواج دینے والے اور
سنت کو مٹانے والے ہیں۔ جو بدعتیں چاروں طرف پھیل گئی
ہیں ان کو مخلوق کا تعامل سمجھ کر ان کے جواز بلکہ استحسان کا
فتوای دیتے ہیں، اور بدعات کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں"
حق تعالیٰ شانہٗ مجھے، آپ کو، آپ کے رفقاء کو اور تمام مسلمانوں
کو حضرت مجدد رح کی اس وصیت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بحث محفلِ میلاد و قیامِ میلاد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے ایک کامل و اکمل نمونہ ہیں

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ [۱]	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں تمہارے لیے بہترین نمونہ موجود ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔ [۲]	اے نبی! آپ لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو جس کے نتیجہ میں اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا۔

---

[۱] الاعتصام جلد اول ص۲۹۵۔ [۲] سورۃ الاحزاب ۲۱ [۳] سورۃ آل عمران : ۳۰

ان دونوں آیات سے معلوم ہو گیا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک مکمل ترین نمونہ بنا کر بھیجا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے آپ کو کامل ترین نمونہ کے مطابق بنا لیں۔ اپنی طرف سے اس میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی نہ کریں۔ اگر ہم نے اس نمونہ کی مکمل اتباع کر لی تو پھر ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جائیں گے اور وہ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ ورنہ سوائے دنیا و آخرت کے گھاٹے اور بدبختی کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر مبارک اور درود و سلام

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى	قسم ہے پروردگار عالم کی کہ اللہ
الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ	تعالیٰ نے مؤمنین پر احسان
رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا	فرمایا کہ ان میں ایک رسول انہی
عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ [1]	میں سے مبعوث فرمایا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو ایک بہت بڑا احسان قرار دیا ہے اور احسان کا فطری تقاضا ہے کہ اس پر محسن کا شکریہ ادا کیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ	اگر تم میری نعمتوں پر شکر ادا
لَاَزِيْدَنَّكُمْ [2]	کرو گے تو میں اس نعمت میں
	ضرور اضافہ کر دوں گا۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

[1] سورۃ آل عمران: ۱۶۴ [2] سورۃ ابراہیم: ۷

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ ؎۱ — اپنے رب کی نعمتوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرو۔

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کونسی نعمت ہوگی جنہیں رحمۃ للعالمین کی حیثیت سے بھیجا گیا ہے۔ یعنی آپکی ذات اقدس سراپا نعمت و رحمت ہے اور چونکہ نعمت کا شکریہ اس میں مزید اضافہ کا موجب ہے۔ لہٰذا ہمارے نزدیک حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل ایمان کی پختگی، ثابت قدمی اور اتباع سنت کا سبب ہے۔ حضور پُر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کن حالات میں اس دُنیا میں تشریف لائے؟ ماحول کیا تھا؟ خاندان کون اور کیسا تھا؟ کب نبوت ملی؟ پیغمبرانہ زندگی کیسے گزری؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو کیا مقام عطا فرمایا؟ اور آپکو کن معجزات سے نوازا گیا؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ موضوعات ہیں جو آپ کے ذکرِ جمیل کے ذیل میں آتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور اس وقت یا اس سے پہلے اور بعد میں ظاہر ہونے والے معجزات کے بیان کے لیے ہمارے اکابر نے مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں مثلاً حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب " نَشْرُ الطِّيْبِ فِىْ ذِكْرِ النَّبِىِّ الْحَبِيْبِ " حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے بیان کے لیے لکھی گئی ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب بلکہ آپ سے تعلق رکھنے والی کسی بھی چیز کا ذکر مبارک ہمارے لیے باعث سعادت ہے۔ قصہ مختصر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات خواہ قبل از ولادت کے ہوں یا اس کے بعد کے نیز خود ولادت باسعادت کا

؎۱ سورۃ الضحیٰ: ۱۱

تذکرہ باعث خیر و برکت و نیک بختی و سعادت کی علامت ہے اور اس سے روگردانی و اعراض باعث محرومی و خسران، اور شقاوت و بدبختی کی نشانی۔ رہا درود و سلام کا معاملہ تو اس کے فضائل اس کثرت سے احادیث میں بیان ہوئے ہیں کہ ان کے تفصیلی ذکر کے لیے سینکڑوں نہیں ہزاروں صفحات درکار ہیں۔

جس مجلس میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لیا جائے اس وقت نہ صرف نام لینے والے پر بلکہ ہر سننے والے پر ضروری ہے کہ آپ پر درود بھیجے۔

ہمارے اکابرؒ نے درود شریف کے فضائل پر مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں مثلاً حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب "زاد السعید" شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی مشہور عالم کتاب "فضائل درود شریف" نیز درود شریف کی ایک مشہور زمانہ کتاب "دلائل الخیرات" کی ایک منزل روزانہ پڑھنا ہمارے بے شمار بزرگوں کا معمول ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے درود شریف کی بدولت ہی حاصل کیا ہے الغرض یہ کوئی نزاعی چیز نہیں ہے۔

اسی طرح منظوم کلام کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کرنا اور سجائے نثر کے نظم میں آپ کے حالات و کمالات اور معجزات وغیرہ کا بیان بھی باعث ازدیاد محبت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ منظوم کلام میں آپ کی نعت بیان فرمایا کرتے تھے۔ یہ تمام امور محل نزاع سے خارج ہیں نزاع صرف مروجہ محفل میلاد میں ہے۔ اس لیے اب ہم مروجہ محفل میلاد

کی حقیقت مختصر ذکر کر دیتے ہیں۔ بعد ازاں اس کے جواز و عدم جواز پر بحث کریں گے۔

مروجہ محفل میلاد کی حقیقت

عوام سے چندہ جمع کر کے ایک مجلس منعقد کی جاتی ہے جس میں ضرورت سے زیادہ روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے بلکہ مسجد وغیرہ کی بیرونی دیواروں کو دلہن کی طرح بجلی کے چھوٹے چھوٹے قمقموں (جنہیں مرچوں سے تعبیر کیا جاتا ہے) سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ نیز مسجد کے اندر جھنڈیاں کثیر تعداد میں لگائی جاتی ہیں۔ غرض عام حالات کی بہ نسبت کہیں زیادہ اہتمام کے ساتھ اور کثیر رقم خرچ کر کے اس جگہ کو آراستہ کیا جاتا ہے۔

اور ظاہر ہے اسلام جیسے سادے اور فطری مذہب میں اس قسم کے فضول اور غیر ضروری اخراجات کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے سوائے نمود و نمائش کے اس کا اور کوئی فائدہ نہیں۔ پھر انتہائی اہتمام کے ساتھ لوگوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ پھر اردو کا درود شریف جو احمد رضا خاں صاحب نے نظم کیا ہے بلند آواز سے سب لوگ مل کر پڑھتے ہیں یعنی

؎ مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

نیز ایک شخص کچھ مخصوص اشعار پڑھتا ہے۔ کچھ دیر بعد اشعار ہی میں سب سے کہتا ہے کہ اب اُٹھ کھڑے ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ پھر سب اس عقیدے کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں چند اشعار ملاحظہ ہوں

مچی ہے دھوم پیمبر کی آمد آمد ہے حبیب خالق اکبر کی آمد آمد ہے
خوشی کے جوش میں ہیں بلبلیں بھی نغمہ کناں چمن میں آج گل تر کی آمد آمد ہے
دو زانو ہو کے ادب سے پڑھو صلوٰۃ و سلام عزیزو خلق کے مصدر کی آمد آمد ہے
جمیلؔ قادری کہہ دے کھڑے ہوں اہل سنت
ہمارے حامی و یاور کی آمد آمد ہے

ایضاً

نبیؐ آج پیدا ہوا چاہتا ہے یہ کعبہ گھر اس کا ہوا چاہتا ہے
خریدے گا عصیاں کو رحمت کے بدلے خریدار پیدا ہوا چاہتا ہے
یہ عالم بنایا ہے جس کا براتی ہویدا وہ دولہا ہوا چاہتا ہے
خدا کے خزانوں کا مختار و حاکم شہ دین و دنیا ہوا چاہتا ہے
اٹھو بہر تعظیم اے اہل محفل نبی جلوہ فرما ہوا چاہتا ہے[۱]

اس کے بعد بزعم خویش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بلند آواز سے سب لوگ مل کر ئے سے ئے ملا کر (کھڑے کھڑے) اردو کا درود شریف پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

اس مخصوص شکل کے ساتھ جو محفلِ میلاد رائج ہے بریلوی حضرات اس کو واجب اور فرض کفایہ قرار دیتے ہیں چنانچہ قاضی فضل احمد صاحب فرماتے ہیں

——— ان عبارات اور فتاویٰ علماء سے یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ پہلے زمانے میں مولود شریف کا کرنا صرف مستحسن یا مستحب اور مسنون تھا لیکن اب اس زمانے میں اس کو ضروری تصور کر کے فرض کفایہ تحریر فرمایا ہے۔[۲]

جس کی تصدیق بریلویوں کے امام احمد رضا خان صاحب اور دیگر ۴۰

---

[۱] قبالۂ بخشش ص۹۲-۹۳ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد [۲] انوار آفتاب صداقت ص۲۹۸

بریلوی علماء نے کی ہے ـــــــــــ اس محفل میں ذکر ولادت باسعادت کے وقت کھڑے ہونے کو بریلوی حضرات اس قدر ضروری خیال کرتے ہیں کہ جو شخص اس موقعہ پر کھڑا نہ ہوا سے یہ لوگ دائرہ اسلام ہی سے خارج سمجھتے ہیں چنانچہ قاضی فضل احمد صاحب لکھتے ہیں :۔

"اگر کوئی شخص ذکر ولادت باسعادت کے وقت مولود شریف میں تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑا نہ ہو وہ آیت قرآنی کا منکر شقی القلب (بدبخت دل والا) مہین (اہانت کرنے والا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ [۱]

جس کی تصدیق بریلویوں کے امام احمد رضا خان صاحب اور دیگر ۴۰ بریلوی علماء نے کی ہے۔

ایک اور مقام پر قاضی فضل احمد صاحب ایک عبارت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں ترک کرنا قیام کا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں استخفاف اور توہین ہے جو کفر ہے۔ [۲]

جس کی تصدیق بریلویوں کے امام احمد رضا خان صاحب نے کی ہے۔

مُرّوجہ محفلِ میلاد کے بارے میں ہمارا مؤقف

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

خیر امتی ـــــ سب سے بہتر زمانہ میرا ہے
قرنی ثم ـــــ (یعنی صحابۂ کرام کا زمانہ) پھر وہ

---

[۱] انوار آفتاب صداقت ص ۴۲۶ [۲] ایضاً ص ۴۳۴

الذین یلونھم	لوگ جو ان کے ساتھ متصلاً بعد
ثم الذین	میں آئیں گے (یعنی تابعین
یلونھم	عظام) پھر وہ لوگ جو متصلاً
لہ	ان کے بعد آئیں گے (یعنی
	تبع تابعین)

ہمارا مؤقف مروجہ محفلِ میلاد کے بارے میں یہ ہے کہ نہ اس کا تذکرہ قرآنِ پاک میں ہے اور نہ ہی اس کا پتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ملتا ہے اور نہ صحابہؓ، تابعین و تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے زمانوں میں اس کا کوئی سراغ ملتا ہے۔

باوجودیکہ ربیع الاوّل کا مہینہ اس کی مخصوص تاریخیں اور قرآن و سنت کا تمام وہ ذخیرہ ان حضرات کی نظروں سے اوجھل نہ تھا۔ جسے آج فریق مخالف مروجہ محفلِ میلاد کے اثبات کے لیے پیش کرتا ہے اور ان میں عشقِ رسولؐ ہم لوگوں سے کہیں زیادہ اور فراواں مقدار میں پایا جاتا تھا اور اس عمل کو انجام دینے سے کوئی رکاوٹ بھی اس دور میں موجود نہ تھی لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ بدعت ہے جس کا ذکر احادیث میں انتہائی مذمت کے ساتھ آیا ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

یہاں پہنچ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ مروجہ محفلِ میلاد قرآن و سنت سے ثابت نہیں اور صحابۂ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانوں میں اس کا وجود نہ تھا اور اہلسنت والجماعت کے چاروں ائمہ کرام۔ امام ابوحنیفہ۔ امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

لہ مشکوٰۃ ج دوم ص ۵۵۳ ۔ بخاری ج ۱ ص ۳۶۲ ، مسلم ج ۲ ص ۳۰۹

کے ہاں اس کا سراغ نہیں ملتا ۔ تو پھر یہ رسم شروع کب ہوئی ؟ کون اس کو شروع کرنے والا تھا ؟ اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کی ابتدائی تاریخ ذکر کردیں ۔

مُرَوَّجہ محفل میلاد کی ابتدا کب ہوئی ؟ اور کس نے کی ؟

بجائے اس کے کہ ہم اپنی جانب سے اس کے متعلق کچھ لکھیں بریلویوں کے مشہور علماء کی تحریرات پیش کردینا کافی سمجھتے ہیں ۔ چنانچہ بریلویوں کے مفتی احمد یار خان صاحب ایک عربی عبارت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں ۔

" جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ شاہ اَرْبل ہے اور (عمر) ابن دحیہ نے اس کے لیے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اس کو ہزار اشرفیاں نذر کیں " ۔ [1]

بریلویوں کے ایک اور عالم جناب قاضی فضل احمد صاحب لکھتے ہیں :

" یہ امر بھی مسلّمہ ہے کہ اس ہیئت کذائیہ (مخصوص شکل) سے یہ عمل خیر و برکت و نعمت و رحمت ۶۰۴ھ سے بحکم بادشاہ اولی الامر .... جاری ہے ۔ [2]

اس کتاب کی بریلویوں کے امام احمد رضا خاں صاحب سمیت اہم بڑے بڑے علماء نے تصدیق کی ہے ۔ ان دونوں عبارتوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ بریلوی علماء کو بھی اس کا اقرار ہے کہ اس مخصوص شکل کے ساتھ میلاد کی ابتداء حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ۶۰۰ سال بعد ساتویں صدی میں ہوئی

---

[1] جاء الحق صـ۲۳۷ ج اوّل [2] انوارِ آفتابِ صداقت صـ۳۹۳

ہے اور شاہِ اَرْبل اور عمر بن دحیہ نے مل کر اس کو ایجاد کیا ہے اور بریلویوں کے اقرار سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ اَرْبل کے بادشاہ (ابوسعید مظفر الدین) کے لیے سب سے پہلے میلاد کی کتاب ایک سرکاری و درباری مولوی عمر بن دحیہ نے لکھی اور بادشاہ سے بطور انعام ایک ہزار اشرفیاں حاصل کیں۔ اس عالم کے حالات حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کئے ہیں۔

"کان ظاھری المذھب	یعنی وہ مذہباً ظاہری تھا (اہلسنت کے علاوہ یہ ایک
کثیر الوقیعۃ فی الائمۃ	باطل فرقہ ہے) ائمہ اہلسنت اور
و فی السلف من العلماء	دوسرے متقدمین علماء پر اعتراض
خبیث اللسان احمق	کیا کرتا تھا، گندی زبان والا، بیوقوف
شدید الکبر"	اور بہت متکبر تھا۔ ؎۱

نیز محدث ابن نجار مروجہ محفل میلاد کے بانی مولوی عمر بن دحیہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"میں نے سب لوگوں کو اس کے جھوٹے ہونے اور ناقابل اعتماد ہونے پر متفق پایا ہے۔" ؎۲

ایک اور محدث اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"ایسی ایسی باتوں کا دعویٰ کیا کرتا تھا جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی تھی۔" ؎۳

اس محفل میں جو شاہِ اَرْبل اور عمر بن دحیہ جیسے مولوی نے ایجاد کی تھی اس میں ذکر ولادت باسعادت کے وقت کھڑا ہونا داخل نہ تھا۔ کھڑے ہونے

؎۱ لسان المیزان ج ۴ صفحہ ۲۹۶، ؎۲ ایضاً ج ۴ صفحہ ۲۹۵ ؎۳ ایضاً ج ۴ صفحہ ۲۹۴

کو قیام کہتے ہیں ۔ یہ قیام مزید ڈیڑھ سو سال بعد میں ایجاد ہوا تھا ۔ چنانچہ زمانہ حال کے مشہور بریلوی عالم جناب احمد سعید شاہ صاحب کاظمی لکھتے ہیں ۔

" مسئلہ قیام میلاد میں امام سبکی اور ان کے ہمعصر مشائخ و علماء کی اقتداء کافی ہے " [1]

جناب تقی الدین سبکی کا انتقال ۷۵۶ھ میں ہوا ہے ۔ بریلویوں کے احمد سعید شاہ صاحب کاظمی کی عبارت بالا سے ثابت ہو گیا کہ نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک کے وقت کھڑا ہونا تقی الدین سبکی المتوفی ۷۵۶ھ کے دور سے شروع ہوا ہے ۔ رہا ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبیؐ قرار دینا تو یہ تو ابھی اسی صدی کی بات ہے ۔ سب بڑی عمر کے لوگ اس دن کو بارہ وفات کہا کرتے تھے ۔

اس کو عید میلاد النبی قرار دینا محمد نور بخش توکلی کا کام ہے چنانچہ زمانہ حال کے ایک بریلوی عالم محمد عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں ۔

" آپ (محمد نور بخش توکلی) ہی کی مساعیٔ جمیلہ سے متحدہ ہند و پاک میں بارہ وفات کی بجائے " عید میلاد النبی " صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے تعطیل ہونا قرار پائی تھی " [2]

یاد رہے کہ محمد نور بخش توکلی کا انتقال ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ بمطابق ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو ہوا تھا ۔

ایک دوسرے بریلوی عالم علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے موصوف کے حالات میں رقم طراز ہیں کہ :-

" آپ کی دینی خدمات سے ایک نہایت اہم خدمت یہ ہے کہ

---

[1] کتاب میلاد النبی صفحہ ۵۸ [2] تذکرہ اکابر اہل سنت صفحہ ۵۵۹

آپ نے گورنمنٹ کے گزٹ اور سرکاری کاغذات میں بارہ وفات،، غلط العمومی اصطلاح کو عید میلاد النبی کے نام سے تبدیل کرانے کی جدوجہد کی اور اس میں یہاں تک کامیاب ہوئے کہ گورنمنٹ سے اس مقدس دن کی تعطیلِ عام منظور کرائی ۔ آج یہی تعطیل خدا کے فضل سے اسلامیانِ پاکستان کی ایک اہم تقریب میں تبدیل ہوگئی ہے،، [1]

بارہ ربیع الاوّل کی تاریخ جو مشہور قول کے مطابق حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات ہے اس کو نور بخش توکلی صاحب نے عید میلاد النبی بنا دیا ۔ باوجودیکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت بروز پیر ہوئی اور تقویمی اصول کے مطابق پیر کا دن ۲ ربیع الاول یا پھر ۹ ربیع الاول کو آتا ہے از روئے حساب بارہ ربیع الاوّل کو پیر کا دن درست بنتا ہی نہیں ۔[2]

بارہ ربیع الاوّل کی تاریخ گویا اس فارسی ضرب المثل کا مصداق ہے کہ

،، ابتدائے ظلم درجہاں اندک بود ہر کہ آید براں مزید کرد ،، یعنی ظلم کی ابتداً جہان میں معمولی سی ہوتی ہے لیکن جو بھی آتا ہے اس پر اضافہ کرتا چلا جاتا ہے ۔ مروجہ محفل میلاد میں بدعت ہونے کے علاوہ دیگر کئی شرعی خامیاں موجود ہیں ۔ مروجہ محفل میلاد کی اس حیثیت کو تو دلائل کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے کہ اس کی موجودہ ہیئت و صورت صحابہ اور فقہاء کے دور میں کسی تاریخی حوالے

---

[1] مقدمہ تذکرہ سیدنا غوث اعظم صث ۔ [2] حوالہ کے لیے دیکھئے رحمۃ للعالمین ج اول صنہ مصنفہ قاضی سلیمان منصور پوری (۲) اسلامی انسائیکلوپیڈیا صـ۱۳۲۸ (۳) سیرۃ النبی ج ا صـ۱۰۹ مصنفہ علامہ شبلی نعمانی ۔

سے ثابت نہیں کیا جا سکتا اور یہ بعد کی پیداوار اور بدعت ہے۔ لیکن بدعت ہونے کے علاوہ اس میں کئی شرعی خامیاں ایسی ہیں جو اس کے ناجائز ہونے کے لیے بجائے خود بہت کافی ہیں۔

مُروّجہ محفل میلاد میں پائی جانے والی شرعی خرابیاں

پہلی شرعی خرابی

ایک غیر ضروری کام کو ضروری سمجھنا ! شریعت کی نظر میں یہ چیز انتہائی مذموم ہے کہ جس چیز کو اس کے اپنے مقام سے گھٹا یا بڑھا دیا جائے مثلاً کسی فرض و واجب چیز کو اس کے اپنے مرتبہ سے گھٹا کر محض سنت و مستحب کے درجہ میں لے آیا جائے۔ یا کسی مستحب و مباح کام کو اس کے اپنے درجہ سے بڑھا کر فرض یا واجب قرار دے دیا جائے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

" لا یجعل احدکم للشیطانِ شیئًا من صلوٰتہ یریٰ ان حقًا علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرًا ینصرف عن یسارہ[1]	تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے کہ وہ نماز سے فراغت کے بعد دائیں جانب مڑنے کو ہی ضروری سمجھ لے۔ کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں جانب مڑتے دیکھا ہے۔"

---

[1] مشکوٰۃ ص۸۶ ، بخاری ج اول ص۱۱۸

بریلوی حضرات بھی اس شرعی اصول کے ماننے میں ہمارے ساتھ پوری طرح متفق ہیں چنانچہ بریلویوں کے علامہ سید محمود احمد رضوی مہتمم مدرسہ حزب الاحناف لاہور رقمطراز ہیں :-

" فقہاء احناف بہ تصریح فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی امر مستحب کو فرض واجب سمجھنے لگے، یا کسی امر مستحب کو فرض و واجب کا درجہ دے تو جان لو کہ اس پر شیطان کا داؤ چل گیا۔ علامہ طیبیؒ شرح مشکوٰۃ میں (حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بالا کے ذیل میں) لکھتے ہیں کہ " اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کسی امر مستحب کو ضروری سمجھے اور رخصت پر عمل نہ کرے تو شیطان کا داؤ اس پر چل گیا " (کہ شیطان نے اسے گمراہ کردیا) جب کسی مستحب کو ضروری سمجھنے کا یہ حکم ہے تو اندازہ لگاؤ کہ کسی بدعت یا منکر (بری بات) کو ضروری سمجھنے والے کا کیا حال ہوگا ۔ [1]

بہرحال حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فقہاء احناف کے اس بیان سے جو بریلویوں کے علامہ سید محمود احمد رضوی نے نقل کیا ہے۔ یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ کسی غیر ضروری کام کو ضروری کام سمجھ کر کرنے والا شخص شیطان کے پھندے میں پھنس کر گمراہ ہو جاتا ہے ۔ اگر کوئی شخص غیر ضروری کام کو ضروری نہیں سمجھتا لیکن اتنی پابندی سے کرتا ہے کہ دیکھنے والا شخص اس کو ضروری سمجھ لیتا ہے تو وہ بھی انہی لوگوں کے زمرے میں شامل ہوگا جو غیر ضروری کام کو ضروری سمجھ کر کرنے والے ہیں۔ اسی وجہ سے علمائے کرام بیان فرماتے ہیں کہ کسی نماز میں کوئی مخصوص سورت ہمیشہ اور مسلسل پڑھنا منع ہے چنانچہ

---

[1] بصیرت از سید محمود احمد رضوی ص ۲۳۷ بحوالہ مرقات ج ۲ ص ۳۵۳

بریلویوں کے مفتی محمد خلیل صاحب رقمطراز ہیں :۔

" سورتوں کا معین کر لینا کہ اس نماز میں ہمیشہ وہی سورتیں پڑھا کرے مکروہ ہے۔ مگر جو سورتیں احادیث میں وارد ہیں ان کو کبھی کبھی تبرکاً پڑھ لینا مستحب ہے مگر ہمیشہ نہ پڑھے کہ کوئی واجب گمان کرے" لہ

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کسی غیر ضروری کام کو ضروری سمجھنا یا اس کو اتنے اہتمام اور پابندی کے ساتھ کرنا، جس سے دیکھنے والے کو یہ شبہ گزرے کہ یہ کام ضروری ہے شرعاً منع ہے اور بقول حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے شخص پر شیطان کا داؤ چل گیا اور اس نے اس شخص کو گمراہ کر دیا ہے۔

دوسری شرعی خرابی

ایک غیر ضروری کام کے لیے لوگوں کو دعوت دینا اور جمع کرنا۔

فرائض و واجبات کے لیے دعوت دینا اور لوگوں کو بلانا اور جمع کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضروری اور فرض ہے لیکن نفلی کاموں کے لیے فرائض و واجبات کا سا اہتمام کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نمازِ چاشت کو مسجد میں اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کو بدعت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

" جو لوگ اسے بدعت کہتے ہیں وہ ان لوگوں کے مجتمع ہونے اور مسجد میں علی الاعلان پڑھنے کی بنا پر ہے۔ مطلب یہ کہ یہ نماز (چاشت کی نماز) حد ذات میں (یعنی بذات خود) تو مشروع (جائز) ہے لیکن اس کا ایسا اجتماع و اظہار جیسا کہ فرائض میں ہے بدعت ہے اس لیے کہ نوافل میں سنت (طریقہ) اور اس کی فضیلت

لہ ہمارا اسلام صفحہ ۶۹ حصہ چہارم

چھپانے اور گھر میں پڑھنے میں ہے۔" ؎۱

اسی طرح نفل نماز کو جماعت سے ادا کرنا گو جائز ہے مگر لوگوں کو بلاکر اور اکٹھا کرکے اہتمام کے ساتھ نوافل کی جماعت کرنا مکروہ ہے اور اتفاقیہ طور پر اگر چار یا پانچ آدمی جمع ہو جائیں تو بھی نفل نماز با جماعت پڑھنا منع ہے کیونکہ اگرچہ یہاں اہتمام کے ساتھ نفل کی جماعت کے لیے بلایا نہیں گیا ہے لیکن پھر بھی اہتمام کی سی شان خود بخود پیدا ہو جاتی ہے اس لیے چار یا پانچ آدمیوں کا نفل نماز با جماعت پڑھنا منع ہے خواہ بلاکر ان کو جمع کیا گیا ہو یا بلا دعوت خود بخود جمع ہو گئے ہوں۔

چنانچہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

"ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک نوافل کی جماعت بتداعی (لوگوں کو بلاکر اکٹھا کرکے) مکروہ ہے .... تداعی (جمع کرنے کے لیے بلانا) مذہب اصح میں (زیادہ صحیح مذہب کے مطابق) اس وقت متحقق ہو گی جب چار یا زیادہ مقتدی ہوں۔" ؎۲

مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں پر اعتراض کرتے ہوئے جو مسجد میں تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"نماز تہجد کو جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اطراف و جوانب سے اس وقت لوگ نماز تہجد کے لیے جمع ہو جاتے ہیں۔ اور خاص اہتمام سے اس کو ادا کرتے ہیں حالانکہ یہ عمل (نفل نماز کے لیے لوگوں کو بلانا اور اہتمام کرنا) مکروہ تحریمی ہے۔" ؎۳

؎۱ مدارج النبوت اردو جلد اول ص۵۰۳ مطبوعہ کراچی ؎۲ فتاوی رضویہ جلد سوم ص۴۸۰ ، ؎۳ مکتوبات مجدد الف ثانی حصہ سوم ص۱۰

بہر حال ان حوالجات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نوافل کو اہتمام کے ساتھ ادا کرنا اور لوگوں کو اس کی دعوت دینا اور کسی مقام پر جمع کر کے باجماعت ادا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے اور اتفاقیہ طور پر اگر چار آدمی جمع ہو جائیں تو بھی نوافل جماعت کے ساتھ ادا نہیں کیے جا سکتے کیونکہ اس میں بھی اہتمام کی سی شان پیدا ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ پانچوں نمازوں کی سنتوں اور نوافل کو گھر میں پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے۔ کیونکہ بقول شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

"نوافل میں سنت طریقہ اور اس کی فضیلت چھپانے اور گھر میں پڑھنے میں ہے"۔ [1]

اور بریلویوں کے امام جناب احمد رضا خان صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں

"تراویح اور تحیۃ المسجد کے سوا تمام نوافل، سنن راتبہ ہوں یا غیر راتبہ مؤکدہ ہوں یا غیر مؤکدہ۔ گھر میں پڑھنا افضل اور باعث ثواب اکمل ہے"۔ [2]

اس کے بعد دلائل سے اس مسئلہ کو ثابت کر کے لکھتے ہیں۔

"اگر بالفرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائما سب سنتیں مسجد ہی میں پڑھی ہوتیں۔ تاہم بعد اس کے حضور ہم سے ارشاد فرما چکے۔ "فرضوں کے سوا تمام نمازیں تمہیں گھر میں پڑھنا چاہئیں"۔ اور فرمایا ماورائے فرائض (فرائض کے علاوہ) اور نمازیں گھر میں پڑھنا مسجد مدینہ طیبہ (مسجد نبوی) میں پڑھنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے" [3]

---

[1] مدارج النبوت اردو ج اول ص۳۰۵ ۔ [2] فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۴۷۸ ۔

[3] فتاوی رضویہ ج سوم ص۴۷۹

سے یہ عقیدہ مسلمانوں نے اپنا لیا ہے کیونکہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ جو مجلس حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر منعقد کی جاتی ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے ہیں چنانچہ بائبل میں مذکور ہے

"جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہوں وہاں میں ان کے بیچ میں ہوں" [1]

مسلمانوں کے لیے تو کسی طرح بھی جائز نہیں کہ وہ یہ عقیدہ قائم کرلیں کہ جو محفل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر منعقد کی جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ضرور تشریف لاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ عقائد کی خرابی اعمال کی خرابی سے کہیں زیادہ بری اور نقصان دہ ہے۔

چوتھی شرعی خرابی

اس قدر اہتمام سے یہ محفل میلاد منعقد کی جاتی ہے کہ جس سے ناواقف عوام کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ نماز روزہ وغیرہ فرض امور سے زیادہ محفل میلاد کی شرکت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمعہ کی نماز بھی نہ پڑھنے والے لوگ اس محفل میلاد میں ضرور شریک ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر بریلویوں کے مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں۔

"بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح سے بلاؤ تو جمع نہیں ہوتے۔ ہاں محفل میلاد شریف کا نام لو تو فوراً بڑے شوق سے جمع ہو جاتے ہیں۔ خود میں نے بھی اس کا بہت تجربہ کیا ہے"۔ [2]

---

[1] انجیل متی باب ۱۸ آیت ۲۰

[2] جاء الحق حصہ اول صـ ۲۳۷

عوام کو غلط عقائد و نظریات سے بچانا بھی ضروری ہے۔ اس لیے اگر کسی غیر ضروری کام کرنے کے باعث لوگ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہوں تو وہ غیر ضروری گو اپنی جگہ اچھا ہی کیوں نہ ہو ترک کر دیا جاتا ہے۔

اس اصول کو بریلوی علماء بھی تسلیم کرتے ہیں چنانچہ جناب احمد رضا خان صاحب سے ایک بار پوچھا گیا کہ بعض علاقوں میں لوگ نماز عید اور نماز استسقاء کو جاتے ہوئے علم (جھنڈا) لے کر عیدگاہ تک جاتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے تو انہوں نے اس کو جائز اور مباح قرار دینے کے بعد لکھا۔

"ہاں جہاں اس سے کوئی محذور شرعی (شرعی طور پر کوئی غلط بات) پیدا ہوتا ہو مثلاً جن بلاد (شہروں) میں محرم کے علم (جو شیعہ نکالتے ہیں) رائج ہیں عوام اس کو ان سے سمجھیں یا اس سے ان کے جواز پر استدلال کریں اور فرق سمجھانے کی ضرورت پڑے وہاں اس سے احتراز ہی کیا جائے کہ کوئی امر ضروری نہیں اور احتمال فتنہ و فساد عقیدہ ہے نہ ہر ایک کو سمجھا سکیں اور نہ ہر ایک سمجھانے سے سمجھے گا تو ایسی بات کرنی کیا ضروری ہے؟ حدیث میں ارشاد ہوا "ایاك وما یعتذر منه"، (یعنی جن چیزوں کے کرنے سے لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہو ان سے پرہیز کرو تاکہ بعد میں عذر نہ کرنا پڑے)" [1]

اسی طرح عوام میں ایک نماز صلاۃ الرغائب کے نام سے رائج تھی جسے رجب کے مہینہ میں لوگ جماعت کے ساتھ معراج کی رات میں پڑھا کرتے تھے۔ نیز شب برات اور شب قدر میں بھی لوگ صلاۃ البراۃ اور صلاۃ القدر

---

[1] عرفان شریعت حصہ دوم ص ۲۷

بڑے اہتمام اور جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ فقہاء کرام نے اس اہتمام اور جماعت کے ساتھ ان نفل نمازوں کو پڑھنے سے روک دیا۔ بریلویوں کے امام جناب احمد رضا خان صاحب اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"متاخرین کا ان (صلاۃ الرغائب۔ صلاۃ البراءۃ اور صلاۃ القدر) پر انکار اس نظر سے ہے کہ عوام ان نمازوں کو سنت نہ سمجھیں" [1]

احمد رضا خان صاحب کی اس عبارت نے بتا دیا کہ علماء کرام نے ان نمازوں کے پڑھنے سے محض اس لیے روکا ہے کہ ان کے پڑھنے سے عوام اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ نمازیں سنت ہیں اور عوام کو اس غلط نظریہ (کہ یہ نمازیں سنت ہیں) سے بچانے کے لیے علماء کرام نے ان نمازوں کو اہتمام وغیرہ سے پڑھنے سے روک دیا۔

بہر حال ثابت ہو گیا کہ فریقین کے نزدیک یہ اصول صحیح اور مسلم ہے کہ

"ان تمام غیر ضروری کاموں کو چھوڑ دینا ضروری ہے جن سے عوام کسی غلط نظریہ اور فاسد عقیدہ میں ملوث ہو جاتے ہوں۔ گو وہ غیر ضروری کام اپنے مقام پر کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ کیونکہ عوام کے عقائد و نظریات کی حفاظت بڑا اہم فریضہ ہے۔"

لیکن بریلوی حضرات نامعلوم "مروجہ محفل میلاد" پر اس اصول کو لاگو کرنے سے کیوں راہِ فرار اختیار کرتے ہیں۔ مروجہ محفل میلاد کو اگر تھوڑی دیر کے لیے جائز بھی فرض کر لیا جائے تو بھی جب لوگ اس کو فرض و واجب کا درجہ دینے لگ گئے ہیں اور یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ مروجہ محفل میلاد اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے اور اس پر اتنا اصرار ہے کہ نوبت مقدمات تک پہنچ رہی ہے

---

[1] فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۴۸۵

تو ان حالات میں مذکورہ بالا شرعی اصول کی رُو سے اس محفل کو بند کر دینا چاہیئے

پانچویں شرعی خرابی

ایسے اشعار محفل میلاد میں پڑھے جاتے ہیں جو ازروئے شریعت قطعاً صحیح نہیں ہوتے ہیں

مثلاً جو اشعار ہم پہلے عرض کر چکے ہیں ان میں ایک شعر یہ ہے۔

؎ نبی آج پیدا ہوا چاہتا ہے
یہ کعبہ گھر اس کا ہوا چاہتا ہے

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کو آج ساڑھے چودہ سو سال کا عرصہ گزر رہا ہے اور آفتاب رسالت کے تریسٹھ[۶۳] سال کا عرصہ گزار کر پردہ فرما جانے کو بھی آج تقریباً چودہ سو سال بیت رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ ولادت و وفات کا ایک دن مقرر ہے۔ کسی بھی فرد بشر کی ولادت ایک سے زائد بار نہیں ہوتی لیکن بریلوی حضرات آئے دن محفل میلاد میں یہ کہتے رہتے ہیں کہ ابھی تھوڑی دیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہونے والے ہیں جو شدید قسم کی ایک گستاخی ہے۔ اسی طرح ایک اور شعر جو پہلے درج کیا جا چکا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

؎ خدا کے خزانوں کا مختار و حاکم
شہ دین و دنیا ہوا چاہتا ہے

اس شعر کو سن کر ہر ناواقف اور جاہل شخص یہ عقیدہ بنا لے گا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا مختار و حاکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم بن چکے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں اس کا کوئی شریک و ساجھی نہیں ہے اور اس شعر میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل طور پر خدا تعالیٰ کے خزانوں کا مختار و حاکم بتایا جا رہا ہے۔

بہرحال ثابت ہوگیا کہ آج کل کی مروجہ محفل میلاد نہ صرف یہ کہ تکمیل دین اسلام کے چھ سو سال بعد کی پیدا شدہ ایک بدعت ہے بلکہ ان تمام بیشمار شرعی خرابیوں پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک خرابی اس رواجی محفل میلاد کے ناجائز ہونے کے لیے تن تنہا کافی ہے۔

مُروجہ محفل میلاد پر بریلویوں کے دلائل کے جوابات

ہم با حوالہ ثابت کر چکے ہیں کہ " مروجہ محفل میلاد " حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ سو سال بعد پیدا ہوئی ہے اس لیے بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ اس مروجہ محفل میلاد کو ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید یا حدیث پاک یا صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اگر مروجہ محفل میلاد قرآن و سنت یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہوتی تو بریلوی حضرات یہ کبھی نہ فرماتے کہ اس مخصوص محفل میلاد کا ایجاد کرنے والا بادشاہ اور مولوی عمر بن دحیہ ساتویں صدی ہجری کے آدمی ہیں۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود عوام کو مغالطہ دینے کے لیے وہ قرآن پاک کی چند آیات اور کچھ احادیث بھی پیش کرتے ہیں۔ اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان آیات و احادیث پاک کے صحیح معانی اور ان کا اصل مطلب واضح کر دیں۔

بریلویوں کے قرآنِ پاک سے استدلال کا جواب

پہلی آیت :- اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ   اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی

يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ — اللہ علیہ وسلم پر رحمت بھیجتے ہیں
يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا — اے ایمان والو! تم بھی ان پر صلوۃ
عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا — وسلام بھیجو۔ ؎

اس آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنی مخصوص رحمتیں نازل فرماتے ہیں اور فرشتے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا رحمت کرتے ہیں (یعنی اے اللہ! اُن پر تو اپنی رحمتیں نازل فرما) لہٰذا اے ایمان والو! تم بھی ان پر صلوۃ وسلام بھیجو اس بات میں اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔ بریلویوں کا یہ قول کہ تمام عبادات میں صرف درود شریف ایک ایسی عبادت ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ شریک ہیں تو یہ ان کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ بندے درود شریف یوں پڑھا کرتے ہیں۔ اللھم صل علیٰ محمد الخ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رحمت نازل فرما تو کیا اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح درود شریف پڑھتے ہیں۔ یقیناً اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا خدا کوئی اور تو ہے نہیں جس کے سامنے وہ یہ دعا کرے کہ اے اللہ اپنی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما۔ درحقیقت یہ مغالطہ اس لیے لگ گیا کہ لفظ صلوۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور عام مؤمنین کی طرف کی گئی ہے جس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ تینوں طرف نسبت کے وقت معنی ایک ہی رہیں گے حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے۔ علماء کرام اور قرآن پاک کے مفسرین نے یہ بیان فرمایا کہ صلوۃ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو

؎ سورۃ الاحزاب : ۵۶

رحمت بھیجنا مراد ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتے ہیں نبی پر اور جب اس کی نسبت فرشتوں یا مؤمنین کی طرف ہو تو اس سے مراد دعاء رحمت ہوتی ہے۔ یعنی فرشتے اور مؤمنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعاء رحمت کرتے ہیں لہٰذا آیت مذکورہ بالا سے یہ سمجھ لینا کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے اور مسلمان سب درود پڑھنے میں شریک ہیں غلط ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کا حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ یعنی درود بھیجنے کا ذکر ہے۔ لہٰذا مروجہ محفل میلاد ثابت ہو گیا تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اولاً تو یہ بات ہی بالکل بے جوڑ ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے صلوٰۃ بھیجنے سے ہی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مروجہ محفل میلاد ثابت ہوتا ہے تو پھر ہر مسلمان کا میلاد ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جس رکوع میں آیت مذکورہ موجود ہے اس سے پہلے والے رکوع میں عام مسلمانوں پر بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے صلوٰۃ بھیجنے کا ذکر ہے۔ وہ آیت یہ ہے جس کا ترجمہ فریق مخالف کے سب سے بڑے عالم احمد رضا خان صاحب نے یہ کیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ	ترجمہ: (اے ایمان والو) وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے [1]

اسی طرح حدیث شریف کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف کے ص ۹۱ پر ۲ حدیثیں بالکل انہی لفظوں (ان اللہ وملئکتہ یصلون) کے ساتھ آئی ہیں جن میں زیر زبر کا بھی فرق نہیں ہے ملاحظہ فرمائیے۔

---

[1] سورۃ الاحزاب ۲۱ ۴۳ ترجمہ قرآن پاک از احمد رضا خان بریلوی۔

(۱) ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی الذین یلون الصفوف الاولٰی [1] — یعنی خدا اور اس کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں ان لوگوں پر جو پہلی صفوں کے قریب ہوں۔

(۲) ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی میامن الصفوف [2] — یعنی خدا اور اس کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں صفوں کے اندر دائیں جانب والے لوگوں پر۔

(۳) ان اللہ و ملٰئکتہ یُصلّون علی الصف الاوّل [3] — یعنی اللہ اور اس کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں پہلی صف والے لوگوں پر۔

جب ان تمام مقامات پر خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے پہلی صف والے لوگوں یا دائیں جانب والے لوگوں پر صلوٰۃ بھیجنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہم اب ان لوگوں کا میلاد کرنا شروع کر دیں۔

بعینہٖ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے صلوٰۃ بھیجنے سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا میلاد مخصوص طریقے سے شروع کر دیا جائے۔ ان تمام عبارات کا سیدھا سادا اور صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں پر اپنی مخصوص رحمتیں نازل فرماتا ہے اور فرشتے انکے لیے "دعاءِ رحمت" کرتے ہیں۔ اور جو جسقدر رحمت کا مستحق ہے اللہ تعالیٰ اسی کے درجہ کے مطابق اس پر اپنی رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔

دوسری آیت

وَرَفَعْنَا لَکَ — یعنی ہم نے آپ کے ذکر کو

---

[1] ابوداؤد ص۹۷ ، [2] ابوداؤد ص۹۸ ، [3] مسند احمد

ذِکْرَکَ ؎۱ بلند کیا ہے۔

فریق مخالف اس آیت کو بھی مروجہ محفل میلاد ثابت کرنے کے لیے پیش کرتا ہے۔ لیکن اس آیت شریفہ کو مروجہ محفل میلاد سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اس آیت کی تشریح کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواباً یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اذا ذُکِرتُ ذُکِرتَ معی ـــ یعنی جب میرا ذکر ہوگا تو آپ کا ذکر لازمی میرے ذکر کے ساتھ ہوگا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا: یرید الاذان والاقامة والتشهد والخطبة علی المنابر ؎۲ یعنی اس سے مراد کلمہ طیبہ و کلمہ شہادت اذان و اقامت، تشہد اور خطبوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ تعالےٰ کے ذکر کے ساتھ ہوتا ہے یہی اس حدیث سے مراد ہے۔

غرض اس آیت شریفہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان اور بلندئ مرتبہ معلوم ہوتی ہے۔ جس سے کسی کو انکار نہیں اور نہ ہی یہ بات محل نزاع ہے۔ اس آیت کا مروجہ محفلِ میلاد سے کوئی تعلق نہیں۔

تیسری آیت

وَسَلٰمٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ ـــ سلامتی ہو ان (حضرت یحییٰ علیہ السلام) پر ولادت کے

؎۱ سورۃ الانشراح پ ۳۰ ؎۲ تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۹۲

وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا[1] دن، وفات کے دن اور جس دن (دوبارہ) زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے

بریلوی حضرات اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں لیکن بجائے اس کے کہ اپنی طرف سے اس آیت کی شرح و تفسیر کے لیے عرض کریں فریق مخالف کے علماء کرام سے اس آیت کی تفسیر نقل کر دیتے ہیں تاکہ اصل مطلب اس آیت کا واضح ہو جائے۔ چنانچہ بریلویوں کے صدر الافاضل مولوی نعیم الدین مراد آبادی اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

" یہ تینوں دن (ولادت، وفات اور دوبارہ زندہ کیے جانے کا دن یعنی قیامت) بہت اندیشہ ناک ہیں کیونکہ ان میں آدمی وہ دیکھتا ہے جو اس سے پہلے اس نے نہیں دیکھا۔ اس لیے ان تینوں موقعوں پر امن و سلامتی عطا کی۔"[2]

بریلویوں کے مفتی جناب احمد یار خان صاحب اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

" معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی ولادت۔ زندگی۔ وفات قبر، حشر غرض یہ کہ ہر جگہ اللہ کی امان میں رہتے ہیں۔ یحییٰ علیہ السلام کو بوقت ولادت شیطان نے نہ چھوا جیسا کہ عام بچوں کو چھوتا ہے"[3]

یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس آیت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمہ وقت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نگرانی و حفاظت میں رہتے

---

[1] سورۃ مریم : ۱۵ [2] تفسیر مولوی نعیم الدین مراد آبادی ص۴۲۳ طبع تاج کمپنی

[3] تفسیر نور العرفان ص۴۸۵ ۔ طبع ادارہ کتب اسلامیہ گجرات۔

ہیں ۔ نہ شیطان کا بس اُن پر چل سکتا ہے اور نہ کسی قسم کا خوف انہیں لاحق ہوگا اس آیت میں یوم ولادت، یوم وفات اور دوبارہ زندہ کیے جانے کا دن محض اس لیے ذکر کیے گئے ہیں کہ یہ دن ہر انسان کے لیے انتہائی اہم ہوتے ہیں ۔ اگر ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امان مل جائے تو باقی ایام میں تو بطریق اولیٰ امن و سلامتی حاصل ہو جائے گی ۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اس آیت کا بھی مروجہ محفلِ میلاد سے کوئی تعلق نہیں ۔

بریلویوں کا ایک حدیث پاک سے استدلال اور اسکا جواب

بریلوی حضرات عام طور پر کہتے ہیں کہ جن جن امور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف لفظوں میں نام لے کر منع نہیں فرمایا تو ایسی سب چیزیں جائز ہیں ۔ اور استدلال میں یہ حدیث پاک پیش کرتے ہیں :-

ما اَحَلَّ فهو حلال	حلال وہ ہے جس کو اللہ نے
وما حَرَّمَ فهو	حلال کر دیا اور حرام وہ ہے
حرام وما سكتَ	جس کو اللہ نے حرام کر دیا،
عنه فهو عفوٌ ۔ [1]	اور جس سے خاموشی اختیار کی
	ہے وہ ”عفوٌ“ ہے ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث مبارک کا یہ مطلب ہرگز نہیں جو بریلوی حضرات لیتے ہیں کہ جس چیز کو حرام قرار دیا گیا ہے صرف وہ حرام ہے باقی سب چیزیں حلال ہیں ۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۲ ۔ ابو داؤد ج دوم ص ۱۸۳

والسلام ایسے ہی فرما دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چیزوں کی ۳ قسمیں کرکے حلال کو علیحدہ بیان کرنا۔ حرام کو الگ ذکر کرنا اور پھر ان دونوں سے علیحدہ کرکے ان چیزوں کو ذکر کرنا جن کا صاف صاف حکم قرآن سے معلوم نہیں ہوتا صاف صاف بتلا رہا ہے کہ یہ تیسری قسم کی چیزیں نہ حلال میں شمار کی جاسکتی ہیں اور نہ حرام میں۔ چنانچہ دوسری حدیث شریف میں اس مسئلہ کو زیادہ وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

الامر ثلثة امر	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
بین رشده	فرمایا کہ کام تین طرح کے ہیں۔
فاتبعه وامر بین	۱۔ وہ کام جس کا ہدایت ہونا
غیه فاجتنبه	واضح ہے سو اس کی اتباع کرو
وامر اختلف	۲۔ وہ کام کہ اس کی گمراہی ظاہر
فیه فکله الی	ہو تو اس سے پرہیز کرو ۳۔
الله عزوجل	وہ کام جس میں اشتباہ ہو (یعنی
لہ	صاف طور پر اس کا حکم قرآن
	وسنت سے معلوم نہ ہوتا ہو)
	سو اس کا معاملہ خدا تعالے
	کے سپرد کردو۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں بیان کرتے ہیں: "پس بسپار او را بخدا و توقف کن دران" ۲ے
"سو اس کو خدا تعالیٰ کے سپرد کردو یعنی اس میں توقف کرو"۔

لہ مشکوۃ شریف صلاس۔ ۲ے اشعۃ اللمعات ج اول صلاا

فقہ حنفی کی کتابوں میں بھی اس بات کو ترجیح دی گئی ہے کہ ایسے تمام امور میں توقف کیا جائے گا جن کا حکم واضح اور صاف طور پر قرآن وسنت سے معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ امام علاء الدین محمد بن علی الحصکفی رحمہ اللہ المتوفی ۱۰۸۸ھ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں :-

" علی ما ھو المنصور من ان الاصل فی الاشیاء التوقف" یعنی وہ مسلک جسے دلائل کی نصرت وامداد حاصل ہے یہ ہے کہ تمام چیزوں میں شریعت کا اصل حکم یہ ہے کہ توقف کیا جائے تاوقتیکہ کسی دلیل سے اس کا حلال یا حرام ہونا معلوم ہو جائے۔ [1]

درمختار حنفی فقہ کی وہ مایہ ناز کتاب ہے جس کی تعریف بریلویوں کے امام جناب احمد رضا خان صاحب نے بایں الفاظ کی ہے۔

" درمختار بحر علم کی وہ درمختار ہے کہ جب سے تصنیف ہوئی مشارق ومغارب ارض میں فتوائے مذہب حنفی کا گویا مدار اس کی تحقیقات عالیہ وتدقیقات غالیہ پر ہو گیا۔" [2]

بہرحال حدیث پاک سے اور فقہ حنفی سے ثابت ہو گیا کہ شریعت کا اصول یہ ہے کہ

" ایسے تمام امور میں توقف کیا جائے گا جن کا واضح اور صاف حکم قرآن وسنت میں ہمیں نہ ملتا ہو۔"

لہٰذا بریلوی حضرات کا یہ کہنا باطل ہو گیا کہ جس کا حرام ہونا قرآن وسنت میں مذکور نہ ہو ایسی تمام چیزیں اور ایسے تمام کام حلال ہیں۔

اس اصول کے باوجود جو ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں ہم کہتے ہیں کہ میلاد

---

[1] درمختار ج اول صفحہ ۷۰ ، [2] فتاوی رضویہ ج سوم صفحہ ۲۰۱

کی مروجہ محفل" ان امور میں داخل نہیں ہے جن کا حکم قرآن و سنت سے معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے بارے میں شریعت کا وہ اصول ہے جو پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ

ہر وہ کام جو کارِ ثواب سمجھ کر کیا جائے اور قرآن و سنت سے ثابت نہ ہو ایسا کام شریعت کی اصطلاح میں بدعت کہلاتا ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ

کل بدعۃ ضلالۃ [1] " ہر بدعت گمراہی ہے "

البتہ وہ نیا کام جو دین سمجھ کر اور کارِ ثواب سمجھ کر نہ کیا جائے وہ شریعت کی اصطلاح میں بدعت نہیں کہلاتا گو لغوی طور سے وہ بھی ایک بدعت (نئی ایجاد) ہے لیکن محض نو ایجاد ہونا مضر نہیں ہے۔ بریلوی حضرات بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بدعت وہی مضر ہے جو دین کے کاموں میں ہو چنانچہ بریلویوں کے امام جناب احمد رضا خان صاحب تمباکو کو حلال قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں

" رہا اس (تمباکو) کا بدعت ہونا یہ کچھ باعث ضرر نہیں کہ یہ بدعت کھانے پینے میں ہے نہ کہ امور دین میں"۔ [2]

جناب احمد رضا خان صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہو گیا کہ وہی بدعت مضر ہے جو امور دین میں ہو۔ اور وہ بدعت جو دنیاوی چیزوں میں ہو یعنی اس کو کوئی شخص دینی کام سمجھ کر نہ کرے تو ایسی بدعت مضر نہیں ہے ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں ۱۔ لغوی بدعت ۲۔ شرعی بدعت

لغوی بدعت ہر وہ چیز ہے جو نئی ایجاد کی گئی ہو۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ ۔ ابو داؤد ج ۲ ص ۲۷۹ ۔ ترمذی ج ۲ ص ۹۲ ۔ ابن ماجہ ص ۵

[2] احکام شریعت حصہ سوم ص ۱۶۵

شرعی بدعت صرف وہ نئی ایجاد شدہ چیز ہے جسے دین اور کارِ ثواب سمجھ کر کیا جائے اور اس کا ثبوت قرآن و سنت سے نہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "کہ ہر بدعت گمراہی ہے"۔ اس سے بدعتِ شرعیہ مراد ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا جواب

بریلوی حضرات کے استدلالات کی حیثیت مزید واضح کرنے کے لیے ہم حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جواب نقل کرتے ہیں اور زیرِ بحث مسئلہ میں وہی جواب ہم اپنے لیے مستعار لیتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی منکرِ تقدیر نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا اور اپنے عقیدہ انکار تقدیر پر یہ دلیل پیش کی کہ قرآن پاک کی بعض آیات سے تقدیر کی نفی ثابت ہوتی ہے اس لیے تقدیر کا عقیدہ رکھنا مسلمان ہونے کے لیے نہ ضروری ہے اور نہ ثابت بلکہ تقدیر کا انکار ہی بعض آیات قرآنیہ کے موافق ہے تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے اس بے بنیاد شبہ کو دور کرنے کی غرض سے یہ ارشاد فرمایا۔

لقد قرؤا منہ ما قرأتم وعلموا من

تاویلہ ما جہلتم وقالوا بعد ذلک کلہ [1]

" حضرات صحابہ و تابعین نے قرآن پاک کی یہ آیتیں بھی پڑھی ہیں جو تم پڑھتے ہو لیکن وہ ان آیتوں کی مراد کو سمجھے ہیں اور تم نہیں سمجھے۔ انہوں نے یہ تمام آیات (جن کو تم انکارِ تقدیر پر دلیل کے طور پر پیش کرتے ہو، پڑھنے کے باوجود تقدیر کا اقرار کیا ہے"۔

---

[1] ابو داؤد جلد دوم صفحہ ۲۸۲

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام آیات صحابہ وتابعین کے مقدس دور میں موجود تھیں اور پڑھی بھی جاتی تھیں اور وہ ان آیات کے حقیقی معانی اور تقاضے تم سے زیادہ جانتے تھے اس لیے کہ انہوں نے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی تھی۔ تو جب انہوں نے ان آیات واحادیث سے یہ مفہوم مراد نہیں لیا تو تمہارا ان آیات سے انکارِ تقدیر ثابت کرنا ضلالت وگمراہی کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہی جواب ہم بریلوی حضرات کو پیش کرتے ہیں کہ مروجہ محفل میلاد ثابت کرنے کے لیے جو آیات واحادیث آپ پیش کرتے ہیں وہ سارا علمی ذخیرہ صحابہ وتابعین کی نظروں سے اوجھل نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب اور آپ کی رفعتِ شان وبلندئ مرتبت سے وہ ہم سے کہیں زیادہ واقف تھے اور عشقِ رسول کا جذبۂ فراواں اور عقیدت ومحبت نبوی ہم سے بہت زیادہ ان کے سینوں میں موجزن تھی۔ اور ربیع الاوّل کا مہینہ اور اس کی بارہ تاریخ بھی ہر سال ان کے سامنے آتی تھی۔ اور اس مروجہ محفل میلاد سے کوئی مانع بھی ان کے دور میں موجود نہ تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے ہاں اس طرح کے میلاد کا سُراغ نہیں ملتا۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ ان آیات واحادیث کا وہ مطلب قطعاً نہیں ہے جو بریلوی حضرات بزور نکالنا چاہتے ہیں۔

بریلوی حضرات کی قیاس آرائی کا جواب

افسوس کہ جب بریلوی علماء مروجہ محفل میلاد کو قرآن وحدیث سے ثابت

کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو پھر حق بات کو تسلیم کرنے کی بجائے غلط بات پر محض ملمع چڑھانے کے لیے کہتے ہیں کہ مروجہ محفل میلاد مندرجہ ذیل اجزاء پر مشتمل ہے۔

۱۔ صلوٰۃ وسلام ۲۔ تلاوت قرآن پاک ۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ولادت ومعجزات وغیرہ کا بیان ۴۔ دعا وغیرہ۔

اور پھر یوں استدلال کرتے ہیں کہ جب مروجہ محفل میلاد کے یہ سب اجزاء جائز اور درست ہیں تو پھر مجموعہ بھی جائز ہوگیا۔

لیکن یہ اندازِ استدلال انتہائی غلط اور بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ اپنی رائے اور قیاس سے نئی عبادات ایجاد نہیں کی جا سکتیں کیونکہ عبادات میں قیاس اور رائے کو کوئی دخل نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم ؎۱	تم ہمارے نقشِ قدم پر چلو اور نئی نئی بدعات مت ایجاد کرو کیونکہ دین تمہارے لیے کافی یعنی مکمل کر دیا گیا ہے۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

کل عبادۃ لم یتعبدھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوھا ؎۲	ہر وہ عبادت جو صحابۂ کرام نے نہیں سرانجام دی وہ تم اپنی طرف سے نہ پیدا کرو۔

؎۱ الاعتصام جلد اول ص۵۴ ؎۲ الاعتصام جلد اول ص۱۱۳

بہرحال عبادات کے معاملہ میں قطعاً قیاس نہیں کیا جا سکتا بلکہ جو عبادت جس طرح کی گئی تھی وہ عبادت بالکل اسی طرح سرانجام دینی ہوگی۔ جو عبادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی ہے وہ ادا کرنی ہوگی اور جو آپ نے ادا نہیں کی وہ عبادت بدعت ہوگی۔ اس سلسلہ میں چند مثالیں دے کر ہم اس بات کو واضح کر دیتے ہیں۔

(۱) فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے۔

ویکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتی الفجر لانہ علیہ السلام لم یزد علیھما مع حرصہ علی الصلوٰۃ ؎۱	ترجمہ: "صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد ۲ رکعت سنت فجر کے علاوہ کوئی نفل نماز پڑھنا مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا انتہائی شائق ہونے کے باوجود ۲ رکعت سے زیادہ نوافل نہیں پڑھے"۔
(۲) ولا یتنفل فی المصلی قبل صلوٰۃ العید لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یفعل ذلک مع حرصہ علی الصلوٰۃ ؎۲	"نماز عید سے پہلے عیدگاہ میں نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود نماز کا انتہائی شائق ہونے کے نوافل عید سے قبل نہیں پڑھے ہیں"۔

(۳) اسی طرح رجب کے مہینہ میں ایک نماز پڑھنا لوگوں میں رائج تھا جسے

؎۱ ہدایہ جلد اول ص۱۵۲ ؎۲ ہدایہ ج اول ص۱۱۸

لا يضيع من حسناتكم	تم پر اے امت محمد! کیا
شئ و يحكم يا امة	اتنی جلدی ہلاکت میں پڑ گئے ہو؟
محمد صلى الله عليه	ابھی تک صحابۂ کرام رضی اللہ
وسلم ما اسرع	عنہم تم میں بکثرت موجود اور
هلكتكم هؤلاء صحابة	ابھی تک جناب رسول اللہؐ کے
نبيكم متوافرون	کپڑے پرانے نہیں ہوئے
وهذا ثيابه لم	اور ابھی تک آپؐ کے برتن
تبل وآنيته لم	نہیں ٹوٹے تم ان حالات
تكسر...... او مفتحي	میں بدعت اور گمراہی کا دروازہ
باب ضلالة [1]	کھولتے ہو!

ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا جواب ان
الفاظ میں منقول ہے کہ:-

"میں عبداللہ بن مسعود ہوں۔ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی
قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے نہایت تاریک اور سیاہ بدعت
ایجاد کی ہے یا پھر تم علم میں جناب نبی کریمؐ کے صحابہؓ سے
بڑھ گئے ہو" [2]

(۳) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو کسی ختنے کی دعوت میں شرکت
کے لیے کہا گیا تو انہوں نے جانے سے انکار کر دیا۔ جب انکار کی وجہ
دریافت کی گئی تو فرمایا:

انا كنا لا نأتي	ہم لوگ زمانۂ رسالتمآبؐ میں

---

[1] مسند دارمی ج ۱ ص ۶۸ طبع بیروت [2] مجالس الابرار ص ۱۶۵

الختان علی عہد رسول	ختنوں میں نہیں جایا کرتے تھے
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	اور نہ اس کے لیے دعوت
ولا ندعی لہ [1]	دی جاتی تھی ۔"

ان تمام شواہد کے پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ عبادات میں قیاس اور رائے کو کوئی دخل نہیں ۔ جہاں حضورؐ کا عمل ثابت ہے، وہاں عمل کرنا ضروری ہے اور جہاں عمل ثابت نہیں وہاں ترکِ عمل میں حضورؐ کی اتباع ضروری ہے ۔ جیسا کہ ملا علی قاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں ۔

والمتابعۃ کما تکون	" حضورؐ کی متابعت جیسے فعل
فی الفعل تکون	میں ہوتی ہے اسی طرح ترکِ
فی الترک ایضا فمن	فعل میں بھی ہوتی ہے ۔ تو جو
واظب علی فعل لم	شخص کسی ایسے کام پر مداومت
یفعلہ الشارع فھو	(ہمیشگی) کرے جو حضورؐ نے
مبتدع [2]	نہیں کیا تو وہ بدعتی ہے ۔

اکابرین و بزرگانِ دین کے واقعات سے بریلویوں کا استدلال اور اس کا جواب

جب بریلوی حضرات قرآن و سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس مروجہ محفلِ میلاد کو ثابت کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو پھر بعض بزرگوں کے واقعات کا سہارا لیتے ہیں ۔

اس سلسلے میں یہ اصولی بات مدِ نظر رہنی چاہیئے کہ بزرگوں اور مشائخ کے

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۴ صفحہ ۲۱۷ [2] مرقات شرح مشکوٰۃ ج اول صفحہ ۴۱

اقوال وافعال شرعی طور پر حجت نہیں ہوتے اور نہ ان سے کوئی مسئلہ ثابت ہوسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے جلیل القدر خلیفہ مولانا نصیر الدین محمود چراغ دہلوی نے ان لوگوں سے فرمایا جو حضرت خواجہ صاحب کے کسی فعل کو بطور استدلال پیش کرتے تھے۔

"شیخ کا قول حجت شرعیہ (شرعی دلیل) نہیں۔ قرآن وحدیث سے دلیل پیش کرنا چاہیئے"۔ [1]

اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ :۔

"صوفیاء کرام کا عمل کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے میں سند اور دلیل نہیں ہے۔ ہمارے لیے یہ کافی ہے کہ ہم انہیں معذور قرار دے کر ملامت نہ کریں اور ان کے معاملے کو اللہ سبحانہ تعالیٰ کے سپرد کردیں۔ اس جگہ (حلال وحرام ہونے میں سند اور دلیل کے لیے) امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول درکار ہے۔ ابو بکر شبلیؒ اور ابو الحسن نوریؒ کا عمل معتبر نہیں ہے"[2]

اس اصولی جواب کے بعد عرض ہے کہ جن بزرگوں کے واقعات کا بریلوی حضرات سہارا لینا چاہتے ہیں ان میں کسی بزرگ سے بھی ماہانہ محفل میلاد کا ثبوت اس انداز میں نہیں ملتا جس انداز سے بریلوی حضرات التزام کرتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی بزرگ سے یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ مروجہ محفل میلاد مسجد میں کسی بزرگ نے منعقد کی ہو یا مسجد میں محفل میلاد منعقد کرنے کا حکم دیا ہو۔

---

[1] اردو ترجمہ اخبار الاخیار صفحہ ۱۷۹

[2] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ دفتر اول حصہ چہارم صفحہ ۱۷

شاہ ولی اللہؒ کی ایک عبارت سے بریلویوں کا استدلال اور اسکا جواب

بریلوی حضرات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت سے بھی استدلال کرتے ہوئے مروجہ محفل میلاد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

الحدیث الثانی والعشرون - بائیسویں حدیث

اَخْبَرَنِیْ سَیِّدِی الْوَالِدُ قَالَ کُنْتُ اَصْنَعُ فِیْ اَیَّامِ الْمَوْلِدِ	میرے والد نے مجھے خبر دی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی بنا ء پر ان کی ولادت کے ایام میں کھانا تیار کرتا تھا۔ ایک سال
طَعَامًا صِلَۃً بِالنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمْ یَفْتَحْ لِیْ سَنَۃً مِنَ السِّنِیْنَ شَیْئٌ اَصْنَعُ بِہٖ طَعَامًا فَلَمْ اَجِدْ اِلَّا حِمَّصًا مَقْلِیًّا فَقَسَمْتُہٗ بَیْنَ النَّاسِ فَرَاَیْتُہٗ صلی اللہ علیہ وسلم وَبَیْنَ یَدَیْہِ ھٰذِہٖ	مجھے کچھ میسر نہ ہوا کہ کھانا تیار کر سکوں سوائے بھنے ہوئے چنوں کے تو میں نے وہی لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیئے۔ پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ وہ چنے آپ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ خوش و خرم ہیں۔

وبامثال هذه المجالس	اور انوارِ رحمت دونوں ملے
ورأيت يخالطن انوار	ہوئے ہیں۔
الملائكة انوار الرحمة ؎	

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی اس عبارت سے مروجہ محفل میلاد ثابت
بھی ایک مغالطہ سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس عبارت
ے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
دت باسعادت کے روز آپ کی جائے پیدائش میں جہاں آج کل ایک
ہ بنا ہوا ہے جمع ہو گئے تھے۔ یہ جمع ہونا مروجہ محفل میلاد منعقد کرنے
ے لیے نہ تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے مقدس ومتبرک
ام کی زیارت کے لیے لوگ آجا رہے تھے۔ اسی طرح ایک اتفاقیہ اجتماع
و گیا اور اس مناسبت سے کہ وہ متبرک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے
دائش ہے۔ لوگ ولادت باسعادت کے واقعات کا ذکر کر رہے تھے
ر درود شریف بھی ہر شخص اپنے طور پہ پڑھ رہا تھا۔ اتنی بات میں کسی کا اختلاف
یں ہے۔ چنانچہ ہمارے ایک بہت بڑے عالم مولانا اشرف علی تھانویؒ
شاد فرماتے ہیں :۔

” وہ محفل میلاد جس میں قیود مروجہ متعارفہ میں سے کوئی قید نہ ہو
نہ قید مباح نہ قید مکروہ۔ سب قیود سے مطلق ہو مثلاً کچھ لوگ
اتفاقاً جمع ہو گئے۔ کسی نے ان کو اہتمام کر کے نہیں بلایا کسی اور
(دوسری) مباح (جائز) ضرورت سے بلائے گئے تھے۔ اس
مجمع میں خواہ کتاب سے یا زبانی حضور پُرنور سرورِ عالم فخرِ آدم صلی اللہ

علیہ وسلم کے حالات شریفہ (ولادت کے وقت ظاہر ہونیوالے معجزات وغیرہ) اور دیگر اخلاق وشمائل ومعجزات وفضائل مبارکہ صحیح صحیح روایات سے بیان کیے گئے اور اثنا بیان میں اگر ضرورت امر بالمعروف و بیان احکام کی دیکھی جاوے تو اس میں بھی دریغ نہیں کیا گیا۔ یا اصل اجتماع استماع وعظ واحکام (وعظ سننے کے لیے) اور اس کے ضمن میں ان وقائع شریفہ (ولادت باسعادت کے واقعات) وفضائل کا بیان بھی آگیا۔ یہ وہ صورت ہے کہ بلانکیر (بلا انکار) جائز بلکہ مستحب وسنت ہے۔" لہ

یہ اجتماع جس میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے شرکت فرمائی تھی، مروجہ محفلِ میلاد سے کوئی تعلق نہیں رکھتا کیونکہ

(۱) دعوت دے کر اور بلا کر لوگوں کو جمع نہیں کیا گیا تھا۔

(۲) اس میں بصورت اشعار کچھ نہیں پڑھا گیا۔

(۳) اس میں کسی قسم کی اسراف وفضول خرچی کا ارتکاب نہیں کیا گیا تھا۔

(۴) اس میں قیام بھی نہ تھا کہ سب لوگ کچھ دیر بعد یہ سمجھتے ہوئے کھڑے ہو گئے ہوں کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں۔

(۵) اس میں کھانے، پینے، شیرینی وغیرہ کا اہتمام بھی نہیں کیا گیا تھا۔

(۶) محفل میلاد منعقد کرنے کے لیے لوگوں کا اجتماع نہیں ہوا تھا۔ بلکہ آپ کی پیدائش کی متبرک ومقدس جگہ کی زیارت کے لیے بغیر بلائے ہوئے از خود لوگ جمع ہو گئے تھے گویا مروجہ محفل میلاد کی کوئی بات بھی اس میں نہیں پائی جاتی ہے۔ صرف دھوکہ دینے اور مغالطہ میں مبتلا

لہ اصلاح الرسوم صـ۱۲۱

کرنے کے لیے ایسے حوالجات پیش کیے جاتے ہیں۔

بریلوی حضرات کا شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ایک عبارت سے استدلال اور اسکا جواب

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب کی عبارت کو بھی بریلوی حضرات مروجہ محفل میلاد ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس کے آخر میں مروجہ محفل میلاد کی بدعتوں پر جو تنقید فرمائی ہے اس کو بریلوی حضرات گول کر جاتے ہیں۔ حضرت شیخ کی پوری عبارت ملاحظہ ہو۔

" ولا یزال اہل الاسلام	ترجمہ:۔" اور ہمیشہ ہی سے مسلمان
یَحْتَفِلُوْنَ بشہر	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ولادت
مولدہ صلی اللہ علیہ	کے مہینہ میں محفلیں کیا کرتے
وسلم۔ و یعملون	ہیں اور کھانے پکاتے ہیں'
الولایم و یتصدقون	اور اس ماہ کی راتوں میں طرح طرح
فی لیالہ بانواع	کے صدقات کرتے ہیں۔ اور
الصدقات و یظہرون	خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور
السُرورَ و یزیدون	نیکیوں میں اضافہ کرتے ہیں
فی المبرّاتِ و یعتنون	اور ان لوگوں پر اس عمل کی
بقراءۃ مولدہ الکریم	برکت سے ہر قسم کی برکتیں
و یظہر علیہم من	نازل ہوتی ہیں۔ اس عمل کے
برکاتہ کل فضل	مجرب خواص میں سے یہ ہے
عمیم وما جرب	کہ وہ لوگ پورے سال امن

من خواصه انه امان في ذلك العام وبشرى عاجل بنيل البغية والمرام فرحم الله امرءً اتخذ ليالي شهر مولده المبارك اعيادًا ليكون اشدّ غلبةٍ على من في قلبه مرضٌ وعناد ولقد أطنبَ ابن الحاج في المدخل في الانكار على من احدثه الناس من البدع والاهواء والغناء بالآلات المحرمة عند عمل المولد الشريف فالله تعالى يثيبه على قصده الجميل ويسلك بنا سبيل السنّة فانه حسبنا ونعم الوكيل ۱؎

میں رہتے ہیں اور حاجت روائی اور مقصود برآری کی بڑی بشارت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس شخص پر بے پایاں رحمتیں نازل فرمائیں جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ایام میں خوشی کی تاکہ جس شخص کے دل میں روگ اور عناد ہے وہ اس میں اور سخت ہو جائے بیشک امام ابن الحاج نے اپنی کتاب " مدخل" میں بڑا شدید انکار کیا ہے۔ ان بدعتوں اور نفسانی خواہشوں اور حرام آلات کے ساتھ گانے بجانے پر جو لوگ محفل میلاد میں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ امام ابن الحاج کو ان کے نیک ارادہ کا بدلہ دے اور ہمیں سنت کے طریقہ پر چلائے بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی اور بہترین کارساز ہے۔

۱؎ ماثبت بالسنة في ايام السنة ص۱۰۳

چونکہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۹۵۸ھ اور وفات ۱۰۵۲ھ کی ہے۔ اور محفل میلاد کی ابتدا ۶۰۴ھ میں ہوئی تھی جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ اور اس چار، ساڑھے چار سو برس کے عرصہ میں یہ چیز کافی پھیل چکی تھی، اس لیے حضرت شیخ عبدالحق نے ماہ ربیع الاول کو خوشی کا ایک مہینہ اور صدقہ و خیرات اور دوسری نیکیوں میں اضافہ کرنے کا مہینہ قرار دیتے ہوئے اس سے زائد تمام باتوں کو بدعت اور ناجائز ثابت کرنے کے لیے فرمایا۔

"بیشک امام ابن الحاجؒ نے اپنی کتاب "مدخل" میں ان بدعتوں نفسانی خواہشوں اور حرام آلات کے ساتھ گانے بجانے پر شدید انکار کیا ہے جو لوگ محفل میلاد میں کرتے ہیں"۔ [1]

اور اس کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ امام ابن الحاجؒ کو دعا دیتے ہوئے اور اپنے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع و پیروی کی دعا مانگتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ امام ابن الحاجؒ کو ان کے نیک ارادہ (بدعتوں اور ناجائز چیزوں کو ختم کرنے کا ارادہ) کا بدلہ دے اور ہمیں سنت کے طریقہ پر چلائے"۔ [2]

یہ تمام عبارت آپ کے سامنے ہے۔ اس کے کسی لفظ سے بھی مروجہ محفلِ میلاد کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ لیکن بریلوی حضرات پھر بھی محض دھوکہ دہی اور مغالطہ آفرینی کے لیے ان عبارتوں کو مروجہ محفلِ میلاد ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ حضور

---

[1] ماثبت بالسنۃ ص۱۰۲ [2] ماثبت بالسنۃ ص۱۰۴

صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ومحبت کی بناء پر ماہ ربیع الاوّل میں صدقہ وخیرات کرنا اور نیکیوں میں اضافہ کرنا اور اظہارِ خوشی وغیرہ باتوں میں اختلاف نہیں ہے بلکہ اختلاف اس مروجہ محفل میلاد میں ہے جس کی حقیقت ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور اس میں جو جو شرعی خرابیاں پائی جاتی ہیں ان کو بھی قدرے تفصیل سے ہم بیان کر چکے ہیں۔

علامہ ابن حجر ہیتمی کی عبارت سے استدلال اور اسکا جواب

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت بھی بریلوی حضرات بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔ پہلے ہم پوری عبارت مع ترجمہ ذکر کرتے ہیں پھر ثابت کریں گے کہ اس عبارت کا مروجہ محفل میلاد سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ انکی اصل عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"اکثر محافل میلاد جو ہمارے ہاں رائج ہیں ان میں اچھی اور بری دونوں طرح کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ خیر کی باتیں مثلاً" صدقہ وخیرات ذکر و درود، وسلام، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف، اور بری باتوں میں سے عورتوں کا اجنبی مردوں کو دیکھنا بھی ہے۔ البتہ بعض محفل میلاد ایسی بھی ہیں جن میں کوئی عیب اور شرعی خرابیاں نہیں پائی جاتی۔ لیکن ایسی محفلیں بہت کم اور نادر ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی قسم کی محفلیں ممنوع اور ناجائز ہیں۔ کیونکہ شریعت کا یہ قاعدہ بڑا مشہور ہے کہ " فوائد حاصل کرنے سے نقصانات کا دُور کرنا مقدم ہے"۔ لہٰذا جو شخص جانتا ہے کہ کسی

محفل میلاد میں ایک بھی شرعی خرابی پائی جاتی ہے بایں ہمہ وہ اس میں شرکت کرتا ہے تو وہ خدا کی نافرمانی کرنے والا اور گناہگار ہے اگر فرض کر لیا جائے کہ اس شخص نے اس محفل میلاد میں خیر کے کام بھی کئے تو بھی یہ خیر اس شر کا تدارک نہیں کر سکتا جو اس میں پایا جاتا ہے ۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر اور بھلائی کے نفلی کاموں میں تو بقدر استطاعت اور جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا ہی کام کرنے کا حکم دیا ہے ۔ لیکن اسکے برعکس برائی کی تمام قسموں اور تمام صورتوں سے مکمل بچنے کا حکم دیا ہے ۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ بُرائی گو تھوڑی ہو اس کے کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی اور اس کے برعکس ثواب کا (نفلی) کام جتنا ہو سکے اتنا کرلے ۔ اور دوسری قسم کی محفل میلاد جس میں کوئی برائی اور شرعی خرابی نہ پائی جاتی ہو بلا شبہ سنت ہے اور ان احادیث کے ذیل میں آتی ہے جو ذکر کی فضیلت کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو قوم اللہ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھتی ہے فرشتے انکو ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت الٰہی ان کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور سکینہ (سکون و اطمینان وغیرہ) ان پر نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں میں ایسے لوگوں کا ذکر کرتے ہیں" ۔ [1]

شیخ ابن حجرؒ کی اس عبارت سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ وہ مروجہ محفل میلاد کو قطعاً جائز قرار نہیں دیتے ہیں بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ

[1] فتاوی حدیثیہ صلاا۱۲۹

ذکرِ ولادت جس محفل میں ہوتا ہے وہ دو طرح کی ہوتی ہے۔

۱۔ وہ محفل جس میں ناجائز امور پائے جاتے ہیں ایسی محفل تو قطعاً ناجائز ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ اکثر محفل میلاد اسی زمرے میں شامل ہیں کیونکہ وہ ناجائز امور پہ مشتمل ہوتی ہیں۔

۲۔ وہ محفل جو ہر قسم کی بری باتوں اور ناجائز امور سے پاک ہو یہ بلا شبہ جائز ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دوسری قسم کی محفل وہی ہو سکتی ہے جس میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور آپؐ کے معجزات کا ذکر ہو اور اس سے زائد کچھ نہ ہو اور ظاہر ہے کہ اس حد تک کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

شیخ ابن حجرؒ اپنی اسی کتاب "فتاوی حدیثیہ" میں ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں۔

"بہت سے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے وقت محفل میں کھڑے ہوتے ہیں یہ بدعت ہے کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث وغیرہ نہیں آئی ہے (اس لیے یہ گناہ ہے) البتہ عوام معذور سمجھے جا سکتے ہیں کہ انہیں علم نہیں ہے لیکن اس کے برعکس خواص (یعنی جاننے والے لوگ) معذور نہیں ہیں"۔ [1]

شیخ ابن حجرؒ محفل میلاد میں کھڑے ہونے کو بدعت قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ آج کل کی مروجہ محفل میلاد میں کھڑے ہونے کو بریلوی حضرات نے فرض واجب کا درجہ دے رکھا ہے۔ جیسا کہ سابقہ مضمون میں ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں۔

قارئین کرام آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ بریلوی حضرات کس قدر حوالجات

---

[1] فتاوی حدیثیہ ص ۶۹

میں قطع وبرید کرنے کے عادی ہیں کیونکہ اسی کتاب " فتاوی حدیثیہ " میں لکھا ہوا ہے کہ محفل میلاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے وقت کھڑا ہونا بدعت اور گناہ ہے۔ لیکن بریلوی حضرات اسی کتاب سے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ مروجہ محفلِ میلاد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کا جزِ اعظم ہی " قیام " ہے۔ اس قیام کے بغیر آج کل محفل میلاد کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بریلویوں کے ان تمام حوالوں کا جواب عرض کرنے کے بعد ہم جناب کی توجہ درج ذیل امور کی طرف متوجہ کرانا ضروری سمجھتے ہیں۔

مساجد میں اشعار پڑھنا ممنوع ہیں

(۱) مروجہ محفل میلاد میں اشعار پڑھے جاتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يُستَقَاد في المسجد وان يُنشَدَ فِيهِ الاشعارُ وان تُقَام فيه الحدودُ [۱]	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر قصاص لینے اور اشعار پڑھنے اور حد (چوری زنا وغیرہ کی شرعی سزا) قائم کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ایک دوسری حدیث شریف میں آتا ہے کہ

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تناشد الاَشعَارِ في	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر شعر پڑھنے اور خرید وفروخت کرنے اور نماز

---

[۱] مشکوٰۃ شریف صفحہ ۔ ابوداؤد ج دوم صفحہ ۲۶۱

المسجد وعن البیع والاشتراء فیہ وان یتحلق الناس یوم الجمعۃ قبل الصلوٰۃ فی المسجد۔ [1]

جمعہ سے پہلے حلقہ باندھ کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع فرمایا تھا، اس لیے دوسرے خلیفہ راشد حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی سے باہر ایک جگہ بنا دی تھی اور حکم دیا تھا کہ اگر کوئی شخص شعر وغیرہ پڑھنا چاہے تو مسجد سے باہر اس جگہ آکر پڑھ لے۔

حدیث پاک کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

وعن مالک قال بنیٰ عمرؓ رحبۃ فی ناحیۃِ المسجدِ تسمی البُطَیۡحَاءَ وقال من کان یرید ان یلغطاً او ینشد شعراً او یرفع صوتہٗ فلیخرج الیٰ ھذہ الرَّحبۃِ [2]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد (نبوی) کے کنارے ایک کھلی جگہ بنائی تھی جسکا نام "بطیحاء" تھا اور فرمایا جو شخص باتیں کرنا چاہے یا شعر پڑھنا چاہے یا زور سے بولنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ اس کھلی جگہ "بطیحا" میں آجائے۔ [2]

اس حدیث کی شرح میں ایک شافعی عالم حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد سے باہر شعر پڑھنے کے لیے جگہ اس لیے بنائی تھی تاکہ مذموم (برے) اشعار لوگ مسجد میں نہ پڑھیں

---

[1] ایضاً ص۷۱، ابوداؤد ج اول ص۱۵۴، ترمذی ج اول ص۴۳۔ [2] مشکوٰۃ ص۷۱

لیکن گیارھویں صدی کے مجدد ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

وقول ابن حجرؒ اے	ابن حجرؒ کا یہ کہنا کہ اس حدیث
شعراً مذموماً لیس	میں شعر سے شعر مذموم مراد ہے
فی محلہٖ لانہٗ لا یباح	صحیح نہیں کیونکہ شعر مذموم کا
مطلقاً ؎	پڑھنا تو بالکل جائز نہیں ۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادِ گرامی کا مطلب یہ ہے کہ مذموم اشعار کا پڑھنا تو سرے سے جائز ہی نہیں خواہ مسجد کے اندر ہو یا مسجد سے باہر اس لیے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذموم اشعار پڑھنے کے لیے مسجد سے باہر جگہ بنائی تھی تاکہ لوگ وہاں جا کر مذموم اشعار پڑھ لیا کریں ۔

بہرحال اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی کہ مسجد میں ان اشعار کا پڑھنا بھی ممنوع ہے جو شریعت کے مطابق ہوں اور ان میں کوئی خلاف شرع مضمون بھی نہ ہو۔

"ایک شبہ اور اسکا جواب"

اس موقعہ پر یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کو مسجد نبوی میں شعر پڑھنے کا حکم فرمایا تھا اور ان کے حق میں دعا فرمائی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو چونکہ

؎ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۲۳

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور خصوصی اجازت تھی اس لیے ان کا مسجد میں شعر پڑھنا ناجائز نہ ہوگا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع ہونے کے باعث قابل اجر و ثواب ہوگا لیکن دوسروں کے لیے حکم وہی ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں اشعار نہ پڑھے جائیں ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی مسجد میں شعر پڑھنے کی اجازت نہ دی یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قسم دے کر یہ دریافت فرمایا کہ کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ انہوں نے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا ہے کہ تم میری طرف سے کفار کو (اشعار میں) جواب دو۔ ؎۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تصدیق فرمانے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد میں اشعار پڑھنے کی اجازت دے دی لیکن دوسرے عام لوگوں کے لیے مسجد سے باہر ایک کھلی جگہ بنائی اور فرمایا کہ جو شخص شعر پڑھنا چاہیے وہ مسجد سے باہر اس جگہ آکر پڑھے کیونکہ عام لوگوں کے لیے مسجد میں اشعار پڑھنے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات انکے سامنے تھے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی مزید ملاحظہ فرما لیا جائے آپ نے فرمایا کہ

من رأیتموہ ینشد	جس شخص کو مسجد میں شعر پڑھتے
فی المسجد شعرًا	ہوئے دیکھو اس کو کہو خدا

؎۱ ملاحظہ ہو مرقات ج دوم ص ۲۱۶

فتولُوا فضَّ اللہ فاك تیرا مُنہ توڑ دے ۔ تین بار آپ نے فرمایا۔ ثلوث مرّات [1]

خلاصۂ کلام

ہم کہتے ہیں کہ " مروجہ محفل میلاد " اگر عقائد میں سے ہوتی تو ضرور عقائد کی کتابوں — شرح عقائد نسفی۔ شرح عقائد جلالی۔ شرح مواقف، مسامرہ اور امام طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی کتاب " العقیدۃ الطحاویۃ " وغیرہ میں اس کا ذکر ہوتا۔ اور اگر مروجہ محفل میلاد کا تعلق " اعمال وعبادات " سے ہوتا تو ضرور فقہ کی کتابوں فتاوی عالمگیریہ۔ فتاوی شامی، ہدایہ، البحر الرائق۔ البدائع والصنائع وغیرہ میں اس کا ذکر ہوتا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نہ عقائد کی کتابوں میں " مروجہ محفل میلاد " کا ذکر ہے نہ فقہ کی کتابوں میں۔ آخر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے " نماز تسبیح " " استخارہ " " حفظ قرآن کی دعا " وغیرہ امور کا مفصل طریقہ ذکر فرمایا اور امت کو اس طریقہ کے مطابق ان اعمال کو سرانجام دینے کا حکم دیا تو کیا وجہ ہے کہ " مروجہ محفل میلاد " اس طریقہ اور کیفیت کے ساتھ جس طرح بریلوی حضرات کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ثابت نہیں ہے ؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں اس طریقہ اور کیفیت کا نہ ملنا صاف بتلا رہا ہے کہ اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

---

[1] مرقاۃ ج دوم ص۲۱۶

عیدمیلاد النبیؐ :

۱۲، ربیع الاوّل کو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا "جشن عید" منایا جاتا ہے۔ اور آج کل سے اہل سنّت کا خاص شعار سمجھا جانے لگا ہے۔ اس کے بارے میں بھی چند ضروری نکات عرض کرتا ہوں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ایک اعلیٰ ترین عبادت بلکہ روح ایمان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک واقعہ سرمۂ چشم بصیرت ہے۔ آپ کی ولادت آپ کی صغر سنی۔ آپ کا شباب۔ آپ کی بعثت، آپ کی دعوت آپ کا جہاد، آپ کی قربانی۔ آپ کا ذکر وفکر، آپ کی عبادت ونماز، آپ کے اخلاق وشمائل، آپ کی صورت وسیرت، آپ کا زہد وتقوای، آپ کا علم وخشیت آپ کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، آپ کی صلح وجنگ۔ خفگی وغصّہ، رحمت وشفقت، تبسّم ومسکراہٹ، الغرض آپ کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت وسکون اُمّت کے لئے اسوۂ حسنہ اور اکسیر ہدایت ہے، اور اس کا سیکھنا سکھانا، اس کا مذاکرہ کرنا، دعوت دینا امّت کا فرض ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسی طرح آپ سے نسبت رکھنے والی شخصیات اور چیزوں کا تذکرہ بھی عبادت ہے۔ آپ کے احباب واصحاب، ازواج واولاد، خدام وعمّال، آپ کا لباس وپوشاک آپ کے ہتھیاروں، آپ کے گھوڑوں، خچروں اور ناقہ کا تذکرہ بھی عین عبادت ہے کیونکہ یہ دراصل ان چیزوں کا تذکرہ نہیں بلکہ آپ کی نسبت کا تذکرہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ کے دو حصے ہیں۔ ایک ولادت شریفہ

سے لیکر قبل از نبوّت تک کا۔ اور دوسرا بعثت سے لیکر وصال شریف تک کا پہلے حصّہ کے جستہ جستہ بہت سے واقعات حدیث و سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں اور حیاتِ طیّبہ کا دوسرا حصّہ ـــــ جسے قرآن کریم نے امّت کے لئے "اسوۂ حسنہ" فرمایا ہے ـــــ اس کا مکمل ریکارڈ حدیث و سیرت کی شکل میں محفوظ ہے۔ اور اس کو دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ آپؐ باہمہ خوبی و زیبائی گویا ہماری آنکھوں کے سامنے چل پھر رہے ہیں۔ اور آپؐ کے جمالِ جہاں آرا کی ایک ایک ادا اس میں صاف جھلک رہی ہے۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔

بلا مبالغہ یہ اسلام کا عظیم ترین اعجاز اور اس اُمّت مرحومہ کی بلند ترین سعادت ہے کہ ان کے پاس ان کے محبوب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کا پورا ریکارڈ موجود ہے۔ اور وہ ایک ایک واقعہ کے بارے میں دلیل و ثبوت کے ساتھ نشاندہی کر سکتی ہے کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟ ـــــ اس کے برعکس آج دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جن کے پاس ان کے ہادی کی زندگی کا صحیح اور مستند ریکارڈ موجود ہو ـــــ یہ نکتہ ایک مستقل مقالے کا موضوع ہے، اس لئے یہاں صرف اسی قدر اشارے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

(۳) آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرتِ طیّبہ کو بیان کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ آپؐ کی سیرتِ طیّبہ کے ایک ایک نقشے کو اپنی زندگی کے ظاہر و باطن پر اس طرح آویزاں کیا جائے کہ آپؐ کے ہر اُمّتی کی صورت و سیرت، چال ڈھال، رفتار و گفتار، اخلاق و کردار آپؐ کی سیرت کا مرقع بن جائے۔ اور دیکھنے والے کو نظر آئے کہ یہ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا غلام ہے ـــــ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی موقعہ ملے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذکرِ خیر سے ہر مجلس و محفل کو معمور و معطر کیا جائے۔ آپؐ کے فضائل و کمالات اور آپؐ کے بابرکت اعمال و اخلاق اور طریقوں کا تذکرہ کیا جائے۔ اور آپؐ کی زندگی کے ہر نقشِ قدم

پر مرمٹنے کی کوشش کی جائے۔ سلف صالحین صحابہ وتابعین اور ائمہ ہدیٰ ان دونوں طریقوں پر عامل تھے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو اپنے عمل سے زندہ کرتے تھے اور ہر محفل ومجلس میں آپؐ کی سیرتِ طیبہ کا تذکرہ کرتے تھے، آپؐ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ سنا ہوگا کہ ان کے آخری لمحات حیات میں ایک نوجوان ان کی عیادت کے لئے آیا۔ واپس جانے لگا تو حضرت نے فرمایا: برخوردار تمہاری چادر ٹخنوں سے نیچی ہے۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے — ان کے صاحبزادے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے اپنانے کا اسقدر شوق تھا کہ جب حج پہ تشریف لے جاتے تو جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر حج میں پڑاؤ کیا تھا وہاں اترتے"؛ جس درخت کے نیچے آرام فرمایا تھا اس درخت کے نیچے آرام کرتے۔ اور جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فطری ضرورت کے لئے اُترے تھے، خواہ تقاضا نہ ہوتا تب بھی وہاں اترتے، اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے اسکی نقل اتارتے ——— رضی اللہ عنہ بھی عاشقانِ رسول تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) جن کے دم قدم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ صرف اوراق وکتب کی زینت نہیں رہی بلکہ جیتی جاگتی زندگی میں جلوہ گر ہوئی۔ اور اس کی بوئے عنبرین نے مشام عالم کو معطر کیا۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام رح بہت سے ایسے ممالک میں پہنچے جن کی زبان نہیں جانتے تھے۔ نہ وہ ان کی لغت سے آشنا تھے، مگر ان کی شکل وصورت اخلاق وکردار اور اعمال ومعاملات کو دیکھکر علاقوں کے علاقے اسلام کے حلقہ بگوش اور جمالِ محمدیؐ کے غلام بے دام بن گئے۔ یہ سیرتِ نبوی کی کشش تھی جس کا پیغام ہر مسلمان اپنے عمل سے دیتا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) سلف صالحین نے کبھی سیرت النبی کے جلسے نہیں کئے، اور نہ میلاد کی محفلیں سجائیں۔ اس لئے کہ وہاں "ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات" کا قصہ

تھا۔ ظاہر ہے کہ جب ان کی پوری زندگی سیرت النبی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، جب ان کی ہر محفل و مجلس کا موضوع ہی سیرت طیبہ تھا۔ اور جب ان کا ہر قول و عمل سیرت النبی کا مدرسہ تھا تو ان کو اس نام کے جلسوں کی نوبت کب آ سکتی تھی۔ لیکن جوں جوں زمانہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور سے بُعد ہوتا گیا عمل کے بجائے قول کا اور کردار کے بجائے گفتار کا سکہ چلنے لگا ــــــ الحمد للہ یہ امت کبھی بانجھ نہیں ہوئی۔ آج اس گئے گذرے دور میں بھی اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے موجود ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا آئینہ سامنے رکھ کر اپنی زندگی کے گیسو و کاکل سنوارتے ہیں، اور ان کے لئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت ملک سلیمان اور گنج قارون سے زیادہ قیمتی ہے۔ لیکن مجھے شرمساری کے ساتھ یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ ایسے لوگ کم ہیں، جب کہ ہم میں سے اکثریت مجھ ایسے بدنام کنندہ گپوڑوں اور نعرہ بازوں کی ہے جو سال میں ایک دو بار سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نعرے لگا کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کے ذمہ ان کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حق تھا وہ قرض انھوں نے پورا ادا کر دیا، اور اب ان کے لئے شفاعت واجب ہو چکی ہے۔ مگر ان کی زندگی کے کسی گوشے میں دور دور تک سیرت طیبہ کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت کے ایک ایک نشان کو انھوں نے اپنی زندگی کے دامن سے کھرچ کھرچ کر صاف کر ڈالا ہے۔ اور روز مرہ نہیں بلکہ ہر لمحہ اسکی مشق جاری رہتی ہے، مگر ان کے پتھر دل کو کبھی احساس تک نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سنتوں اور اپنے طریقوں کے مٹنے سے کتنی تکلیف اور اذیت ہوتی ہوگی۔ وہ اس خوش فہمی میں ہیں کہ بس قوالی کے دو چار نغمے سننے، نعت شریف کے دو چار شعر پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

(۵) میلاد کی محفلوں کے وجود سے اُمت کی چھ صدیاں خالی گذرتی ہیں اور ان چھ

صدیوں میں جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں۔ مسلمانوں نے کبھی "سیرت النبی" کے نام سے کوئی جلسہ یا "میلاد" کے نام سے کوئی محفل نہیں سجائی۔ "محفلِ میلاد" کا آغاز سب سے پہلے ۶۰۴ھ میں سلطان ابوسعید مظفر اور ابوالخطاب ابن دحیہ نے کیا۔ جس میں تین چیزیں بطور خاص ملحوظ تھیں۔

(۱) بارہ ربیع الاوّل کی تاریخ کا تعین۔

(۲) علماء و صلحاء کا اجتماع۔

(۳) اور ختم محفل پر اطعام طعام کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُرفتوح کو ایصال ثواب۔ ان دونوں صاحبوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس قماش کے آدمی تھے؟ بعض مؤرخین نے ان کو فاسق و کذّاب لکھا ہے۔ اور بعض نے عادل و ثقہ۔ واللہ اعلم۔

______ جب یہ نئی رسم نکلی تو علمائے امت کے درمیان اس کے جواز و عدم جواز کی بحث چلی۔ علامہ فاکہانی رح اور ان کے رفقاء نے ان خود ساختہ قیود کی بناء پر اس میں شرکت سے عذر کیا، اور اسے "بدعتِ سیئہ" قرار دیا۔ اور دیگر ______ علماء نے سلطان کی ہمنوائی کی۔ اور ان قیود کو مباح سمجھ کر اس کے جواز و استحسان کا فتویٰ دیا جب ایک بار یہ رسم چل نکلی تو یہ صرف "علماء و صلحاء کے اجتماع" تک محدود نہ رہی بلکہ عوام کے دائرے میں آکر ان کی نئی نئی اختراعات کا تختۂ مشق بنتی چلی گئی۔ آج ہمارے سامنے عید میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو ترقی یافتہ شکل موجود ہے (اور ابھی خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں مزید کتنی ترقی مقدر ہے) اب ہمیں اس کا جائزہ لینا ہے۔

(۶) سب سے پہلے دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جو فعل صحابہ و تابعین کے زمانے میں کبھی نہیں ہوا بلکہ جس کے وجود سے اسلام کی چھ صدیاں خالی چلی آئی ہیں۔ آج وہ "اسلام کا شعار" کہلاتا ہے۔ اس شعار اسلام کو زندہ کرنے والے "عاشقانِ رسول" کہلاتے ہیں۔ اور جو لوگ اس نو ایجاد شعارِ اسلام سے ناآشنا ہوں ان کو ___

دشمنانِ رسول تصور کیا جاتا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ط

کاش! ان حضرات نے کبھی یہ سوچا ہوتا کہ چھ صدیوں کے جو مسلمان ان کے اس خود تراشیدہ شعارِ اسلام سے محروم رہے ہیں ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ کیا وہ سب نعوذ باللہ دشمنانِ رسول تھے؟ اور پھر انہوں نے اس بات پر بھی غور کیا ہوتا کہ اسلام کی تکمیل کا اعلان تو حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن ہو گیا تھا۔ اس کے بعد وہ کونسا پیغمبر آیا تھا جس نے ایک ایسی چیز کو ان کے لئے شعار اسلام بنا دیا جس سے چھ صدیوں کے مسلمان نا آشنا تھے۔؟ کیا اسلام میرے یا کسی کے ابا کے گھر کی چیز ہے کہ جب چاہو اس کی کچھ چیزیں حذف کر دو، اور جب چاہو اس میں کچھ اور چیزوں کا اضافہ کر ڈالو؟

(۷) دراصل اسلام سے پہلے قوموں میں اپنے بزرگوں اور بانیانِ مذہب کی برسی منانے کا معمول ہے، جیسا کہ عیسائیوں میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے یوم ولادت پر "عید میلاد" منائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے برسی منانے کی رسم کو ختم کر دیا تھا، اور اس میں دو حکمتیں تھیں۔ ایک یہ کہ سالگرہ کے موقع پر جو کچھ کیا جاتا ہے وہ اسلام کی دعوت اور اسکی روح و مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اسلام اس ظاہری سج دھج، نمود و نمائش اور نعرہ بازی کا قائل نہیں، وہ اس شور و شغب اور ہاؤ ہو سے ہٹ کر اپنی دعوت کا آغاز دلوں کی تبدیلی سے کرتا ہے، اور عقائد حقہ، اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ کی تربیت سے "انسان سازی" کا کام کرتا ہے۔ اس کی نظر میں یہ ظاہری مظاہرے ایک کوڑی کی قیمت بھی نہیں رکھتے، جن کے بارے میں کہا گیا ہے ع "جگمگاتے در و دیوار دل بے نور ہیں"۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح کسی خاص موسم میں برگ و بار نہیں لاتا، بلکہ وہ تو ایسا سدا بہار شجرہ طوبٰی ہے، جس کا پھل اور سایہ دائم و قائم ہے۔ گویا اس کے بارے میں قرآنی الفاظ میں "اکلھا دائم و ظلھا"

کہنا بجا ہے۔ اس کی دعوت اور اس کا پیغام کسی خاص تاریخ کا مرہونِ منّت نہیں بلکہ آفاق وازمان کو محیط ہے۔

اور پھر دوسری قوموں کے پاس تو دوچار ہستیاں ہونگی جن کی سالگرہ مناکر وہ فارغ ہوجاتی ہیں۔ اس کے برعکس اسلام کے دامن میں ہزاروں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں ایسی قدآور ہستیاں موجود ہیں جو ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اور جن کی عظمت کے سامنے آسمان کی بلندیاں ہیچ اور نورانی فرشتوں کا تقدس گرد راہ ہے۔ اسلام کے پاس کم وبیش سوالاکھ کی تعداد تو ان انبیاء کی ہے۔ جو انسانیت کے ہیرو ہیں۔ اور جن میں سے ایک ایک کا وجود کائنات کی ساری چیزوں پر بھاری ہے۔ پھر انبیاء کرامؑ کے بعد صحابہ کرامؓ کا قافلہ ہے ان کی تعداد بھی سوالاکھ سے کیا کم ہوگی؟ پھر ان کے بعد ہر صدی کے وہ لاکھوں اکابر اولیاء اللہ ہیں جو اپنے اپنے وقت میں رُشد وہدایت کے مینارۂ نور تھے۔ اور جن کے آگے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ اب اگر اسلام شخصیتوں کی سالگرہ منانے کا دروازہ کھول دیتا تو غور کیجئے اس امت کو سال بھر میں سالگرہوں کے علاوہ کسی اور کام کے لئے ایک لمحہ کی بھی فرصت ہوتی؟——

چونکہ یہ چیز ہی اسلام کی دعوت اور اس کے مزاج کے خلاف تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ وتابعین کے بعد چھ صدیوں تک امت کا مزاج اس کو قبول نہ کرسکا۔ اگر آپ نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلامی تاریخ میں چھٹی صدی وہ زمانہ ہے جس میں فرزندانِ تثلیث نے صلیبی جنگیں لڑیں، اور مسیحیت کے ناپاک اور منحوس قدموں نے عالم اسلام کو روند ڈالا، ادھر مسلمانوں کا اسلامی مزاج داخلی وخارجی فتنوں کی مسلسل یلغار سے کمزور پڑگیا تھا۔ ادھر مسیحیت کا عالم اسلام پر فاتحانہ حملہ ہوا، اور مسلمانوں میں مفتوح قوم کا سا احساس کہتری پیدا ہوا، اس لئے عیسائیوں کی تقلید میں یہ قوم بھی سال بعد اپنے مقدس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے "یوم ولادت" کا جشن منانے لگی، یہ قوم کے

کمزور اعصاب کی تسکین کا ذریعہ تھا تاہم جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، امت کے مجموعی مزاج نے اس کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ ساتویں صدی کے آغاز سے لیکر آج تک علمائے امت نے اسے "بدعت" قرار دیا، اور اُسے "ہر بدعت گمراہی ہے" کے زمرے میں شمار کیا۔

(۸) اگرچہ "میلاد" کی رسم ساتویں صدی کے آغاز سے شروع ہو چکی تھی، اور لوگوں نے اس میں بہت سے امور کے اضافے بھی کئے لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اسے "عید" کا نام دیتا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "میری قبر کو "عید" نہ بنانا" اور میں اوپر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے حوالے سے بتا چکا ہوں کہ "عید" بنانے کی ممانعت کیوں فرمائی گئی تھی، مگر اب چند سالوں سے اس سالگرہ کو "عید میلاد النبیؐ" کہلانے کا شرف بھی حاصل ہو گیا ہے۔

دنیا کا کون مسلمان اس سے ناواقف ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے "عید" کے دو دن مقرر کئے ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کو بھی "عید" کہنا صحیح ہوتا، اور اسلام کے مزاج سے یہ چیز کوئی مناسبت رکھتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کو "عید" قرار دے سکتے تھے، اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ پسندیدہ چیز ہوتی تو آپؐ نہ سہی، آپؐ کے خلفائے راشدینؓ ہی آپؐ کے یوم ولادت کو "عید" کہکر "جشن عید میلاد النبیؐ" کی طرح ڈالتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، اس سے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں یا یہ کہ ہم اس کو "عید" کہنے میں غلطی پر ہیں۔ یا یہ کہ نعوذ باللہ ہمیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کی کی خوشی ہے مگر صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفائے راشدین کو کوئی خوشی نہیں تھی، انہیں آپؐ سے اتنا عشق بھی نہیں تھا جتنا ہمیں ہے ——— ستم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت میں تو اختلاف ہے، بعض ۹ ربیع الاول بتاتے

ہیں۔ بعض ۸، ربیع الاول ۱۰ اور مشہور بارہ ربیع الاول ہے۔ لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ ۱۲ ربیع الاوّل ہی کو ہوئی ـــــــ گویا ہم نے "جشن عید" کے لئے دن بھی تجویز کیا تو وہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے داغ مفارقت دے گئے، اگر کوئی ہم سے یہ سوال کرے کہ تم لوگ "جشن عید" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ پر مناتے ہو؟ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خوشی میں؟ (نعوذ باللہ) تو شاید ہمیں اس کا جواب دینا بھی مشکل ہوگا۔

بہرحال میں اس دن کو "عید" کہنا معمولی بات نہیں سمجھتا۔ بلکہ اس کو صاف صاف تحریف فی الدین سمجھتا ہوں۔ اس لئے کہ "عید" اسلامی اصطلاح ہے۔ اور اسلامی اصطلاحات کو اپنی خودرائی سے غیر منقول جگہوں پر استعمال کرنا دین میں تحریف ہے۔

(۹) اور پھر یہ "عید" جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مطابق منائی جاتی ہے وہ بھی لائق شرم ہے، ایسے ریش لڑکے غلط سلط نعتیں پڑھتے ہیں۔ موضوع اور منگھڑت قصے کہانیاں۔ جن کا حدیث و سیرت کی کسی کتاب میں کوئی وجود نہیں۔ بیان کی جاتی ہیں، شور و شغب ہوتا ہے۔ نمازیں غارت ہوتی ہیں، اور نامعلوم کیا کیا ہوتا ہے، کاش! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جو "بدعت" ایجاد کی گئی تھی اس میں کم از کم آپ کی عظمت و تقدس ہی کو ملحوظ رکھا جاتا۔

غضب یہ کہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان خرافاتی محفلوں میں بنفس نفیس تشریف بھی لاتے ہیں ـــــــ فیاغربۃ الاسلام!

(۱۰) اب میں اس "عید میلاد النبی" کا آخری کارنامہ عرض کرتا ہوں، کچھ عرصہ سے ہوئے کراچی میں "عید میلاد النبی" کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے، اور جگہ جگہ بڑے بڑے چوکوں میں سانگ بناکر رکھے جاتے ہیں۔ لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں ـــ

اور "بیت اللہ" کی خود ساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں ـــــ اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں اور علماء کی نگرانی میں کرایا جا رہا ہے۔ فیا اسفاہ!

"جشن عید میلاد" کی باقی ساری چیزوں کو چھوڑ کر اسی ایک منظر کا جائزہ لیجئے کہ اس میں کتنی قباحتوں کو سمیٹ کر جمع کر دیا گیا ہے۔

اوّل، اس پر جو ہزاروں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے یہ محض اسراف و تبذیر اور فضول خرچی ہے۔ آپ ملا علی قاریؒ کے حوالے سے سن چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر چراغ اور شمع جلانے والوں پر اس لئے لعنت فرمائی ہے کہ یہ فعل عبث ہے۔ اور خدا کے دیئے ہوئے مال کو مفت ضائع کرنا ہے۔ ذرا سوچئے! جو مقدس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) قبر پر ایک چراغ جلانے کو فضول خرچی کی وجہ سے ممنوع اور ایسا کرنے والوں کو ملعون قرار دیتا ہے اس کا ارشاد اس ہزاروں لاکھوں روپے کی فضول خرچی کرنے والوں کے بارے میں کیا ہوگا؟ اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ یہ فضول خرچی وہ غربت زدہ قوم کر رہی ہے جو روٹی کپڑا مکان کے نام پر ایمان تک کا سودا کرنے کو تیار ہے۔ اس فضول خرچی کے بجائے اگر یہی رقم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال ثواب کے لئے غرباء و مساکین کو چپکے سے نقد دے دی جاتی تو نمائش تو بلاشبہ نہ ہوتی مگر اس رقم سے سینکڑوں اجڑے گھر آباد ہو سکتے تھے۔ ان سینکڑوں بچیوں کے ہاتھ پیلے کئے جا سکتے تھے جو اپنے والدین کے لئے سوہانِ روح بنی ہوئی ہیں۔ کیا یہ فضول خرچی اس قوم کے رہنماؤں کو سجتی ہے جس کے بہت سے افراد و خاندان نانِ شبینہ سے محروم اور جان و تن کا رشتہ قائم رکھنے سے قاصر ہوں؟ اور پھر یہ سب کچھ کیا بھی جا رہا ہے کس ہستی کے نام پر؟ جو خود تو پیٹ پر پتھر بھی باندھ لیتے تھے۔ مگر جانوروں تک کی بھوک پیاس سنکر تڑپ جاتے تھے۔ آج کیمونزم اور لادین سوشلزم، اسلام کو دانت دکھا رہا ہے۔ جب ہم دنیا کی مقدس ترین ہستی ـــــ

کے نام پر یہ سارا کھیل کھیلیں گے تو لادین طبقے دین کے بارے میں کیا تأثر لیں گے؟ فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن کریم نے "اخوان الشیاطین" فرمایا تھا، مگر ہماری فاسد مزاجی نے اس کو اعلیٰ ترین نیکی اور اسلامی شعار بنا ڈالا تھا۔

"بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست"

دوسرے اس فعل میں شیعوں اور رافضیوں کی تقلید ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ رافضی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سالانہ برسی منایا کرتے اور اس موقعہ پر تعزیہ، علم، دُلدُل وغیرہ نکالا کرتے ہیں۔ انھوں نے جو کچھ حسینؓ اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کیا وہی ہم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کرنا شروع کر دیا۔ انصاف کیجئے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کا سوانگ بناکر اسے بازاروں میں پھرانا اور اس کے ساتھ روضۂ اطہر اور بیت اللہ کا سا معاملہ کرنا صحیح ہے تو روافض کا تعزیہ اور دُلدُل کا سوانگ رچانا کیوں غلط ہے؟ افسوس ہے کہ جو ملعون بدعت رافضیوں نے ایجاد کی تھی ہم نے ان کی تقلید کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے کی کوشش کی۔

تیسرے، اس بات پر بھی غور کیجئے کہ روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی جو شبیہ بنائی جاتی ہے وہ شیعوں کے تعزیہ کی طرح محض جعلی اور مصنوعی ہے، جسے آج بنایا جاتا ہے اور کل توڑ دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس مصنوعی سوانگ میں اصل روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی کوئی خیر و برکت منتقل ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی اس چیز میں کسی درجہ میں تقدس پیدا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اگر اس میں کوئی تقدس اور کوئی برکت نہیں تو اس فعل کے محض لغو اور عبث ہونے میں کیا شک ہے؟ اور اگر اس میں تقدس اور برکت کا کچھ اثر آجاتا تو اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟ اور کسی مصنوعی اور جعلی چیز میں روضۂ مقدسہ اور بیت اللہ شریف سے تقدس و برکت کا اعتقاد رکھنا اسلام کی علامت ہے یا جاہلیت کی؟ اور پھر روضۂ شریف اور بیت اللہ

شریف کی شبیہ بنا کر اگلے دن اسے توڑ پھوڑ دینا کیا ان کی توہین نہیں ؟ آپ جانتے ہیں کہ بادشاہ کی تصویر بادشاہ نہیں ہوتی، نہ کسی عقلمند کے نزدیک اس میں بادشاہ کا کوئی کمال ہوتا ہے۔ اس کے باوجود بادشاہ کی تصویر کی توہین کو قانون کی نظر میں لائق تعزیر جرم تصور کیا جاتا ہے۔ اور اسے بادشاہ سے بغاوت پر محمول کیا جاتا ہے۔ لیکن آج روضہ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر کل اسے منہدم کرنے والوں کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ اسلامی شعائر کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

چوتھے، جس طرح شیعہ لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تعزیہ پر چڑھاوے چڑھاتے اور منتیں مانتے ہیں۔ اب رفتہ رفتہ عوام کالانعام اس نو ایجاد "بدعت" کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنے لگے ہیں۔ روضۂ اطہر کی شبیہ پر درود و سلام پیش کیا جاتا ہے۔ اور بیت اللہ شریف کی شبیہ کا باقاعدہ طواف ہونے لگا ہے ——— گویا مسلمانوں کو حج و عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ جانے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے ان دوستوں نے گھر گھر میں روضے اور بیت اللہ بنا دیئے ہیں جہاں سلام بھی پڑھا جاتا ہے۔ اور طواف بھی ہوتا ہے۔ میرے قلم میں طاقت نہیں کہ میں اس فعل کی قباحت و شناعت اور ملعونیت کو ٹھیک ٹھیک واضح کرسکوں۔ ہمارے ائمہ اہل سنت کے نزدیک یہ فعل کس قدر قبیح ہے؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے صرف ایک مثال کافی ہے، وہ یہ کہ ایک زمانے میں ایک بدعت ایجاد ہوئی تھی کہ عرفہ کے دن جب حاجی حضرات عرفات کے میدان میں جمع ہوتے ہیں تو ان کی مشابہت کے لئے لوگ اپنے شہر کے کھلے میدان میں نکل کر جمع ہوتے۔ اور حاجیوں کی طرح سارا دن دعاء و تضرع، گریہ و زاری اور توبہ و استغفار میں گذارتے ——— اس رسم کا نام "تعریف" یعنی عرفہ منانا رکھا گیا تھا ——— بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ بلکہ یہ ایک اچھی چیز تھی کہ اگر اس کا رواج عام ہوجاتا تو کم از کم سال بعد تو مسلمانوں کو توبہ و استغفار

کی توفیق ہو جایا کرتی۔ مگر ہمارے علمائے اہل سنت نے (اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) اس بدعت کی سختی سے تردید کی۔ اور فرمایا:

التعریف لیس بشیٍٔ۔ یعنی اس طرح عرفہ منانا بالکل لغو اور بیہودہ حرکت ہے۔

شیخ ابن نجیم صاحب البحرالرائق لکھتے ہیں:

"چونکہ وقوف عرفات ایک ایسی عبادت ہے جو ایک خاص مکان کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے یہ فعل اس مکان کے سوا دوسری جگہ جائز نہ ہوگا۔ جیساکہ طواف وغیرہ جائز نہیں۔ آپ دیکھتے ہیں طواف کعبہ کی مشابہت کے طور پر کسی اور مکان کا طواف جائز نہیں۔" (صفحہ ۱۶۲ ج ۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ "میری قبر کو عید نہ بنا لینا" اس میں تحریف کا دروازہ بند کرنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہود ونصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ یہی کیا تھا۔ اور انھیں حج کی طرح عید اور موسم بنا لیا تھا۔" (حجۃ اللہ البالغہ)

شیخ علی القاری رحمہ اللہ شرح مناسک میں فرماتے ہیں کہ طواف، کعبہ شریف کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس لئے انبیاء و اولیاء کی قبور کے گرد طواف کرنا حرام ہے۔ جاہل لوگوں کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں، خواہ وہ مشائخ و علماء کی شکل میں ہوں۔" (بحوالہ الجنۃ لاہل السنۃ)

اور بحرالرائق، کفایہ شرح ہدایہ۔ اور معراج الدرایہ میں ہے کہ "جو شخص کعبہ شریف کے علاوہ کسی اور مسجد کا طواف کرے۔ اس کے حق میں کفر کا اندیشہ ہے۔" (الجنۃ لاہل السنۃ صفحہ)

ان تصریحات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ روضۂ اطہر اور کعبہ شریف کا سوانگ بنا کر ان کے ساتھ اصل کا سا جو معاملہ کیا جاتا ہے ہمارے اکابر اہل سنت کی نظر میں

اسکی کیا حیثیت ہے۔

خلاصہ یہ کہ "جشنِ عید میلاد" کے نام پر جو خرافات رائج کر دی گئی ہیں۔ اور جن میں ہر آئے سال مسلسل اضافہ کیا جا رہا ہے ـــ یہ اسلام کی دعوت، اسکی روح اور اس کے مزاج کے یکسر منافی ہیں۔ میں اس تصور سے پریشان ہو جاتا ہوں کہ ہماری ان خرافات کی روئداد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہِ عالی میں پیش ہوتی ہوگی تو آپ پر کیا گذرتی ہوگی؟ اور اگر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم ہمارے درمیان موجود ہوتے تو ان چیزوں کو دیکھ کر ان کا کیا حال ہوتا؟ بہرحال میں اس کو نہ صرف "بدعت" بلکہ "تحریف فی الدین" تصور کرتا ہوں۔ اور اس بحث کو امام ربانی مجدد الف ثانی رح کے ایک ارشاد پر ختم کرتا ہوں جو انہوں نے اسی مسئلہ میں اپنے مُرشد خواجہ باقی باللہ رح کے بارے میں فرمایا ہے:

"بہ نظر انصاف بینند کہ اگر فرضاً حضرت ایشان دریں زمان در دنیا زندہ می بودند۔ وایں مجلس واجتماع منعقد می شد آیا بایں امر راضی می شدند، وایں اجتماع را پسندیدند یا نہ۔ یقینِ فقیر آں است کہ ہرگز ایں معنیٰ را تجویز نمی فرمودند۔ مقصود فقیر اعلام بود، قبول کنند یا نہ کنند ہیچ مضائقہ نیست وگنجائش مشاجرہ نہ"

ترجمہ: انصاف کی نظر سے دیکھئے کہ اگر بالفرض حضرت ایشاں اس وقت دنیا میں تشریف فرما ہوتے اور یہ مجلس اور یہ اجتماع منعقد ہوتا آیا آپ اس پر راضی ہوتے، اور اس اجتماع کو پسند فرماتے یا نہیں؟ فقیر کا یقین یہ ہے کہ اس کو ہرگز جائز نہ رکھتے ـــ فقیر کا مقصود صرف امرِ حق کا اظہار ہے۔ قبول کریں یا نہ کریں کوئی پرواہ نہیں۔ اور نہ کسی جھگڑے کی گنجائش۔ (دفتر اوّل مکتوب ۲۷۳)

مسئلہ ایصالِ ثواب

فاتحہ، تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں سہ ماہی، برسی وغیرہ

ایصالِ ثواب :

(۱) ایصالِ ثواب کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کوئی نیک عمل کریں اور وہ حق تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جائے تو اس پر جو ثواب آپ کو ملنے والا تھا آپ یہ نیت یا دعا کر لیں کہ اس عمل کا ثواب فلاں زندہ یا مرحوم کو عطا کر دیا جائے۔ ایصالِ ثواب کی یہ حقیقت معلوم ہونے سے آپ کو تین مسئلے معلوم ہو جائیں گے۔

ایک یہ کہ ایصالِ ثواب کسی ایسے عمل کا کیا جا سکتا ہے جس پر آپ کو خود ثواب ملنے کی توقع ہو، ورنہ اگر آپ ہی کو اس کا ثواب نہ ملے تو آپ دوسرے کو کیا بخشیں گے؟ پس جو عمل کہ خلافِ شرع اور خلافِ سنّت کیا جائے وہ ثواب سے محروم رہتا ہے۔ اور ایسے عمل کے ذریعہ ثواب بخشنا خوش فہمی ہے۔

دوم: یہ کہ ایصالِ ثواب زندہ اور مردہ دونوں کو ہو سکتا ہے۔ مثلاً آپ دو رکعت نماز پڑھ کر اس کا ثواب اپنے والدین کو یا پیر و مرشد کو ان کی زندگی میں بخش سکتے ہیں، اور ان کی وفات کے بعد بھی ــــــــ عام رواج مُردوں کو ایصالِ ثواب کا اس وجہ سے ہے کہ زندہ آدمی کے اپنے اعمال کا سلسلہ جاری ہے جب کہ مرنے کے بعد صدقہ جاریہ کے سوا آدمی کے ــــــ اپنے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، اس لئے مرحوم کو ایصالِ ثواب کا محتاج سمجھا جاتا ہے۔ یوں بھی زندوں کی طرف سے مُردوں کے لئے کوئی تحفہ اگر ہو سکتا ہے تو ایصالِ ثواب ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ قبر میں مردے کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص دریا میں ڈوب رہا ہو اور لوگوں کو مدد کے لئے پکار رہا ہو۔ اسی طرح مرنے والا اپنے ماں باپ بہن بھائی اور دوست احباب کی طرف سے دعاء کا منتظر رہتا ہے۔ اور جب اس کو یہ خوشخبری پہونچتی ہے تو اسے دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ زمین والوں (یعنی زندوں) کی دعاؤں کی بدولت اہل قبور کو پہاڑوں برابر رحمت عطا فرماتے ہیں۔ اور مردوں کے لئے زندوں کا تحفہ استغفار ہے ——— (رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ ص۲۰۶)

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندے کا درجہ بلند فرمادیتے ہیں تو وہ عرض کرتا ہے یاالٰہی! مجھے یہ درجہ کیسے ملا؟ ارشاد ہوتا ہے، "تیرے لئے تیرے بیٹے کے استغفار کی بدولت" (رواہ احمد مشکوٰۃ ص۲۰۶)

امام سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ زندہ لوگ کھانے پینے کے جتنے محتاج ہیں مُردے دعاء کے اس سے بڑھ کر محتاج ہیں۔ (شرح صدور سیوطیؒ ص۱۲۰)

بہرحال ہمارے وہ بزرگ، احباب اور عزیز و اقارب جو اس دنیا سے رخصت ہو گئے ان کی مدد و اعانت کی یہی صورت ہے کہ ان کے لئے ایصالِ ثواب کیا جائے یہی ان کی خدمت میں ہماری طرف سے تحفہ ہے۔ اور یہی ہمارے تعلق و محبت کا تقاضا ہے۔

سوم ۱ تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ جس عمل کا ثواب کسی کو بخشنا منظور ہو یا تو اس کام کے کرنے سے پہلے اس کی نیت کر لی جائے یا عمل کرنے کے بعد دعاء کر لی جائے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس عمل کو قبول فرما کر اس کا ثواب فلاں صاحب کو عطا فرمائیں۔

(۲) میت کو ثواب صرف نفلی عبادات کا بخشا جا سکتا ہے۔ فرائض کا ثواب کسی دوسرے کو بخشنا صحیح نہیں۔

(۳) جمہور امت کے نزدیک ہر نفلی عبادت کا ثواب بخشنا صحیح ہے۔ مثلاً، دعا

واستغفار، ذکر تسبیح، درود شریف، تلاوت قرآن مجید، نفلی نماز روزہ، صدقہ وخیرات، حج و قربانی وغیرہ۔

۴) یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ ایصالِ ثواب کے لئے جو چیز صدقہ وخیرات کی جائے وہ بعینہٖ میت کو پہونچتی ہے۔ نہیں بلکہ صدقہ وخیرات کا جو ثواب آپ کو ملنا تھا ایصال ثواب کی صورت میں وہی ثواب میت کو ملتا ہے۔

تیجہ، دسواں وغیرہ

علماء اہل سنت نے تیجا، ساتویں، نواں، چالیسواں کرنے کی رسم کو بدعت کہا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شرح سفرالسعادت میں لکھتے ہیں:

عادت نبوی نہ بود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند، و قرآن خوانند وختمات خوانند، نہ بر سر گور، و نہ غیر آں۔ وایں مجموعہ بدعت است ومکروہ۔ نعم تعزیت اہل میت وتسلیہ وصبر فرمودن سنت ومستحب است، امّا ایں اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفات دیگر وصرف اموال بے وصیت از حق یتامٰی بدعت است وحرام (ص۲۶۳)

عادت نبوی (صلّی اللہ علیہ وسلم) نہ تھی کہ میت کے لئے وقت نماز کے علاوہ جمع ہوں، اور قرآن خوانی کریں، اور ختم پڑھیں، نہ قبر پر اور نہ کسی دوسری جگہ — یہ ساری چیزیں بدعت اور مکروہ ہیں۔ ہاں اہل میت کی تعزیت کرنا، ان کو تسلی دلانا اور صبر کی تلقین کرنا سنت ومستحب ہے لیکن یہ تیسرے دن کا خاص اجتماع اور دوسرے تکلفات، اور مردہ کا مال جو یتیموں کا حق بن چکا ہے۔ بغیر وصیت کے خرچ کرنا بدعت اور حرام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے یہاں جو "رسم قل" کی جاتی ہے۔ برادری کے لوگ جمع ہوتے ہیں، "ختم" پڑھا جاتا ہے۔ اور دیگر رسمیں ادا کی جاتی ہیں، یہ رسمیں خلاف شریعت اور بدعت ہیں۔ اپنی اپنی جگہ ذکر و تسبیح، تلاوت، درود شریف اور صدقہ و خیرات کے ذریعہ میت کو ایصال ثواب جتنا چاہے کرے، اور میت کو ثواب بخشے، یہ بلاشبہ صحیح اور درست ہے، لیکن میت کے گھر جمع ہونا، اور اس کے مال سے کھانا تیار کراکر خود بھی کھانا اور دوسروں کو بھی کھلانا شریعت کے خلاف ہے ـــــــــــــ

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم وبستم وششماہی وبرسینی ہیچ نکنند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نداشتہ اند و حرام ساختہ اند۔ (مالا بدمنہ صفحہ ۱۶۰)

میرے مرنے کے بعد دنیوی رسمیں، جیسے دسواں، بیسواں، ششماہی اور برسی کچھ نہ کریں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ سوگ کرنے کو جائز نہیں رکھا، بلکہ حرام قرار دیا ہے۔

علامہ شامیؒ فتح القدیر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ویکرہ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت، لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ روی الامام احمد وابن ماجۃ باسناد صحیح عن جریر بن عبد اللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت و

اہل میت کی طرف سے کھانے کی دعوت مکروہ ہے، اس لئے یہ تو خوشی کے موقعہ پر مشروع ہے نہ کہ غمی کے موقعہ پر ـــــ امام احمد اور ابن ماجہ حضرت جریر بن عبد اللہ صحابیؓ سے بسند صحیح روایت کرتے ہیں کہ ہم میت کے گھر جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرنے

منعهم الطعام من لنیاحۃ کو نوحہ میں سے شمار کرتے تھے
(رد المحتار صفحہ ۲۴۱ ج ۲)

نیز علامہ شامی فتاویٰ بزازیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں :

"مکروہ ہے کھانا تیار کرنا پہلے دن ، تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد اور تہوار کے موقعہ پر قبر کی طرف کھانا لے جانا ، اور قرأت قرآن کے لئے دعوت کا اہتمام کرنا ، اور ختم کے لئے یا سورۃ انعام یا سورۃ اخلاص کی قراءت کے لئے بزرگوں اور قاریوں کو جمع کرنا حاصل یہ کہ قرأت قرآن کے وقت کھانا کھلانا مکروہ ہے۔"

آگے چل کر علامہ شامی رح لکھتے ہیں :

"ہمارے اور شافعیہ کے مذہب میں یہ افعال مکروہ (تحریمی) ہیں خصوصاً جب کہ وارثوں میں نابالغ یا غیر حاضر لوگ بھی ہوں ، قطع نظر ان بہت سے منکرات کے ، جو اس موقعہ پر کئے جاتے ہیں۔ مثلاً بہت سی شمعیں اور قندیلیں جلانا ، ڈھول بجانا ، خوش الحانی کے ساتھ گیت گانا ، عورتوں اور بے ریش لڑکوں کا جمع ہونا ، ختم اور قراءت قرآن کی اجرت لینا ، وغیر ذالک ، جن کا ان زمانوں میں مشاہدہ ہو رہا ہے ۔ اور ایسی چیز کے حرام اور باطل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔" (حوالہ مذکورہ)

باب چہارم

میت کے گھر سے کھانا

ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ کسی گھر میں جب میت ہو جائے تو وہ صبح سویرے گاؤں کے میراثی کو اطلاع دے گا اور وہ گاؤں سے بڑے بڑے دیگ لائیں گے جس میں کئی من چاول اور مونگ آسکتا ہو۔ تو وہ جلدی جلدی پکانے کا انتظام شروع کرتا ہے۔ اور ادھر گھر میں گندم کی روٹی کافی مقدار میں پکاتے ہیں اور ترکاری گوشت اور بیسن وغیرہ کا انتظام بھی فرماتے ہیں اور جب تمام لوگ مردہ کی تدفین وغیرہ کے انتظام سے فارغ ہو جاتے ہیں تو آواز دے گا۔

[illegible] ۔ چاول تیار ہے آجاؤ ۔ کوئی مہمان نہ جائیں ۔ تو تمام مہمان اور گاؤں والے میت کے گھر آتے ہیں کوئی چاول ترکاری کوئی پلاؤ گوشت کوئی روٹی کھیر وغیرہ کھا کر چلے جاتے ہیں ۔ اور گاؤں کی عورتیں اور باہر کے گاؤں کی عورتیں یہ میت کے گھر میں کھانا کھاتی ہیں۔

یہاں کھانے سے تمام حضرات فارغ ہو کر پھر تبصرہ شروع کرتے ہیں بعض کہیں گے بہت بہتر ہے صدقہ کیا اور بہت اچھا پکا ہوا تھا . . . اور بعض کہیں گے فلاں خبیث کو دیکھو جب صدقہ نہیں کر سکتا ہے تو کیوں کرتے ہیں گھی خراب گوشت خراب اور فلاں فلاں چیز خراب تھی۔ تو گھر والا بیچارہ اپنے مردے کیلئے پریشان ہوتا ہے ایسا ہی سقاوہ اور روٹی اور دیگر اخراجات اور رسومات کے لیے پریشان ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر غریب ہو گھر میں کچھ نہ ہو تو یہ ضرور ہی کسی شخص سے قرضہ لے گا تاکہ اس رسم و رواج کو پورا کرے اور بدنامی کے دھبے سے

بچ جائے ۔ اگر کوئی عالمِ دین اس رسم و رواج کی تردید کرے، اگر وہ امام مسجد ہے تو اس صورت میں اس کے لئے الاماں کہنا دشوار ہے ۔ کیونکہ جن حضرات کے پاس فتووں کی مشینری ہے وہاں سے وہابی کی گولی بنا کر اس کے سر کو اس کا نشانہ بنایا کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اسے لازمی طور پر مسجد سے نکلنا پڑ جاتا ہے ۔

اگر وہ عالمِ دین تردید کے لئے تیار نہ ہو تو پھر خوفِ خدا پیشِ نظر ہے کہ رب العالمین کے سامنے قیامت کے دن حاضر ہو کر کیا جواب دے گا ۔ اسی نظریہ کے پیشِ نظر میں تردید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ پوچھ لیں کہ تم نے ان غلط بدعات کو دیکھتے ہوئے کیوں نہ رد کیا، اور خاموش رہے ہو ۔ اسی طرح اگر امام مسجد ہو تو اس پر جب وہاں سے نوری دھماکی کا آجائے تو اس کو اپنے گاؤں کے لوگ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس سے سخت نفرت کرتے ہیں اور ان کی نظر میں مرتد ہو گیا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہی سچ فرمایا :

یاتی علی الناس زمان	لوگوں پر ایک وقت آئے گا جس میں دین
الصابر فیھم علی دینہ	پر صبر کرنے والا انگارے کو پکڑنے والے کی طرح
کالقابض علی الجمر[۲]	ہوگا ۔

حقیقت میں یہی وقت آج موجود ہے جس سے آج کل ہم سابقہ پڑ رہے ہیں اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

میّت کے گھر سے اوّل سوم روز روٹی کھانا

(احادیث کی روشنی میں)

چونکہ باب سوم میں مفصل گذر چکا ہے کہ دین کامل ہے اس میں نہ زیادتی کی گنجائش ہے اور نہ کمی کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے دین میں کوئی ایسا کام نہیں چھوڑا جو نیکی کا کام ہو انہوں نے نہ کیا ہو۔ یا کیا ہو لیکن ہم سے پوشیدہ رکھا ہو۔

لہٰذا جب ہم احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو گھر والوں سے روٹی کھانا تو درکنار بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میّت کے گھر والوں کو روٹی کھلانے کی تلقین فرمائی ہے جیسا کہ شیخ الاسلام علی بن عمر الدارقطنی متوفی ۳۸۵ھ حدیث نقل کرکے فرماتے ہیں

لما جاء نعی جعفر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصنعوا لآل جعفر طعاما فانہ قد اتاھم ما یشغلھم او امر یشغلھم[۱]

جب حضرت جعفرؓ کی موت کی خبر پہنچی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جعفرؓ کے گھر والوں کیلئے کھانا تیار کرو کیونکہ ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جس نے ان کو مشغول کیا ہے یا (یہ فرمایا ہے) ایسا امر آیا ہے جس نے انکو مشغول کیا ہے۔ (کھانا پکانے سے)

اور حضرت الامام محمد بن عیسٰی ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ھ[۲] اور حضرت الامام سلیمان بن الاشعث متوفی ۲۷۵ھ[۳] اور حضرت الامام البیہقی متوفی ۴۵۸ھ[۴] اور حضرت الامام

---

[۱] سنن الدارقطنی ص۷۹ ج۲ [۲] الترمذی ص۱۱۹ ج۱ [۳] ابو داؤد ص۱۶۴ مع شرح عون المعبود، دوسرا نسخہ ص۹۱ ج۲ [۴] السنن الکبرٰی ص۶۱ ج۴

النووی متوفی ۶۷۶ھ[1] اور حضرت الامام الحافظ ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ[2] وغیرہ محدثین حضرات نے اس حدیث کو نقل کیا ہے تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس گھر میں میت ہو جائے ان کے لئے کھانا کھلانے کا انتظام چاہئے۔ کیونکہ ان کے گھر میں مصیبت آئی ہے اور وہ مردہ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوں گے تو جب احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین یہ ہے کہ گھر والوں کو روٹی کھلائیں اور ہمارا طرز عمل اور طرز زندگی یہ ہو کہ میت والے کے گھر سے روٹی کھائیں تو یہ ظاہر ہے کہ ہمارا طرز عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کے مخالف ہے اور اس میں شک نہیں کہ اگر اس فعل کو ہم کار خیر اور کار ثواب سمجھیں تو یہ دین پر الزام ہوگا کہ دین ناقص ہے یہ نیکی کا کام تھا اس میں رہ گیا تھا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام آئے گا کہ یہ نیکی کا کام اس نے ہم سے پوشیدہ رکھا تھا۔ دونوں خلاف شریعت اور دونوں باتیں کفر صریح۔ لہٰذا یہ ثابت ہو گیا کہ میت کے گھر والوں سے روٹی کھانا ناجائز ہے اور نیکی کا کام نہیں۔ اس لئے تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

کنا نعد الاجتماع الی اھل البیت وصنیعۃ الطعام من النیاحۃ[3]	کہ ہم (صحابہ کرامؓ) میت کے گھر جمع ہونے کو اور میت کے گھر کھانا تیار کرنے کو نوحہ (جیسے حرام) سمجھتے تھے۔

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میت کے گھر کھانا تیار کرنے کو نوحہ (میت پر چیخ مار کر رونا) جیسے حرام سمجھتے تھے اور ہمارے لوگ اس کھانے کو ولیمہ (شادی) کی

---

[1] المجموع شرح المہذب ص ۳۱۷/۵، [2] عارضۃ الاحوذی ص ۲۱۹/۴۔ [3] علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام احمد اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ دیکھئے المجموع شرح المہذب ص ۳۲۰/۵

روٹی کی طرح حلال سمجھتے ہیں ۔ اور حلال کرنا بھی ایک حکم شرعی ہے ۔ اس کے لئے دلیل شرعی چاہیئے ۔ اور دلیل شرعی تو نہیں تو اس کے یہی دو مطلب ہو سکتے ہیں یا تو یہ چیز حلال تھی لیکن صحابہ کرامؓ نے ہم کو نہیں بتائی یا یہ چیز حرام تھی لیکن ہم اسے حلال سمجھتے ہیں ، ایک میں تو صحابہ کرامؓ پر الزام آتا ہے دوسرے میں مستقل طور پر تشریع کا دعوی کرنا ہے ، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو چیز حلال ہو وہ حرام نہیں ہو سکتی اور جو حرام ہو وہ حلال نہیں ہو سکتی ۔ حلال کو حرام کرنا اور حرام کو حلال کرنا دونوں ناجائز اور حرام لہٰذا میت کے گھر سے روٹی انہی دنوں میں کھانا بھی ناجائز اور حرام ، اور تو نہ بن جا پیٹ کا غلام ۔

میت کے گھر سے روٹی کھانا

فقہاء اور محدثین کی نظر میں

حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب ابن البزاز الحنفی متوفی ۸۲۷ھ فرماتے ہیں ۔

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ ثلاثۃ ایام واکلہا وانہا شرعت للسرور ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعیاد ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ بقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص فالحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن لاجل الاکل مکروہ[1]

حرام ہے (میت کے گھر سے) مہمانی کرنا اور کھانا تین دن کیونکہ یہ (چیزیں) خوشی کے وقت ہوتی ہیں نہ کہ غمی کے دن اور حرام ہے مہمانی کرنا پہلے دن تیسرے دن اور ہفتہ کے دن اور عیدوں کے موقع پر اور رسوم میں قبر کو طعام لے جانا حرام ہے اور قرآن کے پڑھنے کے واسطے دعوت دینا حرام۔ اور ختم کلام پاک یا سورۂ انعام اور سورۂ اخلاص پڑھنے کے لئے صلحاء اور قاریوں کو جمع کرنا حرام ہے۔ حاصل یہ ہے کہ طعام تیار کرنا کھانے کی خاطر قرآن پڑھنے کے وقت حرام ہے ۔

---

[1] فتاوی بزازیہ طبع ۸ برحاشیہ عالمگیری ۔

فقیہ محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید ابن الہمام الحنفی متوفی ۸۶۱ھ فرماتے ہیں۔

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ قبیحۃ[1]

میت کے گھر سے ضیافت تیار کرنا حرام ہے کیونکہ یہ کھانا دعوت کا تو خوشی کے موقع پر ہوتا ہے نہ کہ غم اور مصیبت میں اور یہ قبیح بدعت ہے۔

اور علامہ ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں۔

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ

میت کے گھر والوں سے مہمانی کی روٹی کھانا حرام ہے کیونکہ یہ خوشی کے موقع میں ہوتی ہے نہ کہ غمی میں اور یہ قبیح بدعت ہے۔

پھر حدیث حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دلیل میں پیش کر کے عبارت فتاوی بزازیہ کے بعد فرماتے ہیں:

ولا سیما اذا کان فی الورثۃ صغار او غائب مع قطع النظر عما یحصل عند ذلک غالبا من المنکرات الکثیرۃ کایقاد الشموع والقنادیل التی توجد فی الافراح ... واجتماع النساء المردان واخذ الاجرۃ علی الذکر وقراءۃ القرآن وغیر ذلک مما ھو مشاھد فی ھذہ الازمان

خاص کر جب وارث چھوٹے بچے ہوں یا کوئی وارث غائب ہو علاوہ ازیں ان منکرات سے جو اس وقت میں ہوتی ہیں جیسا کہ چراغ اور لالٹین وموجود گیس یا بجلی رنگا رنگ کی ا جلانا کہ خوشیوں میں بھی اتنے نہیں ہوتے اور مرد اور عورتوں کو جمع ہونا اور ذکر اور قرآن پڑھنے پر اجرت لینا یا اس کی مانند دیگر چیزیں جو اس زمانہ میں چشم دید ہیں ان کی حرمت میں کوئی شک نہیں اور اسکے

[1] فتح القدیر ص ۱۰۲ ج ۲

وماکان ذلك فلا شك فی حرمته وبطلان الوصیة بلا حول ولا قوة الا باللّٰہ العلی العظیم [1]

وصیت کرنا باطل ہے۔ لاحول الخ (ان چیزوں سے خلاصی بغیر رب کی طاقت کے سوا ممکن نہیں۔

المحدث الامام النووی رحمہ اللہ متوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں۔

واما اصلاح اهل المیت طعاما وجمع الناس علیه فلم ینقل فیه شئی وهو بدعة غیر مستحبة هذا کلام الشامل ویستدل بحدیث جریر ابن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ عنہ [2]

میت کے گھر والے جو کھانا تیار کرتے ہیں اور لوگ ان کے لئے جمع ہوتے ہیں اس پر کوئی دلیل نہیں اور یہ بدعت ہے کار ثواب نہیں یہ شامل نے بیان کیا ہے اور دلیل میں حضرت جریر بن عبد اللہ رض کی حدیث پیش کرتے ہیں جو پہلے گذر چکی ہے)

تو ان معتبر فقہاء اور محدثین حضرات نے تصریحات فرمائی ہیں کہ جو مہمان نزدیک نزدیک گاؤں سے آئے ہیں یا اپنے گاؤں والے مہمان بن رہے ہیں ان کو روٹی کھانا میت کے گھر سے حرام ہے۔ کیونکہ مہمانوں کو تو روٹی اور کھانا جو کھلاتے ہیں تو شادیوں اور دیگر خوشیوں کے اوقات میں اور یہ وقت ان کے غم کا ہے تو اس لئے چاہیئے کہ ان کے لئے کھانا تیار کریں نہ کہ ان سے کھائیں۔

جیسا کہ شیخ الاسلام ابوالحسن علی بن الحسین متوفی ۴۶۱ھ فرماتے ہیں۔

---

[1] رد المحتار ص ۶۰۳ ج ۱۔ دیکھیے ج ۲ مجموعہ رسائل ابن عابدین ص ۱۸۲ ج ۱ اور مجالس الابرار ص ۳۴۳ مجلس ۵۵
[2] فتاوی دار العلوم دیوبند ص ۱۶۷ ج ۲۔ فتاوی عالمگیری ص ۱۶۷ ج ۱، المجموع شرح المہذب ص ۳۲۰ ج ۵، بذل المجہود شرح ابی داؤد مولانا خلیل احمد متوفی ۱۳۴۶ھ ص ۹۹ ج ۱۴ کہ یہ طریقہ قبیح بدعت ہے۔ اسمیں تفصیل دیکھیں جو قابل دید ہے۔

ویستحب ان یجعل شیئا	مستحب ہے کہ میت کے گھر والوں کو
من الطعام لاولیاء المیت	کھانا تیار کر کے بھیجیں کیونکہ وہ کھانا
ویبعث الیہم لانہم قد	تیار کرنے کے دھندوں سے غافل ہیں
شغلوا عن ذلک [۱]	(بوجہ مرگ کے)

اور اسمٰعیل بن یحییٰ المزنی رح اپنے استاذ مجتہد امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں ۔

قال الشافعی واحب	حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میت کے
لقرابۃ المیت وجیرانہ ان	رشتہ داروں اور ہمسایوں کو مستحب ہے کہ میت کے
یعملوا لاھل المیت فی یومھم	گھر والوں کو اتنا کھانا بھیجیں کہ ان کے لئے
ولیلتھم طعاما یسعھم فانہ	اس دن رات کے لئے کافی ہو اور یہ سنت
سنۃ وفعل الخیر [۲]	ہے اور بھلائی اور نیکی کا کام ہے ۔

اور حافظ ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ فرماتے ہیں کہ

سُنت طریقہ یہی ہے کہ جس دن ان کے گھر میں میت ہوگئی ہے تو ان کیلئے کھانے کا انتظام کریں کیونکہ یہ غم اور مصیبت کی وجہ سے کھانے تیار کرنے سے غافل ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے تو چاہیئے کہ ان کے لئے اس دن کھانے کا انتظام کریں [۳]

علامہ ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ فرماتے ہیں کہ

تین دن تک تعزیت کے لئے بیٹھنے میں مضائقہ نہیں ۔ لیکن اس شرط پر کہ ممنوع اور ناجائز چیزوں کا ارتکاب اس میں نہ ہو ۔ اور ممنوع اور ناجائز بتاتے ہیں ۔ فرماتے ہیں ۔

---

[۱] النتف فی الفتاوٰی ص ۱۳۱ ، [۲] مختصر المزنی ص ۳۹

[۳] عارضۃ الاحوذی ص ۲۱۹/۴

من فرش البسط و الاطعمة من اهل البیت لانها تتخذ عند السرور ولا بأس بان یتخذ لاهل البیت طعام[1]

چٹائی اور قالین بچھانا اور روٹی کھانا میت کے گھر والوں سے کیونکہ یہ چیزیں خوشی کے وقت ہوتی ہیں اور میت کے گھر والوں کو کھانا کھلانے میں مضائقہ نہیں

خلاصہ کلام کتابہ ہوا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو میت کے گھر والوں کو کھانا کھلانے کا حکم فرماتے ہیں اور محدثین اور فقہاء میت کے گھر والوں کو کھانا کھلانے کو سنت سمجھتے ہیں اور صحابہ کرام میت کے گھر والوں سے کھانا کھانے کو نوحہ کی مانند حرام سمجھتے ہیں۔ اور فقہاء اور محدثین بھی میت کے گھر والوں سے کھانے کو حرام سمجھتے ہیں اور ہمارے ملک میں اس فعل کو کار ثواب سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو وہابی اور یہ بنج پیری اور مخالف دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں۔ ابھی خود ہی فیصلہ کریں کہ

حق پر ان دونوں میں سے کون ہے ایک شخص اس کامل دین کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے جانی اور مالی قربانیاں دے کر تمام عالم میں پھیلایا تھا بیان کر رہا ہے اور دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں اپنے آباؤ اجداد کے بے سر و پا اقوال و اعمال عوام کے سامنے نہ صرف یہ کہ بیان کر رہا ہے بلکہ عوام پر فرض سا لازم قرار دیتا ہے۔ تو کیا دوسرا شخص جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور تمام محدثین و فقہاء کے اقوال کے مخالف بھی ہے تو یہ گمراہ اور دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف نہیں ہوگا اور پہلا شخص جو دین سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کا طرز عمل پیش

---

[1] بحر الرائق صـ ۲۰۷ ج ۲

ار رہا ہے وہ گمراہ ہوگا۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

اور پھر تعزیت میں جو عادت ہیں کہ قالین بچھا کر اور سرہانے لگا کر لوگ آتے ہیں اور پندرہ بیس دن تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور روٹی پلاؤ، گوشت کھلاتے ہیں۔ اور بعض لوگ یخنی اور بعض روٹی "ترکاری اور بعض دودھ کی چائے اور بعض قہوہ چائے کے مطالبے کرتے رہتے ہیں۔

اور دو تین مرتبہ چائے پیتے ہیں اور پھر بعض جگہوں میں جب ان سے فارغ ہوتے ہیں پھر سگریٹ اور حقہ سے دھواں نکال دیتے ہیں۔ اور دور دراز کی باتیں ہو رہی ہیں کوئی کیا بات کرے گا کوئی کیا بات کرے گا۔ اور میت کے گھر والے ایک دوڑ گھر کی طرف لگائے گا تاکہ یخنی، ترکاری، چاول اور روٹی وغیرہ کم نہ ہو جائے اور دوسری طرف مہمانوں کی جانب دوڑے گا تاکہ مہمان ناراض نہ ہو جائیں۔

کیا کوئی عالم دین بشرطیکہ خوف خدا رکھتا ہو اس فعل کو بھی جائز سمجھے گا؟ بطور حیلہ صدقہ یا اور کوئی بناوٹی دلیل بنا کر۔ اور حقیقت یہی ہے کہ جب کوئی عالم دین اس فعل کو دیکھے گا تو اس کا دل غم سے لبریز ہو جائے گا اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کا ایک مسلسل تانتا بندھ جائے گا کہ ان سادہ لوح مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے، اور نہایت بے جگری سے ان غریبوں اور مسکینوں کے مال کو لوٹا جا رہا ہے۔ اور جو ان کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ ظاہر کرے انہیں بدنام کر کے کئی قسم کے الزامات لگا کر وہابی، پنج پیری کہہ کر لوگوں کو متنفر کر رہے ہیں علاوہ ازیں ان پر حقیقت پنہاں ہی رہے اور کسی طرح سے بھی عوام کو حق کی خبر تک نہ لگے۔ اسی طرح ان کا مال کھاتے رہیں۔ قاتلھم اللہ انی یؤفکون

ضروری تنبیہ

ہم نے بفضلہ تعالیٰ یہ ثابت کر دیا ہے کہ سنت طریقہ یہی ہے کہ میت کے گھر والوں کے لئے کھانے کا انتظام کیا جائے احادیث صحیحہ اور اقوال فقہاء رحمہم سے واضح کر دیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ موجودہ دور میں جو رواج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ، ائمہ مجتہدین اور تمام فقہائے کرام کے طرز عمل سے بالکل خلاف ہے۔

لیکن یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جو حضرات لکیر کے فقیر ہیں وہ اس طرز عمل کے لئے کیا دلیل پیش کرتے ہیں یا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ویسے ہی کئے جا رہے ہیں۔ تو یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ ان کے پاس دلیل شرعی میں سے کوئی ثبوت نہیں نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث پیش کر سکتے ہیں اور نہ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرامؓ کا طرز عمل ایسا بتا سکتے ہیں اور نہ ائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی ایک امام کا قول بتا سکتے ہیں ہاں البتہ اتنا تو ضرور ہے کہ ایک شخص نے الحمد للہ کی بجائے الجمد للہ (جیم کے ساتھ) پڑھا تو کسی نے دریافت کیا کہ بھائی صاحب یہ الحمد للہ ہے حاء کے ساتھ اس نے جواب دیا کہ بھائی میرے پاس تو یہ جیم کے ساتھ ہے۔ تو وہاں مکھی نے نیچے داغ لگایا تھا بس وہی مکھی کا داغ ان کے پاس ہے۔ وہ یہ ہے کہ

علامہ ولی الدین تبریزیؒ صاحب مشکوٰۃ متوفی ۷۴۲ھ نے ایک حدیث بیان کی ہے، جس کا مختصر مطلب یہ ہے کہ۔

عاصم اپنے باپ کلیب سے روایت کرتا ہے اور وہ ایک انصاری سے

روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے۔

فلما رجع استقبله داعی امرأته — جب وہاں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو کسی عورت کا ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دینے آیا

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم (مع صحابہ کرامؓ) تشریف لائے اور طعام حاضر کیا اور صحابہؓ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں تھے کہ آپ ہی ابتدا کریں تب ہم ابتدا کریں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لقمہ اٹھایا تو فرمایا کہ مجھے ایسے معلوم ہوا کہ بکری کا گوشت بلا اجازت لیا گیا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان قیدیوں کو لیجاؤ۔

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے نہ کھایا......

چونکہ اس حدیث میں امرأته ذکر ہے تو امرأة.. کا معنی عورت ہے اور جو اس کے ساتھ ھا ضمیر ہے۔ یہ کس طرف راجع ہے۔ یعنی کس کی بیوی تھی تو حضرت ملا علی القاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے فرمایا۔ ای امرأة المیت یعنی میت کی بیوی۔ گویا کہ ملا علی قاریؒ نے ضمیر کی تعیین فرمائی۔ لہٰذا اس سے ثابت ہو گیا کہ میت کے گھر سے اول روز کھانا جائز ہے۔

جواب: اس سے استدلال کرنا بچند وجوہ باطل اور مردود ہے۔

اوّل صاحب مشکوٰۃ نے نقل کیا ہے ابوداؤد سے اور فرمایا ہے رواہ ابو داؤد لہٰذا اصلی ماخذ مشکوٰۃ کا ابوداؤد ہے وہاں۔ امرأة کا ذکر ہے اور ھا کا ضمیر نہیں[۱]

---

[۱] ابوداؤد مع شرح عون المعبود ص۲۴۹ ج۳

اور یہ کاتب سے غلطی ہوگئی ہے۔ تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ دعوت کے لئے کسی شخص کی بیوی نے قاصد بھیجا۔ اور ملا علی قاریؒ کی تشریح اسی ضمیر پر موقوف تھی جب ضمیر ہی غلط تو تشریح ہی غلط۔ تو اس سے دعویٰ کیسا ثابت ہوگا۔

دوم: حضرت امام ابوبکر البیہقیؒ متوفی ۴۵۸ھ نے اسی عاصم بن کلیب کی روایت کو ذکر کیا ہے۔ جس میں صاف تصریح موجود ہے۔ کہ یہ کسی دیگر شخص کی بیوی تھی جیسا کہ فرماتے ہیں۔

قال صنعت امرأة من المسلمین من قریش لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعاما فدعته واصحابه[1]

کہ قریش کے مسلمانوں کی ایک عورت نے طعام پکایا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو دعوت دی تھی۔

اگر میت کی بیوی ہوتی صنعت امرأۃ المیت کیوں نہ فرماتے۔ لہٰذا جیسا کہ امام بیہقیؒ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ھا کی ضمیر غلط ہے، اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ میت کی بیوی نہیں تھی۔

سوم: حاکم ابوعبداللہ متوفی ۴۰۵ھ نے بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ حدیث بیان کی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابه مروا بامرأۃ فذبحت لهم شاۃ واتخذت لهم طعاما فلما رجع قالت یارسول اللہ انا اتخذنا لکم طعاما الخ[2]

(حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ایک عورت کے پاس سے گذرے تو اس نے بکری ذبح کر کے ان کیلئے طعام بنایا جب آپ واپس تشریف لا رہے تھے تو عورت نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کے طعام کا انتظام کیا ہے الخ

---

[1] السنن الکبریٰ ص ۳۳۵ ج ۶ [2] المستدرک ص ۲۵ ج ۴

"تو اس حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ راستہ سے گزر رہے تھے کہ عورت نے

جب دیکھا تو کھانے کا انتظام کیا۔ واپسی میں ان کو دعوت دی۔

تو اس سے بھی جیسا کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کی ضمیر حدیث میں نہیں تو اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ میت کی بیوی نہیں تھی۔ کیونکہ یہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میت کے گھر سے کھانے کو نوحہ کی طرح حرام سمجھتے تھے، اگر یہ میت کی بیوی ہوتی تو پھر یہ اس کے چشم دید واقعات تھے پھر یہ تو ممکن نہیں کہ ایسے کہتے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کی بیوی سے دعوت قبول کر لیتے" تو اس فعل کو صحابہؓ سنت ہی سمجھ لیتے پھر تو تمام زندگی میں کبھی کوئی صحابی تو اس سنت کو بجا لاتے حالانکہ کسی صحابی سے اس کا ثبوت نہیں۔ لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے، کہ یہ میت کی بیوی نہیں تھی۔

چہارم: عاصم کی روایت میں صرف رجل کا ذکر ہے معلوم نہیں کہ کون تھا کون نہیں اور دوسری روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تصریح موجود ہے۔ لہٰذا اگر بالفرض ہم تسلیم بھی کر لیں پھر بھی دوسری روایت کو ترجیح ہوگی۔

پنجم: اگر بالفرض ہم نے یہ بھی تسلیم کیا جیسا کہ یہ لکیر کے فقیر کہتے ہیں پھر بھی ان کے لیے استدلال اس حدیث سے صحیح نہیں کیونکہ۔ یہ طعام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے نہیں کھایا۔ بلکہ جیل میں جو کفار قیدی تھے انہیں بھیجا[1]۔

"تو ان حضرات کو چاہیئے کہ ابھی کوئی حدیث پیش کریں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ نے میت کی بیوی کے گھر سے اول سوم نہم خصوصی دنوں میں ایک مرتبہ روٹی کھائی ہو

هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين۔

---

[1] دیکھئے: المحلی ص۲۱۶ ج۱، السنن الکبریٰ ص۹۷ ج۶۔ المستدرک ص۲۵ ج۴

شبہ: حضرت الامام المجتہد نعمان بن ثابت متوفی سنہ ۱۵۰ھ نے اسی عاصم بن کلیب کی روایت نقل کی ہے جس میں لفظ امرأۃ کی جگہ رجل ہے جیسا فرماتے ہیں

ابو حنیفۃ عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صنع رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم طعاما للنبی صلی اللہ علیہ وسلم [1]

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔ کہ عاصم سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طعام کا انتظام کیا تھا۔

تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت یہی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانے کا انتظام فرمایا تھا لیکن واپسی کی صورت میں شاید وہ شخص گھر میں نہ ہوں گے تو اس کی بیوی نے ایک قاصد بھیجا ہوگا کہ آج ہماری دعوت ہے۔ اور دعوت میں یہ ماجرا پیش آیا کہ بکری بلا اجازت مالک ذبح کی گئی تھی۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگھر والوں نے عذر بیان کیا کہ ہم نے ایک آدمی بکری خریدنے کے لئے بھیجا لیکن وہاں نہ ملی پھر لونڈی کے پاس بھیجا وہاں بھی نہ ملی پھر ایک عورت کو خبر بھیجی اس نے یہ بھیج دی۔

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے دوسری میں دیگر کیفیت ہے۔

بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو معمولی شبہات سے بھی اجتناب فرماتے تھے آپ نے یہ کھانا نہ کھایا اور قیدیوں کو بھیجا۔ تو لکیر کے فقیر حضرات تو اگر امام ابوحنیفہؒ کی روایت کی طرف نظر کریں تو شاید پھر یہ حدیث استدلال میں پیش ہی نہ کریں کیونکہ اس میں امرأۃ کا لفظ نہیں بلکہ رجل کا ہے۔ تو سارا مسئلہ حل ہوگیا لیکن عشق تو بری بلا ہے۔

---

[1] جامع مسانید الامام الاعظم ص ۶۹ ج ۲

جو پیٹ کا عاشق ہو۔ وہ کہاں حق بات تسلیم کرتا ہے۔

ہفتم تعجب کی بات ہے کہ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ امام الدارقطنی متوفی ۳۸۵ھ، امام ابن العربی ۵۴۳ھ، امام نووی متوفی ۶۷۶ھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مسنونہ بیان کرتے ہیں کہ میت کے گھر والوں کو کھانا کھلائیں۔

اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع صحابہ کرام میت کے گھر والوں سے کھانے کو نوحہ کی طرح حرام جانتے ہیں۔

اور محدث امام نووی متوفی ۶۷۶ھ اور فقیہ محمد بن شہاب ابن البزاز صاحب فتاوی بزازیہ متوفی ۸۲۷ھ اور فقیہ ابن الہمام صاحب فتح القدیر متوفی ۸۶۱ھ اور فقیہ ابن نجیم صاحب البحر متوفی ۹۷۰ھ اور فقیہ ابن عابدین صاحب ردالمحتار متوفی ۱۲۵۲ھ میت کے گھر والوں کے کھانے کو حرام اور ناجائز سمجھتے ہیں۔ صرف ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ سے مرقات شرح مشکوٰۃ میں غلطی ہو گئی ہے کہ مطلق عورت سے میت کی عورت بنا دی تو مبتدعین کے لیے یہ نص قطعی بن گئی (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرات یہ حقیقت تھی جو میں نے تمہارے سامنے واضح کر دی کہ ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل شرعی نہیں اور قیامت تک نہیں لا سکتے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

باقی ماننا اور نہ ماننا یہ ہر ایک شخص کی اپنی مرضی پر موقوف ہے، جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قیامت کے دن ملنا ہے وہاں حساب کتاب ہوگا۔ تو وہ ان شاء اللہ تعالیٰ ان مضبوط اور وزنی دلائل کو دیکھ کر خود بخود مطمئن ہو جائے گا اور خواہ مخواہ غریب اور مسکینوں کے مالوں کو نہیں لوٹے گا۔ کیونکہ ان غریبوں کا نقصان بھی ہوتا ہے اور ثواب سے بھی عاری اور محروم رہ جاتے ہیں تو خسر الدنیا والآخرۃ۔ البتہ چند دن کے بعد جتنی طاقت ہو صدقہ کریں اور ثواب بھی ملے گا اور میت کو بھی

فائدہ پہنچے گا۔

اور جو شخص ضد اور عناد پر کمر بستہ ہو تو ان کو حق بات ماننے سے کیا تعلق وہ تو اپنی ضد کو پورا کرنا جانتا ہے خواہ اسلام سے دور ہی کیوں نہ نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ ضد اور تعصب سے محفوظ رکھے۔ آمین

محمدؐ نے فرمایا صحابہ کو — اصنعوا لآل جعفر[1]
کیونکہ وہ ہیں مشغول! — کھانے کے انتظام سے از حادثہ امر[2]
اگر تم امتی ہو عمل کرو اے فہیم! — اس کے قول پر جو ہے خیر البشر
ورنہ کیا کہو گے محشر کے دن میں — جب کہا جائے ما جاءکم نذیر من البشر[3]
تم کہو گے اس وقت بلیٰ[4] — لیکن فائدہ نہیں ہوگا از صدق خبر
دلائل تمہارے سامنے ہیں موجود! — ذرا خوف کر از عذاب قبر!
مال لٹانے والوں کی بات نہ ماننا — ورنہ ارمان کرو گے یوم حشر
نہ بن جا پیٹ کا غلام! — سن لیں میری طرف سے سچی خبر
جب قیامت جا کر خود کہو گے! — لقد اضلنی الشیطٰن عن الذکر[5]
لو کنا نسمع او نعقل کہے گا[6] — نجات نہیں دے گا از اصحٰب السعر
آج ہی سے توبہ کر نادان نہ بن جا!! — اس میں ہے کفر کا خطر

---

[1] جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو
[2] ان کو حادثہ موت پیش آیا ہے جس نے ان کو کھانے کے انتظام سے روک رکھا ہے۔
[3] قیامت میں فرشتے کہیں گے کیا تم کو (تمہارے پاس) ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔
[4] قیامت کے دن کہے گا کیوں نہیں بلکہ آیا تھا لیکن ہم نے ان کو جھٹلایا اور ہم نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے نہیں نازل کی ہے۔ پھر ان کو جواب ملے گا کہ تم تو بڑی گمراہی میں مبتلا تھے۔
[5] شیطان کم بخت نے مجھ کو نصیحت کے بعد بہکا دیا [6] کاش کہ ہم سنتے یا سمجھتے الخ

کھانے پر ختم

بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ایصالِ ثواب کے لئے جو کھانا دیتے ہیں اس پر میاں جی سے کچھ پڑھواتے ہیں۔ اور اس کو بعض لوگ "فاتحہ شریف" اور بعض "ختم شریف" کہتے ہیں۔ بادی النظر میں یہ عمل بہت اچھا معلوم ہوتا ہے، اور لوگ اس کے اسی ظاہری حُسن کے عاشق ہیں، مگر اس میں چند امور توجہ طلب ہیں۔

اوّل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین میں اس کا رواج نہیں تھا۔ اس لئے بلاشبہ یہ طریقہ خلافِ سنت ہے اور آپ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح کے حوالے سے سُن چکے ہیں کہ جو چیز خلافِ سنت ہو وہ مذموم اور قابلِ ترک ہے اگر شریعت کی نظر میں یہ طریقہ مستحسن ہوتا تو سلف صالحین اس سے محروم نہ رہتے۔

دوم: عام لوگوں کا خیال ہے کہ جب تک اس طرح ختم نہ پڑھا جائے میت کو ثواب نہیں پہنچتا، بہت سے لوگوں سے آپ نے یہ فقرہ سنا ہوگا "مرگیا مردود، نہ فاتحہ نہ درود" یہ خیال ایک سنگین غلطی ہی نہیں، بلکہ خدا اور رسول کے مقابلے میں گویا نئی شریعت بنانا ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ ایصالِ ثواب کا نہیں بتایا، اور نہ سلف صالحین نے اس پر عمل کیا، اب دیکھئے کہ جو حضرات یہ فقرہ دہراتے ہیں "مرگیا مردود، نہ فاتحہ نہ درود" اس کا پہلا نشانہ کون بنتا ہے ــــ پس یہ کیسی دینداری ہے کہ ایک نئی بدعت گھڑ کر ایسے فقرے چست کئے جائیں جن کی زد میں سلف صالحین آتے ہوں، اور ان اکابر کے حق میں ایسے ناروا الفاظ استعمال کئے جائیں۔

سوم: کہا جاتا ہے کہ اگر کھانے پر سورتیں پڑھ لی جائیں تو کیا حرج ہے؟ حالانکہ اس سے بڑھ کر حرج کیا ہوگا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ، آپ کی سنت اور شریعت کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے اکابر اہلِ سنت نے کھانے پر قرآن کریم پڑھنے کو

بے ادبی تصور کیا ہے. حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رہ کے فتاویٰ میں ہے:

"سوال: کسے کلام اللہ یا آیت کلام مجید بر طعام خواند چہ حکم است؟ شخصے میگوید کہ کلام اللہ بر طعام آنچناں است کہ کسے در جائے ضرور بخواند. نعوذ باللہ منہا — جواب: بایں طور گفتن روا نیست بلکہ سوء ادبی است، اگر ایں چنیں گفت کہ درہمچوں اینجا خواندن سوء ادبی است مضائقہ ندارد. وایں ہم وقتے است کہ بطریق وعظ و پند نخواند، وامّا بطور وعظ و پند و منع از شرک و بدعت خواندن در ہر جا رواست، بلکہ برائے رد بدعت گاہ واجب می شود." (فتاویٰ عزیزی ص ۹۲)

ترجمہ: سوال: کوئی شخص کلام اللہ، یا قرآن مجید کی آیت کھانے پر پڑھے تو کیا حکم ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ کلام اللہ کھانے پر پڑھنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ پر پڑھے. نعوذ باللہ.

جواب: ایسا کہنا روا نہیں بلکہ بے ادبی ہے، ہاں اگر یوں کہے کہ "اسی طرح کھانے پر قرآن پڑھنا بھی بے ادبی ہے" تو مضائقہ نہیں. اور یہ بے ادبی بھی اس وقت ہے جب کہ بطور وعظ و نصیحت نہ پڑھے، لیکن وعظ و نصیحت کے طور پر اور شرک و بدعت سے منع کرنے کے لئے پڑھنا ہر جگہ درست ہے. بلکہ رد بدعت کے لئے بسا اوقات واجب ہے."

حضرت شاہ صاحبؒ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ کھانے پر قرآن مجید پڑھنا ایک طرح سے بے ادبی ہے.

چہارم: میاں جی کو بلا کر جو کھانے پر ختم پڑھایا جاتا ہے اس میں ایک قباحت یہ ہے کہ میاں جی اپنے ختم کے بدلے میں کھانا لے جاتے ہیں. اور گھر والے اپنے کھانے کے بدلے میں میاں جی سے ختم پڑھوا لیتے ہیں. اگر میاں جی ختم نہ پڑھے تو وہ کھانے سے محروم رہتا ہے اور اگر گھر والے کھانا نہ دیں تو میاں جی ختم کے لئے آمادہ نہیں ہوتے، گویا میاں جی کے ختم اور گھر والوں کے کھانے کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے. اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسری کا معاوضہ

بن جاتی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم معاوضہ لیکر پڑھا جائے تو ثواب پڑھنے والے کو بھی نہیں ملتا۔ اسی طرح جو کھانا معاوضے کے طور پر کھلایا جائے وہ بھی ثواب سے محروم رہتا ہے، ختم پڑھایا تو اس لئے گیا تھا کہ دوہرا ثواب ملے گا۔ مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکہرا ثواب بھی جاتا رہا ——————

پنجم: میں نے بعض جگہ دیکھا ہے کہ جب تک کھانے پر ختم نہ دلایا جائے کسی کو کھانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ بعض اوقات اگر میاںجی صاحب کی تشریف آوری میں کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو بچوں تک کو کھانے سے محروم رکھا جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی بلبلاتے رہیں —— حالانکہ میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ ثواب تو اس کھانے کا ملے گا جو کسی غریب محتاج کو خدا واسطے دیدیا گیا، پھر آخر اس پابندی کی کیا وجہ ہے کہ جب تک ختم نہ پڑھ لیا جائے کھانا بچوں تک کے لئے ممنوع قرار پائے۔

ششم: دراصل تیجا، ساتواں، دسویں، گیارہویں، اور ختم کا رواج ہندوستان کے مسلمانوں میں ہندو معاشرے سے منتقل ہوا، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان (اور اب پاک وہند) کے علاوہ دوسرے کسی ملک میں ان رسموں کا رواج نہیں، ہندوؤں کے ایصال ثواب کا طریقہ اور اس کی خاص خاص تاریخوں کو ہمارے مشہور سیاح البیرونی نے "کتاب الہند" میں بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ اور مولانا عبید اللہ نومسلم نے، جو پہلے ہندوؤں کے پنڈت تھے، بعد میں حق تعالیٰ نے ان کو نور ایمان نصیب فرمایا، "تحفۃ الہند" میں بھی ہندوانہ ایصال ثواب کے طریقوں کی نشاندہی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"برہمن کے مرنے کے بعد گیارہواں دن، اور کھتری کے مرنے کے بعد تیرہواں دن۔ اور دیش یعنی بنیے وغیرہ کے مرنے کے بعد پندرھواں یا سولھواں دن اور شودر یعنی بالدھی وغیرہ کے مرنے کے بعد تیسواں یا اکتیسواں دن ہے —— ازاں جملہ ایک چھماہی کا دن ہے، یعنی مرنے کے چھ مہینے بعد —— ازاں جملہ برسی کا دن ہے، اور ایک دن گائے کو بھی کھلاتے ہیں۔۔۔ ازاں جملہ

اسوج کے مہینے کے نصف اوّل میں ہر سال اپنے بزرگوں کو ثواب پہنچاتے ہیں، لیکن جس تاریخ میں کوئی مرا اس تاریخ میں ثواب پہنچانا ضروری جانتے ہیں، اور کھانے کے ثواب پہنچانے کا نام سرادھ ہے، اور جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اوّل اس پر پنڈت کو بلوا کر کچھ بید پڑھواتے ہیں، جو پنڈت اس کھانے پر بید پڑھتا ہے تو وہ ان کی زبان میں "ابھشرمن" کہلاتا ہے، اور اسی طرح اور بھی دن مقرر ہیں۔" (صا۹۱۔ بحوالہ راہ سنت)

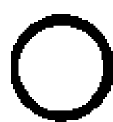
ان چند در چند قباحتوں کی بنا پر میں کھانا سامنے رکھکر قرآن کریم کی آیات کا ختم پڑھنے کو ایک بے کار رسم سمجھتا ہوں، اور اسے ایصال ثواب کا اسلامی طریقہ سمجھنے اور اسکی پابندی کرنے کو "بدعت" سمجھتا ہوں ـــــ تاہم ختم پڑھنے سے کھانا حرام نہیں ہو جاتا، اور نہ اس کو شرک کہنا صحیح ہے۔ البتہ "بدعت" کہنا چاہئیے۔ میں ایصالِ ثواب کا سنت طریقہ اوپر عرض کرچکا ہوں جس کا خلاصہ یہ ہے:

الف: اپنے مرحوم بزرگوں اور عزیزوں کے لئے دعا و استغفار کی پابندی کی جائے۔

ب: جتنی ہمت ہو درود شریف، تلاوتِ قرآن مجید، کلمہ شریف اور تسبیحات پڑھ کر ان کو ایصال ثواب کیا جائے۔ اگر ہر مسلمان روزانہ تین مرتبہ درود شریف، سورۂ فاتحہ، سورہ اخلاص پڑھ کر بخشدیا کرے تو مرحومین کا جو حق ہمارے ذمہ ہے کسی درجے میں وہ ادا ہو سکے۔

ج: نفلی نماز، روزہ، حج، قربانی سے بھی حسب توفیق ایصال ثواب کیا جائے۔

د: صدقہ وخیرات کے ذریعہ بھی ایصال ثواب کا اہتمام کیا جائے۔ مگر اس کے لئے نہ کوئی وقت مقرر کیا جائے۔ نہ کھانا پکانے ہی کا اہتمام کیا جائے۔ نہ میانجی کی ضرورت سمجھی جائے۔ بلکہ وقتاً فوقتاً جب بھی توفیق ہو روپیہ، پیسہ، غلہ کپڑا، یا جو چیز بھی میسر ہو مرحومین کی طرف سے راہِ خدا میں صدقہ کر دی جائے۔ یہ ہے ایصالِ ثواب کا وہ طریقہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے اور جس پر ہمارے اکابر اہل سنت سلف صالحین عمل پیرا رہے ہیں۔



(۱۱)

گیارہویں شریف

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد:

کسی مسئلہ کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ دینے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس مسئلہ کی عملی صورت کیا ہے اور جس طرح اسلام میں اعمال کے پیچھے عقائد کا پس منظر ہوتا ہے۔ اس گیارہویں کے پیچھے کون سے عقائد کارفرما ہیں۔ گیارہویں کا فیصلہ اس کے پس پشت پر بسنے والے عقائد کے پیش نظر اس کی عملی صورت پر دیا جائے گا ——— اور عملی صورت سے مراد کسی خاص فرد یا خاص مسجد میں دی جانے والی گیارہویں نہیں۔ اس میں عامۃ الناس کے عمل و دخل کو دیکھا جائے گا جو مسئلہ عام طور پر رائج ہو اس میں عوام کا اعتبار ہونا چاہیئے نہ چند خواص کا جو خاص طور پر اس کی حدود ممنوعہ کا کسی درجے میں سد باب کر دیتے ہیں۔

علماء کو چاہیئے کہ ایسے مسائل میں وہ عوامی ذہن اور عمل کا لحاظ کریں۔ اپنی فقہی موشگافیوں سے عوام کو بدعات میں نہ ڈبائیں۔ عوام کے مبلغ علم ان کی سوچ اور فکر اور ان کے عقیدہ و عمل کو سامنے رکھیں۔ علماء کرام اپنی مقتدا حیثیت میں عوام کے حالات کو جاننے اور سمجھنے اور ان کے مطابق انہیں گمراہی سے نکالنے یا اس میں دھکیلنے کے ذمہ دار ہیں۔ محض اپنے فائدے یا آئے دن کے پکے پکائے کھانے ملنے کی سہولت میں پڑ کر اپنے مقتدیوں کی آخرت کو برباد کرنا یہ کوئی ایسی چھوٹی غلطی نہیں ہے جس سے آخرت تباہ ہو۔ ایسے سب کے بارے میں کسی مولانا نے کہا ہو ؎

تو ادھر ادھر کی بات نہ کر　　　تو بتا کہاں لٹا قافلہ

مجھے رہزنوں سے گلہ نہیں　　　تری رہبری کا سوال ہے

سو گیارہویں کے موضوع پر اس کے اعتقادی پس منظر عملی صورت حال اور عرفی ہیئت یہ عمل ہی وہ امور ہیں جن کے جانے بغیر اس کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ دینا جلد بازی ہو گی۔ اس کی شرعی

حیثیت چوتھے درجہ میں زیر بحث آنی چاہیئے۔ بلکہ ان چاروں سے پہلے ان کا تاریخی منظر بھی سامنے ہونا چاہیئے۔

ہم ان شاء اللہ العزیز ان پانچ امور پر ترتیب سے گفتگو کریں گے۔ واللہ ھو الموفق لما یحبہ و یرضی بہ۔ اب اس کی شرعی حیثیت پانچویں نمبر پر آئے گی اور اس میں یہ بات بھی سامنے آئے گی کہ اس میں اور کتنی بدعات پیٹی ہوئی ہیں اور اس کی نسبت حضرت الشیخ سید عبد القادر جیلانی ؒ کی طرف کرنا اور اسے گیارہویں شریف کہنا ان کے ذمے لگانا کتنا بڑا ظلم اور ظلم بالائے ظلم ہے۔

گیارہویں کا تاریخی پس منظر

سیدنا الشیخ عبد القادر جیلانی ؒ (۵۶۱ھ) چھٹی صدی میں ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے پہلے (اسلام کی پہلی پانچ صدیوں میں) حضرت سرکار بغداد کے نام ایصال ثواب کی یہ رسم یا تقریب کہیں نہ تھی۔ اب آپ کے بعد یہ کب جاری ہوئی۔ اس کی تاریخی تحقیق نہایت ضروری ہے۔ دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاری ؒ (۱۰۱۴ھ) گیارہویں صدی کے مجدد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ؒ (۱۰۳۵ھ) پھر آپ کے معاصر حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی ؒ (۱۰۵۲ھ) بلکہ ان سے آگے آنے والے عمدہ مشائخ نقشبندیہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ؒ (۱۲۲۵ھ) اور خاتم المحدثین حضرت شاہ عبد العزیز ؒ محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) ان بزرگوں میں سے کوئی بزرگ اس کا ذکر نہیں کرتا ـــ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیرہویں صدی کے نصف اول تک اہل السنۃ والجماعۃ میں گیارہویں کے نام سے کوئی دینی تقریب یا مذہبی رسم قائم نہ ہوئی تھی۔

ہندوستان سے باہر عراق (جہاں حضرت سرکار بغداد شیخ عبد القادر جیلانی ؒ کا مزار ہے) اور مصر و شام بلکہ ملائشیا اور انڈونیشیا تک کہیں یہ بات نہیں ملتی کہ کسی مسجد یا مدرسہ یا کسی قبرستان میں کوئی تقریب اس نام سے کی گئی ہو اگر کوئی دوست اس پر کوئی مستند حوالہ پیش کر دے تو ہم اس کے بہت ممنون ہوں گے۔

بریلوی علماء کے عوامی مغالطے

قرآن و حدیث میں جہاں کہیں گیارہ کا لفظ آجائے بریلوی علماء پکار اٹھتے ہیں لیجئے گیارہویں ثابت ہوگئی۔ مولانا محمد عمر اچھروی قرآن کی اس آیت سے گیارہویں ثابت کرتے تھے جس میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے گیارہ ستاروں کو خواب میں سجدہ کرتے دیکھا۔ مولانا عبدالغفور ہزاروی والفجر ولیال عشر (قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی) سے گیارہ کا مجموعہ بناتے تھے۔

بریلوی عوام اپنے ان اکابر کے ان دلائل پہ اب تک ناز کرتے ہیں کہ دیکھا گیارہویں قرآن کریم سے ثابت ہوئی یا نہ؛ حالانکہ وہ خود جانتے ہوتے ہیں کہ ان آیات کے نزول کے وقت حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پیدا نہ ہوئے تھے۔ نہ کسی نے ان دنوں ان آیات پہ گیارہویں شریف کا عمل کیا تھا ــــ پھر جب یہ حدیث سے اپنا مسئلہ ثابت کرنے پر آتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عشرہ مبشرہ کے دس صحابہ کو ملا کر گیارہویں ثابت کرتے ہیں۔

گیارہویں تو گیارہ کا نام نہیں نہ یہ گیارہ کے مجموعے کا نام ہے۔ گیارہواں یا گیارہویں ایک تاریخ کا نام ہے۔ یہ گیارہ دنوں یا گیارہ راتوں یا گیارہ افراد کا نام نہیں جس طرح دوسرا تیسرا چوتھا اور پانچواں ایک ایک فرد کا نام ہے۔ گیارہواں یا گیارہویں ایک عدد ہے اور وہ عدد ترتیبی ہے حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب میں گیارہ ستاروں نے سجدہ کیا تھا۔ (ایک) گیارہویں ستارے نے نہیں والفجر ولیال عشر میں بھی دس راتوں کا ذکر ہے دسویں ایک رات کا نہیں عشرہ مبشرہ بھی دس اصحاب تھے ایک نہیں کہ اس کی وجہ سے چاند کی گیارہ تاریخ کو متبرک بنادیا جائے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ گیارہویں چلی کہاں سے ہے۔ ہندوستان میں انگریز کی آمد سے پہلے کیا کبھی گیارہویں کا عمل کسی جگہ ہوا تھا ــــ ہم تو اس کی تلاش کرتے کرتے تھک گئے۔ مگر افسوس کہ ہمارے بریلوی دوستوں نے بھی اس سلسلہ میں ہماری کوئی مدد نہیں کی اور اس باب میں

کوئی مستند حوالہ ہمیں نہیں دکھا سکے۔

ہندوستان میں محدثین دہلی، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے خلاف اٹھنے والے پہلے بزرگ مولانا فضل رسول بدایونی ہیں۔ آپ اپنے ہم ذوق احباب و تلامذہ کو جمع کر کے ایک مجلس کیا کرتے تھے جس میں وہ ان محدثین دہلی کے خلاف دل کی بھڑاس نکالا کرتے تھے اس کے لیے آپ کو روزانہ گیارہ روپے ملتے تھے۔ مؤرخ اسلام جناب محمد یعقوب قادری آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اس بڑھتی ہوئی ہمت اور چڑھتے ہوئے ولولہ نے خیال پیدا کیا کہ کسی جگہ کوئی ایسا تعلق اختیار کیا جائے جو معاش کی جانب سے فارغ البالی ہو آخر اس جستجو بہ ارادہ ریاست گوالیار گھر سے قصد سفر کیا۔[1]

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں:

> حکام وقت نے قدردانی اور مرتبہ شناسی کے دست طلب بڑھانا شروع کر دیئے اور آپ کی خدمات کو سرکاری کاموں کی انجام دہی کے لیے مانگنا چاہا۔[2]

اس وقت اس سے ہمیں بحث نہیں کہ وہ سرکاری کام کیا تھے؛ اس وقت ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہاں کے نواب محی الدولہ نے ان کی راہ معاش قائم کرا دی۔ جناب یعقوب قادری صاحب آپ کی سرکاری خدمات کی یہ تنخواہ بیان کرتے تھے۔

> اس وقت سے یہ روپیہ اب تک گیارہ روپے روزانہ کے حساب سے ریاست فرخ نہاد سے برابر جاری ہے جس کی تعداد سرکاری سکہ سے دو سو ساٹھ روپے ماہوار کے قریب ہوئی۔[3]

یہ گیارہ روپے روزانہ صرف مولانا فضل رسول بدایونی (۱۲۸۱ھ) کے ہاں ہی متبرک نہ تھے۔ مولانا احمد رضا خاں بھی گیارہ روپے کے اس تبرک کے قائل تھے آپ نے جب مولانا کچھوچھوی کو اپنے

---

[1] اکمل التاریخ جلد ۲ صفحہ ۳۸ [2] اکمل التاریخ جلد ۲ صفحہ ۱۹ [3] ایضاً

اس افتاء کے لیے بُلایا تو آپ نے اسی رقم سے نیک فال لی۔ مولانا کچھوچھوی مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں لکھتے ہیں :-

مجھے کارِ افتاء پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شیرینی منگائی اپنے پلنگ پر مجھے بٹھا کر ۔

اپنے پلنگ پر کیوں بٹھایا؟ یہ اس لیے کہ مولانا احمد رضا خاں کو بھی تو نواب رامپور نے اپنے خاص پلنگ پر بٹھایا تھا۔ رامپور کے نواب کلب علی خاں شیعہ حلقوں میں اس پہلو سے بہت معروف تھے۔

انہیں ایک ایسے طالب علم سے ملنے کا اشتیاق ہوا جس نے چودہ سال کی عمر میں درسیات سے فراغت حاصل کرلی ہو۔ جب حضرت (مولانا احمد رضا خاں) نواب صاحب کے پاس پہنچے تو انہوں نے خاص پلنگ پر بٹھایا اور بہت لطف و کرم سے باتیں کرتے رہے۔[۲]

نواب صاحب کا چودہ سال کی عمر کا انتخاب پھر اپنے خاص پلنگ پر لے جانا اور لطف و محبت کی باتیں کرنا یہ اس وقت زیرِ بحث نہیں دونوں خان تھے۔ ہم یہاں صرف گیارہ روپے کے متبرک وزینہ کی بات کر رہے ہیں کہ مولانا فضل رسول بدایونی کو سرکار سے یہ جو تنخواہ ملتی تھی مولانا احمد رضا خاں نے بھی اس عدد متبرک کو یاد رکھا۔ اب ان گیارہ روپوں سے جو مجلس ہوتی تھی اس کا نام گیارہویں کی مجلس ہو گیا۔ ہندوستان میں یہ گیارہویں شریف کی تاریخ ہے۔

انگریزی عملداری میں گیارہویں کی یہ مجلس جس طرح گیارہ روپے کی انگریزی تنخواہ سے چلی اسے انگریزوں کے مخالف حلقوں میں کچھ پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔

جنگِ عظیم اول انگریزوں اور جرمنوں میں لڑی جا رہی تھی ترک جرمنوں کے حلیف تھے اور روس انگریزوں کے ساتھ تھا۔ ہندوستان میں بریلوی شریف تک کے قصیدے پڑھ رہے تھے اور علماء دیو بند کی

---

[۱] سالنامہ ضیائے حرم ۸۳ ماہ اول ص۱۰ [۲] المیزان امام احمد رضا نمبر ص ۳۳۲

ہمدردیاں ترکوں کے ساتھ تھیں ظاہر ہے کہ ان حالات میں جرمن انگریزوں اور ان کے تمام حلیفوں کے سخت خلاف تھے۔

جرمنوں نے دیکھا کہ بریلوی مروی گیارہویں شریف کے عنوان سے بریلوی حمایت کی صفیں بچھا رہے ہیں، انہوں نے انہیں محفل دیوانگان مشہور کر دیا اور اب تک یہ محفل دیوانگان جرمنی میں بڑے احترام سے منائی جاتی ہے۔

نوائے وقت لاہور نے اپنی ۱۸ نومبر ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں ۱۱ نومبر کی یہ خبر حسب پر اس عنوان سے شائع کی۔

پاگلوں کی عید لیکن مذاق اُڑانا منع ہے

واشنگٹن (انٹرنیشنل ڈیسک) جرمنی میں گیارہویں مہینے کی گیارہ تاریخ کو رات گیارہ بجکر گیارہ منٹ پر پاگلوں کی عید منائی گئی تقریب کے شرکاء کو اختیار تھا کہ وہ جو چاہیں پہنیں اور جو جی میں آئے کر گزریں۔ شرکاء نے عجیب و غریب لباس پہن رکھے تھے اور اوٹ پٹانگ حرکتیں کر رہے تھے میلے میں شریک ہونے کے قواعد کی رو سے ایک دوسرے پر ہنسنا اور مذاق اُڑانا منع تھا۔

نوائے وقت نے اپنی ۲۴ نومبر کی اشاعت میں سرراہے میں یہ بھی لکھا ہے۔

جرمنی میں ہر سال گیارہویں مہینے یعنی نومبر کی گیارہ تاریخ کو گیارہ بجکر گیارہ منٹ پر پاگلوں کی عید منائی جاتی ہے چنانچہ امسال بھی گیارہ نومبر کو پاگل عید کا تہوار منایا گیا۔ اس تقریب میں شرکاء کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ جیسا لباس چاہیں پہنیں اور جیسی حرکتیں چاہیں کریں چنانچہ لوگ عجیب و غریب لباس پہن کر اس تقریب میں شریک ہوئے جنہیں دیکھ کر ہنسی ضبط کرنا مشکل تھا.....

جرمنی میں تو یہ عید سال کے بعد منائی جاتی ہے مگر پاکستان میں ہر ماہ یہ سلسلہ چلتا ہے جرمنی میں پاگلوں

کی ہر عید میں دیگوں کی کمی چاہے پہلے نہیں ہوتی لیکن ہمارے ہاں اس عید میں منہ کا مزہ بدلنے کا پورا سامان ہوتا ہے نئے وقت کے سپورٹس ایڈیشن میں اس خبر کے ساتھ یہ تصریح بھی موجود ہے۔

ہمارے ہاں بھی اس قسم کے میلے منعقد ہوتے رہتے ہیں بلکہ جرمنی کے برعکس ہمارے
ہاں سال بھر پاگل میلے کا سا سماں جاری رہتا ہے اور منہ کا مزہ بدلنے کے لیے ہم
کبھی ایک آدھ روز سنجیدگی سے کام لیتے ہیں

ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ گیارہویں شریف پر جمع ہونے والے لکھنؤ کے یہ بانکے سب ہوشمند بزرگ ہیں یا یہ واقعی اپنے فکری اور علمی توازن کھو چکے ہیں۔ ہمیں اس کی تاریخ اس سے پہلے کی نہیں ملتی۔ جب انگریزی سرکار کی طرف سے اس کے لیے مولانا فضل رسول بدایونی کو گیارہ روپے یومیہ وظیفہ ملتا تھا۔

یاد رکھیے گیارہویں شریف کی اس رسم یا پاگلوں کی اس عید کا سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کے ایصال ثواب کے لیے بدعات کی آلائش کے بغیر جو کار خیر سرانجام پائیں اس کا تقدس پاگلوں کی ان محفلوں سے ہرگز مجروح نہیں ہوتا۔ منہ کا مزہ بدلنے کے لیے ان کے کھانے پینے کے سامان اور خوشبو سے مہکتی دیگیں ہی تو وہ سامان جذب ہے جس پہ ہر طرف سے جہلا کھچے چلے آتے ہیں

جرمنوں کو ایک طرف رکھیے صرف مسلمانوں کو لیجیے ان کے عوام جس حسن عقیدت سے ان دیگوں اور حلووں کے جلووں پر ایمان قربان کرتے ہیں وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے علماء تو تاویل کر کے اپنے نکلنے کی راہ بنا لیتے ہیں لیکن زبوں حالی ان عوام کی قابل رحم ہے جو بھینس کا پورا دودھ اس راہ میں لگا دیتے ہیں مبادا گیارہویں والے پیر صاحب ہماری بھینس مار نہ دیں یا اس کا دودھ خشک نہ کر دیں۔

مسئلہ گیارہویں میں عوام و خواص کے دو مسلک

جہاں تک عوام کا تعلق ہے یہ ایک مشاہدے کا موضوع ہے اس پر کتابی حوالے کی بات نہیں چلتی۔ وہ اپنی بات کتابوں میں لکھیں تو عوام ہی کیا ہوئے۔ اس حیثیت کے لوگ تو پھر ان کے خواص میں ملیں گے سو اس باب میں آپ ان عوام کے عمل اور ان کے انہماک کو دیکھیں۔

گیارہویں دینے والے عوام میں آپ کو ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ملے گی جو باقاعدگی سے نہ نماز پڑھتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور نہ وہ ایصالِ ثواب کے مسئلہ کو سمجھتے ہیں۔ وہ گیارہویں حضرت پیر صاحب کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اور انہیں خوش کرنے کے لیے دیتے ہیں۔ جو گیارہویں نہیں دیتا اسے وہ برملا کہتے ہیں کہ وہ گیارہویں والے پیر صاحب کو مانتا ہی نہیں۔ گویا گیارہویں دینا حضرت پیر صاحب کے حضور ان کی پیروی کو ماننے کا اقرار ہے۔

اہلِ علم غور فرمائیں کیا یہ نذر لغیر اللہ نہ ہوئی؟ کیا ان جاہلوں کا یہ عقیدہ نہ ٹھہرا کہ اگر ہم گیارہویں نہ دیں گے ہماری بھینس مر جائے گی۔ نہ بھی مرے تو پیر صاحب کم از کم اس کا دودھ کمزور کم کر دیں گے اور یہ کہ حضرت پیر صاحب متصرف فی الامور ہیں۔ دنیا کا نظام وہی چلا رہے ہیں۔

ہماری لاج کس کے ہاتھ ہے بغداد والے کے
بلائیں ٹال دینا کام کس کا غوث اعظم کا
تحکمی نافذ فی کل حال سے ہوا ظاہر
تصرف انس و جن سب پہ ہے آقا غوث اعظم کا[1]

اس عقیدے سے کہ حضرت پوری دنیا میں متصرف الامور ہیں بلائیں وارد کرنا اور ٹالنا سب انہیں کے ہاتھ میں گیارہویں شریف کا ختم محض ایک ایصالِ ثواب کا عمل نہیں رہتا۔

---

[1] ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ مئی ۱۹۷۳ء

حضرت پیر صاحب کے حضور ایک نذر ہے ایک نیاز ہے اور حضرت کو اپنے اوپر خوش کرنے کی ایک عاجزانہ صدا ہے۔

اب یہ مسئلہ تو فقہاء سے پوچھیں کہ کیا اللہ کے سوا کسی کی نذر ماننا جائز ہے، اگر آپ حنفی ہیں تو فقہ حنفی کی اس صراحت کو دیکھ لیں :-

والنذر للمخلوق لا یجوز لانه عبادة والعبادة لاتكون للمخلوق[1]

ترجمہ ۔ اور مخلوق کی نذر ماننا جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی روا نہیں۔

اور آگے جاکر علامہ شامی یہ بھی لکھتے ہیں :-

ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله تعالیٰ واعتقاده ذلك كفر[2]

ترجمہ ۔ اگر اس نے گمان کیا کہ مرحوم بزرگ دنیوی امور میں تصرف کرتے ہیں اور اس کا اعتقاد یہی ہے تو اس نے کفر کیا۔

فقہ حنفی کے اس فیصلے کے خلاف بریلویوں کا یہ اعلان ایک دفعہ پھر پڑھ لیں۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں :-

ان کا حکم جہاں میں نافذ   قبضہ کل رکھاتے یہ ہیں
قادرِ کل کے نائب اکبر   کن کا رنگ دکھاتے یہ ہیں[3]

جہاں تک تصرف کا تعلق ہے ان کا تصرف بدوں اعتقاد تصرف ہے ہی نہیں اور اس کے بغیر یہ چل ہی نہیں سکتے۔ یہ اعتقاد و تصرف ہی ہے جو انہیں خانقاہوں اور مقبروں پر جمع کئے رکھتا ہے۔

ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی ہے
کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبد القادر[4]

---

[1] رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۱۳۱   [2] ایضاً   [3] حدائق بخشش حصہ ۲ صفحہ ۳۲

اب اگر ماہنامہ رضائے مصطفےٰ نے یہ کہہ دیا تو یہ مولانا احمد رضا خاں کی کہی بات ہی کی صدائے بازگشت ہے۔

؎ فحکمی نافذ فی کل حال ہے ہوا نافذ
تصرف انس و جان سب پر ہے آقا غوث اعظم کا

اس عربی کا مطلب یہ ہے کہ حضرت شیخ نے فرمایا ہے:۔
سو میرا حکم ہر حال میں نافذ ہے کون ہے جو میرے تصرف کو روک سکے۔

عوام حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو اس طرح مدبر عالم اور متصرف فی الامور سمجھتے ہوئے ان کی گیارہویں دیتے ہیں اور اعتقاد کے اس پس منظر کے ساتھ یہ صریحاً نذر لغیر اللہ ہے جو شرک کی سرحد کو چھو رہی ہے۔

پھر تاریخ کا تعین عوام کے ہاں واجبات میں سے ہے دن کو ختم ہو تو گیارہ تاریخ کو یہ گیارہ بجے ختم دلوائیں گے۔ رات کو ہو تو یہ رات گیارہ بجے ختم شروع کریں گے اور گیارہ بجکر گیارہ منٹ پر اسے ختم کریں گے۔ خواص کے کھانے کی مجلس میں پہلے گیارہ پلیٹیں رکھی جائیں گی اور پھر گیارہ قسم کے کھانے بڑی گیارہویں شریف کے موقع پر زیب دستر خواں ہوں گے۔ عوام اسے گیارہ کے تصور میں اتنے کھو چکے ہیں کہ بسا اوقات ان کے علماء بھی ان کی اس گیارہ پرستی سے تنگ آ جاتے ہیں جب تک کھانا سامنے نہ لا کر رکھیں۔ ختم خواں کا گلا بھی پورا کام نہیں کرتا۔

یہ بات بریلوی عوام کی ہو رہی تھی۔ اب بریلوی خواص کی بات سُن لیں انہیں اپنے ان اعمال بدعت پر کوئی دلیل نہیں ملتی۔ تو وہ صاف اقرار کرتے ہیں کہ اسلام میں یہ کوئی ضروری عمل نہیں ہے۔

مولانا ابو البرکات کے صاحبزادے مولانا محمود احمد رضوی نے اپنے والد کی زندگی ہی گیارہویں کے بارے میں اعلان کیا تھا:۔

نہ ہم فرض سمجھتے ہیں نہ واجب بلکہ جواز کے درجہ میں رکھتے ہیں[1]۔ جو شخص حضرت غوث اعظم کی روح مبارک کو ایصال ثواب نہیں کرتا اس پر ہم کوئی حکم نہیں لگاتے کیونکہ مباح فعل کو واجب یا فرض کر دینا گمراہی ہے۔[2]

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

۱۔ دن معین کرنا بھی ہمارے ہاں ضروری نہیں۔ ۲۔ کھانا سامنے رکھا جائے یا پیٹھ کے پیچھے رکھ لیا جائے۔ ۳۔ غرباء میں کھانا وغیرہ تقسیم کر کے ثواب پہنچایا جائے یا قرآن پڑھ کر ہر طرح جائز ہے۔[3]

جب دن معین کرنا ضروری نہیں تو ان کے علماء جو گیارہ تاریخ کے افضل ہونے پر یا گیارہ کے عدد کے متبرک ہونے پر تقریریں کرتے ہیں۔ کیا وہ سب کی سب بیکار نہ ہو گئیں۔

ہاں مولانا نے کھانا پیٹھ کے پیچھے رکھنے کی جو صورت بیان کی ہے۔ یہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتی مرنا کھانا پیٹھ کے پیچھے رکھ کر کیسے کھاتے ہوں گے۔ یہ تو بڑا مشکل کام ہے اور کیا یہ کھانے کی صریح بے ادبی نہیں۔ کھانا ہمیشہ سامنے رکھ کر ہی کھانا چاہیئے اور یہی سنت ہے۔

مولانا نے ۳ میں یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ ختم پڑھنا کھانا کھلانے سے پہلے ضروری نہیں کھانا کھلا کر بھی ایصال ثواب کی نیت کی جا سکتی ہے ——— کھانا نہ ہو تو صرف قرآن کریم کا بھی ایصال ثواب کیا جا

---

[1] یعنی ثواب کے درجہ میں نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ریل سے سفر کرنا جائز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس سے ثواب ملے گا۔ جن کاموں پر ثواب ملے ان کا کم از کم درجہ مستحب کا ہے یہ مستحب ایک شرعی حکم ہے جس کی دلیل شریعت سے لانی پڑتی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے رضوی صاحب یہاں مباح کا لفظ استعمال کرتے ہیں شریعت میں مباح اسے کہتے ہیں جس کے کرنے پر کوئی مواخذہ نہ ہو (نہ یہ کہ کوئی اسے کار ثواب سمجھے)۔ [2] ماہنامہ رضوان لاہور ستمبر ۱۹۵۶ء ایڈیٹر مولانا محمود احمد رضوی۔

[3] ایضاً شمارہ ۴ ستمبر ۱۹۵۶ء

سکتا ہے — گیارہویں کے بارے میں یہ ان کے خواص کی رائے ہے۔

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ بریلویوں کے ہاں مسئلہ گیارہویں پر بالکل دو متضاد ذہن کام کر رہے ہیں۔ ایک ان کے عوام کا اور ایک ان کے خواص کا — یہ خواص جب اپنے عوام میں جاتے ہیں تو ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور جب ہمارے سامنے آتے ہیں تو صاف لفظوں میں اقرار کرتے ہیں کہ یہ نہ واجب ہے نہ سنت نہ مستحب نہ گیارہ تاریخ کی کوئی تخصیص ہے نہ گیارہ بجے کی اور نہ کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھنے کی۔

کیا ہم اس مقام پر پوچھ سکتے ہیں کہ گیارہویں کے موضوع پر مسجدوں میں جو آئے دن سرپھٹول ہوتی رہتی ہے کیا وہ اتنے کمزور موضوع کی بات ہے جو مستحب یا مباح سے کچھ آگے نہیں بڑھتا اور اگر اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے یہ چھوٹے درجے کے اعمال یکسر چھوڑ دیے جائیں تو اس میں کون سا آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ بریلویوں کو چاہیئے کہ وہ ایسے چھوٹے درجے کے اختلافات کو جو مستحب یا مباح کے آگے کسی درجے میں نہ ہوں یکسر چھوڑ دیں۔

بریلویوں کے مولانا محمود احمد رضوی نے جب صراحت سے یہ بات کہہ دی ہے کہ مسلمانوں کے لیے گیارہویں شریف کوئی ضروری عمل نہیں صرف مباح کے درجے کا ہے۔ اس طرح جمعیت علمائے پاکستان کے معتمد رہنما شاہ فرید الحق نے بھی مسلمانوں کے باہمی اتحاد کے لیے ایک بہت اچھی بات کہی ہے۔ روزنامہ جنگ راولپنڈی نے اپنی ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۵ء کی اشاعت میں آپ کے اس بیان کو نمایاں طور پر شائع کیا ہے۔

جو چیزیں فرض اور واجبات میں شامل نہیں انہیں ختم کر دینا چاہیئے

بریلوی اپنے ان کاموں کو جو آئے دن امت میں اختلاف کا موجب بنتے رہتے ہیں ختم کرتے ہیں یا نہیں ہمیں اس سے بحث نہیں تاہم ہم یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر آپ نے اس طرح کے ایصال ثواب کو نہیں چھوڑنا تو کم از کم اتنا تو کیجیے کہ گیارہویں شریف کا کھانا خود نہ کھائیں نہ دیگر اغنیاء کو کھلائیں۔ اسے صرف غریبوں کا حق سمجھیں اور یہ کھانا انہی تک پہنچائیں۔ پھر دیکھیے اس نیک قدم سے

مسلمانوں میں اتفاق بڑھتا ہے یا نہ

حالات یہ ہیں کہ کوئی شخص بریلوی مولویوں کو گیارہویں کے ان کھانوں سے نہیں ہٹا سکتا۔ یہ پلاؤ زردہ حلوہ وغیرہ تو ان کے دلوں کی جان اور ان کی دولت ایمان ہیں۔ کاش کہ یہ مولوی مولانا احمد رضا خاں کی اس بات کو ہی مان لیں :۔

مُردہ (مرحومین) کا کھانا صرف فقراء کے لیے ہے عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے غنی نہ کھائے۔ [1]

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں :۔

شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو یا تیسرے دن۔ باقی یہ تعین عرفی ہے جب چاہیں کریں۔ انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے۔ [2]

عوام وخواص کے اختلاف کی صورت میں راہِ عمل

آپ یہ بات تفصیل سے پڑھ آئے ہیں کہ گیارہویں کے مسئلے میں عوامی ذہن اور بریلوی علماء کے عقیدے میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عوام وخواص کے اس اختلاف کی صورت میں ان کے لیے راہِ عمل کیا ہے۔

فقہ حنفی کی روشنی میں اس صورتِ حال میں عوام کی بات کا اعتبار ہوگا خواص کا نہیں۔ عوام کو شرک وبدعت کے اس اندھیرے سے نکالنے کے لیے ایسے اعمال کو یکسر ختم کرنا ہوگا۔ رہے علماء تو ان کو نقصان صرف ان طرح طرح کے کھانوں سے محرومی کا ہوگا اور یہ کوئی بڑا نقصان نہیں۔ عوام کا دین وایمان تو بچ جائے گا۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ان کے مولوی جن عوام کی دولت پہ پلتے ہیں انہی کے ایمان اور ان کی آخرت کو تباہ کرتے ہیں۔

نماز کے بعد سجدہ کرنا اپنی ذات میں کوئی عمل ناجائز نہیں مباح ہے لیکن عوام اسے سنت

---

[1] احکام شریعت حصہ دوم ص ۲۵ [2] فتاوے رضویہ جلد دوم ص ۲۴

یا واجب سمجھنے لگیں تو یہ سجدہ شکر خواص کے لیے بھی ناجائز ہو جائے گا۔ کیونکہ ایسے اختلاف کی صورت میں اعتبار عوام کا ہوگا خواص کا نہیں جیسا کہ حنفی فقیہ علامہ حلبی لکھتے ہیں ۔

وما یفعل عقیب الصلوٰۃ فمکروہ لان الجہال یعتقدونہا سنۃ او واجبۃ وکل مباح یؤدی الیہ فمکروہ ؎

ترجمہ۔ اور یہ جو نماز کے بعد سجدہ کا رواج ہو چلا ہے یہ مکروہ ہے کیونکہ عوام اسے سنت یا واجب سمجھنے لگیں گے اور ہر مباح جو (عوام کی نظر میں) اس درجہ پر سمجھا جانے لگے وہ مکروہ ہے۔

اب کیا عوام اور بریلوی جاہل اس عمل گیارہویں کو اپنے ذہن میں سنت اور واجب کے درجے میں نہیں سمجھتے ہیں تو اب بریلوی علماء کو چاہیئے کہ انہیں ان بدعات سے روکیں نہ کہ انہیں بتلائیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو صرف دیوبندی اعتراضات کو ٹالنے کے لیے ایسی باتیں لکھتے ہیں یہ نہیں کہ ہمارے اصل عقیدے ایسے ہوں۔ اصل عقیدے میں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

واذا خلوا الی شیٰطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزءون ۔

یاد رکھئے ان لوگوں کو ان کی یہ تجارت ہرگز کوئی فائدہ نہ دے گی انہوں نے ہدایت کے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید رکھی ہے۔

اولئک الذین اشتروا الضلالۃ بالھدیٰ فما ربحت تجارتھم وما کانوا مھتدین ۔

ترجمہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی۔ سو نہ فائدہ دیا ان کو ان کی تجارت نے اور نہ ہیں وہ ہدایت پانے والے۔

یہ حضرات اندر سے خود بھی اپنے عوام کے ساتھ ہیں اسے محض ایصال ثواب نہیں جانتے نذر سمجھتے ہیں۔ اسے محض ایک مباح عمل سمجھتے تو شاہ فرید الحق کے مشورے پر اسے چھوڑ دیتے۔

؎ غنیۃ المستملی ص ۶۱۷

اب اگر بریلوی مولوی اتحادِ ملت کے وسیع تر مقصد کے لیے گیارہویں کی رسم نہیں چھوڑتے تو سوا اس کے کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اسے صرف ایصالِ ثواب نہیں سمجھتے۔ حضرت الشیخ سید عبد القادر جیلانیؒ کی عظمت و سطوت کے آگے نذر مانتے ہیں۔ مبادا حضرت پیر صاحبؒ کا جلال ان کی بھینسوں کو نہ مار ڈالے۔

اب آپ ہی بتائیں کیا یہ محض ایصالِ ثواب ہے یا نذر لغیر اللہ ہے؟ کیا اس میں حضرت پیر صاحب کی تعظیم ساتھ نہیں، اور کیا یہ گیارہویں دلانے والے حضرت پیر صاحب کے جلال کے آگے جھکے نہیں جا رہے۔ ایصالِ ثواب عام اموات کا بے شک ایصالِ ثواب ہوگا لیکن گیارہویں کو تو یہ لوگ حضرت پیر صاحب کے حضور ایک نذرانہ تعظیم اور ایک منت سمجھتے ہیں جس سے ان کے بگڑے کام بنتے ہیں اور ڈوبے بیڑے ترتے ہیں۔ یہ ایک نیاز ہے جسے یہ پیر صاحب کے حضور پیش کرتے ہیں۔

اس بات کے ثبوت کے لیے کہ ان کے ہاں گیارہویں صرف ایصالِ ثواب نہیں یہ پیر صاحب کے حضور ایک نذرانہ تعظیم ہے۔ ایک نیاز ہے اور ایک منت ہے۔ بریلوی مذہب کے بانی مولانا احمد رضا خاں کی اس عبارت کو دیکھیے:۔

مسلمانوں کو دنیا سے جانے کے بعد جو ثواب قرآن مجید کا تنہا یا کھلانے کے ساتھ پہنچاتے ہیں عرف میں اسے فاتحہ کہتے ہیں اولیاء کرام کو جو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔[1]

یہ ختم گیارہویں پیر صاحب کی ایک منت ہے۔ اس کے لیے قصور کے مولوی عبید اللہ صاحب کے رسالہ نذرِ اولیاء کا ص۹ ملاحظہ ہو آپ لکھتے ہیں:۔

سرکارِ بغداد کی نذریں مانی جاتی تھیں۔[2]

اب آپ ہی انصاف کریں یہ گیارہویں کا ختم کیا محض ایصالِ ثواب ہے یا یہ حضرت پیر صاحب کی منت ہے کہ آپ کہیں ہماری بھینس کو نہ مار دیں اس لیے یہ نذرانۂ تعظیم پیش کیا جا رہا ہے۔

---

[1] احکام شریعت ص۲۷ [2] نذرِ اولیاء ص۹

نذر کرنا تو دینے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ مگر نذر ماننا دینے کے معنی میں نہیں آتا۔ نذر ماننا ان بزرگوں کے تقرب کی تلاش اور ان سے اپنے کام نکلوانے کی ایک التجا ہے اور یہ پیشکش اس کے لیے ایک نذرانہ —— جو اُن کے بگڑے کام بناتا ہے اور انہیں شرک کی دلدل میں گراتا ہے —— ہے کوئی خوش نصیب جو اس دلدل سے نکلے اور شرک سے توبہ کرے۔

افسوس کہ یہ لوگ تو بتوں پر چڑھائی گئی نذروں کو بھی حلال سمجھتے ہیں انہیں کھانے سے غرض ہے اور صورت جو بھی بن ہوتی رہے۔ اور گیارہویں میں تو بتوں کی بات نہیں حضرت پیران پیرؒ کو تعظیماً ثواب ہدیہ کیا تھا۔ کیا یہ ان کے نام کی نذریں نہیں ؟ ایصالِ ثواب میں تعظیم کی نیت آنے سے ہی یہ عمل نذر بن جاتا ہے۔

ان کے ایک مولوی کرم حسین قادری ساکن بہاری پور تحصیل ترنتارن ضلع امرتسر نے بتوں کے نام کی نذروں کو حلال قرار دینے پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

عمدۃ الکلام فی تحلیل منذورۃ الاصنام

نام پر غور فرمایئے اور ان لوگوں کی اس جرأت کی داد دیجیئے کس طرح کھلے بندوں بتوں کے نام کی نذروں کو حلال ٹھہرا رہے ہیں —— یہ کتاب پبلک پریس جالندھر میں ۱۹۱۲ء میں مولانا احمد رضا خاں المتوفی (۱۹۲۰ء) کی زندگی میں طبع ہوئی۔ خان صاحب نے اس سے کوئی اختلاف نہیں کیا جب مولوی کرم حسین کو بتایا گیا کہ قرآن کریم نے تو وما اھل بہ لغیر اللہ میں ہر اس چیز کو حرام قرار دیا ہے جس پر تعظیماً غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ اب یہ چیز اس کی نذر ہو چکی۔ تو مولوی صاحب نے لکھا۔

بہت سے علمائے دین نے صرف حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی پیروی میں آیت وما اھل بہ لغیر اللہ کو بگاڑا۔[1]

خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا نام بغیر شاہ کے لکھنا بریلویوں کی ان حضرات محدثین دہلی سے نفرت درون پردہ کا پتہ دیتا ہے۔ تاہم مولوی کرم حسین نے اس میں اتنا

---

[1] عمدۃ الکلام صفحہ ۱۴۰

تو تسلیم کر لیا کہ بہت سے علمائے دین بتوں کے نام کی نذروں کو حرام کہتے ہیں اور یہ چند بریلوی ہیں جو کسی برہمن کو ضائع نہیں جانے دیتے گو وہ دیوی بھوانی کے نام کی نذر کیوں نہ ہو سید کے سوا ہے ہر کوئی کھا سکتا ہے۔

مولوی کرم حسین صاحب لکھتے ہیں :۔

اگر کوئی سید زکوٰۃ وغیرہ کھاتا ہے اور دیوی بھوانی کی نذر و نیاز مانتا ہے تو اس کو اس کی برہمانی سے مطلع کرنا چاہیئے۔[۱]

بریلویوں کے نزدیک گویا زکوٰۃ اور دیوی بھوانی کی نذر و نیاز سب حلال ہے۔ دیوالی کی مٹھائی دیوی بھوانی کی نذر و نیاز ہوتی ہے اگر ہندو اسے مسلمانوں کے ہاں بھیجیں تو مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں اس دن نہ لیں اگلے دن لے لیں :۔

اس روز نہ لے ہاں اگر اگلے روز دے تو لے لے۔[۲]

مولوی کرم حسین لکھتے ہیں :۔

میری تحریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کل نذریں خواہ کوئی شخص کسی کی نذر کرے حلال ہیں۔[۳]

جب ان کے ہاں کوئی نذر ممنوع نہیں تو گیارہویں شریف جسے یہ حضرت پیران پیرؒ کی نذر مانتے ہیں ظاہر ہے کہ ان پر اس کے نذر لغیر اللہ ہونے کا کوئی بوجھ نہیں آتا۔ اگر یہ لوگ اپنے عوام کو مغالطہ دینے کے لیے اسے ایصالِ ثواب کہتے رہیں تو یہ صرف ان کی ایک مصلحت ہے لیکن اس مصلحت سے یہ نذر ایصالِ ثواب نہیں بن جاتی۔

شیخ سدو کے بکرے اور شاہ مدار کے مرغے

بات صرف گیارہویں کی کھیر کی نہیں نہ یہ کہ یہ ایصالِ ثواب نہیں یہاں بزرگوں کی تعظیماً نذر

مانتا ہے۔ یہ لوگ جب شیخ سدو کے مزار پر بجرے لے جاتے ہیں تو انہیں وہاں خدا کے نام سے ذبح کرتے ہیں۔ مگر اس میں تعظیم اور تقرب شیخ سدو کا ملحوظ ہوتا ہے۔ گھر کی عورتیں بھی جب نذر مان لیں تو ان کے ہاں خاوند کو اس نذر کا پورا کرنا ضرور ہے ایمان رہے یا نہ۔ اب یہ ایصالِ ثواب ہوا یا نذر رہا تھا۔ آپ فیصلہ کریں یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ اعمال گیارہویں کی کھیر ہو یا شیخ سدو کے بجرے، شیخ عبدالحق کی رمنی ہو یا شاہ مدار کے مرغے یہ سب نذریں ہیں۔ مگر بریلویوں نے اہل سنت میں پذیرائی پانے کے لیے اس کا نام ایصالِ ثواب بنا رکھا ہے اور اصل نیت ان کا نذر ماننا ہوتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کے والد مولانا نقی علی خاں لکھتے ہیں:۔

جب گھر کی بی بی نے شیخ سدو کا بکرا یا مدار صاحب کا مرغا مان لیا تو میاں کو کرنا ضرور ہے ایمان رہے یا نہ رہے۔[۱]

ماننے کے لفظ پر غور کیجئے۔ یہ منت ماننا ہے یا ایصالِ ثواب کرنا۔ آپ ہی فیصلہ کریں۔ ہم کہیں گے تو آپ کو شکایت ہوگی کہ ہمارے رازوں سے پردہ کیوں اٹھ رہا ہے۔ ہم کہیں گے:

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

کیا مولانا احمد رضا خاں کے والد بھی دیوبندیوں سے ملے ہوئے تھے۔

بریلوی مولویوں کی اپنے لیے نذر جائز کرنے کی دلیل

جب ہم کہتے ہیں کہ نذر و نیاز کی دیگیں اور ختم کے کھانے اغنیاء اور مولویوں کے لیے جائز نہیں یہ خالصتہً غرباء اور مساکین و یتامیٰ کا حق ہے۔ بریلوی علماء کہتے ہیں کہ فقہ کے اس قانون سے ہم مستثنیٰ ہیں۔ نذر کا کھانا مذہبی پیشواؤں کے لیے شروع سے جائز رہا ہے۔ انجیل میں اس کی شہادت موجود ہے اور شریعت محمدی نے اسے منسوخ نہیں کیا۔ یہ اصل ہے ہمارے پاس ختم اور ایصالِ ثواب کے چالیسویں کھانے کی یہ اصل موجود ہے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ بیان حضرت داؤد کے ذکر میں موجود ہے۔

وہ خدا کے گھر میں گیا اور نذر کی روٹیاں کھائیں جن کا کھانا نہ اس کو روا تھا نہ اس کے ساتھیوں کو مگر صرف کاہنوں کو۔[1]

کاہن یہودیوں کے مذہبی پیشوا تھے۔ وہ نذر کے کھانے بے دریغ ہڑپ کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے روٹیوں اور ختم کے کھانے کو جائز نہیں کیا۔ آپ نے یہ بات ایک ناراض دل سے کہی ہے جیسے آج ہم کہیں کہ بریلوی مولوی کس طرح غریبوں اور یتیموں کا حق جلاڈکار ہضم کرتے ہیں۔ اس آیت سے اگلی آیت ملاحظہ ہو:۔

تم نے توراۃ میں نہیں پڑھا کہ کاہن سبت کے دن ہیکل میں سبت کی بے حرمتی کرتے ہیں اور بے قصور رہتے ہیں۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ یہ بات بطور طنز فرما رہے ہیں۔ ان پروہتوں اور ان بریلوی مولویوں میں فرق ہے تو سبت اور جمعرات کا —— وہ سبت کے دن نذر کی روٹیاں توڑتے تھے، اور یہ جمعرات کو۔

ثانیاً عیسائی پادری اگر انجیل کے اس جزیئے سے استدلال کریں تو کر سکتے ہیں۔ ان کا اصل مذہب یہ ہے کہ پادری تنخواہ نہیں لیتا۔ شادی شدہ نہیں ہوتا۔ نہ وہ کوئی جائداد خریدتا ہے۔ وہ اگر نذرانوں پر گذر اوقات کرے تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن بریلوی مولوی تو اس حال میں نہیں ہیں ان کے لیے یہ ایصال ثواب کا کھانا اور جمعرات کا ختم کیسے حلال ہو گئے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تم نے اگر عیسائیوں کے پیچھے چلنا ہی ہے تو یہ خطرہ بھی لینا پڑے گا کہ دنیا کہے بریلویت عیسائیت کی ہی ایک نشاۃ جدیدہ ہے۔

مولانا احمد رضا خاں نے تو مطلقاً یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ اس میں بریلویوں کے لیے انجیل کے بیان کی طرح کوئی استثناء نہیں رکھا تھا، تم کہاں کھو گئے۔ اس خلاف مراد مسئلے پر اپنے اعلیٰحضرت کو بھی بھول گئے۔

ہم اس پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

---

[1] متی ۱۲: ۳ ... مطبوعہ ۱۹۰۵ء مشن پریس لدھیانہ

مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب لکھتے ہیں :

گیارھویں کی رسم

گیارہویں کی رسم : ہر قمری مہینے کی گیارھویں رات کو حضرت محبوب سبحانی غوث صمدانی شیخ المشائخ شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام پر جو کھانا تیار کیا جاتا ہے وہ گیارہویں شریف کے نام سے مشہور ہے۔ اس سلسلہ میں چند امور لائق توجہ ہیں۔

اوّل : گیارہویں شریف کا رواج کب سے شروع ہوا؟ مجھے تحقیق کے باوجود اسکی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہو سکی، تاہم اتنی بات تو معلوم ہے کہ سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانی (نوّر اللہ مرقدہ) جن کے نام کی گیارہویں دی جاتی ہے، ان کی ولادت ۴۷۰ھ میں ہوئی اور نوّے سال کی عمر میں ان کا وصال ۵۶۱ھ میں ہوا، ظاہر ہے کہ گیارہویں کا رواج ان کے وصال کے بعد ہی کسی وقت شروع ہوا ہوگا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ و تابعین، ائمہ دین خصوصاً امام ابوحنیفہؒ اور خود حضرت پیران پیرؒ اپنی گیارہویں نہیں دیتے ہوں گے، اب آپ خود ہی فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ جس عمل سے اسلام کی کم از کم چھ صدیاں خالی ہوں کیا اسے اسلام کا جز تصور کرنا اور اسے ایک اہم ترین عبادت کا درجہ دے ڈالنا صحیح ہوگا؟ اور آپ اس بات پر بھی غور فرما سکتے ہیں کہ جو لوگ گیارہویں نہیں دیتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ و تابعینؒ امام ابوحنیفہؒ اور خود حضرت غوث پاک کے نقش قدم پر چل رہے ہیں یا وہ لوگ جو ان اکابر کے عمل کے خلاف کر رہے ہیں۔؟

دوم : اگر گیارہویں دینے سے حضرت غوث اعظمؒ کی روح پُر فتوح کو ثواب پہنچانا مقصود ہے تو بلاشبہ یہ مقصد بہت ہی مبارک ہے، لیکن جس طرح یہ ایصال ثواب کیا جاتا ہے اس میں چند خرابیاں ہیں۔

ایک یہ کہ ثواب تو جب بھی پہنچایا جائے پہنچ جاتا ہے۔ شریعت نے اس کے لئے کوئی دن اور وقت مقرر نہیں فرمایا، مگر یہ حضرات گیارہویں رات کی پابندی کو کچھ ایسا ضروری سمجھتے ہیں گویا یہی خدائی شریعت ہے ــــــ اور اگر اس کے بجائے کسی اور دن ایصالِ ثواب کرنے کو کہا جائے تو یہ حضرات اس پر کسی طرح راضی نہیں ہوں گے۔ ان کے اس طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایصالِ ثواب مقصود نہیں، بلکہ ان کے نزدیک یہ ایک ایسی عبادت ہے جو صرف اسی تاریخ کو ادا کی جا سکتی ہے۔ الغرض ایصالِ ثواب کے لئے گیارہویں تاریخ کا التزام کرنا ایک فضول حرکت ہے۔ جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، اور اسی کو ضروری سمجھ لینا خدا و رسول کے مقابلے میں گویا اپنی شریعت بنانا ہے۔

دوسرے، گیارہویں میں اس بات کا خصوصیت سے اہتمام کیا جاتا ہے کہ کھیر ہی پکائی جائے حالانکہ اگر ایصالِ ثواب مقصود ہوتا تو اتنی رقم بھی صدقہ کی جا سکتی تھی۔ اور اتنی مالیت کا غلہ یا کپڑا کسی مسکین کو چپکے سے اس طرح دیا جا سکتا تھا کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوتی۔ اور یہ عمل نمود ونمائش اور ریا سے پاک ہونے کی وجہ سے مقبول بارگاہِ خداوندی بھی ہوتا، کھیر پکانے یا کھانا پکانے ہی کو ایصالِ ثواب کے لئے ضروری سمجھنا اور یہ خیال کرنا کہ اس کے بغیر ایصالِ ثواب ہی نہیں ہوگا۔ یہ بھی مستقل شریعت سازی ہے۔

تیسرے، ثواب تو صرف اتنے کھانے کا ملے گا جو فقراء و مساکین کو کھلا دیا جائے، مگر گیارہویں شریف پکا کر لوگ زیادہ تر خود ہی کھا پی لیتے ہیں یا اپنے عزیز و احباب کو کھلا دیتے ہیں، فقراء و مساکین کا حصہ اس میں بہت ہی کم ہوتا ہے، اس کے باوجود یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جتنا کھانا پکایا گیا پورے کا ثواب حضرت پیران پیر کو پہنچ جاتا ہے، یہ بھی قاعدۂ شرعیہ کے خلاف ہے، کیونکہ شرعاً ثواب تو اس چیز کا ملتا ہے جو بطور صدقہ کسی کو دے دی جائے۔ صرف کھانا پکانا تو کوئی ثواب نہیں۔

چوتھے، بہت سے لوگ گیارہویں کے کھانے کو تبرک سمجھتے ہیں، حالانکہ ابھی معلوم ہو چکا کہ جو کھانا خود کھا لیا گیا وہ صدقہ ہی نہیں، اور نہ حضرت پیران پیر کو اس کے ایصال ثواب

ہے اس کو کچھ تعلق ہے اور کھانے کا جو حصہ صدقہ کر دیا گیا اس کا ثواب بلا شبہ پہنچے گا لیکن صدقہ کو تو حدیث پاک میں " اوساخ الناس" (لوگوں کا میل کچیل) فرمایا گیا ہے۔ اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کے لئے صدقہ جائز نہیں۔ پس جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " میل کچیل " فرما رہے ہوں اس کو " تبرک " سمجھنا، اور بڑے بڑے مالداروں کا اس کو شوق سے کھانا اور کھلانا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف نہیں؟

اور پھر اس پر بھی غور فرمایئے کہ ایصال ثواب کے لئے اگر غلہ یا کپڑا دیا جائے کیا اس کو بھی کسی نے کبھی " تبرک " سمجھا ہے؟ تو آخر گیارہویں تاریخ کو دیا گیا کھانا کس اصول شرعی سے تبرک بن جاتا ہے؟

پانچویں، بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ گیارہویں نہ دینے سے ان کے جان و مال کا (خدانخواستہ) نقصان ہو جاتا ہے، یا مال میں بے برکتی ہو جاتی ہے، گویا نماز، روزہ حج، زکوٰۃ جیسے قطعی فرائض میں کوتاہی کرنے سے کچھ نہیں بگڑتا، مگر گیارہویں شریف میں ذرا کوتاہی ہو جائے تو جان و مال کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ ایک ایسی چیز جس کا شرع شریف میں اور امام ابو حنیفہؒ کی فقہ میں کوئی ثبوت نہ ہو جب اس کا التزام فرائض شرعیہ سے بھی بڑھ جائے اور اس کے ساتھ ایسا اعتقاد جم جائے کہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض کیساتھ بھی ایسا اعتقاد نہ ہو تو اس کے مستقل شریعت ہونے میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے؟ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

اور پھر اس پر بھی غور فرمایئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ عظام، ائمہ مجتہدینؒ، اور بڑے بڑے اکابر اولیاء اللہ میں سے کسی کے بارے میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں کہ اگر ان اکابر کے لئے ایصال ثواب نہ کیا جائے تو جان و مال کا نقصان ہو جاتا ہے، میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آخر حضرت پیران پیرؒ کی گیارہویں نہ دینے ہی سے کیوں جان و مال کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ ہمارے ان بھائیوں نے اگر ذرا بھی غور و فکر سے کام لیا ہوتا تو ان کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ اپنے اس غلو سے حضرت پیران پیرؒ کی

توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

سوم، ممکن ہے عام لوگ ایصالِ ثواب کی نیت ہی سے گیارہویں دیتے ہوں، مگر ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ گیارہویں حضرت پیرانِ پیرؒ کے ایصالِ ثواب کے لئے نہیں دیتے۔ ایک بزرگ نے اپنے علاقے کے گوالوں کو ایک دفعہ وعظ کیا کہ دیکھو بھئی! گیارہویں شریف تو خیر دیا کرو، مگر نیت یوں کیا کرو کہ ہم یہ چیز خدا تعالیٰ کے نام پر صدقہ کرتے ہیں اور اس کا جو ثواب ہمیں ملے گا وہ حضرت پیرانِ پیرؒ کی روح پُر فتوح کو پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس تلقین کا جواب ان کی طرف سے یہ تھا کہ "مولوی جی! خدا تعالیٰ کے نام کی چیز تو ہم نے پرسوں دی تھی، یہ خدا کے نام کی نہیں، بلکہ حضرت پیرانِ پیر کے نام کی ہے۔"

ان کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گیارہویں، حضرت شیخ رحؒ کے ایصالِ ثواب کے لئے نہیں دے رہے۔ بلکہ جس طرح صدقہ وخیرات کے ذریعہ حق تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح وہ خود گیارہویں شریف کو حضرتؒ کے دربار میں پیش کر کے آپ کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور یہی راز ہے کہ وہ لوگ گیارہویں دینے نہ دینے کو مال وجان کی برکت اور بے برکتی میں دخیل سمجھتے ہیں۔ یہ حضرات اپنی بے سمجھی کی وجہ سے بڑے خطرناک عقیدے میں گرفتار ہیں۔

چہارم: جن لوگوں نے حضرت غوثِ اعظمؒ کی غنیۃ الطالبین اور آپ کے مواعظ شریفہ (فتوح الغیب) وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت شیخؒ امام احمد بن حنبلؒ کے پیرو تھے، گویا آپ کا فقہی مسلک ٹھیک وہی تھا جو آج سعودی حضرات کا ہے جن کو لوگ "نجدی اور وہابی" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ حضرت شیخؒ اور ان کے مقتدا حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جو شخص نماز کا تارک ہو وہ مسلمان نہیں رہتا۔ اگر حضرت غوث اعظمؒ آج دنیا میں ہوتے تو ان لوگوں کو جو نماز روزہ کے تارک ہیں، مگر التزام سے گیارہویں دیتے ہیں، شاید اپنے فقہی مسلک کی بناء پر مسلمان بھی نہ سمجھتے، اور یہ حضرات، نجدیوں کی طرح، حضرت شیخؒ پر "وہابی" ہونے کا فتویٰ دیتے ——

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت پیرانِ پیرؒ یا دوسرے اکابر کے لئے ایصالِ ثواب کرنا سعادتمندی ہے۔ مگر گیارہویں شریف کے نام سے جو کچھ کیا جاتا ہے وہ مذکورہ بالا وجوہ سے صحیح نہیں۔ بغیر تخصیصِ وقت کے جو کچھ میسر آئے اس کا صدقہ کر کے بزرگوں کو ایصالِ ثواب کیا جائے ——

نمازِ جنازہ کے بعد دُعاء

مولانا عبدالرحیم راجپوری فتاویٰ رحیمیہ میں لکھتے ہیں :

سوال : بعض جگہوں پر نمازِ جنازہ کے بعد متصلاً سورۂ فاتحہ (الحمد شریف) اور تین یا گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ) پڑھ کر میت کے لئے دعا کی جاتی ہے۔ اس طرح دُعا مانگنے کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

بعضوں کا کہنا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے بعض علماء مذکورہ طریقہ سے دعا مانگنے کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس سے پہلے کسی نے بھی اس کی ممانعت نہیں کی۔ کیا یہ کہنا حق بجانب ہے؟

جواب : جنازہ کی نماز میت کے لئے دعا ہی ہے۔ پہلی تکبیر کے بعد ثنا پڑھی جاتی ہے دوسری تکبیر کے بعد درود شریف تیسری تکبیر کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے اُس میں وفات پانے والوں کے لئے مغفرت کی اور زندہ لوگوں کے لئے سلامتی ایمان کی دعا ہوتی ہے اس کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم فرمودہ ہیں باقی یہ صورت یعنی نمازِ جنازہ کے بعد جنازہ کو روک کر سب کے دعا مانگنے کا التزام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے ثابت نہیں ہے لہٰذا مذکورہ طریقہ کو چھوڑ دینا ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو رد (یعنی) جو کوئی ایسا کام کرے جس کے لئے ہمارا حکم نہ ہو (ہمارا دستور نہ ہو) تو وہ مردود ہے (مسلم شریف ج ۲ ص ۷۷) اور حضرت حذیفہؓ کا فرمان ہے کہ کل عبادۃ لم یتعبد ھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوھا (الاعتصام ج ۱ ص ۵۴) (یعنی) ہر ایسی عبادت جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے نہیں کی تم بھی مت کرنا۔

اور حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس نے اسلام میں کوئی نئی بات نکالی (بدعت ایجاد کی) اور اس کو

اچھا سمجھا تو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو حدانی اجتماع کی تبلیغ میں خیانت اور کمی کرے یا الا خیرا یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں الیوم اکملت لکم دینکم (آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا) تو جو کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں دین میں شامل نہ تھا وہ آج دین میں داخل نہیں ہو سکتا۔ (الاعتصام صفحہ ۴۹ ج ۱)

باقی یہ کہ اس سے پہلے کسی نے بھی ممانعت نہیں کی یہ صرف ناواقفیت ہے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس صدی سے نہیں بلکہ تقریباً گیارہ سو برس سے فقہاء کرام نمازِ جنازہ کے بعد کی دعا کو خلافِ سنت اور ممنوع و مکروہ قرار دیتے رہے ہیں اور اس کے ناجائز ہونے کا فتوےٰ دیتے آئے ہیں۔ ملاحظہ ہو:-

(۱) تیسری صدی ہجری کے فقیہ امام ابو بکر بن حامدؒ معاصر ابو حفص الکبیر المتوفی سنہ ۲۶۴ھ (کذافی فوائد البہیہ صفحہ ۲۵) فرماتے ہیں ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ (برجندی صفحہ ۱۸۰ ج ۱) یعنی بے شک نمازِ جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔

(۲) اور پانچویں صدی ہجری کے فقیہ شمس الائمہ حلوائیؒ المتوفی سنہ ۴۵۶ھ اور

(۳) بخاریٰ کے مفتی قاضی شیخ الاسلام علامہ سغدیؒ المتوفی سنہ ۴۶۱ھ فرماتے ہیں لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ (قنیہ صفحہ ۵۶ ج ۱) یعنی نمازہ جنازہ کے بعد کوئی شخص دعا کے لئے نہ کھڑا ہو یعنی دعا کے لئے نہ ٹھیرے۔

(۴) اور چھٹی صدی ہجری کے فقیہ امام طاہر بن احمد بخاری سرخسیؒ المتوفی سنہ ۵۴۲ھ فرماتے ہیں لا یقوم بالدعاء فی قراءۃ القرآن لأجل المیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ وقبلها۔ (خلاصۃ الفتاوی صفحہ ۲۲۵ ج ۱) (ترجمہ۔ نمازِ جنازہ کے بعد اور اس سے پہلے میت کے لئے قرآن پڑھ کر دعا کے لئے نہ کھڑا رہے۔

(۵) ... مذکورہ صدی کے ... فقیہ علامہ سراج الدین اوشیؒ (صاحب فتاویٰ سراجیہ سالِ تصنیف سنہ ۵۶۹ھ) فرماتے ہیں ... فرغ من الصلوٰۃ لا یقوم داعیا له (فتاویٰ سراجیہ

مع قاضیخان ص۱۳۱ ج۱) (ترجمہ) "جب نماز جنازہ سے فارغ ہو جائے تو دعا کرتے ہوئے کھڑا نہ ہو"

(۶) اور ساتویں صدی ہجری کے فقیہ مختار بن محمد زاہدی المتوفی ۶۵۸ھ کی بھی یہی رائے ہے (فتاویٰ قنیہ ص۵۶ ج۱)

(۷) اور آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم ابن الحاج المتوفی ۷۳۷ھ فرماتے ہیں کہ یہ رواج قابلِ ترک ہے (کتاب المدخل ص۲۲ ج۳)

(۸) نویں صدی ہجری کے فقیہ علامہ شیخ حافظ الدین محمد بن شہاب کردری المتوفی ۸۲۷ھ فرماتے ہیں۔ لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ دعا مرۃ لان اکثرہ دعاء (فتاوی بزازیہ مع ہندیہ ص۸۰ ج۴) نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ ٹھیرے کیونکہ وہ ایک مرتبہ دعا کر چکا ہے کیونکہ نماز جنازہ کا بڑا حصہ دعا ہی ہے۔

(۹) اور نویں صدی ہجری کے فقیہ ملا علی برجندی (صاحب برجندی سال تصنیف ۸۶۱ھ) بھی ممنوع ہونے کے قائل ہیں (فتاویٰ برجندی ص۱۸۰ ج۱)

(۱۰) نیز دسویں صدی کے دوسرے فقیہ شمس الدین محمد خراسانی قہستانی المتوفی ۹۶۲ھ فرماتے ہیں کہ لا یقوم داعیا له (فتاوی جامع الرموز ص۱۲۵ ج۱) دعا کرنے کے لئے نہ ٹھیرے۔

(۱۱) اور دسویں صدی ہجری کے فقیہ علامہ ابن نجیم مصری المتوفی ۹۶۹ھ فرماتے ہیں۔ لا یدعو بعد التسلیم (بحر الرائق ص۱۸۳ ج۲) یعنی سلام کے بعد دعا نہ کرے۔

(۱۲) دسویں صدی کے چوتھے فقیہ مفتی نصیر الدین (صاحب فتاوی برہنہ سال تصنیف ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں" وبعد ایستادہ نماند برائے دعا" فتاوی برہنہ ص۳۶)

(۱۳) اور گیارھویں صدی ہجری کے مجدد علامہ علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں ولا یدعو للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ص۳۱۹ ج۲) ترجمہ: نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے کیونکہ [illegible] میں زیادتی کے مشابہ ہوتا ہے۔

(۱۴) اور مجموعہ خانی میں ہے "دعا نخواند وفتوی بریں قول است" (قلمی ص ۲۳) یعنی بعد نماز جنازہ دعا نہ کرے اور اسی قول پر فتوی ہے۔

(۱۵) اور تیرھویں صدی ہجری کے فقیہ قاضی مفتی محمد سعد اللہؒ المتوفی سنہ ۱۲۹۴ھ فرماتے ہیں "خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہا بوجہ زیادہ بودن برامر مسنون منع می کنند" (فتاوی سعدیہ ص ۱۳۳) یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ اکثر فقہاء امر مسنون پر زیادتی لازم آنے کی وجہ سے منع فرماتے ہیں۔

(۱۶) اور فقیہ مولانا قطب الدین (صاحب مظاہر حق سال تصنیف سنہ ۱۲۳۲ھ) فرماتے ہیں۔ اور دعا نہ کرے میت کے لئے بعد نماز جنازے کے اس لئے کہ یہ مشابہ ہوتا ہے ساتھ زیادتی کے نماز جنازہ میں" (مظاہر حق ص ۲۲۲/۵)

(۱۷) اور فقیہ علامہ عبدالحی لکھنوی الحنفی ... بھی مکروہ ہونے کے قائل ہیں دیکھئے (نفع المفتی ص ۱۴۳ سال تصنیف سنہ ۱۲۹۳ھ)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے علماء کرام پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ مذکورہ رواج کی مخالفت گیارہ سو سال سے ہوتی چلی آئی ہے۔

صحیح اور معتمد طریقہ سے ثابت ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد جتنی دیر اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگتی ہے اتنی دیر تک قبر کے پاس تلاوت قرآن اور استغفار میں مشغول رہیں یہ مستحب ہے اس سے میت کو بہت فائدہ ہوتا ہے اس صحیح اور ثابت شدہ طریقہ کو چھوڑ کر دعائے مخترع کا قیمتی وقت زیادہ باتوں میں صرف کر دیا جاتا ہے اور برائے نام دعا کر کے رخصت ہو جاتے ہیں یا خلاف سنت طریقہ میں اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیتے ہیں،

حق تعالیٰ تمام بھائیوں کو سنت طریقہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں :

شریعت نے نماز جنازہ کا ایک خاص طریقہ تجویز فرمایا ہے

مگر نماز جنازہ کے بعد اجتماعی طور پر دعا کرنے کی تعلیم نہیں دی. اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین اس موقعہ پر اجتماعی دعاء کیا کرتے تھے. اس لئے جنازہ کے بعد اجتماعی دعاء کرنا، اور اس کو ایک سنت بنا لینا بدعت ہوگا. جنازے کے بعد دعا کرنی ہو تو صفوں کی ترتیب کو توڑ دیا جائے. اور ہر شخص اپنے طور پر بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرے تو مضائقہ نہیں ـــــ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازے کی جو کیفیت منقول ہے اس میں ردّ و بدل کی اجازت نہیں.

قبروں کو پختہ کرنا، گنبد بنانا وغیرہ

پہلے گزر چکا ہے کہ جب کوئی مسئلہ قرآن کریم اور احادیث سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو اس میں کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اختیار نہیں۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ شدہ امر اور حکم سے خلاف کریں تو دائرہ اسلام میں نہیں رہ سکتا۔

اور جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو اس میں صاف فیصلہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم کو امر کرتا ہے اس پر عمل کرو اور جس چیز سے تم کو روکتا ہے اس سے رک جاؤ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَا اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ، ان اللہ شدید العقاب) [1]

اور جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو اور خدا سے ڈرتے رہو بیشک خدا سخت عذاب دینے والا ہے

اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے مقابلہ کریں تو ان کے واسطے سخت عذاب ہے۔ تشریح کے لئے

---

[1] الحشر۔ آیات کریمہ کی تشریح مطالعہ کیجئے۔ تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۳۶/۴، تفسیر روح المعانی صفحہ ۵۰/۲۸ اور علامہ حافظ محمد بن حبان متوفی ۳۵۴ھ نے کتاب المجروحین صفحہ ۸/۱ میں بہترین تفصیل فرمائی ہے، مطالعہ کیجئے۔

مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ کیجیے۔

مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۔ ؁

جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے سو اس کے لیے ہے دوزخ اس میں رہیں گے ہمیشہ۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ؂

اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جبکہ سیدھی راہ اس پر کھل چکی ہے اور سب مسلمان کے راستہ کے خلاف چلے تو اس کو ہم اس طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور داخل کریں گے ہم اس کو دوزخ میں جو بدترین جائے قرار ہے۔

وَمَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ۔ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ؃

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول سے مقابلہ کرے تو اس کے واسطے ہے دوزخ کی آگ اس میں رہیں گے ہمیشہ۔ یہی ہے بڑی رسوائی

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ؄

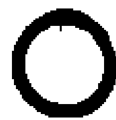
جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کرتے ہیں وہ لوگ ہیں ذلیل لوگوں میں۔

؁ الجن ٢٣

؂ النساء ١١٥ ، ؃ التوبۃ ٦٣

؄ المجادلۃ ٢٠

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ قبروں کو پختہ بنانا اور ان پر عمارات تعمیر کرنا اور چراغ جلانا اور قبروں پر مسجدیں بنانا وغیرہ احادیث صحیحہ سے مخالف ہیں اور بعض امور کو منع فرمایا ہے اور بعض پر لعنت فرمائی ہے لہٰذا جو حضرات ان لغویات میں ملوث ہیں تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے مخالف ہی ہیں بلکہ چار مذاہب کے ائمہ مجتہدین، فقہاء اور مفسرین اور محدثین سے یہ لوگ خلاف کر رہے ہیں۔ تو جس طرح یہ اس دعویٰ میں کہ ہم اہل السنت والجماعۃ اور اکابر۔ بزرگان دین کے مسلک پر ہیں جھوٹے ہیں تو اسی طرح یہ لوگ بالکل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کر رہے ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس سے تم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے تو تم منع ہو جاؤ اور جب یہ لوگ منع تو خود نہیں ہوتے کہ ان چیزوں کو واجب ہی قرار دیتے ہیں تو یہ سب سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا مقابلہ کر رہے ہیں اور جو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے۔ یا ہو دہ مند رجہ بالا دھمکیات سے عبرت حاصل کر لیں اور ہم یہیں انشاء اللہ تعالیٰ اس باب میں تفصیل سے یہ ثابت کردیں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین اور فقہاء اور مفسرین اور محدثین اور جمہور علماء ان چیزوں کو ناجائز کہہ دیتے ہیں باقی ہم غریب لوگ ہیں بات مانتے ہیں یا نہ لیکن اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھ کر عمیق نظر سے مطالعہ کریں اور تہ انصاف تمہارے حوالہ کر دیتے ہیں۔ وباللہ استعین



قبروں کو پختہ بنانا اور ان پر عمارت تعمیر کرنا،
احادیث کی روشنی میں

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یقعد علیہ وان یبنی علیہ رواہ مسلم[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے اور قبر پر بیٹھنے اور اس پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ مسلم نے روایت کیا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم ص ۳۱۲ ج ۱ برحاشیہ ارشاد الساری تالیف الامام مسلم بن الحجاج متوفی ۲۶۱ھ

مسند امام احمد بن حنبل ص ۸۷ ج ۷ بترتیب مؤلف الفتح الربانی تالیف الامام المجتہد احمد ابن حنبل متوفی ۲۴۱ھ۔

الترمذی ص ۱۲۵ ج ۱ تالیف الامام محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ

ابوداود ص ۲۰۹ ج ۳ مع شرحہ عون المعبود۔ تالیف الامام سلیمان بن الاشعث متوفی ۲۷۵ھ

النسائی ص ۸۸ ج ۴ مع شرحہ لجلال الدین السیوطی۔ تالیف الامام احمد بن شعیب متوفی ۳۰۳ھ

محلی ابن حزم ص ۱۳۳ ج ۵ تالیف علی بن احمد بن حزم متوفی ۴۵۶ھ

السنن الکبریٰ ص ۴ ج ۴ تالیف احمد بن حسین البیہقی متوفی ۴۵۸ھ

شرح السنۃ ص ۴۰۲ ج ۵ تالیف محی السنۃ حسین بن مسعود البغوی متوفی ۵۱۶ھ

جامع الاصول فی احادیث الرسول ص ۱۴۵ ج ۱۱ تالیف الامام مجد الدین مبارک بن احمد بن الاثیر متوفی ۶۰۶ھ

زاد المعاد ص ۵۲۴ تالیف الامام شمس الدین ابن قیم متوفی ۷۵۱ھ

۲۔ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يبنى على القبور او يقعد عليها او يصلى عليها رواه ابو يعلى ورجاله ثقات [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر عمارت بنانے اور ان پر بیٹھنے اور ان پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ تمام راوی ثقہ ہیں۔

۳۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يبنى على القبر وان يجصص [2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر عمارت بنانے اور قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ جس مرض میں وفات پاگئے تھے آپؐ نے اس مرض میں فرمایا تھا۔

لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبياءهم مسجدا [3]

اللہ تعالیٰ یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں پر مسجدیں بنائیں۔

---

[1] مجمع الزوائد ص ۶۱/۳ للحافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ

[2] مسند الامام احمد بن حنبل ص ۸۶/۷ ترتیب مؤلف الفتح الربانی عبدالرحمٰن البنا ر

[3] بخاری ص ۱۳۹/۲ ، ۶۲۹۔ شرح بخاری ص ۲۱۳/۲ ، روح المعانی ص ۲۳۷/۱۵ ۔ تفصیل دیکھ لیں۔
کتاب الام ص ۲۷۸/۱ ، ابوداؤد مع شرحہ ص ۲۱/۳ ، مسند احمد ص ۱۵/۸ ۔ منہاج السنۃ ص ۱۳۱/۱ ،
نیل الاوطار ص ۱۳۹/۲ ۔

۵۔ اور علامہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ ان الفاظ سے نقل کرتے ہیں

لعن اللہ الیھود و النصاری اتخذوا قبور انبیائھم و صالحیھم مساجد یحذر ما فعلوا [1]	اللہ لعنت کرے یہود اور نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے انبیاء اور صلحاء کی قبروں پر مسجدیں بنائیں آپؐ تو ان کے فعل سے پرہیز کی تلقین فرماتے تھے۔

۶۔ علامہ آلوسیؒ متوفی ۱۲۷۰ھ بحوالہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نقل کرکے فرماتے ہیں۔

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ زائرات القبور [2] والمتخذین علیھا المساجد والسرج [3]	ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی لعنت ہو قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر اور قبروں پہ چراغ روشن کرنے والوں پر

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص۸۶ ج۳ [2] عورتوں کی زیارت پر بحث آ رہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

[3] روح المعانی ص $\frac{۲۲۷}{۱۵}$، ابوداؤد ص $\frac{۱۰۵}{۲}$، الترمذی ص $\frac{۱۲۵}{۱}$ بروایۃ ابی ہریرۃؓ نسائی ص $\frac{۱۳۲}{۱}$ بروایۃ عائشہؓ، السنن الکبریٰ ص $\frac{۸}{۴}$، المغنی مع الشرح الکبیر ص $\frac{۳۰۸}{۲}$، عمدۃ القاری ص $\frac{۹۹}{۸}$۔ الاختیارات الفقہیۃ ص۸۸،
الزواجر عن اقتراف الکبائر ص $\frac{۱۶۵}{۱}$
المعجم المفہرس لاحادیث النبوی ص $\frac{۳۶۷}{۲}$
بذل المجہود ص $\frac{۱۹۵}{۱۴}$

۷۔ اور بحوالہ مسلم فرماتے ہیں۔

الا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیائھم مساجد فانی انھاکم عن ذلك۔	خبردار تم سے پہلے لوگوں نے انبیاءؑ کی قبروں پر مسجدیں بنائیں اور میں تم کو ان سے منع کرتا ہوں۔

۸۔ اور بحوالہ مسند عبدالرزاق فرماتے ہیں۔

من شرار امتی من یتخذ القبور مساجد[1]	میری امت میں شریر لوگ ہیں جنہوں نے قبروں پر مسجدیں بنائیں۔

۹۔ اور امام محمد بن عیسٰی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ فرماتے ہیں۔

عن معاذ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یکرہ ان توطأ القبور اعظاما للمسلمین واکراما لھم ویکرہ ان یتخذ القبور مسجدا وقبلۃ یصلی الیھا فان اھل الجاھلیۃ کانوا یفعلون ذلك[2]	حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبروں کو پامال کرنا مکروہ سمجھتے تھے مسلمانوں کے احترام اور عزت کی وجہ سے اور قبروں پر مسجد بنانا اور قبروں کو قبلہ بنانا کہ ان کی طرف نماز پڑھیں مکروہ سمجھتا تھا۔ اس لئے کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ ایسا کیا کرتے تھے۔

---

[1] روح المعانی ص ۲۳۷ ج ۱۵

[2] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول ص ۲۴۴

بما انزل علی محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم) [1]

نوٹ: یہاں یہ بات فائدہ سے خالی نہیں ہوگی کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پہلے تمام کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع فرمایا تھا پھر کچھ عرصہ بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا (الحدیث) — میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا۔ اب قبروں کی زیارت کیا کرو۔

اور دوسری حدیث میں آتا ہے۔

فانھا تذکر الموت [2] — یہ قبر کی زیارت موت کو یاد دلاتی ہے۔

تو کیا اس اجازت میں عورتیں بھی داخل ہیں یا نہ۔ علامہ محی الدین یحیٰی شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ تین اقوال نقل کرتے ہیں۔ حرام، مکروہ، مباح۔ پھر فیصلہ فرماتے ہیں کہ مختار قول یہی ہے کہ عورتوں کو قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت نہیں اور حدیث میں صرف مردوں کو اجازت فرمائی ہے۔ اس میں عورتیں داخل نہیں بنا بر مذہب مختار [3]

راقم الحروف کہتا ہے کہ حقیقت یہی ہے جو علامہ نوویؒ نے فرمایا ہے۔ کیونکہ حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۷ [2] یہ بات یاد رکھیں کہ حدیث میں قبروں کی زیارت کی اجازت جو ہوئی ہے بنا بر مختار صرف مردوں کے لیے لیکن مقصود اس زیارت سے دو چیزیں ہیں ایک موت یاد آجائیگی دوسری چیز دعا کرنا اگر میت مومن ہو تیسری چیز حدیثوں میں نہیں۔ [3] النووی شرح مسلم ص ۳۱۳ ج ۱ و ص ۳۱۶ ج ۱ بر حاشیہ ارشاد الساری۔

ایک حدیث ذکر کرکے پھر فرماتے ہیں کہ اس کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو قبروں کے لئے جانا ناجائز ہے[1]

اور اسی طرح مبارک بن احمد متوفی ۱۲۶۰ھ بحوالہ ابوداؤد ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک میت (کے جنازہ) کے لئے گئے تھے اور جب وہاں سے فارغ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم بھی واپس ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دروازہ پر جاکر ٹھہرے۔ تو ہم نے ایک عورت دیکھی میرا گمان یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچان لیا جب وہ چلی گئی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھی۔

فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم ما اخرجك يا فاطمة من بيتك قالت اتيت يا رسول الله اهل هذا الميت .... عزيتهم به فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلك بلغت معهم الكدى (بكاف مضمومة اى المقابر) فقالت معاذ الله وقد سمعت تذكر فيها	پس فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے کہ کس چیز نے تجھے گھر سے نکالا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ میں میت کے گھر والوں کی تعزیت کے لئے گئی تھی آپؐ نے فرمایا شاید تو ان کے ساتھ قبرستان گئی ہے اس نے عرض کی میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اس سے کہ میں قبرستان جاؤں) اور تحقیق میں نے سنا ہے وہ جو آپ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے آپؐ نے فرمایا۔

[1] السیر الکبیر ص ۲۳۶ ج ۱

فقال لو بلغت معهم الكدى فذكر تشديدا في ذلك[1]

اگر تو قبروں کو گئی ہو (راوی کہتا ہے) کہ آپ نے اس کے بارے میں سختی فرمائی۔

اور علامہ احمد بن محمد بن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ بحوالہ ابوداؤد مندرجہ حدیث نقل کرکے پھر فرماتے ہیں۔

ورواه النسائي الا انه قال في آخره او بلغتها معهم ما رأيت الجنة حتى يراها جد ابيك[2]

نسائی نے اس روایت کے آخر میں یہ نقل کیا ہے اگر تو قبروں کو ان کے ساتھ گئی ہو تو جنت نہیں دیکھے گی جب تک تیرے باپ کا دادا نہ دیکھے گا۔

اور قاضی ابراہیم حنفی متوفی ۱۰۰۰ھ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو قبروں کی زیارت کے لئے جانا ناجائز ہے[3]

اور علامہ آلوسی کا فرزند ارجمند سید نعمان خیر الدین الشہیر بابن الآلوسی فرماتے ہیں۔

ومن الكبائر زيارة النساء[4]

عورتوں کو قبروں کی زیارت کیلئے جانا گناہ کبیرہ ہے۔

لیکن پھر بھی اگر ان کو قبروں کی اجازت ہو جائے تو موجودہ دور میں جو دور دراز سفروں پر عورتیں جاتیں ہیں بلکہ بعض اوقات غیر محرم سے کابل تک جاتی ہیں یہ کس مسلمان کے نزدیک جائز ہے یہ ذرا دل مومن بھی شاید اس کے جواز کا قول نہیں کرے گا اور اس طرح موجودہ دور میں اولیاء کرام کی زیارتوں پر جو

---

[1] جامع الاصول فی احادیث الرسول ص ۱۵۱/۱۱۷، [2] الزواجر ص ۱۶۵/۱، [3] مجالس الابرار ص ۳۳۶، [4] جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین ص ۵۲۴

عورتوں کا حشر ہوتا ہے الامان والحفیظ یہ تو بالکل قطعاً حرام ہی ہے۔

حضرات!

قبروں کو پختہ بنانا ان پر گنبد اور مسجدیں تعمیر کرنا اور چراغ جلانا اور عورتوں کو قبروں کی زیارت کرنے کے لئے جانا نہایت مفصل اور ٹھوس دلائل کی روشنی میں تمہارے سامنے پیش کئے گئے ہیں کہ یہ چیزیں خلاف شریعت ہیں۔

اور اس میں شک نہیں کہ جب کسی چیز کو احادیث سے ناجائز ثابت کریں تو پھر کسی کتاب کی ضرورت نہیں پڑتی ... کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول رد نہیں کیا جا سکتا ہے۔ وما ینطق عن الھوی ، ان ھو الا وحی یوحی (الآیۃ) وہ اپنی طرف سے بات نہیں کرتا مگر جس چیز کی وحی ہوتی ہے وہی جو کچھ ہو بیان کیا کرتا ہے اور دیگر حضرات کے اقوال میں غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اجتہاد میں مجتہد سے غلطی سرزد ہو جائے معصوم تو نہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں۔ تو معصوم کے اقوال سے ہم نے قبروں کو پختہ کرنا اور ان پر عمارتیں بنانا وغیرہ امور کو ناجائز ثابت کر دیا۔ تو پھر کسی شخص کے قول کے لئے ضرورت نہیں

لیکن پھر بھی ہم صاحبزادگان اور ان کے متقدین حضرات کی تسلی کے لئے ائمہ مجتہدین اور فقہاء اور مفسرین اور محدثین کے نظریات پیش کرتے ہیں تاکہ ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حضرات جیسا کہ صحیح احادیث سے مخالفت کرتے ہیں ایسا ائمہ مجتہدین اور تمام علمائے دین سے ہی مخالفت کرتے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک یہ حضرات اپنے نظریات سے

اثبات کے لیے ادلہ شرعیہ پیش نہیں کر سکتے اور نہ کر سکیں گے وللہ الحمد۔

قبروں کو پختہ کرنا اور گنبد بنانا وغیرہ

ائمہ مجتہدین کی نظر میں

مسلک الامام المجتہد نعمان بن ثابتؒ متوفی سنہ ۱۵۰ھ

امام محمد بن الحسن الشیبانی متوفی سنہ ۱۸۹ھ اپنے استاد امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے امام ابو حنیفہ نے کہا کہ مجھے اپنے استاد نے حدیث بیان کی ہے۔

یرفعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نھی عن تربیع القبور وتجصیصہا[1]

اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیث پہنچائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو مربع بنانے اور قبروں کو پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

مسلک الامام المجتہد محمد بن ادریس الشافعی متوفی سنہ ۲۰۴ھ

حضرت امام شافعیؒ کتاب الام میں فرماتے ہیں۔

ان لا یبنی ولا یجصص فان ذلک یشبہ الزینۃ والخیلاء ولیس الموت موضع واحد منھما۔

قبر پر نہ عمارت بنائی جائے گی اور نہ پختہ کیا جائے گا کیونکہ یہ تو زینت اور متکبرین کی عادت سے مشابہ ہے اور موت ان دونوں میں سے ایک کی جگہ نہیں۔

---

[1] کتاب الآثار۔ از نصب الرایۃ جلد ۲ ص ۳۰۲ تالیف علامہ جمال الدین حنفی متوفی سنہ ۷۶۲ھ

ولو ار قبور المهاجرين و الانصار مجصصة ۔ | اور میں نے مہاجرین اور انصار کی قبروں کو پختہ بنی ہوئی نہیں دیکھیں

عن طاؤس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهى ان تبنى القبور او تجصص وقال الشافعیؒ وقد رأيت من الولاة من يهدم ما بنى فيها ولم ار الفقهاء يعيبون عليه ذلك [1]

حضرت طاؤسؒ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر عمارت تعمیر کرنے اور قبروں کو پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ میں حکمین سے قبروں پر عمارت ڈھانے کو دیکھتا ہوں ۔ اور میں نے کسی کو اس پر عیب لگاتے ہوئے نہیں دیکھا ۔

مسلک الامام المجتہد مالک بن انسؒ متوفی ۱۷۹ھ والامام المجتہد احمد بن حنبلؒ متوفی ۲۴۱ھ

ومسلک جمہور علماء

حضرت محی الدین یحیی بن شرف نوویؒ متوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں کہ قبروں کو پختہ بنانا ، اور قبروں پر عمارت تعمیر کرنا اور قبروں پر لکھنا اس میں امام مالکؒ و امام احمدؒ اور داؤدؒ اور جمہور علما متفق ہیں کہ یہ مکروہ ہیں [2]

مسلک الامام المجتہد نعمان بن ثابتؒ و مسلک الامام محمدؒ و مسلک الامام ابی یوسفؒ

حضرت ابوسلیمان جوزجانی متوفی ۱۸۰ھ اپنے استاد امام محمد سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے مجھے فرمایا تھا کہ جب میں کوئی مسئلہ ذکر کروں ۔۔ اور اس میں اختلاف نہ ہو ۔ تو یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور میرا تینوں کا اتفاقی مسئلہ ہوگا ۔

---

[1] کتاب الام ۲۷۷/۱ [2] المجموع شرح المہذب ۲۹۰/۵ ۔

لہٰذا وہ قبروں کو پختہ نہ بنانا بغیر کسی اختلاف کے یوں ذکر کرتے ہیں۔

قلت ارأیت القبر هل تكره ان یجصص قال نعم[1]

میں (ابو سلیمان) نے امام محمد صاحب سے کہا کہ کیا آپ قبروں کو پختہ بنانا مکروہ سمجھتے ہیں۔ امام محمد صاحب نے فرمایا۔ ہاں۔ (یعنی مکروہ ہے)

مسلک الامام علی بن احمد بن حزم متوفی سنہ ۴۵۶ھ

علامہ ابن حزم فرماتے ہیں۔

ولا یحل ان یبنی القبر ولا ان یجصص ولا ان یزاد علی ترابه شئ ویهدم كل ذلك۔ عن ابی الهیاج قال قال لی علی بن ابی طالب الا ابعثك كما بعثنی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان لا تدع تمثالا الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سویته[2]

جائز نہیں قبر پر عمارت تعمیر کرنا جائز نہیں قبر کو پختہ بنانا جائز نہیں نکلی ہوئی مٹی سے زیادہ قبر پر ڈالنا۔ ان تمام کو ڈھانا چاہیے۔ ابو الہیاج الاسدی سے روایت ہے کہ مجھے حضرت علی نے کہا کیا میں تجھے اس چیز پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا کہ کوئی مجسمہ (تصویر) بغیر مٹائے نہ چھوڑنا اور اونچی قبر نہ چھوڑنا مگر اس کو برابر کرنا۔

---

[1] کتاب الاصل ص ۴۲۲ ج ۱ تالیف الامام محمد متوفی ۱۸۹ھ

[2] المحلی ص ۳۳ ج ۵، ابوداؤد ۲۰۸/۲ ج ۲، مع شرح عون المعبود

قبروں کو پختہ بنانا ان پر عمارت تعمیر کرنا وغیرہ

فقہائے احناف اور مفسرین کی نظر میں

حضرت امام شمس الدین سرخسی متوفی ۴۸۳ھ قبروں کو مربع بنانے کو روافض کا مسلک بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ولا تجصص لما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن تجصیص القبور و تربیعھا [1]	قبر کو پختہ نہ بنایا جائے کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے اور مربع بنانے سے منع فرمایا ہے۔

اور حضرت امام فخر الدین حسن بن منصور قاضیخان متوفی ۵۹۲ھ فرماتے ہیں۔

ولا یجصص القبر لما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نھی عن التجصیص والتقضیض وعن البناء فوق القبر .. لما روی عن ابی حنیفۃ انہ قال ولا یجصص القبر ولا یطین ولا یرفع علیہ بناء [2]	قبر پختہ نہ بنایا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے قبر کو پختہ بنانے اور چاندی کے پانی سے جڑاؤ کرنے اور قبر پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ سے روایت کی گئی کہ اس نے کہا ہے کہ قبر کو پختہ نہ بنایا جائے اور نہ اس کی لپائی کی جائے اور نہ اس پر عمارت بنائی جائے۔

---

[1] المبسوط ۶۲/۲۲۰ ، معانی الآثار ۲۴۹/۲ بھی ملاحظہ کریں [2] فتاوی قاضیخان ۱۹۴/۱ برحاشیہ عالمگیری۔

اور حضرت حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب ابن البزاز متوفی ۸۲۷ھ فرماتے ہیں :

ولا یبنی علیہ بیت ولا یجصص[1]	قبر پر مکان نہ بنایا جائے اور نہ قبر کو پختہ بنایا جائے ۔

اور حضرت شیخ زین الدین محقق ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ فرماتے ہیں ۔

ولا یجصص لحدیث جابرؓ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یکتب علیہ[2]	قبر کو پختہ نہ بنایا جائے کیونکہ حضرت جابرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے کہ آپ نے قبر کو پختہ بنانے اور قبر پر عمارت بنانے اور قبر پر لکھنے سے منع فرمایا ہے ۔

اور علامہ محقق محمد امین ابن عابدینؒ متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں ۔

اما البناء علیہ فلم ار من اختار جوازہ و عن ابی حنیفۃؒ یکرہ ان یبنی علیہ بناء من بیت او قبۃ او نحو ذلک لما روی عن جابرؓ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن تجصیص القبور	میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے قبر پر عمارت بنانے کو پسند کیا ہو اور امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ قبر پر عمارت بنانا مکروہ ہے خواہ مکان ہو یا گنبد یا ان کی مانند دیگر چیز کیونکہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ بنانے اور قبروں پر لکھنے اور قبروں پر عمارت تعمیر کرنے

[1] فتاوی بزازیہ برحاشیہ عالمگیری ص ۸۱ ج ۱ ، [2] بحر الرائق ص ۲۰۹ ج ۲ ، تفصیل کے لئے دیکھئے الکبیری ص ۵۹۹ و بدائع الصنائع ص ۳۲۰ ج ۱ ، فتح القدیر ص ۴۷۲ ج ۱ ، التخیص ص ۲۲۵ ، فتاوی رشیدیہ ص ۳۸ ج ۱ ، تذکرۃ الفتاوی ص ۲۲۶ ج ۱ ، حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۵ ج ۲ ، فتاوی دار العلوم دیوبند ص ۹۲ ج ۱ ، ص ۲۲۲ ج ۱ ۔

وان یکتب علیها وان یبنی علیها رواہ مسلم وغیرہ[1] — منع فرمایا ہے۔ اور امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اور حضرت قاضی ابراہیم متوفی تقریباً ۱۰۰۰ھ۔ مسجد ضرار کے گرانے کے بعد فرماتے ہیں کہ

جو چیز اس سے بھی زیادہ نقصان دہ ہو تو اس کو گرانا چاہیئے۔

کالمساجد المبنیۃ	جیسے وہ مسجدیں جو قبروں پر
علی القبور وکذا	بنائی گئی ہیں اسی طرح وہ
القباب التی بنیت علی	گنبدیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے
معصیۃ الرسول ومخالفتہ	رسول کے خلاف بنائے گئے ہیں۔
وکل بناء اُسست علی معصیۃ	اور ہر عمارت جو اللہ اور اسکے رسول کے
الرسول ومخالفتہ فھو	خلاف تعمیر کی گئی ہو وہ گرانے کی
بالھدم اولیٰ[2]	مستحق ہے۔

اور فتاوی عالمگیری (مرتبہ در زمانہ سلطان اورنگ زیب متوفی ۱۱۱۸ھ) میں لکھتے ہیں۔

ولا یربع ولا یجصص	قبر کو مربع نہ بنایا جائے اور نہ پختہ
ویکرہ ان یبنی علی القبر	کیا جائے اور قبر پر عمارت تعمیر کرنا اور
اویقعد اوینام علیہ	قبر پر بیٹھنا اور قبر پر سونا یہ تمام
ویکرہ ان یبنی علی القبر	مکروہ ہیں۔ قبر پر مسجد بنانا یا اسکی مانند
مسجد اوغیرہ ... ویکرہ	دیگر چیز (جیسا گنبد او مکان) مکروہ ہے

[1] رد المحتار ص۶۰۱ اور دوسری کتاب میں ختم کلام پر اُجرت اور تیجہ اور قبروں پر عمارت تعمیر کرنا وغیرہ ذکر کرکے فرماتے ہیں کل ھذہ بدع منکرات۔ یہ تمام بدعات منکرہ ہیں (مجموعہ رسائل ابن عابدین ج۱ ص۱۲۹)

[2] مجالس الابرار ص۱۲۹۔

عند القبر مالم یعهد من السنة والمعهود منها لیس الا زیارتہ والدعاء عندہ قائما کذا فی البحر[1]

اور جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ قبر کے پاس مکروہ ہے ۔ اور جو سنت سے ثابت ہے وہ قبر کی زیارت اور اس کے پاس (اس کے لیے) دعا کرنا کھڑا ہو کر (بشرطیکہ یہ قائم ہو) بحر الرائق میں بھی ایسا لکھا ہے ۔

اور علامہ محقق مفسر سید شہاب الدین آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ قبروں پر عمارت اور مسجدیں وغیرہ بنانے کی تردید احادیث سے کر کے بحوالہ زواجر ابن حجر مکی کردہ مندرجہ ذیل چیزوں کو گناہ کبیرہ میں شمار کرتے ہیں ۔ قبروں کو مسجدیں بنانا ۔ قبروں کی طرف نماز پڑھنا ، قبروں کو بوسہ دینا ۔ قبروں کا طواف کرنا ۔ پھر کہتے ہیں

وکون هذا الفعل کبیرۃ ظاهر من الاحادیث[2]

ان چیزوں کا گناہ کبیرہ ہونا تو احادیث سے ظاہر (معلوم) ہوتا ہے ۔

وکانه قاس علیه کل تعظیم للقبر کایقاد السرج علیه تعظیما له وتبرکا به والطواف به کذٰلک

گویا کہ اس نے ہر اس چیز کو اس پر قیاس کیا ہے جس میں قبر کی تعظیم ہوتی ہے جیسا کہ قبر کی تعظیم کے لئے چراغ جلانا اور اس سے تبرک حاصل کرنا اور قبر کے ارد گرد طواف کرنا

وقال بعض الحنابلة قصد

اور بعض حنبلی کہتے ہیں قبر کے پاس

---

[1] فتاوی عالمگیری ص ۱۶۶ ج ۱، [2] تفسیر روح المعانی ص ۲۳۷ ج ۱۵

الرجل الصلوٰة عند القبر متبرکا بہ عین المحادۃ لله تعالیٰ ورسولہ وابداع دین لم یأذن بہ الله عزوجلّ منھی عنھا ثم اجماعا فان اعظم المحرمات واسباب الشرك الصلوٰۃ عندھا واتخاذھا مساجد او بناؤھا علیھا وتجب المبادرۃ لھدمھا وھدم القباب التی علی القبور اذھی اضر من مسجد الضرار لانھا اُسست علی معصیۃ رسول الله صلی الله علیہ وسلم لانہ علیہ السلام نھی عن ذلك وامر بھدم القبور المشرفۃ وتجب ازالۃ کل قندیل اوسراج علی قبر ولا یصح وقفہ ولا نذرہ[1]

تبرک کے واسطے کسی شخص کو نماز پڑھنا یہ بعینہ اللہ تعالیٰ اور اس رسول سے مقابلہ کرنا ہے اور ایسے دین کی ایجاد ہے جس پر اللہ عزوجل نے اجازت نہیں فرمائی پھر اس پر علماء کا اجماع ہے کہ حرام ترین اور اسباب شرک کی چیز ول سے قبروں کے پاس نماز پڑھنا ہے اور ان پر مسجدیں بنانا ہے یا عمارتیں بنانا ہے اور واجب ہے جلدی کرنا کہ قبروں پر عمارت کو اور جو ان پر گنبد بناتے ہیں گرا دیئے جائیں کیونکہ یہ مسجد ضرار سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں تعمیر کئے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا اور حکم دیا تھا اونچی قبروں کے گرانے کا اور واجب ہے کہ قبروں پر جو چراغ اور قندیل ہر اس کو دور کردیا جائے اور اس کا وقف کرنا اور نذر کرنا ناجائز ہے۔

---

[1] تفسیر روح المعانی ص ۲۳۸ / ۱۵

پھر کافی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں۔

وقد افتی جمع بھدم کل ما بشرافۃ مصر من الابنیۃ حتی قبۃ الامام الشافعی التی بناھا بعض الملوك وینبغی لکل احد ھدم ذلك مالم یخش منہ مفسدۃ[1]	علمار کی جماعت نے فتوی دیا تھا ان تمام عمارتوں کے گرانے پر جو مصر میں تھیں یہاں تک کہ امام شافعیؒ پر کسی بادشاہ نے گنبد بنایا تھا اس کو بھی گرایا اور ہر ایک ایسی چیز کا گرانا مناسب ہے، جب تک فساد کا خطرہ نہ ہو۔

پھر اخیر میں یوں الفاظ ذکر کر کے فیصلہ کرتے ہیں۔

ویکفیك فی معرفۃ الحق تتبع ما صنع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وھو افضل علی وجہ الارض[2]	حق کے پہچاننے میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا فعل کافی ہے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے کیا تھا حالانکہ تمام سطح زمین پر اس کی قبر افضل ہے۔

نوٹ: علامہ آلوسیؒ نے فرمایا کہ حق کے پہچاننے میں تمہارے لئے وہی طریقہ کافی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی افضل قبر سے کیا تھا لہٰذا اس کے لئے مندرجہ ذیل تشریحات ملاحظہ کیجئے تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

(۱) حضرت الامام المجتہد محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ روایت نقل کر کے فرماتے ہیں

انہ قیل لسعد بن ابی وقاص	حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا

---

[1] تفسیر روح المعانی ص ۲۳۸/۱۵ج، [2] تفسیر روح المعانی ص ۲۳۹/۱۵ج

نتخذ لك شيئا كانه الصندوق من الخشب فقال اصنعوا بي ما صنعتم برسول الله صلی الله علیہ وسلم انصبوا علی اللبن واھیلوا علی التراب[1]	ہم تمہارے لیے کوئی چیز نہ بنائیں گویا ان کی مراد لکڑی سے (ان کے لیے) صندوق بنانا تھا۔ اس نے فرمایا کہ میرے لیے وہ طریقہ اختیار کرو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اختیار کیا ہے۔ میرے اوپر کچی اینٹیں کھڑا کرو اور میری (قبر) کے اوپر مٹی ڈال دو۔

امام محدثین ابوبکر بن احمد بن الحسن البیہقی متوفی ۴۵۸ھ ایک روایت نقل کر کے فرماتے ہیں۔

عن القاسم بن محمد قال دخلت علی عائشۃؓ فقلت یا اماہ اکشفی لی من قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصاحبیہ فکشفت لی عن ثلاثۃ قبور لا مشرفۃ ولا لاطئۃ[2]	قاسم بن محمد سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا اس سے کہا کہ اماں جان بتا دیں مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور آپ کے صاحبینؓ کی قبریں پس بتا دیں تین قبریں جو نہ زمین سے زیادہ بلند تھیں اور نہ زیادہ متصل۔

اور علامہ حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ یہی روایت نقل کر کے فرماتے ہیں۔

قال القاسم دخلت علی عائشۃؓ	قاسم کہتا ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا۔

---

[1] کتاب الام ص۲۴۷ ج۱

[2] السنن الکبری ص۳ ج۴

فقلت یا اماہ اکشفی لی عن قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصاحبیہ فکشفت لی عن ثلاثۃ قبور لا لاطئۃ[1]

اور اسے کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبینؓ کی قبریں بتادیں تو آپ نے تین قبریں بتادیں کہ زمین سے متصل نہیں تھیں۔

اور علامہ نوویؒ متوفی ۶۷۶ھ حضرت قاسمؒ کے قول میں پورے وہی الفاظ نقل کرتے ہیں۔ جو امام بیہقیؒ نے نقل کئے ہیں۔

لا مشرفۃ ولا لاطئۃ[2] کہ نہ زمین سے زیادہ بلند تھیں اور نہ زمین سے متصل

اور امام نوویؒ مقدار شرعی بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ویرفع نحو شبر[3] قبر کو ایک بالشت مقدار بلند کیا جائے گا۔

اور علامہ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ وہ بھی یہی روایت قاسمؒ نقل کرتے ہیں[4]

اور علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ بحوالہ الدرۃ الثمینۃ فی اخبار المدینۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی قبروں کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عن عثمان بن فسطاس قال رأیت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرتفعا نحوا اربعۃ اصابع وقبر ابی بکرؓ وراء قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقبر عمرؓ اسفل منہ[5]

عثمان بن فسطاس سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے (عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو دیکھا کہ وہ چار انگل زمین سے بلند تھی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ایک قبر سے اس طرف تھی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی قبر سے عمر رضی اللہ عنہ کی قبر نیچے تھی۔

---

[1] عارضۃ الاحوذی ص ۲۶۹ ج ۴ ، [2] المجموع شرح المہذب ص ۲۹۵ ج ۵ ، [3] النووی شرح مسلم ص ۳۱۲ ج ۱ برحاشیہ ارشاد الساری ، [4] نصب الرایۃ ص ۳۰۲ ج ۲ ، [5] عمدۃ القاری شرح بخاری ص ۲۲۵ ج ۸

قبروں کو پختہ بنانا اور ان پر عمارت تعمیر کرنا وغیرہ
شوافع فقہاء اور محدثین کی نظر میں

امام ابوابراہیم اسمعیل بن یحییٰ المزنیؒ اپنے استاد امام شافعیؒ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قال ولا تبنی القبور ولا تجصص[1]

قبروں پر عمارت نہیں بنائی جائے گی اور نہ قبروں کو پختہ بنایا جائے گا۔

اور علامہ نوویؒ متوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں۔

قال الشافعی والاصحاب یکرہ ان یجصص القبر وان یکتب علیہ اسم صاحبہ وغیر ذلک وان یبنی علیہ وھذا لا خلاف فیہ عندنا ، وقال الشافعی فی الام ورأیت من الولاۃ من یھدم ما بنی فیھا ولم ار الفقھاء یعیبون علیہ ذلک[2]

امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک قبر کو پختہ بنانا اور قبر پر اس کا نام لکھنا وغیرہ اور قبر پر عمارت تعمیر کرنا (یہ تمام) مکروہ ہیں ہمارے نزدیک اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں اور امام شافعیؒ نے کتاب الام میں فرمایا ہے کہ میں بچپن سے قبروں پر عمارت کے ڈھانے کو دیکھتا ہوں اور میں نے فقہاء میں سے کسی کو عیب لگاتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔

اور امام نوویؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبینؓ کی قبروں کی تشریح کرتے ہیں کہ وہ زیادہ زمین سے بلند نہیں اور نہ زمین سے متصل ہیں حضرت قاسمؒ کی روایت سے فرماتے

۱؎ مختصر المزنی ص ۳۵

۲؎ المجموع شرح المہذب ج ۵ ص ۲۹۸

کو پختہ بنانے اور قبروں پر عمارت تعمیر کرنے کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ قبروں کو پختہ بنانا اور ان پر عمارت تعمیر کرنا اور ان پر لکھنا یہ تمام بالاتفاق ناجائز ہیں۔ اس میں امام مالکؒ، امام احمدؒ اور داؤد اور جمہور علماء متفق ہیں۔ اور ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ قبروں پر گنبد بنانا ہو یا عمارت تعمیر کرنا ہو یا اس کی مانند دیگر کوئی چیز یہ تمام مکروہ ہیں اس میں کوئی فرق نہیں۔ اگر عام مقبرہ میں ہو تو پھر ان کو ڈھانے میں بھی علماء کا اختلاف نہیں[1]

اور علامہ تقی الدین ابوبکر بن محمد شافعیؒ فرماتے ہیں۔

کہ قبر پر عمارت نہیں تعمیر کی جائے گی اور نہ قبر کو پختہ بنایا جائے گا[2]

---

[1] المجموع شرح المهذب ص ۲۹۸ ج ۵

[2] کتاب الاخیار فی حل غایۃ الاختصار ص ۲۳۴ ج ۱

قبروں کو پختہ بنانا وغیرہ

فقہاء حنابلہ کی نظر میں

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ حنبلی متوفی سنہ ۶۲۰ھ فرماتے ہیں:

ویکرہ البناء علی القبر وتجصیصہ والکتابۃ علیہ لما روی مسلم فی صحیحہ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ وزاد الترمذی وان یکتب علیہ وقال ہذا حدیث حسن صحیح ولان ذلک من زینۃ الدنیا فلا حاجۃ بالمیت الیہ[1]

مکروہ ہے قبر پر عمارت بنانا اور قبر کو پختہ بنانا اور قبر پر لکھنا کیونکہ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح مسلم میں روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے سے اور قبر پر عمارت تعمیر کرنے سے اور قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

اور ترمذی نے ایک لفظ اور بڑھایا ہے کہ قبر پر لکھنے سے بھی منع فرمایا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ (قبروں کو پختہ کرنا، وہاں پر عمارت بنانا وغیرہ) دنیا کی زیب و زینت کی شان ہیں۔ میت (مردہ) کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔

اور دوسری کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

---

[1] المغنی ص ۳۸۹ ج ۲ اور اسی طرح عبدالرحمن بن عمر محمد بن احمد بن قدامہ متوفی [illegible] نے الشرح الکبیر ص ۳۸۹ ج ۲ میں ذکر کیا ہے۔

ولا يجوز ان يبنى عليه مسجد لقول النبي صلى الله عليه وسلم لعن الله اليهود اتخذوا قبور انبيائهم مساجد[1]

قبر پر مسجد بنانا جائز نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہود پر اللہ کی لعنت ہو جنہوں نے انبیاءؑ کی قبروں کو مسجدیں بنایا۔

اور پہلی کتاب میں فرماتے ہیں۔

ولو ابيح لم يلعن النبي صلى الله عليه وسلم من فعله ولان فيه تضييعا للمال وافراطا في تعظيم القبور اشبه تعظيم الاصنام ولا يجوز اتخاذ المساجد على القبور[2]

اگر یہ (چراغ جلانا اور قبروں پر مسجدیں بنانا اور عورتوں کو قبروں کی زیارت کیلئے جانا) جائز ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لعنت نہ فرماتے اور دوسری بات یہ ہے کہ اسمیں مال کو فضول ضائع کرنا ہے اور قبروں کی تعظیم میں اتنی افراط اور زیادتی ہے کہ بتوں کی تعظیم سے مشابہ ہے اور قبروں پر مسجدیں بنانا ناجائز ہیں۔

اور علامہ شیخ علاء الدین ابو الحسن علی بن محمد بن عباس متوفی ۸۰۳ھ فرماتے ہیں

ويحرم الاسراج على القبور واتخاذ المساجد عليها وبينها ويتعين ازالتها قال ابو العباس [illegible] المعروفين[3]

قبروں پر چراغ جلانا اور قبروں پر مسجدیں بنانا حرام ہیں۔ ان چیزوں کا ڈھانا متعین ہے۔

ابو العباس شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے معروف علماء کے درمیان اختلاف کو اس مسئلہ میں نہیں دیکھا۔

---

[1] [illegible] ۳۶۰ [illegible] المتنع فی فقہ الامام احمد ص ۲۹۵ میں ذکر کیا ہے

[2] [illegible] ۳۱۱ [illegible] الاختیارات الفقہیہ ص ۸۸

شیخ الاسلام ابن قیمؒ متوفی ۷۵۱ھ

قبروں پر چادریں ڈالنا اور قبروں کو پتھروں اور پکی اینٹوں سے مضبوط بنانے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

فکل ھذہ بدعۃ مکروھۃ مخالفۃ لھدیہ علیہ السلام وقد بعث علی بن ابی طالب الی الیمن... ان لا یدع تمثالا الا طمسہ ولا قبرا مشرفا الا سواہ[1]

یہ تمام چیزیں مکروہ اور بدعت ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مخالف ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو یمن بھیجا تھا کہ کوئی مجسمہ توڑے بغیر مٹائے نہ چھوڑ دیں اور کوئی اونچی قبر نہ چھوڑ دیں مگر اس کو برابر کردیں۔

خلاصہ کلام

یہ ہوا کہ:

قبروں کو پختہ بنانا اور ان پر عمارت تعمیر کرنا اور مسجدیں بنانا اور چراغ جلانا وغیرہ، مروجہ امور کو احادیث سے غلط اور باطل ثابت کردیا گیا اور یہ بھی بتایا کہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ ائمہؒ ان چیزوں کے مخالف ہیں، اور فقہائے احناف، شوافع اور حنابلہ تمام ہی ان چیزوں کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

اور میں نے اجمالی تبصرہ مندرجہ ذیل کتابوں سے کردیا ہے۔

• صحیح مسلم • مسند احمد بن حنبل • ابوداؤد • ترمذی • النسائی • السنن الکبری

---

[1] زاد المعاد ج۱ ص۵۲۴۔ اس حدیث کے متعدد حوالجات پہلے ذکر کئے گئے ہیں۔ وہاں ملاحظہ کریں۔

• شرح السنۃ • جامع الاصول • مجمع الزوائد • صحیح بخاری • ارشاد الساری •
• منہاج السنۃ • نیل الاوطار • تفسیر ابن کثیر • تفسیر روح المعانی • المغنی •
• الزواجر • المعجم المفہرس • بذل المجہود • نوادر الاصول • مستدرک للحاکم تلخیص للذہبی
• عارضۃ الاحوذی • السیر الکبیر • جلاء العینین • کتاب الآثار • کتاب الام
• کتاب الاصل • المحلی • المبسوط • معانی الآثار • فتاویٰ قاضیخان •
• فتاویٰ بزازیہ • بحر الرائق • الکبیری • بدائع الصنائع • فتح القدیر •
• المستخلص • خلاصۃ الفتاوی • حجۃ اللہ البالغۃ • فتاویٰ رشیدیہ •
• فتاویٰ دار العلوم دیوبند • رد المحتار • مجموعہ رسائل ابن عابدین • مجالس الابرار •
• فتاویٰ عالمگیری • النووی شرح مسلم • نصب الرایۃ • عمدۃ القاری •
• مختصر المزنی • المجموع شرح المہذب • کتاب الاخیار فی حل غایۃ الاختصار • المغنی والشرح الکبیر • الکافی • المقنع • الاختیارات الفقہیۃ • زاد المعاد •

حضرات! جو شخص حق کا طالب ہو تو اس کے لیے اپنا ضمیر اس سے آگے جانے کی اجازت نہیں دے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کیونکہ جو چیز قرآن و سنت کے خلاف ہو۔ تو اس کے باوجود اگر ایک شخص اس غلط کام پر ڈٹ جائے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کے نزدیک قرآن اور احادیث صحیحہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ علامہ ابن حزم نے کیا خوب ہی فرمایا ہے۔

کل ما جاء بہ نص قرآن	جس چیز پر قرآن کی آیات یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم
او سنۃ فلا ینکرہ الا جاہل	کی سنت موجود ہو تو اس سے انکار نہیں کرے
او مغفل او ردی الدین[1]	گا مگر جاہل یا غافل یا مردود دین والا

---

[1] الفصل فی الملل والاھواء والنحل ص۷۲ ج۴

مسئلہ مذکورہ کو ہم نے احادیث صحیحہ کی روشنی میں ثابت کیا کہ قبروں کو پختہ بنانا اور ان پر عمارت تعمیر کرنا وغیرہ امور شریعت مطہرہ کے سراسر خلاف ہیں اور ساتھ ہی ائمہ مجتہدین، فقہاء، ائمہ دین، مفسرین اور محدثین کے اقوال سے واضح کر دیا کہ جو لوگ دن رات ان کے اثبات میں ہمہ تن سرگرم ہیں اور ان کے خلاف کرنے والوں پر وہابی نجدی کے فتوے لگا رہے ہیں - یہ لوگ برائے نام اہل السنت والجماعت، بزرگان دین اور سلف صالحین کی طرف اپنے آپ کی نسبت کرتے ہیں بلکہ یہ حضرات احادیث صحیحہ کے جیسے کہ مخالف ہیں اس طرح اپنے مذہب کے بھی مخالف ہیں

غضب بالائے غضب یہ ہے کہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور فقہائے احناف، شوافع، حنابلہ تمام کے مخالف ہیں - لہٰذا جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن ملنا ہے اور وہاں حساب کتاب ہوگا تو وہ گہری نظر سے مطالعہ کر کے نظریہ تبدیل کریں اگر اس تحقیق کے باوجود وہ کسی کے بے معنی حواشی سے دھوکہ میں مبتلا رہے تو یہ ان کی بدقسمتی ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ● نہ قبروں کو پختہ کرنا نہ ان پہ عمارت بنانا
چار اماموں نے تصریحات بھی فرمائیں ● ناجائز ہے قبروں کو پختہ کرنا اور گنبد بنانا
محدثین فقہاء تمام اس کے ہیں قائل ● ناجائز ہی ہیں پھر کیوں حق کو نہ مانا
ایمان سے کہدو تم کبھی بھی! ● نقاہت سے بات کرو گے یا ہمیشہ جاہلانا
یا تمہارا وظیفہ ہے وجدنا آباءنا! ● اور سنت کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا
کیا ایمان نہیں ہے تمہارا خدا پر ● کہ ہم کو لوگوں کیلئے بنا تے ہو نشانہ

لہ سمجھداری ہے کہ ہم نے باپ دادا کو اس پر پایا ہے۔

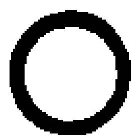
کیا کروگے یوم جزا میں مالک کے سامنے • جب ہم صاف کریں گے اپنا دامن مظلومانا
نام رکھتے ہیں اپنا اہل السنت والجماعۃ! • صحیح ادلہ کی تردید کے لیے بناتے ہیں بہانا
ہم کو بناتے ہو پنج پیری وھابی • یہ الزامات ہیں بری عادت مثل زنانا
اگر تم میں ہو ہمت یا دیانت • تو لاؤ کوئی دلیل برائے جواز گنبد بنانا
اگر محمدؐ کو اپنا نبی مانتے ہو تم بھی !! • تو قبروں کو نہ پختہ کرنا نہ ان پر گنبد بنانا
یا سچے ہو تم دعوی تقلید میں ! • تو حرام سمجھو قبروں کو پختہ کرنا ان پر گنبد بنانا
حق سے تم ہو اعراض کرنے والے ! • پھر کیوں ہم کو بناتے ہو ظالموں کا نشانا
خوف کرو اللہ تعالیٰ کی صفت قہار سے • سزا دے گا یوم جزا میں ہی حرکت مجرمانا

میں خان بادشاہ غریب گنہگار ہوں بے شک !
لیکن عوام کے ماروں کو نہیں بناتا ہوں بہانا

تمام دلائل ہیں تمہارے سامنے • ہم پر فرض تھا بیان ماننے یا نہ ماننا
انشاء اللہ دیکھو گے اگر تم نے قلم (دلیل) اٹھایا • غریب کے قلم میں ندر عمدہ ہیں تمہارا منہ کالا
الزامات نہ لگاؤ خوف کرو خدا سے ! • ایسا نہ ہو کہ بن جائے تم کو جہنم ٹھکانا !

نوٹ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گنبد خضرا جو مکان حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بنائی گئی ہے۔ اس پر اپنے حضرات کو قیاس کرنا جہالت ہے۔

(تدبر وکن علی بصیرۃ)



مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں :

پختہ مزارات اور ان کے قبے : قبروں کو پختہ کرنے کی ممانعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اوپر نقل کر چکا ہوں ، ہمارے ائمہ اہل سنت نے انہی ارشادات کی روشنی میں اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے ۔ امام محمد رہ (جو ہمارے امام ابو حنیفہ رہ کے شاگرد اور ان کے مذہب کے مدون ہیں) فرماتے ہیں :

ولا نری ان یزاد علی ما خرج منہ ونکرہ ان یجصص او یطین .... ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہٰی عن تربیع القبور وتجصیصہا قال محمد بہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ ۔ (کتاب الآثار ص۹۶)

اور ہم اس کو صحیح نہیں سمجھتے کہ جو مٹی قبر سے نکلی اس سے زیادہ ڈالی جائے ۔ اور ہم قبریں پختہ بنانے اور انکی لپائی کو مکروہ جانتے ہیں .... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبریں مربع بنانے اور انھیں پختہ کرنے سے منع فرمایا ہے ۔ ہمارا یہی مذہب ہے ۔ اور یہی حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد ہے ۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہر اونچی قبر کو منہدم کرکے لئے برابر کرنے کا حکم دیا تھا ، امام شافعی رہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے مطابق میں نے مکہ مکرمہ میں ائمہ کو قبروں پر بنائی گئی عمارتوں کے منہدم کرنے کا حکم دیتے ہوئے دیکھا ہے ——— (شرح مسلم نووی ص۳۱۲ ج۱)

اس سے معلوم ہوا ہو گا کہ حضرات اولیاء اللہ کے مزارات پر جو گنبد اور قبے بنے ہوئے ہیں وہ اکابر اس سے بالکل بری ہیں ۔ انھوں نے نہ اس فعل کو کبھی پسند فرمایا ، نہ اسکی اجازت دی ہے ۔ اور نہ اسکی وصیت فرمائی ہے ، اسکی ذمہ داری ان دنیا دار امراء و سلاطین پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مقدسہ کی مخالفت کرکے اس فعل شنیع کو روا رکھا ، اور اب تو لوگوں نے قبر کے پختہ ہونے اور اسپر شاندار روضہ تعمیر ہونے ہی کو ولایت کا معیار سمجھ لیا ہے ۔ ایسے بہت سے واقعات آپ کے علم میں ہونگے کہ کسی تاجر

قبر نے خواب یا الہام کا حال دیکر کسی جگہ جعلی قبر بنا ڈالی اور لوگوں نے اسکی پرستش شروع کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط بہر حال حنفی مذہب کی قریباً تمام معتبر کتابوں۔ شلاً عالمگیری، قاضی خان، بحر، درمختار، کبیری وغیرہ میں اس فعل کو ناجائز لکھا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی رہ فرماتے ہیں ؛

اما البناء فلم ار من اختار جواز ہٗ (ردّ المحتار ص۲۳۲ ج۱ طبع جدید مصر)

میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کے جواز کو اختیار کیا ہو۔

اور حضرت قاضی ثناء اللہ حنفی پانی پتی رہ فرماتے ہیں ؛

وآنچہ برقبور اولیاء عمارتہا ئے رفیع بنا می کنند، وچراغاں روشن کنند و ازیں قبیل ہرچہ می کنند حرام است۔ (مالا بدمنہ ص۹۴ مطبوعہ مجتبائی ۱۳۱۱ھ)

اور یہ جو اولیاء اللہ کی قبروں پر اونچی اونچی عمارتیں بناتے ہیں۔ چراغاں کرتے ہیں۔ اور اسی قسم کے اور کام جو کرتے ہیں، یہ سب حرام ہیں۔

قبروں پر غلاف چڑھانا :

قبروں پر غلاف چڑھانا بھی جائز نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ و تابعین اور ائمہ ہدیٰ کے مبارک زمانے میں کسی کی قبر پر چادر نہیں چڑھائی گئی۔ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں :

فی الاحکام عن الحجۃ : تکرہ الستور علی القبور۔

"الاحکام" میں "الحجۃ" سے نقل کیا ہے کہ قبروں پر چادر ڈالنا مکروہ ہے۔

(ردّ المحتار ص۲۳۲ ج۱)

قبروں پر چراغ جلانا :

قبر پر چراغ اور قندیل روشن کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ممانعت فرمائی ہے بلکہ ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

لعن رسول الله صلی الله علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیھا المساجد والسرج۔
(مشکوٰۃ شریف صلا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں پر جاتی ہیں۔ اور ان لوگوں پر جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں اور ان پر چراغ جلاتے ہیں۔

علامہ علی القاری حنفی اسکی شرح میں فرماتے ہیں:

والنھی عن اتخاذ السراج لما فیہ تضییع المال، لانہ لا نفع لاحد من السراج، ولانھا من آثار جھنم، واما للاحتراز عن تعظیم القبور کالنھی عن اتخاذ القبور مساجد (حاشیۂ مشکوٰۃ)

قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت یا تو اس لئے ہے کہ اس میں مال کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے، کیونکہ اس کا کسی کو نفع نہیں، اور اس لئے کہ آگ تو جہنم کے آثار میں سے ہے (اس کو قبروں سے دور رکھنا چاہیے) یا یہ ممانعت قبروں کی تعظیم سے بچانے کے لئے ہے جیسا کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت بھی اسی بناء پر ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی فرماتے ہیں:

"قبور اولیاء بلند کردن، وگنبد بران ساختن، وعرس وامثال آں وچراغاں کردن ہمہ بدعت است۔ بعضے از اں حرام است۔ وبعضے مکروہ، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بر شمع افروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگان را لعنت گفتہ۔ و فرمودہ کہ قبر مرا عید ومسجد نکنید ــ در مسجد سجدہ میکنند، وروز عید برائے مجمع روزے در سال مقرر کردہ شدہ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم علی رضی اللہ عنہ را فرستاد کہ قبور مشرفہ را برابر کنند، وہر جاکہ تصویر بینند اورا محو کنند"
(ارشاد الطالبین ص۲۰)

ترجمہ: "اولیاء اللہ کی قبروں کو اونچا کرنا، ان پر گنبد بنانا، ان کا

عرس وغیرہ کرنا، چراغ روشن کرنا، یہ ساری چیزیں بدعت ہیں۔ ان میں بعض حرام ہیں۔ اور بعض مکروہ۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر شمع جلانے والوں اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ میری قبر کو عید اور مسجد نہ بنالینا۔ مسجد میں سجدہ کیا کرتے ہیں، اور عید کا دن مجمع کے لئے سال میں ایک دن مقرر کیا گیا ہے ـــــ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس مقصد کے لئے بھیجا تھا کہ اونچی قبروں کو برابر کردیں۔ اور جہاں تصویر دیکھیں اُسے مٹا ڈالیں "

قبروں پر طواف اور سجدہ وغیرہ:

ناواقف لوگ قبروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ ان کا طواف کرتے ہیں، ان کے آستانے کو چومتے ہیں، یہ تمام افعال شرعاً ناجائز ہیں۔ اور ہمارے ائمہ اہل سنّت نے ان کے حرام وناجائز ہونے کی تصریح کی ہے۔ اس لئے کہ طواف، سجدہ، رکوع، ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا یہ سب عبادت کی شکلیں ہیں، اور ہماری شریعت نے قبروں کی ایسی تعظیم کی اجازت نہیں دی ہے کہ پوجا کی حد تک پہنچ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو معلوم تھا کہ پہلی اُمتیں اسی غلو سے گمراہ ہوئی ہیں۔ اس لئے آپ نے اپنی اُمّت کو ان افعال سے بچنے کی تاکید اور وصیّت فرمائی ہے، اُمّ المؤمنین عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے آخری ایّام میں فرماتے تھے،

لعن اللہ الیھود والنصارٰی	اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ
اتخذوا قبور انبیائھم	پر کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو
مساجد۔ (مشکوٰۃ شریف صلا۶۹)	سجدہ گاہ بنا لیا۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا کرتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ کی جگہ نہ بنانا میں

تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔ (حوالۂ بالا)

ایک اور حدیث میں ہے:

اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد۔ اشتد غضب اللہ علیٰ قوم اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد (مشکوٰۃ شریف ص۷۱)	اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا جس کو پوجا جائے۔ اللہ کا غضب سخت بڑھکتا ہے اس قوم پر جو اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنائے۔

قیس بن سعد صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حیرہ گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنا یہ خیال ظاہر کیا۔ آپ نے فرمایا:

أرأیت لو مررت بقبری اکنت تسجد لہ؟ فقلت لا، فقال لا تفعلوا لو کنت آمر احدًا ان یسجد لاحد لامرت النساء ان یسجدن لازواجھن لما جعل اللہ لھم علیھن من حق (مشکوٰۃ شریف ص۲۸۲)	دیکھو! اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرتے تو کیا اس کو سجدہ کرتے؟ میں نے عرض کیا ہرگز نہیں۔ فرمایا پھر (زندگی میں بھی) نہ کرو اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی مخلوق کو سجدہ کرے تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں، بوجہ اس حق کے جو اللہ تعالیٰ نے مردوں کا ان پر رکھا۔

ان احادیث طیبہ پر غور فرمائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے بارے میں قبر پرستی کا خطرہ کتنی شدت سے محسوس فرماتے ہیں اور پھر کس سختی کے ساتھ اس سے ممانعت فرماتے ہیں، جس قبر کو سجدہ کیا جائے اسے بت قرار دیکر سجدہ کرنیوالوں پر لعنت فرماتے ہیں اور اسے غضب خداوندی کے بھڑکنے کا سبب ٹھہراتے ہیں۔

ان احادیث کی بنا پر علمائے اہل سنت نے قبر پر سجدہ کرنے کو شرک جلی فرمایا

ہے۔ ملا علی قاری رح حدیث "لعن اللہ الیہود والنصارٰی" کی شرح میں فرماتے ہیں
"یہود و نصاریٰ کے ملعون ہونے کا سبب یا تو یہ تھا کہ وہ انبیاء کی تعظیم
کی خاطر ان کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے، اور یہ شرک جلی ہے ــــــ
یا اس لئے کہ وہ انبیاء کے مدفن میں اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھتے تھے۔ اور
نماز کی حالت میں قبروں کی طرف منہ کرتے اور ان پر سجدہ کرتے تھے،
ان کا خیال تھا کہ وہ بیک وقت دو نیک کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
کی عبادت بھی، اور انبیاء کرام کی تعظیم میں مبالغہ بھی۔ اور یہ شرک
خفی تھا۔ کیونکہ یہ فعل مخلوق کی ایسی تعظیم کو متضمن تھا جس کی اجازت
نہیں دی گئی ــــــ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت
کو اس سے منع فرمایا یا تو اس لئے کہ یہ فعل یہودیوں کی سنت کے
مشابہ ہے۔ یا اس لئے کہ اس میں شرک خفی پایا جاتا ہے" (حاشیہ مشکوٰۃ ص۶۹)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح "الفوز الکبیر" میں فرماتے ہیں:
"اگر تم مشرکین کے عقائد و اعمال کی پوری تصویر دیکھنا چاہو تو اس
زمانے کے عوام اور جہلاء کو دیکھو کہ وہ مزارات و آثار پر جاکر طرح
طرح کے شرک کا ارتکاب کس طرح کرتے ہیں۔ اس زمانے کی آفتوں
میں سے کوئی آفت نہیں جس میں اس زمانے میں کوئی نہ کوئی قوم مبتلا
نہیں۔ اور ان کے مثل اعتقاد نہیں رکھتی۔ خدا تعالیٰ ہمیں ایسے عقیدوں
اور عملوں سے بچائے ــــــ"

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح فرماتے ہیں:
"سجدہ کردن بسوئے قبور اولیاء و طواف گرد قبور کردن و دعا از
آنہا خواستن و نذر برائے آنہا قبول کردن حرام است، بلکہ چیزہا
ازاں بکفر میرساند۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بر آنہا لعنت گفتہ، و

ازاں منع فرمودند، وگفتہ کہ قبر مرا بُت نہ کنند" (مالابد منہ ص۹۵)

ترجمہ:۔ "اولیاء کی قبروں کو سجدہ کرنا، قبروں کے گرد طواف کرنا، ان سے دعاء مانگنا، ان کے لئے نذر قبول کرنا حرام ہے، بلکہ ان میں سے بہت سی چیزیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور ان سے منع کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ میری قبر کو بُت نہ بنا لینا"

اور ارشاد الطالبین (ص۱۸) میں فرماتے ہیں:

"وگرد قبور گردیدن جائز نیست، کہ طواف بیت اللہ حکم نماز دارد، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف البیت صلوٰۃ۔ طواف بیت اللہ حکم نماز دارد"

ترجمہ:۔ "اور قبروں کے گرد چکر لگانا جائز نہیں۔ کیونکہ بیت اللہ کا طواف نماز کا حکم رکھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیت اللہ کا طواف نماز ہے"

فتاویٰ عالمگیری ص۳۵۱ ج۵ میں ہے:

قال برھان الترجمانی لا نعرف وضع الید علی المقابر سنۃ ولا مستحسنا، ولا نری بہ بأسا، وقال عین الائمۃ الکرابیسی ھکذا وجدناہ من غیر نکیر من السلف، وقال شمس الائمۃ المکی بدعۃ۔ کذا فی القنیۃ۔ ولا یمسح القبر ولا یقبلہ، فان ذٰلک من عادۃ النصارٰی"

ترجمہ:۔ "برہان ترجمانی کہتے ہیں کہ ہم قبر پر ہاتھ رکھنے کو نہ سنت سمجھتے ہیں اور نہ اچھی بات۔ لیکن اگر کوئی ہاتھ لگائے تو گناہ نہیں سمجھتے۔ عین الائمہ کرابیسی فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کو سلف سے نکیر کے بغیر

ایسا ہی پایا ہے۔ اور شمس الائمہ مکی فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ (قنیہ)
اور قبر پر ہاتھ نہ پھیرے، اور نہ اس کو بوسہ دے، کیونکہ یہ عیسائیوں
کی عادت ہے "

اس فتوٰی کا خلاصہ یہ ہے کہ کبھی قبر پر ہاتھ رکھا جائے تو مضائقہ نہیں، جب
کہ اسے سنت یا اچھی بات نہ سمجھا جائے، لیکن اسپر ہاتھ پھیرنے کو باعث برکت
سمجھنا، اس کو چومنا اور بوسہ دینا "بدعت" ہے۔ یہ سلف صالحین کا طریقہ نہیں
تھا۔ بلکہ نصارٰی کا معمول ہے۔

قبروں پر منتیں اور چڑھاوے :

بہت سے لوگ نہ صرف اولیاء اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں، بلکہ انکی منتیں بھی
مانتے ہیں کہ اگر ان کا فلاں کام ہو جائے تو انکی قبر پر غلاف یا شرینی چڑھائینگے یا اتنی رقم
ان کی نذر کریں گے۔ اس سلسلہ میں چند مسائل معلوم کر لینا ضروری ہے۔

(۱) منت ماننا اور نذر و نیاز دینا عبادت ہے۔ اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں۔
ہمارے حنفیہ کی مشہور کتاب درمختار میں ہے :

"واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام
ومایؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا
الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربًا الیھم فھو بالاجماع
باطل وحرام۔ مالم یقصدوا صرفھا لفقراء الانام، وقد
ابتلی الناس بذالک، لاسیما فی ھذہ الاعصار وقد
بسطہ العلامۃ قاسم فی شرح درر البحار" (مختار قبیل باب الاعتکاف)

ترجمہ: "جاننا چاہیے کہ اکثر عوام کی طرف سے مُردوں کے نام کی جو
نذر مانی جاتی ہے، اور اولیائے کرام کی قبروں پر روپے پیسے، شمع
تیل وغیرہ ان کے تقرب کی خاطر جو لائے جاتے ہیں وہ بالاجماع

باطل اور حرام ہے۔ اور لوگ اس میں بکثرت مبتلا ہیں خصوصاً اس زمانے میں۔ اور اس مسئلہ کو علامہ قاسمؒ نے دُرر البحار کی شرح میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔"

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ایسی نذر کے باطل اور حرام ہونے کی کئی وجوہ ہیں" ایک یہ کہ یہ نذر مخلوق کے لئے ہے۔ اور مخلوق کے نام کی منت ماننا جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے۔ اور عبادت مخلوق کی نہیں ہوتی ـــــ دوم یہ کہ جس کے نام کی منت مانی گئی ہے وہ میت ہے۔ اور مُردہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا ـــــ سوم یہ کہ اگر نذر ماننے والے کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا مرا ہو شخص بھی تکوینی امور میں تصرف رکھتا ہے تو اس کا یہ عقیدہ کفر ہے ـــــ (ردّ المحتار ص۱۳۹)

اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں :

" عبادت مرغیر خدا را جائز نیست، ونہ مدد خواستن از غیر خدا ..... پس نذر کردن برائے اولیاء جائز نیست کہ نذر عبادت است" (ارشاد الطالبین ص۱۸)

ترجمہ :" عبادت غیر خدا کی جائز نہیں اور نہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہی جائز ہے ... پس اولیاء اللہ کے نام کی نذر ماننا جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے"

الغرض یہ مسئلہ ہماری بڑی بڑی سب کتابوں میں لکھا ہے کہ نذر عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں۔ اس لئے اولیاء اللہ کے مزارات پر منتیں ماننا اور چڑھاوے چڑھانا بالاجماع حرام اور باطل ہے۔

(۲) اگر کسی شخص نے ایسی نذر مان لی ہو تو اس کا پورا کرنا جائز نہیں۔ اگر پورا کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔ فتاویٰ عالمگیری، بحر الرائق اور دیگر فتاویٰ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ اگر کسی معصیت کی نذر مانی ہو تو وہ صحیح نہیں اور نہ اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۲۰۸ ج ۱) بلکہ اس سے توبہ کرنا لازم ہے۔ حضرت قاضی

ثناء اللہ پانی پتی رح فرماتے ہیں :

"واگر کسے نذر کرد وفاتے نذر نکند، کہ احتراز از معصیت بقدر امکان واجب است" (ارشاد الطالبین ص۱۳۱)

اور اگر کسی نے ایسی نذر مان لی ہو تو اسے پورا نہ کرے، کیونکہ جہاں تک ہو سکے گناہ سے پرہیز کرنا واجب ہے۔

مطلب یہ کہ ایسی نذر ماننا ہی گناہ تھا، اب اس کو پورا کرنا ایک مستقل گناہ ہوگا۔ اس لئے پہلے گناہ سے توبہ کرے، اور دوسرے گناہ کی حماقت نہ کرے۔

(۳) اگر کسی شخص نے ایسی نذر مانی اور اسے پورا بھی کر دیا تو وہ چیز غیر اللہ کے لئے نامزد ہونے کی وجہ سے حرام ہوگی، اور اس کا استعمال کسی شخص کے لئے بھی جائز نہیں ہوگا ــــــ البتہ جس شخص نے یہ چڑھاوا چڑھایا ہے جب تک وہ چیز اپنی اصل حالت میں موجود ہو وہ اپنی منّت سے توبہ کرکے اُسے واپس لے سکتا ہے۔ یہی حکم اس جانور کا ہے جو غیر اللہ کے لئے چڑھاوے کے طور پر نامزد کیا گیا ہو کہ جب تک وہ جانور زندہ ہے منّت ماننے والا اپنی منّت سے توبہ کرکے اس کو واپس لے سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ غیر اللہ کے نام ذبح کر دیا گیا، خواہ بوقت ذبح اس پر بسم اللہ پڑھی گئی ہو، اس کا کھانا حلال نہیں ہوگا۔ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ، مکتوبات شریفہ دفتر سوم، مکتوب ۴۱ میں تحریر فرماتے ہیں :

"حیوانات را از مشائخ می کنند و بر سر قبرہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات را ذبح می نمایند در روایات فقہیہ ایں امر را نیز داخل شرک ساختہ اند ودریں مبالغہ نمودہ وایں ذبح را از جنس ذبائح جنّ انگاشتہ اند کہ ممنوع شرعی است و داخل دائرہ شرک"

"جو جانور کہ بزرگوں کے نام پر دیتے ہیں، اور ان کی قبروں پر جاکر ان جانوروں کو ذبح کرتے ہیں۔ فقہی روایات میں اس امر کو بھی شرک میں داخل کیا ہے اور اس سے بچنے کی بہت ہی تاکید کی ہے، اور اس ذبح کو ان ذبیحوں کی جنس میں سے شمار کیا ہے جو جنّات کے نام

پر ذبح کئے جاتے ہیں اور جو شرعاً منع اور شرک کے دائرہ میں داخل ہیں۔"

(۴) اور اگر کسی شخص نے منت اللہ تعالیٰ کے لئے مانی ہو، اور محض اس بزرگ کی روح کو ایصالِ ثواب مقصود ہو، یا وہاں کے فقراء کو نفع پہنچانا مقصود ہو تو اس کو حرام اور شرک نہیں کہا جائے گا۔ مگر عوام اس مسئلہ میں اور اس سے پہلے مسئلہ میں کوئی تمیز نہیں کرتے، اس لئے اس سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح کی اوپر جو عبارت لکھی گئی ہے اس کے بعد فرماتے ہیں:

"ازیں عمل نیز اجتناب باید نمود کہ شائبہ شرک دارد۔ وجوہ نذر بسیار است۔ چہ در کار است کہ نذر ذبح حیوانے کنند وارتکاب ذبح آں نمایند و بذبح جن ملحق سازند و تشبہ بعبدۂ جن پیدا کنندہ" (مکتوب ۴۱ دفتر سوم)

"اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہیے کہ شرک کا شائبہ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے نام کی منت ماننے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، کیا ضروری ہے کہ حیوان کے ذبح ہی کی منت مانی جائے۔ اور اس کے ذبح کا ارتکاب کیا جائے۔ اور جنات کے نام ذبح کئے جانور کے ساتھ اس کو ملحق کیا جائے اور جنات کی پرستش کرنے والوں سے مشابہت کی جائے۔"

(۵) اگر کسی شخص نے یہ نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اللہ تعالیٰ کے نام پر اتنے روپے کی شیرینی یا اتنا کپڑا، یا اتنا غلہ ——— خواجہ بہاء الحق زکریا ملتانی کی خانقاہ کے فقیروں میں تقسیم کروں گا۔ اور اس کا ثواب حضرت خواجہ قدس سرہٗ کو پہنچاؤں گا تو اس کی نذر صحیح ہے۔ لیکن اگر اس کا وہ کام پورا ہو جائے تو ضروری نہیں ہے کہ انہی فقیروں پر یہ چیز تقسیم کرے جن کا اس نے نام لیا تھا۔ بلکہ اتنی شیرینی، اتنا غلہ، اتنا روپیہ وغیرہ خواہ کسی بھی فقیر کو دے دے اسکی نذر پوری ہو

جائے گی۔ اور اس کا ثواب حضرت خواجہ کو پورا ملے گا۔ اور اگر اس کا دل کسی اور فقیر کو دینے پر راضی نہیں ہوتا بلکہ حضرت خواجہ کی خانقاہ کے فقیروں کو دینا ہی ضروری سمجھتا ہے۔ اور اس کا خیال ہے کہ اس کے بغیر اسکی نذر پوری نہیں ہوگی تو اس سے ثابت ہوگا کہ یہ شخص دراصل اللہ تعالیٰ کی نذر نہیں مان رہا۔ بلکہ خود حضرت خواجہ کو چڑھاوا دینا چاہتا ہے۔ ورنہ اگر یہ نذر محض اللہ تعالیٰ کے نام پر ہوتی اور حضرت خواجہ کو محض ایصالِ ثواب مقصود ہوتا، اس نذر سے خود ان کا تقرب مقصود نہ ہوتا تو اس نذر کے پورا ہونے کا جو طریقہ ائمہ دین نے بتایا تھا اسپر اس کا دل ضرور راضی ہو جاتا ——— لہٰذا اس کا یہ کہنا کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی نذر مان رہا ہوں۔ غلط ثابت ہوجاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جو منتیں مانی جاتی ہیں اور جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں اگر ان سے محض ان بزرگوں کا تقرب مقصود ہو۔ اور یہ خیال ہو کہ ان نذروں کو قبول کر کے وہ ہمارا کام کر دیں گے، اور اگر ہم نے ان کے نام کی منت نہ دی تو وہ ہم سے ناراض ہو جائیں گے اور اس سے ہمارے کاروبار۔ جان و مال اور بیوی بچوں کو نقصان پہنچے گا تو جیسا کہ اوپر دُرِ مختار کی عبارت گذری ہے یہ بالاجماع حرام اور باطل ہے۔ اور اس کے شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور اگر ان بزرگوں کی منت نہیں مانی جاتی۔ بلکہ منت صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی مانی جاتی ہے اور ان بزرگوں کی ناراضی و رضامندی کا اس منت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کو صرف ثواب پہنچانا مقصود ہے تو یہ منت بلاشبہ صحیح ہے۔ مگر مشاہدہ بتاتا ہے کہ جو لوگ بزرگوں کے مزاروں پر چڑھاوے چڑھاتے اور منتیں مانتے ہیں، ان کی یہ نیت ہرگز نہیں ہوتی، بلکہ وہ یہ کہکر کہ "ہم خدا کی منت مان رہے ہیں۔ اور بزرگوں کو صرف ایصالِ ثواب مقصود ہوتا ہے" اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رح اسی مکتوب ۴۱ دفتر سوم میں آگے لکھتے ہیں:

"اسی (نذر لغیر اللہ) کی قسم سے عورتوں کے وہ روزے بھی ہیں جو وہ پیروں اور بیبیوں کی نیت سے رکھتی ہیں۔ اکثر ان کے نام اپنی طرف سے گھڑ کر ان کے نام پر اپنے روزوں کی نیت کرتی ہیں۔ اور افطار کے وقت ہر خاص روزہ کے لئے ایک مخصوص طریقہ مقرر کرتی ہیں اور ان روزوں کے لئے دنوں کا تعین بھی کرتی ہیں، اپنے مقاصد و مطالب کو ان روزوں کے ساتھ وابستہ کرتی ہیں۔ اور ان روزوں کے وسیلے سے ان پیروں اور بیبیوں سے اپنی مرادیں مانگتی ہیں اور اپنی مرادوں کا پورا ہونا انہی کی طرف سے سمجھتی ہیں۔ اور یہ عبادت میں شرک ہے۔ اور غیر اللہ کی عبادت کے وسیلے سے اس غیر اللہ سے اپنی مرادیں مانگنا ہے، اس فعل کی برائی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

جب اس فعل کی برائی ظاہر کی جائے تو بعض عورتیں جو کہا کرتی ہیں کہ "ہم یہ روزے خدا کے لئے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتی ہیں" یہ نرا بہانہ ہے۔ اگر یہ اس بات میں سچی ہیں تو ان روزوں کے لئے دنوں کا تعین کس لئے؟ اور افطار کے لئے خاص قسم کے کھانے تخصیص اور طرح طرح کی شکلوں کی تعیین کیسی؟"

(۶) اسی نذر کے سلسلہ میں ایک اہم ترین مسئلہ، جو اس باب میں فیصلہ کن ہے اور جس سے عوام ہی نہیں، بلکہ بہت سے پڑھے لکھے بھی غافل ہیں۔ یہ ہے کہ دراصل کسی کام کے ہونے نہ ہونے میں نذر اور منت کو قطعاً کوئی دخل نہیں۔ نہ اس سے قضا و قدر کے فیصلے تبدیل ہوتے ہیں۔ صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے:

"لا تنذروا، فان النذر لا یغنی من القدر شیئاً و انما یستخرج به من مال البخیل۔"	"منتیں نہ مانا کرو، کیونکہ منت، تقدیر کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتی اس کے ذریعہ سے تو بس بخیل کا مال نکالا

جاتا ہے"۔ (مشکوٰۃ شریف ص۲۹۷)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اسکی شرح میں فرماتے ہیں :

"منت ماننے کی ممانعت اس اعتقاد کی بناء پر ہے کہ وہ تقدیر کی کسی بات کو ٹال دیتی ہے۔ کیونکہ لوگوں کی عادت تھی کہ وہ اپنی حاجتوں کے پورا ہونے اور مصیبتوں کے دور ہونے کے لئے منتیں مانا کرتے تھے۔ اور یہ بخیل لوگوں کا وطیرہ ہے۔ اس لئے ان کو روکا گیا۔ لیکن سخی لوگ بغیر واسطۂ نذر کے باختیار خود صدقہ دیتے ہیں، پس اس غرض سے منت ماننے کی جو ممانعت فرمائی گئی۔ اس میں اس بات کی ترغیب ہے کہ منت تو مانی جائے مگر مخلصانہ طریقے پر"۔ —— (حاشیہ مشکوٰۃ)

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ صدقہ سے ردِّ بلا ہوتا ہے لیکن نذر ماننے میں ایک قسم کی سوداگری ہے کہ اگر یہ کام ہوا تو صدقہ دیں گے ورنہ نہیں —— بہرحال جو منت اللہ تعالیٰ کے نام پر مانی جائے اس سے بھی قضاء و قدر کے فیصلے تبدیل نہیں ہوتے، اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بزرگوں کے نام پر جو منتیں مانی جاتی ہیں ان سے خدا تعالیٰ کی تقدیر کیسے بدل سکتی ہے؟ لیکن ہوتا یہ ہے کہ منت ماننے کے بعد اگر کام نہ ہو تب تو لوگ تقدیر کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "بس قسمت میں یونہی لکھا تھا" اور اگر کام ہو گیا تو اس کو تقدیر کا کرشمہ نہیں سمجھتے بلکہ اس بزرگ کا تصرف سمجھتے ہیں کہ دیکھو ہم نے فلاں پیر کی منت مانی تھی، اس نے (نعوذ باللہ) یہ چیز ہم کو دیدی —— یہ ہے وہ جڑ جس سے فسادِ عقیدہ کی کونپلیں پھوٹتی ہیں، اور جس کے ذریعہ شیطان لوگوں کو خدا تعالیٰ سے ہٹا کر اس کے بندوں کا بھکاری بناتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا ارشاد میں اس جڑ پر تیشہ چلایا ہے کہ منت خدا کے نام کی مانی جائے وہ بھی اس کے قضاء و قدر کے فیصلوں کو نہیں بدلتی، چہ جائیکہ وہ منت [redacted] بندوں کے نام پر مانی جائے ——

قبروں پر پھول ڈالنا



سوال :

روزنامہ جنگ ۱۲ر دسمبر کی اشاعت میں آپ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ قبروں پر پھول چڑھانا خلافِ سنت ہے۔ ۱۹ر دسمبر کی اشاعت میں ایک صاحب شاہ تراب الحق قادری نے آپ کو جاہل اور علم کتاب وسنت سے بے بہرہ قرار دیتے ہوئے اس کو سنت لکھا ہے جس سے کافی لوگ تذبذب میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ براہِ کرم یہ خلجان دور کیا جائے۔

جواب :

شریعت کی اصطلاح میں "سنت" اس طریقہ کو کہتے ہیں جو دین میں ابتداء سے چلا آتا ہو۔ پس جو عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رہا ہو وہ سنت ہے۔ اسی طرح حضرات خلفائے راشدین اور صحابہ وتابعین (رضوان اللہ علیہم) نے جو عمل کیا ہو وہ بھی "سنت" ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

کسی عمل کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ یہ سنت ہے یا نہیں؟ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ دیکھ لیا جائے کہ آیا یہ عمل خیر القرون میں رائج تھا یا نہیں؟ جو عمل صدرِ اول (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین اور صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم کے بابرکت زمانوں) میں رائج رہا ہو وہ بلاشبہ سنت ہے۔ اور اس پر عمل کرنے والے "اہلِ سنت" یا "سنی" کہلانے کے مستحق ہیں۔ اس کے برعکس جو عمل کہ ان بابرکت زمانوں کے بعد ایجاد ہوا ہو اس کو بذاتِ خود مقصد اور کارِ ثواب سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔

اور جو لوگ اس پر عمل پیرا ہوں وہ اہل بدعت یا بدعتی کہلاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سیکڑوں لاڈلے صحابہ کرامؓ کو دفن کیا ماشاء اللہ مدینہ طیبہ ومطہرہ میں پھولوں کی کمی نہیں تھی۔ کیا آپ نے کسی قبر پر پھول چڑھائے؟ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کیا خلفائے راشدین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس پر پھول چڑھائے؟ کیا صحابہ کرامؓ نے حضرات خلفاء راشدین کی قبورِ طیبہ پر اور تابعینؒ نے کسی صحابی کی قبر پر پھول چڑھائے؟ ان تمام سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ اور پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، کسی خلیفۂ راشدؓ، کسی صحابیؓ یا کسی تابعیؒ نے قبروں پر پھول چڑھائے ہوں۔ پس جو عمل کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر کسی ادنیٰ تابعی تک سے ثابت نہ ہو اس کو "سُنّت" کون کہہ سکتا ہے؟ ہاں اگر کوئی صاحب کسی ایسے کام کو بھی "سنّت" سمجھا کرتے ہیں جو معمولِ نبویؐ اور صحابہؓ و تابعینؒ کے معمول کے خلاف ہو تو اس ناکارہ کو اعتراف ہے کہ وہ "سنّت" کی اس نئی اصطلاح سے ناواقف ہے۔

ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ایک چیز کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانوں میں وجود نہیں تھا، بلکہ بعد میں وجود میں آئی اور کسی امام مجتہد نے کسی اصل شرعی سے استنباط کر کے اسے جائز یا مستحسن قرار دیا، ایسی چیز کو سنت نبوی تو نہیں کہا جائے گا، مگر ائمۂ اجتہاد کا قیاس و استنباط بھی چونکہ ایک شرعی دلیل ہے اس لئے ایسی چیز کو خلاف شریعت بھی نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ اسے بھی ثابت بالسنۃ سمجھا جائے گا۔

زیر بحث مسئلہ میں یہ صورت بھی نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ اول تو پھول اور قبر ایسی چیزیں نہیں جو زمانہ خیر القرون کے بعد وجود میں آئی ہوں۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قبریں بھی تھیں، اور پھول بھی تھے۔ اور ان پھولوں کو قبروں پر آسانی سے ڈالا بھی جا سکتا تھا۔ اگر یہ کوئی مستحسن چیز ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قولاً یا فعلاً اس کو رواج دے سکتے تھے۔

پھر فقہ حنفی کی تدوین ہمارے امام اعظمؒ کے زمانے سے شروع ہوئی اور دوسری صدی سے لیکر دسویں صدی تک بلا مبالغہ ہزاروں فقہی کتابیں لکھی گئیں۔ ہمارے فقہاء نے کفن دفن اور قبر سے متعلق ادنیٰ ادنیٰ مستحبات اور سنن و آداب کو بڑی بڑی تفصیل سے قلمبند کیا ہے۔ لیکن دس صدیوں کا پورا فقہی لٹریچر اس سے خالی ہے کہ قبروں پر پھول چڑھانا بھی "سنت" ہے، اب اگر یہ عمل بھی سنت ہوتا تو دس صدیوں کے ائمہ احناف اس "سنت" سے کیوں غافل رہے؟ آخر یہ کیسی سنت ہے جس کا سراغ نہ زمانہ خیر القرون میں ملتا ہے، نہ ذخیرۂ حدیث میں، نہ دس صدیوں کے فقہی ذخیرہ میں۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کرتے ہیں۔ نہ خلفاء راشدین۔ نہ صحابہ و تابعین، نہ ائمہ مجتہدین، اور نہ دس صدیوں کے علماء۔

یہاں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ زمانہ مابعد کے متاخرین کے استحسان کو "سنت" تو کجا؟ جواز بھی ثابت نہیں ہوتا۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فتاویٰ غیاثیہ سے نقل کرتے ہیں:

قال الشیخ الامام الشہید رحمہ اللہ سبحانہ: لانأخذ باستحسان مشائخ بلخ۔ وانما نأخذ بقول اصحابنا المتقدمین رحمہم اللہ سبحانہ۔ لان التعامل فی بلدة لایدل علی الجواز وانما یدل علی الجواز مایکون من الصدر الاول لیکون ذلک دلیلاً علی تقریر النبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰة و	"شیخ امام شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم مشائخ بلخ کے استحسان کو نہیں لیتے ہم صرف اپنے متقدمین اصحابؒ کے قول کو لیتے ہیں، کیونکہ کسی علاقے میں کسی چیز کا رواج چل نکلنا اس کے جواز کی دلیل نہیں۔ جواز کی دلیل وہ تعامل ہے جو صدر اول سے چلا آتا ہے جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اس پر برقرار

السلام اياهم على ذلك فيكون	رکھا۔ اس صورت میں یہ آنحضرت
شرعاً عنه عليه وعلى آله	صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تشریع
الصلوٰة والسلام. واما	ہو گی۔ لیکن جب کہ ایسا نہ ہو تو لوگوں
اذا لم يكن كذلك لا يكون	کا فعل حجت نہیں، الّا یہ کہ تمام
فعلهم حجة. الّا اذا كان	ملکوں کے تمام انسان اس پر
ذلك من الناس كافة في	عمل پیرا ہوں تو یہ اجماع ہو گا۔
البلدان كلها. ليكون اجماعاً	اور اجماع حجت ہے۔ دیکھئے۔
والاجماع حجة. الا ترى	اگر لوگ شراب فروشی اور سود
انهم لو تعاملوا على بيع	پر عمل کرنے لگیں تو ان کے حلال
الخمر وعلى الربوا لا يفتى	ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔"
بالحل. (مکتوبات امام ربانی	* * * *
دفتر دوم مکتوب ۵۴)	* * * *

رہی وہ حدیث، جو شاہ صاحب نے پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاخ خرما کو دو حصوں میں چیر کر انہیں دو معذب اور مقہور قبروں پر گاڑ دیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ جب تک یہ خشک نہیں ہوں گی امید ہے کہ ان قبروں کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔ اس سلسلہ میں چند امور لائق توجہ ہیں۔

اوّل یہ کہ یہ واقعہ متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی روایت سے مروی ہے۔ امام نوویؒ اور قرطبیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ تمام روایات ایک ہی قصہ کی حکایت ہیں۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ کی رائے ہے کہ یہ تین الگ الگ واقعات ہیں۔ اس امر کی تنقیح اگرچہ بہت دشوار ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے یا متعدد واقعات۔ لیکن قدر مشترک سب روایات کا یہ ہے کہ قبروں پر شاخیں گاڑنا عام معمول نبویؐ نہیں تھا۔ بلکہ مقہور و معذب قبروں پر شاخیں گاڑنے کے ایک دو واقعے ضرور پیش آئے۔

دوم: اس میں بھی کلام ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں کی تھیں یا کافروں کی؟ ابو موسیٰ مدینیؒ کہتے ہیں کہ یہ کافروں کی قبریں تھیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ مسلمانوں کی قبریں تھیں۔ حافظؒ فرماتے ہیں کہ حدیث جابرؓ میں بظاہر کافروں کی قبروں کا واقعہ ہے اور حدیث ابن عباسؓ میں مسلمانوں کی قبروں کا۔ (فتح الباری ج۱ ص ۲۵۶)۔

یہ قبریں کافروں کی ہوں یا مسلمانوں کی؟ اتنی بات واضح ہے اور حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ شاخیں گاڑنے کا عمل ان قبروں پر کیا گیا جن کا مقہور و معذب ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی قطعی یا کشف صحیح سے معلوم ہوگیا۔ عام مسلمانوں کی قبروں پر نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاخیں گاڑیں۔ اور نہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے زمانے میں رواج عام ہوا۔ جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ قبر پر شاخ گاڑنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ عامہ اور سنّتِ مقصودہ نہیں تھی۔

سوم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی کہ "امید ہے کہ جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں ان قبروں کے عذاب میں تخفیف رہے گی" شارحین نے اس کی توجیہ و تعلیل میں کلام کیا ہے۔ مناسب ہے کہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شرح مشکوٰۃ سے اس مقام کی تشریح بلفظہٖ نقل کردی جائے۔ شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

"اس حدیث کی توجیہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ ان شاخوں کے تر رہنے تک تخفیفِ عذاب کی امید جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرمائی اس کی بنیاد کس چیز پر ہے؟

بعض لوگ اس پر ہیں کہ اس کی بنا اس پر ہے کہ نباتات جب تک تر و تازہ رہیں حق تعالیٰ کی تسبیح کہتی ہیں، اور آیت کریمہ: "اور نہیں کوئی چیز مگر تسبیح کہتی ہے اپنے رب کی حمد کے ساتھ" میں شیئ سے زندہ شیئ مراد ہے۔ اور لکڑی کی زندگی اسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ خشک نہ ہو۔ اور پتھر کی حیات اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ ٹوٹ نہ جائے۔ یا خاص تسبیح زندہ کے

ساتھ مخصوص ہے۔ اور جو تسبیح کہ ہر چیز کو عام ہے وہ اس کا وجود صانع پر اور اس کی وحدت اور صفات کمال پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ جماعت اس حدیث سے قبروں پر سبزہ اور پھول ڈالنے میں استدلال کرتی ہے۔

اور امام خطابیؒ نے، جو ائمۂ اہل علم اور قدوۂ شراح حدیث میں سے ہیں، اس قول کو ردّ کیا ہے۔ اور اس حدیث سے تمسک کرتے ہوئے قبروں پر سبزہ اور پھول ڈالنے سے انکار کیا ہے۔ اور فرمایا کہ یہ بات کوئی اصل نہیں رکھتی۔ اور صدر اول میں نہیں تھی۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اس تحدید و توقیت کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تخفیف عذاب کی شفاعت فرمائی تھی پس آپؐ کی شفاعت شاخ کے خشک ہونے تک کی مدت کے لیے قبول کرلی گئی۔ اور ارشاد نبوی "لَعَلَّ" کا لفظ اسی طرف ناظر ہے۔ واللہ اعلم (اور صحیح مسلم ص۴۱۸ ج۲ میں بروایت جابرؓ اس پر تصریح نبویؐ موجود ہے ـــ ناقل)

اور علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ شاخ کے اندر دفع عذاب کی کوئی خاصیت نہیں، بلکہ یہ عذاب میں تخفیف سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت و کرامت تھی۔

اگر تو دست بسائی بگور مردہ دلاں
رواں مردہ در آید بعیش در بدنش

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا علم نبوت کے سپرد ہے کہ اس میں کیا راز ہوگا۔ اور جامع الاصول میں بریدہ صحابی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے وصیت فرمائی کہ دو شاخیں ان کی قبر میں گاڑ دی جائیں، تاکہ ممکن ہے کہ اس میں کوئی راز ہو اور وہ سبب نجات ہو جائے۔

مصرعہ دل عشاق حیلہ گر باشد

(اشعۃ اللمعات ج۱ ص۲۰۰)

شیخ کی اس تقریر سے واضح ہوجاتا ہے کہ محققین اس کے قائل ہیں کہ تخفیف عذاب کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت یا آپؐ کے دست مبارک کی برکت وکرامت تھی۔ ورنہ شاخ میں دفع عذاب کی کوئی خاصیت نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے شاخ تر کے تسبیح پڑھنے کو دفع عذاب کی علت قرار دیا اور پھر اس کو عام سبزہ وگل کی طرف متعدی کیا، ان کو اجتہاد واستنباط کا کوئی مقام حاصل نہیں۔ نہ ان کا یہ قول اہل علم کی نظر میں کوئی قیمت رکھتا ہے۔ بلکہ "ائمۂ اہل علم اور قدوۂ شراح حدیث" نے ان کے اس تعلّل کو یہ کہہ کر رد کردیا ہے:

" ایں سخن اصلے ندارد ۔ و در صدر اول نبود "

کہ یہ بالکل بے اصل بات ہے اور صدر اول ـــ خیرالقرون ـــ کے معمول کے خلاف ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مشکوٰۃ کی عربی شرح "لمعات التنقیح" میں مشہور حنفی فقیہ ومحدث اور عارف امام فضل اللہ تورپشتیؒ سے نقل کرتے ہیں:

" تورپشتی کہتے ہیں کہ اس تحدید کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شاخوں کے تر رہنے کی مدت تک ان قبروں سے تخفیف عذاب کی شفاعت فرمائی تھی۔

رہا ان لوگوں کا قول جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تر شاخ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتی ہے جب تک کہ اس میں تری باقی ہے، پس وہ عذاب قبر سے بچانے والی ہوگی۔ تو یہ قول بالکل بے مقصد اور لاطائل ہے۔ اور اہل علم کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں۔"

(لمعات ج ۲ ص ۴۴)

حضرت شیخؒ کی تشریح سے واضح ہوجاتا ہے کہ جن مجہول الاسم والرسم لوگوں نے اس حدیث سے قبروں پر سبزہ وگل ڈالنے کا استنباط کیا ہے ائمۂ اسلام نے ان کے قول کو بے اصل، بے معنی، غیر معتبر اور صدر اول کے خلاف بدعت قرار دیا ہے۔ اگر ان کے قول میں پرِ پشہ

کے برابر بھی وزن ہوتا تو ممکن نہیں تھا کہ صحابہؓ وتابعینؒ اور ائمۂ مجتہدینؒ اس سے محروم رہتے۔

چہارم : اور اگر ان حضرات کی تعلیل کو — جو اہلِ علم کے نزدیک بے اصل، لاطائل اور غیر معتبر ہے — علیٰ سبیل التنزّل تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی اس سے قبر پر شاخوں کا گاڑنا سنّت قرار پاتا ہے۔ نہ کہ قبروں پر پھول بکھیرنا، یا پھولوں کی چادریں چڑھانا۔ چنانچہ علامہ عینیؒ، جو اس تعلیل کو قبول کرتے ہیں، فرماتے ہیں :-

وکذلک ما یفعله اکثر الناس	" اور اسی طرح جو فعل کہ اکثر لوگ
من وضع ما فیه رطوبة من	کرتے ہیں۔ یعنی سبزہ و گل وغیرہ
الریاحین والبقول ونحوها	رطوبت والی چیزوں کا قبروں پر ڈالنا۔
علی القبور لیس بشیء وانما	یہ کوئی چیز نہیں۔ سنّت ہے تو صرف
السنة الغرض۔	شاخ کا گاڑنا۔"

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۸۷۹)

پنجم : نیز اگر ان حضرات کے اس تعلّل کو قبول بھی کر لیا جائے تو اس سے کافروں اور فساق و فجار کی قبروں پر شاخ گاڑنے کا جواز ثابت ہوگا۔ نہ کہ اولیاء اللہ کی قبور طیبہ پر۔ جیسا کہ پہلے تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معذّب و مقہور قبروں کے سوا کسی قبر پر شاخ نہیں گاڑی۔ نہ اس کی ترغیب دی۔ اور نہ صحابہؓ وتابعینؒ نے اس پر عمل کیا۔ پس اس تعلّل سے صالحین اور مقبولان الٰہی کی قبروں پر پھول ڈالنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ اسے سُنّت یا مستحب کہا جائے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاملہ کافروں اور گنہگاروں کی قبروں کے ساتھ فرمایا وہ اولیاء اللہ کی قبور سے روا رکھا جاتا ہے۔

شارع علیہ السلام نے عام مسلمانوں کی قبروں پر شاخ گاڑنے کی جو سنّت جاری نہیں فرمائی شاید واللہ اعلم اس میں یہ حکمت بھی ملحوظ ہو کہ ایسی شاخوں کا گاڑنا قبر کے معذّب و مقہور ہونے کی بدشگونی ہے۔ اور شریعت ایسے کسی امر کو پسند نہیں کرتی جس میں کسی مسلمان

کے بارے میں سوءِ ظن یا بدشگونی کا پہلو پایا جائے ۔ اس لئے اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے اولیاء اللہ کی قبور پر پھول ڈالنا بے ادبی ہے ۔

دراصل آج جو مزارات پر پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں وہ اس حدیث کی تعمیل کے لئے نہیں ۔ بلکہ قبور کی تعظیم اور اہل قبور کے تقرب کے لئے ہیں ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی تعظیم اور اہل قبور سے تقرب کے لئے پھول چڑھانے کی ہرگز اجازت نہیں دی ۔ اور نہ اس حدیث میں دور دور تک ایسی اجازت کا کوئی سراغ ملتا ہے ۔ چنانچہ تعظیم کی خاطر اولیاء اللہ کے مزارات یا قومی لیڈروں کی قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانے کی جو رسم ہمارے زمانہ میں رائج ہے متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا ۔ اس لئے اس کے بدعتِ سیئہ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ۔ یہ یہود و نصاریٰ اور ہنود کی رسم ہے جو مسلمانوں میں در آئی ہے ۔ بدعت کی خاصیت یہ ہے کہ جب وہ عام اور شائع ہوجاتی ہے تو رفتہ رفتہ علماء کے ذہن و دماغ بھی اس سے متأثر ہوجاتے ہیں ۔ اور بدعت کی شناعت و قباحت ان کے ذہن سے محو ہوجاتی ہے ۔ اس لئے بعض علمائے زمانہ کھینچ تان کر کسی نہ کسی طرح اس کے جواز بلکہ استحسان کی کوئی نہ کوئی سبیل نکالنا چاہتے ہیں ۔ اس طرح وہ بجائے احیائے سنّت کے بدعت کی ترویج و اشاعت میں ممد و معاون بن جاتے ہیں ۔

حدیث جریدہ کی اس مختصر تشریح کے بعد اب جناب شاہ تراب الحق صاحب کے نقل کردہ حوالوں کو لیتا ہوں ۔

ان میں سے پہلا حوالہ تو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی اشعۃ اللمعات کا ہے ۔ اس کا پورا متن اوپر نقل کرچکا ہوں ۔ اسے پڑھ کر معمولی عقل و فہم کا آدمی بھی یہ معلوم کرسکتا ہے کہ حضرت شیخؒ قبروں پر پھول ڈالنے کا جواز نقل کررہے ہیں ۔ یا اس کو "بے اصل بدعت" فرمارہے ہیں ۔ اور جن لوگوں نے یہ جواز ناروا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حضرت شیخؒ ان کے قول کی تصدیق فرمارہے ہیں یا ان کے قول کو لایعبأ بہ اور بے قیمت و غیر معتبر فرمارہے ہیں ۔

شاہ صاحب نے دوسرا حوالہ یہ نقل کیا ہے کہ :

"ملا علی قاری نے مرقات میں اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ مزاروں پر پھول ڈالنا سنت ہے۔"

شیخ علی قاریؒ نے اس حدیث کے ذیل میں پہلے تو امام نوویؒ کا طویل اقتباس نقل کیا ہے، جس کا ایک فقرہ یہ ہے:

"یہ جو لوگ اس حدیث سے تمسک کرتے ہوئے قبروں پر کھجور وغیرہ کے پتے ڈالتے ہیں امام خطابیؒ نے اس پر نکیر کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔"

شیخ علی قاریؒ اس فقرہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"لیکن خطابیؒ کا انکار کرنا اور یہ کہنا کہ اس کی کوئی اصل نہیں تو اس میں واضح بحث ہے۔ کیونکہ یہ حدیث اس کے لئے اصل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ ابن حجرؒ نے اس بحث کی تصریح کی ہے۔ اور کہا ہے "خطابی کا یہ کہنا کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔ ممنوع ہے۔ بلکہ یہ حدیث اس کی اصل اصیل ہے۔ اسی بنا پر ہمارے متاخرین اصحاب میں سے بعض ائمہ نے فتویٰ دیا ہے کہ پھول اور شاخیں رکھنے کی جو عادت ہوگئی ہے یہ اس حدیث کی بنا پر سنت ہے۔"

ابن حجرؒ کا یہ قول نقل کر کے شیخ علی قاریؒ لکھتے ہیں:

"شاید خطابی کے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث ایک واقعہ حال خاص ہے۔ عموم کا فائدہ نہیں دیتا۔ اسی لئے اس کی گذشتہ توجیہات کی گئی ہیں۔ سوچ لو، کہ یہ بات محل نظر ہے"۔ (مرقاۃ ص ۳۵۱ ج ۱ مطبوعہ ملتان)

شیخ علی قاریؒ کے اس کلام سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوئے:

۱۔ پھول ڈالنے کو انہوں نے سنت نہیں کہا۔ بلکہ ابن حجر شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ بعض متاخرین شافعیہ نے اس کا فتویٰ دیا ہے۔

۲۔ شیخ علی قاریؒ کو ائمہ احناف میں سے کسی کا قول نہیں مل سکا کہ یہ فعل سنت ہو،

نہ متقدمین کا اور نہ متأخرین حنفیہ کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ائمہ نے یہ فتویٰ نہیں دیا۔

۳۔ ابن حجر نے جن متأخرین شافعیہ کا فتویٰ نقل کیا ہے نہ وہ مجتہد ہیں۔ اور نہ امام خطابیؒ اور امام نوویؒ کے مقابلہ میں ان کا قول کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ائمہ شافعیہ میں خطابی اور نووی کا علم و فضل، ورع و تقویٰ اور حدیث و فقہ میں جو مقام ہے ان متأخرین شافعیہ کی ان کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں۔

۴۔ شیخ علی قاریؒ خطابیؒ کے قول کی توجیہ صحیح کرتے ہیں۔ اور اس مسئلہ کو محل نظر بتاتے ہیں۔ انہوں نے اس پر جو کچھ لکھا ہے وہ بطور فتویٰ نہیں۔ بلکہ بطور بحث ہے۔ ان تمام امور کو نظر انداز کر کے کہہ دینا کہ ملا علی قاریؒ نے مرقات میں مزارات پر پھول چڑھانے کو سنت کہا ہے، علمی ثقاہت کے خلاف ہے۔

تیسرا حوالہ طحطاوی کے حاشیۂ مراقی الفلاح کا دیا ہے کہ:

"ہمارے بعض متأخرین اصحاب نے اس حدیث کی رُوح سے فتویٰ دیا کہ خوشبو اور پھول قبر پر چڑھانے کی جو عادت ہے۔ وہ سنت ہے۔"

غالباً شاہ صاحب نے طحطاوی کا حاشیہ بچشم خود ملاحظہ نہیں فرمایا۔ ورنہ انہیں نظر آتا کہ یہ طحطاوی کی اپنی عبارت نہیں۔ بلکہ یہ بات انہوں نے ملا علی قاریؒ کی شرح مشکوٰۃ کے حوالے سے نقل کی ہے۔ اور شرح مشکوٰۃ میں (جس کا حوالہ اوپر گذر چکا ہے) ہمارے فقہائے حنفیہ کا فتویٰ نقل نہیں کیا۔ بلکہ ابن حجر شافعی کا حوالہ نقل کیا ہے۔ جس پر اوپر بحث ہو چکی ہے۔ شاہ صاحب کے حوالے میں یہ افسوسناک غلطی ہوئی ہے کہ متأخرین شافعیہ کے قول کو "ہمارے متأخرین اصحاب کا حدیث کی رُوح سے فتویٰ" بنا دیا گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

شاہ صاحب نے ایک حوالہ علامہ شامی کا نقل کیا ہے کہ: "انہوں نے اسے مستحب کہا ہے۔"

یہاں بھی نقل میں افسوسناک تساہل پسندی سے کام لیا گیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ علامہ شامی نے بحر، درر اور شرح منیہ کے حوالے سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے کہ قبر سے [illegible] سے

ترگھاس اور سبزہ کا اکھاڑنا مکروہ ہے۔ اور " امداد " سے اس کی تعلیل نقل کی ہے کہ وہ جب تک تر رہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتا ہے پس میت اس سے انس حاصل کرتا ہے اور اس کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ اس کی دلیل میں حدیث جریدہ نقل کر کے علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

" اس مسئلہ سے اور اس حدیث سے قبر پر شاخ رکھنے کا استحباب اخذ کیا جاتا ہے بطور اتباع کے۔ اور اس پر قیاس کیا جاتا ہے آس کی شاخیں وغیرہ رکھنے کو، جس کی ہمارے زمانہ میں عادت ہوگئی ہے۔ اور شافعیہ کی ایک جماعت نے اس کی تصریح بھی کی ہے۔ اور یہ اولیٰ ہے بہ نسبت بعض مالکیہ کے قول کے کہ قبروں کے عذاب کی تخفیف بہ برکتِ دستِ نبویؐ یا آپؐ کی دعا سے ہوئی تھی۔ اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔"

علامہ شامیؒ کی اس عبارت میں پھول ڈالنے کا استحباب ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ یہ ذکر کیا ہے کہ اس سے بطور اتباع نبویؐ شاخ گاڑنے کا استحباب اخذ کیا جاتا ہے۔ اور اس کی علت وہی ذکر کی ہے جو امام تورپشتیؒ کے ارشاد کے مطابق قطعاً لاطائل اور " اہل علم کے نزدیک غیر معتبر " ہے۔ اور اس بے مقصد اور غیر معتبر تعلیل پر قیاس کرنا کس قدر بے مقصد اور غیر معتبر ہوگا اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ اور علامہ شامیؒ کا یہ کہنا کہ یہ تعلیل بعض مالکیہ کے قول سے اولیٰ ہے کہ یہ تخفیفِ عذاب شاخ کھجور کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی برکت اور آپؐ کی دعا و شفاعت کی کرامت تھی۔ قول تو اس قول کو بعض مالکیہ کی طرف منسوب کرنا بہت عجیب ہے۔ آپ سن چکے ہیں کہ ائمہ شافعیہ میں خطابیؒ، مازریؒ، نوویؒ اور بعض دوسرے حضرات اسی کے قائل ہیں۔ اور ہمارے ائمہ احناف میں امام تورپشتیؒ نے اس کو صاف صاف اہل علم کا قول کہا ہے۔ اور اس کے مقابل قول کو " لاطائل تحتہ وغیر معتبر عند اہل العلم " فرمایا ہے۔ امام تورپشتیؒ کے ارشاد سے معلوم ہوجاتا ہے کہ مذاہب اربعہ کے اہل علم اس تعلیل کو (جسے علامہ شامی اولیٰ کہہ رہے

ہیں) غیر معتبر اور بے مغز سمجھنے پر متفق ہیں۔

علاوہ ازیں جس قول کو علامہ شامیؒ ــــ بعض مالکیہ کی طرف منسوب کرکے ــــ غیر اولیٰ کہہ رہے ہیں اور جس کے مقابلہ میں ایک "غیر معتبر عند اہل العلم" توجیہ کو اَولیٰ کہہ رہے ہیں اس کی تصریح حدیث جابرؓ میں صراحۃً لسان نبوت سے منقول ہے۔

فاحببت بشفاعتی ان یرفعہ	"پس میں نے چاہا کہ میری شفاعت
ذلك عنهما مادام الغصنان	کی بدولت ان کے عذاب میں تخفیف
رطبین۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۸)	ہو جب تک کہ شاخیں تر رہیں۔"

اس لئے تسبیح جریدہ کی تعلیل بمقابلہ نص کے سرے سے مردود ہے۔ نہ کہ اولیٰ ــ کتنی عجیب بات ہے کہ فرمودۂ نبویؐ کو غیر اولیٰ کہا جائے۔ اور اس کے مقابلہ میں بعض لوگوں کے بے مغز تعلل کو اولیٰ کہہ کر اس پر قیاسی تفریعات بٹھائی جائیں۔

اور اگر بالفرض یہ بات حدیث میں منقول نہ ہوتی۔ بلکہ بعض مالکیہ ہی نے کہی ہوتی تب بھی عشاقِ رسولؐ کے لئے یہ بات کس قدر اذیت ناک ہے کہ تسبیح جریدہ کی تعلیل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی برکت اور آپؐ کی شفاعت کی کرامت سے اَولیٰ کہا جائے۔

الغرض علامہ شامیؒ نے اوّل تو قبروں پر پھول ڈالنے کو مستحب نہیں کہا۔ بلکہ شاخ گاڑنے کا استحباب اخذ فرمایا ہے۔ اور پھر یہ استحباب بھی اس لاطائل اور بے مغز تعلل پر مبنی ہے جسے اہل علم غیر معتبر کہہ کر رد کر چکے ہیں۔

شاہصاحب نے ایک حوالہ شیخ عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ کی کشف النور سے نقل کیا ہے۔ یہ رسالہ اس ناکارہ کی نظر سے نہیں گذرا تاکہ اس کے سیاق و سباق پر غور کیا جاتا۔ مگر اتنی بات واضح ہے کہ علامہ شامیؒ ہوں یا شیخ عبدالغنی نابلسیؒ یہ سب کے سب ہماری طرح امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ اور مقلد کا کام صاحب مذہب اور ائمہ مجتہدین کی نقل کی اتباع کرنا ہے۔ تقلید خود رائی کا نام نہیں ہے۔ علامہ شامیؒ نے شیخ عبدالغنی نابلسیؒ نے یا کسی اور بزرگ نے اگر ہمارے ائمہ متبوعین سے کوئی نقل پیش کی ہے تو سر آنکھوں پر۔

ورنہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے الفاظ میں یہی عرض کر سکتا ہوں :

انجا قول امام ابی حنیفہ و امام ابی یوسف و امام محمد معتبر است ۔ نہ عمل ابی بکر شبلی ، و ابی حسن نوری ۔	" یہاں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے ۔ نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابو الحسن نوری کا عمل "

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۶۵)

جناب شاہ صاحب قبلہ نے اس ہیچمدان کے بارے میں جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں ان کے بارے میں یہی عرض کر سکتا ہوں کہ

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

لیکن ان سے بہ ادب عرض کروں گا کہ جہال اور عوام کی اختراع کردہ رسموں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہ بنائیں ۔ (فداہ ابی و امی و روحی صلی اللہ علیہ وسلم)

آج اولیاء اللہ کے مزارات پر جو کچھ ہو رہا ہے ۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ۔ نہ خیر القرون میں اس کا وجود تھا ۔ بلکہ یہ شر القرون کی پیداوار ہے ۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے بقول :

بسا اعمال و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف از منکرات بودہ اند آخر زمان از مستحبات گشتہ ۔ و اگر جہال و عوام چیزے کنند یقین کہ ارواح بزرگان ازاں راضی نخواہد بود ۔ و ساحت کمال و دیانت و نورانیت ایشاں منزہ است ازاں ۔	" بہت اعمال و افعال اور طریقے جو سلف صالحین کے زمانہ میں مکروہ و ناپسندیدہ تھے وہ آخری زمانہ میں مستحسن ہو گئے ہیں ۔ اور اگر جہال و عوام کوئی کام کرتے ہیں تو یقین رکھنا چاہیئے کہ بزرگوں کی ارواح طیبہ اس سے خوش نہیں ہوں گی ۔

(شرح سفر السعادہ ص ۲۷۲) اور ان کے کمال و دیانت اور نورانیت

÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ کی بارگاہ ان سے پاک اور منزہ ہے"۔

افسوس ہے کہ شاہ صاحب انہی جہّال و عوام کی اختراع کردہ رسوم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ جن کا کوئی وجود نہ زمانۂ سلف میں تھا۔ اور نہ ہمارے دس صدیوں کے فقہی لٹریچر میں۔ کیونکہ شاہ صاحب کو اطمینان ہے کہ جہّال و عوام کے غوغا کے سامنے کس کو مجال ہو سکتی ہے کہ ان مخترعہ رسوم کے بارے میں لب کشائی کرے۔ حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ نے صحیح لکھا ہے:

تا از بدعت حسنہ در رنگ بدعت سیّئہ احتراز نماید بوئے ایں دولت بمشام جان او نرسد۔ و ایں معنی امروز متعسر است کہ عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است۔ و ظلمات بدعت آرام گفتہ۔ کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند۔ و بہ احیائے سنّت لب کشاید۔ اکثر علماء ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند۔ و محو کنندہائے سنّت۔ بدعتہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ۔ بجواز بلکہ باستحسانِ آن فتوی میدہند و مردم را ببدعت دلالت مینمایند۔ (دفتر دوم مکتوب ۵۴)

"جب تک آدمی بدعت حسنہ سے بھی، بدعت سیّئہ کی طرح احتراز نہ کرے اس دولت (اتباع سنّت) کی بو بھی اس کے مشام جان تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور یہ بات آج بہت ہی دشوار ہے۔ کیونکہ جہان دریائے بدعت میں غرق ہو چکا ہے۔ اور بدعت کی تاریکیوں میں آرام پکڑے ہوئے ہے کس کی مجال ہے کہ کسی بدعت کے اٹھانے میں دم مارے۔ اور سنّت کو زندہ کرنے میں لب کشائی کرے۔ اس وقت کے اکثر علماء بدعت کو رواج دینے والے اور سنّت کو مٹانے والے ہیں۔ جو بدعات پھیل جاتی ہیں تو مخلوق کا تعامل جان کر ان کے جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دے ڈالتے ہیں اور بدعت کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں"۔

اولیاء کے نام کی نذر ماننا

نذر کا بیان

نذر لغوی :۔ اپنے نفس پر غیر لازم چیز کو لازم کرنا۔ انذار کے معنی آگاہ کرنا علم دنیا (قاموس) عموماً خطرہ کے موقع میں استعمال ہوتا ہے۔

نذر شرعی :۔ کسی نیک کام کو خداوند تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے، یا اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ پر لازم کرلینا۔

پہلا نذر مطلق ہے۔ دوسرا معلق بشرطیکہ جو منت مانی ہے وہ کام شریعت میں فرض واجب بھی ہو مثلاً نماز، روزہ، حج، خیرات، قربانی وغیرہ۔ کیونکہ نماز کی قسم میں پانچ نمازیں شریعت میں فرض موجود ہیں۔ اسی طرح روزہ بھی رمضان کا فرض ہے تو روزہ کی منت بھی صحیح ہوئی۔ خیرات حج قربانی وغیرہ سب کی منت صحیح ہے کیونکہ یہ سب چیزیں منت کے علاوہ بھی شریعت میں فرض یا واجب کا درجہ رکھتی ہیں۔ لیکن بیمار پرسی کی منت صحیح نہیں کیونکہ بیمار پرسی شریعت میں فرض واجب نہیں ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس چیز کی منت مانی ہے وہ عبادت

چونکہ آپ نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کو عزت کی نظر سے دیکھا ہے اور ہیں بھی

مقصودہ ہو وسیلہ نہ ہو، مثلاً وضو نماز کا وسیلہ ہے اس لئے اس کی منت لازم نہیں ہوتی۔ تیسری شرط یہ ہے کہ منت اس چیز کی ہو جو فی الحال یا آئندہ اس پر فرض نہ ہو، چوتھی شرط یہ ہے کہ جس بات کی منت کی ہے وہ گناہ کی بات نہ

ہو ورنہ نذر لازم نہ ہوگی (فتاوی عالمگیری وغیرہ)

نذر مطلق:۔ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے شوق سے اپنے آپ پر بشرائط مذکورہ کوئی عبادت لازم کرے مثلاً اتنے روزے رضاءِ الٰہی کے لئے ضرور رکھوں گا۔ یا اتنی رکعت نماز۔ یا اتنی خیرات وغیرہ۔

نذر معلق:۔ یہ ہے، یا اللہ! اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اتنی رکعت نماز یا روزہ، یا اتنے مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا۔ یا فلاں گلی محلہ۔ یا فلاں مزار پر رہنے والے مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا۔ اگر وہاں مسکین لوگ رہتے ہوں تو کھانا کھلانا جائز ہے۔ مگر یاد رہے کہ اس میں شرط یہ ہے کہ اس بزرگ کو خوش کرنا، یا اس سے فائدہ حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔ بلکہ بزرگ کا ذکر مسکینوں کی پہچان کے لئے ہو جیسے فلاں محلہ کے مسکین۔ فلاں مسجد کے درویش وغیرہ۔ اسی طرح فلاں مزار کے درویش کہدیا اگر بزرگ کو خوش کرنا اور اس سے تقرب مقصود ہو تو باطل، حرام اور شرک ہے۔

نذر عرفی:۔ یہ مولوی محمد عبداللہ صاحب کے لفظوں میں اس طرح ہے کہ :۔
"اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو غوث کے نام کی دیگ دوں گا"۔ یہ حرام ہے اور ناجائز تفصیل آگے دیکھئے حنفی فقہ کی معتبر کتابوں کے حوالے غور سے پڑھئے۔

نذر کا فائدہ کیا ہے

عن ابی ھریرۃ وابن عمر قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تنذروا فان النذر لا یغنی من القدر شیئاً و انما یستخرج بہ من مال البخیل (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا. منت نہ مانا کرو کیونکہ منت تقدیر سے نہیں بچا سکتی یعنی تقدیر کو بدل نہیں سکتی اور اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ منت کے ذریعہ سے کنجوس کے ہاتھ سے کچھ مال نکل جاتا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ منت تقدیر کو بدل سکتی ہے، اس خیال کی تردید میں فرمایا، اس خیال سے منت نہ مانو کہ منت سے تقدیر ٹل جاتی ہے۔ خدا کی تقدیر کو خدا کے نام کی منت بھی نہیں بدل سکتی. سخی تو ہر حال میں مال خرچ کرتا ہے اور کنجوس کی یہ حالت ہے کہ جب مصیبت نے اس کی گردن کو آدبوچا تو لگا منت ماننے پھر اگر خدا کی تقدیر سے اس مصیبت کا ٹلنا مقدر ہے تو ٹل جائے گی اور کنجوس کو مال بھی دینا پڑا۔ یہ فائدہ ہے اس منت کا جو اللہ رب العالمین کے نام کی مانی جائے۔ البتہ اولیاء اللہ کی منت سے تقدیر ٹل جانے کا خطرہ ہے۔ کیونکہ چودھویں صدی میں جاہلوں کے عقیدہ میں خداوند تعالیٰ اپنی خدائی بزرگوں کو دے چکا ہے. خدائی کا نظام بدل چکا ہے۔ انقلاب! انقلاب! یہی وجہ ہے کہ بزرگوں کی منتیں ماننے والے ہر مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں، ان میں کوئی بے اولاد نہیں ہوتا. کوئی غریب نادار نہیں ہوتا ہر مصیبت کا علاج، ہر مرض کی دوا ڈھونڈ نکالی ہے۔ ادھر بیچارے خداوند تعالیٰ سے مانگنے والے خستہ حال ہیں، بے اولادیں، فاقوں مرتے ہیں. کیونکہ خداوند تعالیٰ کو گرفت میں لانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نذر معلق اگرچہ خداوند تعالیٰ کے نام کی ہو ایک سودا بازی ہے۔ دراصل مشکلات اور مصائب کے وقت اسلام کی اصلی تعلیم رجوع الی اللہ، استغفار صبر، نماز اور دعا کے متعلق بھی بے نیازی سے فرما دیا فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ۔ یعنی اگر خداوند تعالیٰ چاہیں تو تمہاری

دما سے منسبت کھول دیں۔ ہر جا میں تو دھولیں۔ نیز ابتے موت پر صدقہ بہت مفید چیز ہے۔ ایک شخص تو وہ ہے جو مصیبت کے وقت رضاء الٰہی کے لئے نقد صدقہ دیتا ہے۔ دوسرا وہ جو خداوند تعالیٰ سے سو دا بازی کرتا ہے، یا اللہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو کام ہو جانے کے بعد تیرے نام پر اتنا صدقہ دوں گا۔ بندگی اور خدائی کے تعلق میں ناظرین غور کریں کہ کونسی صورت زیادہ بہتر ہے۔ پھر اگر منت بھی بزرگوں کے نام کی ہوئی تو منسبت کے وقت شرک میں پھنسا۔

اب سنئیے "مسئلہ نذر" فقہاء حنفیہ کی کتابوں سے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔

والنذر الذی یقع للعوام . . . . . . الخ

ترجمہ، اور وہ منت جو اکثر عوام الناس مانتے ہیں، اس طرح کہ کسی نیک بندے کے مزار پہ جا کر یہ کہتے ہوئے مزار کا غلاف پکڑ لیتے ہیں اے میرے آقا! فلاں بزرگ! اگر میرا یہ کام ہو جائے تو تیرے نام پر مثلاً اتنا سونا دوں گا، یا کچھ اور یہ نذر باطل ہے اجماعاً یعنی سب علماء کا اس بات پر اتفاق ہے، اس مسئلہ میں کچھ اختلاف نہیں۔ ہاں اگر یہ لفظ کہے، یا اللہ! میں نے تیری منت مانی ہے اگر تو میرے مریض کو شفا دیوے، یا میرا فلاں کام کر دیوے تو میں کھانا کھلاؤں گا ان مسکینوں کو جو سیدہ نفیسہ، یا فلاں بزرگ کے دروازے میں رہتے ہیں، یا فلاں بزرگ کی مسجد میں چٹائیاں خرید کر لے جاؤں گا مثلاً حضرت بلھا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد، یا اس مسجد میں جلانے کے لیے تیل بھیجوں گا۔ یا شعائر ادا کرنے والوں کے لیے روپیہ بھیجوں گا۔ ایسی چیز جس میں مسکینوں کا فائدہ ہو، اور منت

اللہ کے پیسے دو اور مسکینوں کا ذکر جگہ بیان کرنے کے لئے ہو تو جائز ہے (کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے فلاں محلہ کے مسکین۔ اس نذر میں بزرگ کا نام صرف پہچان کے لئے ہے) لیکن اس منت کا خرچ کرنا مسکینوں کے سوا جائز نہیں۔ نہ تو کسی عالم پر بوجہ علم کے خرچ ہو سکتی ہے نہ اس بزرگ کے مجاوروں پر۔ لیکن اگر تنگدست اور مسکین ہوں تو جائز ہے۔ اور جب تو نے اس بات کو پہچان لیا تو جو چیزیں روپے پیسے وغیرہ لے کر ادیا اللہ کی قبروں پر پہنچائی جاتی ہیں ان کو خوش کرنے اور تعلق بڑھانے کی غرض سے۔ بس یہ حرام ہے بالاتفاق یعنی سب علمار امت اس کو حرام فرماتے ہیں۔ کچھ اختلاف نہیں۔ ہاں اگر بزرگوں کی قبروں پر کچھ چیز لے جانے کا مقصد بزرگوں سے تعلق بڑھانا نہ ہو بلکہ وہاں کے مساکین پر رحم کی وجہ سے کچھ لے جا کر تقسیم کرے تو جائز ہے بالاتفاق۔

فتاویٰ عالمگیری کی عبارت ختم ہوئی۔ اب دیکھئے بحرالرائق شرح کنزالدقائق جلد دوم صفحہ ۲۹۸۔

وقد قدمنا ان النذر لا يصح بالمعصية فقال الشيخ قاسم في شرح الدرر واما النذر الذي يقع للعوام على ما هو مشاهد كان يكون لانسان غائب او مريض او له حاجة ضرورية فياتي بعض الصلحاء فيجعل سترة على راسه فيقول يا سيدي فلان ان رد غائبي او عوفي مريضي او قضيت حاجتي فلك من الذهب كذا او من الفضة كذا او من الطعام كذا او من الماء كذا او من الشمع كذا او من الزيت كذا فهذا

النذر باطل بالاجماع لوجوہٍ منها انه نذر لمخلوقٍ والنذر للمخلوق لایجوز لانه عبادة والعبادة لاتکون للمخلوق ومنها ان المنذور له میتٌ والمیت لایملك ومنها ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله تعالی فاعتقاده ذلك کفر اللهم الا ان قال یا الله انی نذرتُ لك ان شفیت مریضی او رددت غائبی او قضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذین بباب السیدة نفیسة او الفقراء الذین بباب الامام الشافعی او الامام اللیث او اشتری حصرًا لمساجدهم او زیتًا لوقودها او دراهم لمن یقوم بشعائرها الی غیر ذالك مما یکون فیه نفع للفقراء والنذر لله عز وجل وذکر الشیخ انما هو محل لصرف النذر لمستحقیه القاطنین برباطه او مسجده او جامعه فیجوز بهذا الاعتبار اذ مصرف النذر الفقراء وقد وجد المصرف ولایجوز ان یصرف ذالك لغنی غیر محتاج ولا لشریف منصب لانه لایحلُّ له الاخذ مالم یکن محتاجًا فقیر ولا لذی نسب لاجل نسبه مالم یکن فقیر ولا لذی علم لاجل علمه مالم یکن فقیرا ولم یثبت فی الشرع جواز الصرف للاغنیاء۔

ترجمہ :۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ گناہ کی منت صحیح نہیں ہوتی، شیخ قاسم نے شرح درر میں فرمایا ہے لیکن وہ نذر جو عوام الناس مانتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہے یعنی روزمرہ دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی شخص کا کوئی آدمی گم ہو یا بیمار ہو، یا اس کو کوئی ضروری حاجت درپیش ہو۔ پس وہ کسی نیک آدمی کے (مزار) پاس جائے اور غلاف کو سر پر اٹھائے (جیسا سے ہاں ہاتھ میں پکڑنے کا رواج ہے) یا ویسے

ہی کہہ دیتے ہیں) اے میرے آقا! فلاں بزرگ، اگر میرا گم شدہ واپس آجائے، یا میرا مریض تندرست ہو جائے، یا میری حاجت پوری ہو جائے تو آپ کو اتنا سونا، یا اتنی چاندی، یا اتنا کھانا، یا اتنا پانی، سبیل یعنی چھبیل لگاؤں گا، یا اتنی موم بتیاں قبر پر روشن کروں گا، یا اتنا تیل چراغی چڑاؤں گا پس یہ منت باطل ہے یعنی ناجائز ہے۔ سب علماء کے اتفاق سے۔ یعنی اس مسئلہ میں کسی عالم کا اختلاف نہیں اور ناجائز ہونے کی کئی وجوہ ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کی نذر ناجائز ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی نہیں ہوتی خالق کی ہوتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کی نذر مانی ہے وہ میت ہے اور میت کسی چیز کی یعنی دنیا کی چیز کی مالک نہیں ہو سکتی۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ اگر یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ میت کام بناتی ہے نہ اللہ تعالیٰ تو یہ عقیدہ کفر ہے (جیسا کہ اکثر بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے بزرگوں کو اختیار دے دیا ہے جو چاہیں کریں یہ عقیدہ کفر ہے) ہاں اگر یہ کہے کہ یا اللہ! میں تیری منت مانتا ہوں، اگر تو میرے مریض کو شفا دیدے، یا میرے گم شدہ کو واپس لائے، یا میری حاجت پوری کرے تو میں کھانا کھلاؤں گا ان غریبوں کو جو سیدہ نفیسہ کے یا جو امام شافعیؒ کے دروازہ میں رہتے ہیں، یا امام لیث کے دروازہ میں، یا ان بزرگوں کی مسجد کے لئے چٹائیاں اور روشنی کے لیے تیل خرید کر بھیجوں گا، یا ان مسجدوں کے خدمت گزاروں کو اتنے روپے دوں گا جس میں نفع ہو مسکینوں کا اور نذر ہو اللہ تعالیٰ کی۔ اور بزرگ کا ذکر صرف اس لئے کیا ہو، کہ مزار کے پاس جو مسجد یا مدرسہ، یا مسافر خانہ ہو اس میں رہنے والے مسکینوں پر منت خرچ کرنے کا نشان پہچان بیان کیا ہے پس اس اعتبار سے بزرگ کا نام لینا جائز ہے (یعنی منت میں بزرگ

کا لفظ صرف پہچان کے لئے آیا ہے۔ بزرگ کا منت سے کچھ تعلق نہیں) اگر بزرگ کے لحاظ سے اور بزرگ کو خوش کرنے کے لئے وہاں کے مسکینوں کو دے تو حرام ہے۔ کیونکہ نذر عبادتِ الٰہی ہے اس میں کسی کو شامل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ نذر کا مصرف مساکین ہیں اور مسکین یہاں موجود ہیں۔ اور جائز نہیں کہ منت خرچ کی جائے دولت مند پر جو محتاج نہ ہو اور نہ کسی شریف منصب یعنی معزز عہدہ دار پر افسر وغیرہ پر کیونکہ منت کا مال لینا حلال نہیں ہے جب تک محتاج اور فقیر نہ ہو۔ اور جائز نہیں کہ منت خرچ کی جائے کسی قوم کے آدمی پر قومی ہونے کی وجہ سے مثلاً اپنی برادری یا کوئی خاص برادری جب تک غریب نہ ہو، اور جائز نہیں کہ منت خرچ کی جائے کسی علم والے پر علم کے لحاظ سے جب تک غریب نہ ہو ہمارے ہاں لوگ منت کی چیز برادری میں بھی تقسیم کرتے ہیں، امام مسجدوں اور علماء کو بھی دیتے ہیں، منت ادا نہیں ہوتی) اور شریعت میں منت کا دولت مندوں پر خرچ کرنا ثابت نہیں۔

ناظرین:۔ مقام غور ہے۔ منت میں بزرگ کا ذکر اس طرح تو آ سکتا ہے جس طرح مسجد مدرسہ، مسافر خانہ اور گلی محلہ کا پتہ دینا ہوتا ہے لیکن منت کی چیز سے بزرگ کو خوش کرنا حرام ہے۔ پہلے زمانہ میں رواج تھا کہ بادشاہانِ اسلام کسی بزرگ کی قبر کے پاس ایصالِ ثواب کے لئے مسجد، مدرسہ، مسافر خانہ بنا دیتے تھے۔ وہاں مسافر طالب علم رہتے تھے لوگ منت ماننے کے وقت پہچان کے طور پر بزرگ کی مسجد وغیرہ کہہ دیتے تھے۔ نام رکھنے میں اگر پہچان کی غرض ہو تو ہرج نہیں ہے جیسے فلاں شخص کا مکان وغیرہ۔ آج کل بھی اولیاء اللہ کی قبروں پر لوگ رہتے ہیں مگر بریلویوں کی شامتِ اعمال سے نذر غیر اللہ کھاتے ہیں جس کی برکت سے بھنگڑ بن جاتے ہیں۔ کون سا شرعی گناہ ہے جو آج

کل مزارات پر نہیں ہوتا۔ بدمعاشی، شراب نوشی اور جرائم کے اڈے بن چکے ہیں رات دن گانا بجانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے احکام شریعت میں اس کو حرام لکھا ہے، یہ ساری برکتیں مولوی محمد عبداللہ صاحب کی نذر (عُرفی در بزرگوں کی منّت) کی ہیں۔ درخت کو پھل سے پہچانو!! اور خدا کا خوف کرو۔ تمہارے اس فتوی نے قوم کا ایک حصہ مفلوج کر دیا ہے مشرکانہ عقیدہ کی ناپاک چیز کو بزرگوں کا تبرک کہتے ہو۔ کیا اولیاء اللہ کو شرک سے نفرت نہیں ہے؟ کیا وہ تمہاری پیش کش کے بھوکے ہیں؟ جو لوگ مزارات پر ہمیشہ رہتے ہیں اور دن رات ایسی نذریں کھاتے ہیں وہ گندگی کے ذخیرے بن چکے ہیں، بداخلاقی کے سنٹر ہیں نشہ آور چیزوں کے ٹھیکیدار ہیں، محکمۂ آبکاری کو اسی فیصد جرائم ان کے ہاں دستیاب ہوتے ہیں۔ ہر سال قوم کے ہزاروں لاکھوں پاکیزہ فطرت بچوں کو افیم چرس، چنڈو کی لاگ لگا رہے ہیں۔ جب کسی شریف خاندان کا نونہال ان ظالم ڈاکوؤں کے ہاتھ چڑھ جاتا ہے تو والدین اپنی امیدوں کا خون ہوتا دیکھ کر بے ساختہ پیٹتے ہیں، مگر یہ نہیں سمجھتے کہ شاید وہ پودا بے سمجھی میں ہم نے ہی لگایا ہو جس کا پھل ہمارے گھر میں آج پہنچا ہے

یہاں پہنچ کر ہم بریلوی دوستوں سے ایک بات پوری سنجیدگی سے پوچھتے ہیں کہ اولیاء اللہ جو آپ کے خیال میں کارخانۂ قدرت کے مالک ہیں، جن کے اشارے سے حکومتیں بدلتی ہیں، اولاد، رزق، مرنا جینا ان کے بس میں ہے تو کیا وہ اپنے مزارات کو ان گندگیوں سے پاک نہیں کر سکتے؟ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

یا تو یہ کہو کہ خدا کے مقبول بندے خداوند تعالیٰ کی عنایات اور انوار و برکات میں مستغرق ہیں، ہماری گندی دنیا سے ان کو کیا غرض۔ اور اگر نذر و نیاز وصول کرتے ہیں۔ پھر رشوت پر بھی کام کرتے ہیں تو ذرا اپنا گھر بھی صاف رکھا کریں

یہ چراغ کے نیچے اندھیرا کیوں ہے؟ بریلویوں کے بابائے اعظم کے سامنے یہ سوال پیش ہوا ہے۔ احکامِ شریعت میں ذکر آیا ہے۔ مگر جواب کیا دیتے خاک پر باتیں درمیان میں آگئیں اب ذرا آگے چلیے بحرالرائق کا حوالہ بھی جاری ہے فقیہ اکبر علامہ زین الدین ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نذرِ مخلوق کے متعلق فرماتے ہیں:۔

للاجماع علیٰ حرمة النذر للمخلوق ولاینعقد ولاتشتغل الذمة به ولانهٗ حرامٌ بل سُحْتٌ ولایجوز لخادم الشیخ اخذه ولا اکله ولاالتصرف فیه بوجهٍ من الوجوه الا ان یکون فقیرًا او له عیال فقراء عاجزون عن الکسب وهم مضطرون فلخذه ایضاً مکروهٌ مالم یقصد به الناذر التقرب الی الله تعالیٰ۔

ترجمہ:۔ کیونکہ مخلوق کی منت حرام ہونے پر سب علماء متفق ہیں کسی کو اختلاف نہیں۔ اور یہ منت بھی لازم نہیں ہوتی ماننے والے کے ذمہ پر کچھ نہیں آتا، اور اس لئے کہ یہ حرام ہے بلکہ سحت ہے۔

سحت کے معنی شرمناک کام، اور جڑ سے اکھاڑی ہوئی چیز اور رشوت (از منتخب و مفرداتِ راغب) یعنی شرمناک فعل ہے، موجب ننگ و عار ہے۔ شرم! شرم!! اور اس بزرگ کے مزار مسجد وغیرہ کے متولی کو اس منت کا لینا بھی جائز نہیں کھانا بھی جائز نہیں، اور اس میں کسی طرح کا تصرف یعنی لے کر کسی کو دینا بھی جائز نہیں لیکن اگر محتاج ہو، اور اس کے ذمہ پر جن مساکین کا بوجھ ہے وہ کام کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، اور بھوک سے مضطر یعنی بے بس اور لاچار ہوں پھر بھی اس منت کی چیز کا لینا ناپسند ہے جب تک منت ماننے والے نے قربِ الٰہی کی نیت نہ کی ہو۔

مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کی منت میں جو شرک کی وجہ سے پلیدی اور حرمت پیدا ہوتی ہے وہ مردار وغیرہ سے زیادہ ہے۔ اضطراری حالت میں جب کہ انسان بھوک سے جاں بلب ہو تو مردار وغیرہ کو بقدر ضرورت کھانے کی اجازت ہے۔ لیکن یہ غیر اللہ کی منت پھر بھی ناپسندا اور قابل کراہت و نفرت ہے علماء اسلام اور فقہاء کرام کا دینی جذبہ اور اسلامی غیرت قابل غور ہے کہ بزرگوں یا نبیوں ولیوں کی منت کو مردار سے بھی بڑھ کر یا خود انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کی تعلیم بھی یہی ہے۔ اسلام کا خدا بھی عزت والا ہے اور رسول کریم بھی غیور ہیں۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ آگے چلئے:۔

وصرفہ للفقراء ویقطع النظر عن نذر الشیخ	یعنی مردار سے بھی بدتر ہے جب تک رضائے الٰہی کا حصول، اور مسکینوں پر خرچ کا جذبہ، اور بزرگ کی نذر سے قطع نظر نہ کرے۔

یعنی منت کو حلال کرنے کی تین شرطیں ہیں۔ خداوند تعالیٰ سے نزدیک اور قریب ہونے کا جذبہ، مسکینوں اور غریبوں پر رحم و کرم کا جذبہ تیسری شرط یہ ہے یعنی نذر ماننے والے کے دل میں بزرگ کی نذر کا خیال بالکل نہ ہو، ورنہ حرام ہو جائے گی۔ آگے دیکھئے:۔

فاذا علمت ھذا فما یوخذ من الدراھم والشمع والزیت وغیرھا وینقل الی ضرائح الاولیاء تقربا الیھم فحرام باجماع المسلمین مالم یقصدوا بصرفھا للفقراء الاحیاء	یعنی جب تو نے اس بات کو سمجھ لیا تو جو چیزیں روپیہ پیسہ موم بتی، تیل وغیرہ سے کر اولیاء اللہ کے مزارات پر لیجاتے ہیں بزرگوں کو خوش کرنے اور ان سے تعلق بڑھانے کے لئے یہ تمام مسلمانوں کے اتفاق سے حرام ہے جب تک کہ خرچ کرنے کا مقصد زندہ مسکینوں پر رحم

قولاً واحداً۔ (بحرالرائق کی عبارت ختم ہوئی) کرنا نہ ہو۔ سارے علماء اسلام اس مسئلہ میں یک زبان ہیں۔

یعنی اگر یہ نیت ہو کر وہاں کے مسکین تکلیف زدہ ہیں تو جائز ہے۔ اگر بزرگ کی منت مانی تو ماننا بھی حرام، لے جانا بھی حرام، وہاں کے لوگوں کے واسطے اسے ہاتھ لگانا یعنی تصرف بھی حرام، لے کر کسی کو دینا بھی حرام، اور بھوک سے مرتے ہوں پھر بھی ان کے واسطے مردار سمجھ کر کھانا بھی ناپسندیدہ فعل ہے۔ ہمارے حنفی بلکہ چکڑ حنفی بھائیوں کے لئے یہ مقام قابلِ غور ہے۔ بحرالرائق فقہ حنفیہ کی معتبر ترین کتاب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری، در مختار، فتاویٰ شامی اور بہت سی معتبر کتابیں اس کے پیچھے چلتی ہیں۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے احکام شریعت اور دوسرے رسائل میں اس کتاب کا قدم قدم پر حوالہ دیا ہے۔ اس حوالہ میں نذر کے متعلق کتنی باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ اے بزرگ! اگر میرا کام ہو جائے تو تیرے نام کی یہ چیز دوں گا۔ علماء کے اتفاق سے باطل ہے۔ حرام ہے، شرک ہے۔

مگر مولوی عبد اللہ صاحب رسالہ نذر اولیاء کے ص۳ پر لکھتے ہیں:۔

"مثلاً یہ کہا اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو غوث کے نام کی دیگ پکاؤں گا یہ بالکل جائز ہے"

دیکھئے دین کے مالک بنے بیٹھے ہیں حنفی بلکہ شافعی، مالکی، حنبلی، تمام علماء اسلام تو حرام کہتے ہیں مگر مولوی عبد اللہ صاحب بالکل جائز کہتے ہیں۔ حضرت کیا یہ نذر عرفی نہیں؟ یہ باطل اور حرام وغیرہ وغیرہ کس چیز کو کہا جا رہا ہے؟ ایصال ثواب کا نذر سے کیا تعلق ہے؟ اگر میرا کام ہو جائے تو ایسا کروں گا۔ یہ الفاظ کدھر جا رہے ہیں؟ کیا شریعت میں ایصال ثواب کے لئے یہ الفاظ کہیں آئے ہیں؟

معتبر کتاب کا حوالہ دیجئے۔ ایصالِ ثواب کے الفاظ کیا ہیں؟ اور یہ بھی واضح کیجیے کہ بزرگوں کی منت سے تقرب الٰہی کس طرح حاصل ہو جاتا ہے؟ اس کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی دلیل کیا ہے؟

۲۔ یا اللہ اگر تو میرا کام کر دے تو میں عام مسکینوں کو، یا کسی خاص گلی محلہ، مسجد، مزار کے مسکینوں کو اتنا کھانا کھلاؤں گا۔ یہاں اس بزرگ کا نام اس لیے نہیں ہے کہ اسے خوش کرنا ہے، یا نذر کے ذریعے ان سے تعلق بڑھانا کے طریقے اور ہیں نیکیاں کرو اور نیکوں کے واسطے دعا کرو وغیرہ۔ لیکن خدائی میں شریک ہونے کے وہ خواہش مند نہیں ہیں۔ بلکہ بزرگ اور ولی کا ذکر مساکین کا ٹھکانا مقرر کرنے کے لیے ہے چونکہ اس میں شرک کی ملاوٹ نہیں اس لئے جائز ہے۔

اس سے پہلے فتاویٰ عالمگیری کی عبارت کا حوالہ گزر چکا ہے تقریباً یہی مضمون فقہ حنفیہ کی معتبر ترین کتاب درمختار میں موجود ہے۔ فتاویٰ شامی جلد۲ صفحہ ۱۶۵ پر بحر الرائق کی یہی عبارت تمام کی تمام موجود ہے۔ اختصار کے لئے اندراج نہیں کیا گیا۔ نیز یہی عبارت النھر الفائق میں موجود ہے (بحوالہ بحر) اب یہاں تین چیزیں ہیں:۔

۱۔ کسی مقبولِ بارگاہ کے توسل سے دعا مانگنا۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔

۲۔ ایصالِ ثواب:۔ ثواب پہنچانا۔ اس کا طریقہ نذر سے الگ ہے۔ اس کا بیان آئیگا

۳۔ تیسری چیز نذر ہے۔ یہ خداوند تعالیٰ سے خاص ہے۔ اس میں ایصالِ ثواب کی گنجائش نہیں۔ ثواب بھیجنے کو نذر کرنا تو عرف میں کہہ سکتے ہیں نذر ماننا نہیں کہہ سکتے۔ آپ نے نذر ماننا کہا ہے۔ دیکھیے مثلاً

"لوگ حضرت پیران پیر کی منت مانتے تھے، اور اگر میرا کام ہو

جائے تو میں غوث کے نام کی دیگ پکاؤں گا،،

یہ ایصال ثواب نہیں ہے۔ یہ نذر حرام ہے قطعاً۔ ایصالِ ثواب کا یہ طریقہ کہاں سے سیکھا؟ ذرا بتائیے تو؟

آپ نے بلکہ آپ کی جماعت نے ان باریکیوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے تینوں چیزوں کو گڈمڈ کر دیا۔ توحید کا مسئلہ سخت نازک ہے، سخت احتیاط چاہئیے۔

اب ہم آپ کو فتاویٰ عزیزی کی سیر کرائیں گے۔ فتاویٰ عزیزی ص۹۲ زندہ جاوید کی منت الخ

"مٹھائی وغیرہ جو بطور منت ہوں ان کا کھانا قریب بحرام ہے۔ بشرطیکہ غیر اللہ کی نذر کی نیت ہو۔ جیسا شیخ سدو کے گلگلے اور شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی سرمنی وغیرہ"

مصنف نذر اولیاء کی خدمت میں گزارش ہے کہ رسالہ نذر اولیاء کے ص۵ پر جتنی چیزیں آپ نے بیان کی ہیں، ان کو اس حکم میں کیوں نہ شامل کیا جائے۔ شیخ سدو کے گلگلے۔ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی سرمنی۔ غوث الاعظم کی گیارھویں[1]، حضرت امام جعفر صادق کا کونڈا، حضرت سیدہ فاطمہؓ کی کھیر، میلاد شریف کی شیرینی، اصحاب کہف کا توشہ وغیرہ وغیرہ۔

شاہ عبد العزیزؒ نے جس اصول کے مطابق حضرت بوعلی قلندرؒ کی سرمنی کو حرام کے قریب فرمایا ہے یعنی غیر اللہ کی نذر، اس اصول میں یہ سب چیزیں داخل ہیں نہیں ہیں تو کس طرح؟ وہی ماحول ہے وہی شرک کے جذبات ہیں، بلکہ جہالت اور دین سے بے خبری کچھ زیادہ ہو رہی ہے، بھلا جس خدا کے ہاتھ میں کچھ اختیار نہ ہو،

---

[1] اس لئے کہ گیارھویں جب منت کے طور پر ہو تو یقیناً حرام ہے۔ ایصالِ ثواب جائز ہے

جو برطانیہ کے تاج کی طرح فرضی خدا ہو، اس کی عزت کون کرے؟ اس کی نذر کون مانے؟ ایسے ماحول میں غیر اللہ کی نذر ماننے والے جب لفظوں میں خداوند تعالےٰ کا نام لینا بزرگوں کی بے ادبی سمجھتے ہیں کیا نیت اور ارادہ میں یہ شرک گوارا کریں گے۔

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر ۔۔۔ جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر ۔۔۔ کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں!
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں ۔۔۔ بزرگوں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں ۔۔۔ شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے، نہ ایمان جائے۔ (حالی)

نیز فتاوی عزیزی جلد دوم ص ۱۵۸۔ عالمگیری، درمختار، بحر الرائق شرح کنز الدقائق اور نہر الفائق کا حوالہ دیکھئے۔

⑨ قبر پر اذان دینا

قبروں پر کی جانے والی بدعات میں ایک بدعت بریلویوں کی قبر پر اذان بھی ہے. بانی مذہب مولانا احمد رضا خاں نے اس پر ایذان الاجر فی اذان القبر کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی نے جاء الحق میں اسے ثابت کرنے کے لیے صفحہ سے صفحہ تک اس پر بڑی بحث کی ہے .تاہم اس بدعت میں بریلوی علماء عوامی تائید حاصل نہیں کر سکے.

اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ چند امور ہر وقت پیش نظر رہیں:۔

① ——— مسلمانوں کا فوت ہونا ان کا جنازہ پڑھنا اور دفن ہونا یہ مسئلہ کوئی ایک آدھ دفعہ کا نہیں. مسلم معاشرے میں ایسے واقعات اور حادثات اس کثرت سے پیش آتے ہیں کہ ان کی قدر مشترک کسی مسلمان سے اوجھل نہیں رہ سکتی ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی یہاں کی زندگی میں سینکڑوں جنازے پڑھائے. خلافتِ راشدہ میں بھی لاتعداد جنازے اٹھے. صحابہ کرامؓ نے ہزاروں جنازوں میں شرکت کی. قرونِ ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں کبھی کسی جنازے کے موقعہ پر قبر پر اذان دینے کا واقعہ پیش نہیں آیا اور روایات حدیث میں کوئی ضعیف سے ضعیف اثر تک ایسا نہیں ملتا کہ اس دورِ اول میں وقت دفن کسی قبر میں یا قبر پر اذان دی گئی ہو. اگر ایسا کبھی ہوا ہوتا تو ضرور وہ اس امت تک نقل ہوتا. یہ کیسے ہو سکتا کہ اتنا کثیر الوقوع عمل پوری امت سے اس دور میں مخفی رہے اور کسی نے اسے نقل و روایت نہ کیا ہو.

② ——— بریلوی علماء اسے کس راہ سے دین بناتے ہیں؟ یہ وہی ان کا مفروضہ ہے کہ اس سے کہیں منع تو نہیں کیا گیا قرآن و حدیث میں اس پر کہیں منع وارد نہیں. لہٰذا ہم سے اس کا ثبوت نہ پوچھو تم منع کی دلیل لاؤ.

اس پر علماء اہل سنت ان بریلوی علماء سے کہتے ہیں تم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازوں سے پہلے اذان نہ کہنے پر منع کی دلیل لاؤ. اگر قرآن و حدیث سے تم اس پر منع ثابت نہ کر سکو تو نماز عیدین کے

مرقد پر بھی اذان کہا کرو وہاں تم ایسا کیوں نہیں کرتے۔ اس پر جب کہیں منع وارد نہ تھی تو علماء نے اس کے نہ ہونے پر اجماع کیسے کرلیا۔ حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) نے اس کے نہ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔

نقل ابن عبدالبر اتفاق العلماء علی ان لا اذان ولا اقامة [1]

ترجمہ۔ حافظ ابن عبدالبر نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ نمازِ عید کے لیے نہ اذان ہے نہ اقامت۔

(۲) —— قبروں پہ کیے جانے والے اعمال میں فقہاء احناف کے ہاں اصل نقل ہے اباحت نہیں کہ اسے الاصل فی الاشیاء ھی الاباحة کے قاعدہ سے جائز کرلو۔ امام ابن الہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ھ) علم اصول کے بڑے جلیل القدر امام ہیں جو درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

ویکرہ عند القبر کل مالم یعھد من السنة [2]

ترجمہ۔ اور قبر کے پاس ہر وہ عمل جو سنت سے ثابت نہ ہو مکروہ ہے۔

اس موضوع پر یہ بات نہ چلے گی کہ اس پر منع کی دلیل لاؤ اصل ہر چیز میں اباحت ہے۔ یہاں ہر ایسے عمل پر دلیل لانا پڑے گی۔ آگے حضرت علامہ ابن الہمامؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ سنت سے قبر پہ کیا کیا احکام ثابت ہیں۔ ۱۔ قبروں کی زیارت ۔۲۔ اور ان کے پاس دعا کرنا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ حضرت ام المومنین فرماتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے بقیع کے قبرستان میں دعا کرتے دیکھا:۔

فاطال القیام ثم رفع یدیه ثلاث مرات ثم انحرف [3]

ترجمہ۔ آپ کافی عرصہ وہاں کھڑے رہے (کچھ پڑھتے رہے)، پھر آپ نے ہاتھ اٹھائے تین دفعہ اور پھر آپ چلے گئے۔

غور فرمائیں یہ دعا آپ نے کن کے لیے کی؛ ان اہل قبور کے لیے —— سو دعا کا مفہوم متعین ہوگیا کہ قبرستان میں دعا اہل قبور کے لیے ہے۔ وہاں ان سے اپنے لیے کچھ مانگنا احادیث کی

---

[1] الاعتصام للعلامہ الشاطبی الغرناطی جلد ۲ صفحہ ۱۴ [2] فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ مصر [3] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۱۳

روشنی میں قبروں پر مسنون عمل بس یہی ہیں کہ ان کی زیارت ہو اور مرحومین کے لیے دعا ہو۔

قبروں کی زیارت سے قبروں کا وجود پہلے سے ہے۔ ابن ہمامؒ کے اس اصول میں میت کو دفن کرنے ان پر مٹی ڈالنے اور اس پر پانی چھڑکنے اور قبر بنانے کی ہرگز رکاوٹ نہیں ان امور کے بغیر قبر کیسے بنے گی اور اس کی زیارت کیسے ہوگی۔ قبر ہوگی تو اس کی زیارت بھی ہوگی اور مدفون کے لیے دعا بھی ہوگی۔ یہ اصول قبر بننے پر کارفرما ہوگا کہ وہاں صرف دو عمل ہوں۔ ایک زیارت اور دوسرا مرحوم کے لیے دعا۔

افسوس کہ مفتی احمد یار خاں صاحب نے ابن ہمامؒ کے اس اصول کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے۔

اگر وقت دفن بھی اس میں شامل ہے پھر لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اتارنا تختہ دینا مٹی ڈالنا ۔۔۔۔ یہ سب ممنوع ہو[1]

مفتی صاحب چاہتے ہیں کہ دفن کے بعد جب قبر بن جائے تو پھر وہاں اذان بھی کہی جائے یہ قبر پر اذان نہیں دفن کے وقت کی اذان ہے۔ یہ عجیب فرق ہے جو مفتی صاحب کر رہے ہیں۔ ٹھیک کہتے غرض مند دیوانہ ہوتا ہے۔ صاحب غرض مجنون۔

یہ دفن کے وقت کی اذان کیسے ہوگئی؟ دفن کرنے کے بعد اب تو قبر بھی بنا چکے ہیں۔ اب اس قبر پر صرف وہی عمل درست ہوگا جو سنت سے ثابت ہو۔

یہ کہنا کہ امام ابن ہمامؒ کا بیان کردہ اصول ویکرہ عند القبر کل مالم یعہد من السنۃ تازہ قبروں کے بارے میں نہیں پرانی قبروں کے بارے میں ہے ایک بڑا ڈھکوسلا ہے جس کا علم سے کوئی تعلق نہیں۔ قبر قبر ہے خواہ ابھی بنی ہو اور یہاں امر معمور وہی ہے جو امام ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) نے بیان فرمایا ہے کہ یہ بس دو ہی عمل ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں کی ابن ہمامؒ کے اصول کے تحت رہنے کی کوشش

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں کہ جب قبر کے پاس دعا جائز ہے تو اذان بھی تو ایک دعا ہی ہے

---

[1] جاء الحق ص۳۰۲

② قضاء حاجت کے وقت بھی شیطان آ ٹپکتا ہے حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان ھذہ الحشوش محتضرۃ۔

ترجمہ: ان مقامات پر شیطان حاضر باش رہتے ہیں۔

یہاں بھی بریلوی حضرات کو کچھ اذانوں کا انتظام کرنا چاہیے۔ یہ انتظام بیت الخلاء میں کریں تاکہ شیطان بھاگ جائیں۔ ہر بیت الخلاء میں کسی نہ کسی مؤذن کا انتظام ہو۔

③ گھروں میں ساری ساری رات اذانوں کا انتظام کریں تاکہ وہاں شیطان کسی کو خواب میں [illegible] نہ کر سکے۔ والحلم من الشیطان سے بچنے کی یہی راہ ہے۔

④ کاروبار کی منڈیوں میں شیاطین کی تیزی اور بازاری میں گھومتے ہیں کہ وہ خطۂ زمین پر شر بقاع الارض بنے ہوتے ہیں سو بازاروں اور منڈیوں میں مؤذن مقرر کرنے چاہئیں۔

آپ غور فرمائیں [illegible] اس طرح اس پر شریعت کی عمارت تعمیر ہو سکتی ہے؟ ہمارے دین اور ہماری فقہ کیا ایسے [illegible] ہونے ہی [illegible] نہیں؟ بریلوی حضرات رہ رہ کے دین کو کیوں نہیں [illegible] کے دین و مذہب پر چلنا یہ کیسے سب سے بڑا فرض ہو گیا؟ خان صاحب جیسے دو چار اور مجتہد اس درجہ پیدا ہو جاتے تو دین کا جو نقشہ اب بہت تھوڑا سامنے ہے یہ بھی کہیں باقی نہ رہتا۔

⑩ قبر پر اذان کا یہ مسئلہ کب سے شروع ہوا ہے؟

[illegible] ہے کہ قبر [illegible] کہ یہ مسئلہ [illegible] نہیں [illegible]

صدیوں میں یہ اذان کہیں نہیں کسی کتاب [illegible] صدی کے [illegible] ابن حجر مکیؒ [illegible]

میں سے بدعت لکھا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ [illegible] صدی میں یہ بدعت [illegible]

علامہ شامیؒ (۱۲۵۲ھ) اپنے ہاں اسے میت کو قبر میں دفن کرنے کے وقت [illegible]

بتاتے ہیں جو ان کے ہاں اس وقت رائج تھا۔ آپ امام ابن ہمامؒ کے بیان کردہ اصول (کہ قبروں پہ زیارت کے لیے جاؤ یا دعا کے لیے اور کسی کام کے لیے نہیں) کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وفی الاقتصار علیٰ ما ذکر من الوارد اشارۃ الیٰ انہ لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو معتاد الآن وقد صرح ابن حجرؒ فی فتاواہ بانہ بدعۃ۔ [1]

ترجمہ: قبروں پر جو کام شریعت میں وارد ہوئے انہی پر اقتصار کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ میت کو قبر میں داخل کرتے وقت جو اذان دی جاتی ہے یہ اوپر سے کہیں منقول نہیں اور علامہ ابن حجر نے اپنے فتاوے میں تصریح کی ہے کہ قبر پر اذان دینا بدعت ہے (شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے)۔

فتح القدیر کی یہ عبارت کہ قبر پر جو عمل سنت سے ثابت نہیں وہ مکروہ ہے بتلاتی ہے کہ یہاں سنت کے بعد مستحب یا مباح درجے کا کوئی عمل نہیں ہے۔ ورنہ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) اسے مکروہ علی الاطلاق نہ کہتے۔ علامہ شامیؒ کا فتح القدیر کی اس عبارت پر یہ ارشاد کہ اس میں اشارہ ہے کہ میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا جیسا کہ آج کل رائج ہو چکا ہے ہرگز مسنون نہیں۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ قبر پر اذان دینا مطلقاً مکروہ ہے۔ مسنون نہ ہونے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ شاید مستحب یا مباح کی راہ کھلی ہو۔ قبرستان میں اگر اذان جائز ہوتی تو خود نماز جنازہ کے لیے اذان کیوں نہ ہوتی۔

لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ ـــــ میں استحباب اور اباحت ہر ایک کی نفی ہے۔ سنت کے سوا یہاں پر عمل جو بھی اس کے نیچے تصور کیا جا سکتا ہے مکروہ ہے۔

سو متن درمختار کی یہ عبارت لا یسن لغیرھا (کہ فرض نمازوں کے سوا اذان کہیں مسنون نہیں) فتح القدیر کی اس عبارت کی روشنی میں پڑھی جائے گی کہ اذان جہاں سنت میں منقول نہیں، وہاں اذان دینا مکروہ ہے۔ سو اذان علی القبر کا کوئی جواز نہیں۔

---

[1] ردالمحتار جلد ۱ صفحہ ۲۵۹

علامہ طحطاوی نے شرح درمختار میں علامہ ابن نجیمؒ (۹۶۹ھ) سے ان مقامات کی ایک فہرست نقل کی ہے جہاں اذان دینا مسنون نہیں (مکروہ ہے) اور وہ یہ ہے۔

الوتر والجنازة والكسوف والاستسقاء والتراويح والسنن والروايات[1]

ترجمہ۔ وتر کے لیے (جب وہ رات کے پچھلے پہر پڑھے جائیں) جنازہ کے لیے چاند گرہن کے موقعہ پر۔ بارش طلبی کی دعا میں تراویح میں اور سنن روات میں اذان ہرگز مسنون نہیں (مکروہ ہے)۔

نماز جنازہ کے وقت اذان ہو یا قبر میں اتارتے وقت یا دفن کرنے کے بعد جنازہ کے لیے کسی موقع پر اذان دینا جائز نہیں۔ علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ قبر پر جو عمل سنت سے ثابت نہیں وہ وہاں مکروہ ہے ہاں مولویوں کو اپنی اہمیت جتلانی پیش نظر ہو تو یہ امر دیگر ہے۔

علامہ طحطاویؒ لکھتے ہیں :-

وفي فتح القدير يكره عند القبر كل مالم يعهد من السنة والمعهود منها ليس الا زيارتها والدعاء عندها قائماً كما كان يفعل صلى الله عليه وسلم في الخروج الى البقيع[2]

ترجمہ۔ حافظ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں قبر کے پاس ہر وہ عمل مکروہ (قریب بہ حرام) ہے جو سنت سے منقول نہ ہو اور منقول صرف زیارت ہے اور وہیں کھڑے کھڑے دعا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں کیا کرتے تھے۔

مولویوں کے لیے ایک اور کام پیدا کرنے کی نیکی

بریلوی علماء اپنے حلقوں میں ایک یہ تاثر بھی دیتے ہیں کہ ایسے وقت میں جب لوگ علماء سے تقریباً فارغ ہوتے جا رہے ہیں اور سوائے نکاح اور جنازہ کے یا مسجد کی اذان اور امامت کے ان کی

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار جلد ۱ صفحہ ۱۸۱ [2] ایضاً صفحہ ۳۸۳ نقلاً عن البحر

ضرورت اور کہیں نہیں سمجھی جاتی تو اگر قبر پہ اذان دینے اور ختموں وغیرہ کو بھی اسلام میں جگہ دینے کی یہ کوشش کی جائے تو اس اذان عندالقبر سے عام لوگوں کی نگاہوں میں مولویوں کے لیے ایک اور ضرورت پیدا ہو جائے گی جسے اس وقت کے صدر میں کوئی نظرانداز نہ کر سکے گا۔ سو یہ حلقہ علماء سے ایک نیکی ہے اور ان کی اس موقع پہ ضرورت ثابت کرتے ہوئے ان مؤذنوں کے لیے ایک مالی امداد بھی ہے اور مسلمان ایک دوسرے کی جس طرح بھی بن پڑے مدد کریں گے اور میت سامنے ہوگی تو کوئی مسلمان اس اذان عندالقبر کا انکار نہ کر سکے گا۔

اس وقت اس مسئلہ کی اور تفصیل کی گنجائش نہیں۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے امعان النظر کے نام سے مولانا احمد رضا خاں کے رسالہ ایذان الاجر فی صلوۃ القبر کا نہایت مفصل اور مدلل جواب لکھا ہے اسے دیکھ لیا جائے۔ دونوں کا تقابلی مطالعہ کرنے سے دونوں کی علمی حیثیت آپ کے سامنے آجائے گی اور آپ معلوم کریں گے کہ اعلیٰحضرت بس اپنے حلقے کے ہی اعلیٰحضرت ہیں۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں: سب جانتے ہیں کہ شریعت نے نماز پنجگانہ و جمعہ کے سوا عیدین، کسوف وخسوف، استسقاء اور جنازہ کی نمازوں کے لئے بھی اذان واقامت تجویز نہیں کی۔ اب اگر کوئی شخص اجتہاد کرے کہ جیسے پانچ نمازوں کے اعلان و اطلاع کے لئے اذان کی ضرورت ہے وہی ضرورت یہاں بھی موجود ہے لہٰذا ان نمازوں میں اذان کہنی چاہیے۔ تو اس کا یہ اجتہاد صریح غلط ہوگا۔ اس لئے کہ جو مصلحت اس کی عقل شریف میں آئی ہے اگر وہ لائق اعتبار ہوتی تو شریعت ان موقعوں پر بھی ضرور اذان کا حکم دیتی۔

یا مثلاً کوئی شخص یہ اجتہاد کرے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اذان سنتے ہی شیطان بھاگ جاتا ہے۔ چونکہ مُردے کے پاس سے شیطان کو بھگانا ضروری ہے اس لئے دفن کے بعد قبر پر بھی اذان کہی جانے۔ تو یہ اجتہاد بھی بالکل مہمل سمجھا جائے گا کیونکہ اول تو شیطان کا اغواء مرنے سے پہلے تک تھا۔ جو

مرگیا شیطان کو اس سے کیا کام؟ دوسرے، اگر یہ مصلحت صحیح ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعینؒ کی سمجھ میں بھی آسکتی تھی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعینؒ سے قبر پر اذان کہنا ثابت نہیں، اسی بناء پر فقہاء اہلسنت نے اس کو "بدعت" کہا ہے۔ علامہ شامیؒ "باب الاذان" میں لکھتے ہیں کہ خیرالرملی نے بحرالرائق کے حاشیے میں لکھا کہ بعض شافعیہ نے اذان مولود پر قیاس کرکے دفنِ میت کے وقت اذان کہنے کو مندوب کہا ہے، مگر ابن حجر نے شرح عباب میں اس قیاس کو رد کیا ہے۔ (ردالمحتار ص۳۸۵ ج۱ طبع جدید) اور دفن میت کے بیان میں فرماتے ہیں کہ مصنف نے دفن میت کا صرف مسنون طریقہ ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میت کو قبر میں اتارنے کے موقعہ پر اذان کہنا مسنون نہیں۔ جیسی آج کل عادت ہوگئی ہے۔ اور ابن حجر نے اپنے فتاوی میں تصریح کی ہے کہ یہ "بدعت" ہے۔ (ص۲۳۵ ج۲)

عرس بزرگان

قبروں پر کی جانے والی بدعات میں سب سے بڑی بدعت قبر کی سالانہ عید ہے۔ اسلام میں دو ہی عیدیں ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ مگر بریلویوں نے چار عیدیں بنا رکھی ہیں۔ عید میلاد النبی اور اپنے علاقے کے مرکزی بزرگ کی قبر کی سالانہ عید۔ اسے عرس بھی کہتے ہیں اور قبر ملی پر زائرین کا ہجوم اور پھر ان کی کھانے پینے کی ضیافتیں بالکل عید کی طرح ہوتی ہیں۔ دن بھی عام طور پر چھٹی کا ہوتا ہے اور ارد گرد سے لوگ عید سے زیادہ اہتمام کے ساتھ اس بزرگ کی قبر پر حاضری دیتے ہیں۔

زیارت قبور اور عید قبور میں فرق

اسلام میں زیارت قبور کا حکم موجود ہے۔ قبریں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔ اور وہاں دعا کرنے والوں سے اہل قبور کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن وہاں اجتماعی شکل میں جانا اور اس کے لیے ایک یا تین دن مقرر رکھنا اور ہر سال ان تاریخوں کی پابندی یہ وہ عید قبور ہے جس سے اسلام نے منع کیا ہے۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ بریلوی حضرت یہ عید قبور (عرس) اس اہتمام سے مناتے ہیں کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ بھی ان عرسوں کے آگے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ ان بدعات کے آگے سب سنتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔

عرسوں کی محفلوں میں عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط قوالی کی مجلسیں اُترتی دیگوں کی

ز شہر میں صندوں کے جلوسے ہاروں سے لدے گئے اور چوغوں اور جبتوں میں ملبوس پیر پاؤں میں لنگرو پہنے رقص کرتے تنے والے زائرین اور ان کی پھیلی چادروں میں نذروں اور منتوں کے نوٹ ۔ یہ نذرانے وہ اعمال ہیں جو عرسوں کے جان اور بریلویوں کی پہچان ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا قبروں کی اس سالانہ حاضری اور پھر اجتماعی حاضری کا کوئی تصور اسلام میں موجود ہے؟ کیا اسلام میں کسی قبر پر عید کا سا ہجوم کرنا اور اسے پر رونق بنانا جائز ہے؟ اسلام میں عید قبور کا کیا درجہ ہے۔ آیئے اس کے لیے ہم سب سے بڑے روحانی مرکز گنبدِ خضریٰ کی طرف متوجہ ہوں کیا وہاں عید قبور کا کوئی دن مقرر ہوتا ہے؟ اور کیا وہاں بھی کبھی کوئی عرس ہوا ہے؟

اب تو بریلوی کہہ سکتے ہیں کہ وہاں آلِ سعود کی حکومت ہے وہ توحید کے پورے پابند ہیں شرک و بدعت کو اپنے وہاں راہ نہیں دیتے چلو یونہی سہی۔ لیکن خدارا اس بات پر بھی تو نظر کیجئے کہ کیا خلفائے راشدینؓ کے دور میں وہاں کبھی کوئی عرس منایا گیا کیا خلفائے راشدینؓ بھی معاذ اللہ سب کے سب بد مذہب تھے؟

فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون۔ (پ الانعام آیت ۸۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

لا تجعلوا بیوتکم قبورًا ولا تجعلوا قبری عیدًا وصلوا علیّ فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم[1]

ترجمہ: تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنا رکھنا (کہ تمہارے گھر نمازوں سے خالی رہیں) اور نہ میری قبر کو عید بنانا (کہ وہاں ایک دن اکٹھے ہو کر آؤ جیسا کہ عید کے دن ہوتا ہے۔ اور مجھ پر درود پڑھتے رہو (دور رہنے کی وجہ سے یہ نہ سمجھنا کہ مجھے درود نہ پہنچے گا) تمہارا درود تم جہاں بھی ہو وہاں سے مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

اس حدیث میں یہ بات کہ میری قبر کو عید نہ بنانا۔ اس کی شرح میں حضرت شاہ ولی اللہ

---

[1] رواہ النسائی و رواہ ابو داؤد جلد ا ص۲۷۹ والنسائی جلد ص مشکوٰۃ ص۸۶

بدعت لکھتے ہیں:۔

لا تجعلوا قبری عیدا اقول هذا اشارة الی سد مدخل التحریف کما فعل

الیهود والنصاریٰ بقبور انبیائهم وجعلوها عیدا وموسما بمنزلة الحج[1]

ترجمہ: میں کہتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ میری قبر کو عید نہ بنانا

یہ اشارہ ہے کہ دین بگاڑنے کا دروازہ بند کر دیا جائے یہود ونصاریٰ نے اپنے انبیاء

کی قبروں کو عید بنا رکھا تھا اور جس طرح حج کا ایک موسم مقرر ہے وہ ان قبروں پر

خاص دنوں میں رونقیں کرتے تھے۔

مولوی محمد عمر صاحب کہتے ہیں یہاں شاہ صاحب نے اسے تشبہ بالیہود والنصاریٰ کی وجہ سے

منع کیا ہے۔ نہیں! آپ نے اس پر صرف ارشاد رسالت کی وجہ سے نکیر کی ہے یہود ونصاریٰ کے عمل

تو آپ محض مثال کے طور پر لائے ہیں۔ ورنہ آپ اسے دین میں تحریف کرنے والوں کی سب سے بڑی

بدعت سمجھتے ہیں۔ اولیاء کرام کی قبروں پر انہوں نے سالانہ میلے ٹھہرا رکھے ہیں جہاں یہ لوگ عید کی طرح

ہجوم کرتے ہیں اور چادریں پھیلاتے اور دور سے ننگے پاؤں آ کے وہاں حاضری دیتے ہیں

ومن اعظم البدع ما اخترعوا فی امر القبور واتخذوها عیدا۔[2]

ترجمہ: ان کی بڑی بدعات میں سے ان کا وہ عمل بھی ہے جو انہوں نے قبروں کے

پاس گھڑ رکھا ہے اور وہ ان کی عید قبور کی تقریبات ہیں۔

ابھی ان تقریبات پر لفظ عرس اتنا معروف نہ تھا۔ یہ لفظ ذرا آگے چل کر اس دائرہ تقریبات

میں داخل ہوا ہے۔ پہلے عرس مشائخ کے ساتھ جا کر قبروں کی زیارت کرنے کا نام تھا ہمعات کی عبارت

سے یہی متبادر ہوتا ہے:۔

وازیں جاست حفظ اعراس مشائخ ومواظبت زیارت قبور ایشاں[3]

ترجمہ: مشائخ کے عرس اور ان کی زیارت قبور کے لیے بار بار جاتے رہنا اسی لیے ہے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۷۷ [2] تفہیمات جلد ۲ ص ۶۴ [3] ہمعات ص ۵۸ اسلامی پریس تحفہ محمدیہ

لیکن بعد میں یہ عرس زندہ بزرگوں کی معیت میں قبروں پر جانے کے نہ رہے، مرحومین کی قبروں پر سالانہ اجتماع بن گئے۔

نقشبندی سلسلہ کے عظیم روحانی بزرگ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی لکھتے ہیں:۔

لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد الیها ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد ویسمونه عرساً[1]

ترجمہ: یہ جاہل لوگ اولیاء وشہداء کی قبروں پر جو سجدے کرتے ہیں اور ان کے گرد طواف کرتے ہیں اور وہاں چراغ جلاتے ہیں اور وہاں نمازوں کی جگہ بناتے ہیں یہ جائز نہیں اور اسی طرح یہ جو وہاں سالانہ عید کرتے ہیں اور اس کا نام عرس رکھتے ہیں یہ بھی جائز نہیں۔

بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے یہ بھی لکھا ہے:۔

جو شخص اجمیر میں حضرت خواجہ چشتی کی قبر پر یا حضرت سالار مسعود غازی کی قبر پر یا ان کی مانند اور کسی قبر پر اس لیے گیا کہ وہاں کوئی حاجت طلب کرے تو اس نے ایسا گناہ کیا کہ جو شرک ہونے کے باعث قتل اور زنا سے بھی بدتر ہے۔[2]

سراج علمائے ہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

برائے زیارت قبور روز معین نمودن بدعت است واصل زیارت جائز و تعیین وقت در سلف نبود و ایں بدعت از اں قبیل است کہ اصل جائز است و خصوصیت وقت بدعت۔[3]

ترجمہ: قبروں پر جانے کے لیے دن مقرر کرنا بدعت ہے اور مطلق زیارت جائز ہے۔ قبروں پر جانے کے لیے دنوں کی تعیین سلف میں نہ تھی۔ یہ بدعت اس نوع

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۱ ص۶۵ [2] دیکھئے تفہیمات جلد ۲ ص۴۵ [3] فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص۸۹

کی ہے اس کی بنیاد تو صحیح تھی لیکن تعیین وقت کی وجہ سے بدعت بن گیا

وقت مقرر نہ کرنے سے زیارت قبور کی اصل شرعی ممنوع ہونے سے بچ جائے گی اور زیارت قبور تو رہے گی پر عرس نہ ہو سکیں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔

رفتن بر قبور بعد سالے یک روز معین کردہ سہ صورت است۔ اول آنکہ یک روز معین نمودہ یک شخص یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر بر قبور محض بنا بر زیارت و استغفار بروند۔ ایں قدر از روئے روایات ثابت است و در تفسیر درمنثور نقل نمودہ کہ ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر مقابر مے رفتند و دعا برائے مغفرت اہل قبور مے نمودند[1]

ترجمہ: قبروں پر سال بعد ایک دن معین کر کے جانا اس کی تین صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ ایک دن مقرر کر کے ایک دو آدمی بغیر کسی ہیئت اجتماعیہ اور لوگوں کی بھیڑ کے قبروں پر زیارت کے لیے جائیں اور مرحومین کے لیے استغفار کریں۔ اتنی بات روایات سے ثابت ہے اور تفسیر درمنثور میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال قبروں پر جاتے اور اہل قبر کے لیے بخشش کی دعا کرتے

اگر یہ روایات کسی درجے میں قبول ہوں تو ان کا حاصل اس سے آگے نہیں جو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے۔ ہر سال نیا دن مقرر ہو اور یہ تعیین محض اتفاقی ہو

اس سالانہ حاضری کی دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن کریم کا ختم ہو اور حاضرین کو کھانا کھلا دیا جائے۔ یہاں جو کچھ لوگ اکٹھے ہوں [illegible] یہ خرافات بھی نہ ہوں جو آج کل عرسوں میں ہوتی ہیں [illegible] اس کے بارے میں شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔

ایں قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نبود اگر کسے ایں طور بکند باک نیست زیرا کہ دریں قسم قبحے نیست

---

[1] فتاوی عزیزی [illegible]

ترجمہ۔ یہ طریق عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے دور میں نہ تھا اگر کوئی اس طرح کرے تو جائز نہیں کیونکہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اگر کوئی کہے کہ کیا اس میں کھانا یا شیرینی سامنے رکھ کر اس پر دعا مانگنے کا ذکر نہیں ہم کہیں گے سامنے رکھنا تو مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک بھی بے کار بات ہے۔

وقتِ فاتحہ کھانے کا قاری کے پیشِ نظر ہونا اگرچہ بے کار بات ہے مگر اس کے سبب سے وصولِ ثواب یا جوازِ فاتحہ میں کچھ خلل نہیں۔[1]

یہی ایک چیز تھی جسے اس صورتِ عمل میں قباحت والی کہا جاسکتا تھا۔ سو اس کے بارے میں اگر یہ عقیدہ ہو کہ یہ بے کار بات ہے تو پھر واقعی اس میں حرج نہیں۔ تاہم حضرت شاہ صاحبؒ نے اسے معمولِ سلف قرار نہیں دیا۔

لیکن آج کل جو عرس ہیں وہ اس دوسری قسم کے نہیں۔ یہ ایک تیسری قسم ہے جو انتہائی درجہ قبیح اور ممنوع ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

سوم طور جمع شدن بر قبور ایں است کہ مردماں یک روز معین نمودہ و لباس ہائے فاخرہ و نفیس پوشیدہ مثل روز عید شادماں شدہ بر قبرہا جمع مے شوند و رقص و مزامیر و دیگر بدعات ممنوعہ مثل سجود برائے قبور و طواف گرد قبور مے نمایند ایں قسم حرام و ممنوع است بلکہ بعضے بحد کفر مے رسند ہمیں است محمل ایں دو حدیث ولا تجعلوا قبری عیدا چنانچہ در مشکوٰۃ شریف موجود است و اللهم لا تجعل قبری وثنا یعبد ایں ہم در مشکوٰۃ است۔[2]

ترجمہ تیسرا طریقہ قبروں پر جمع ہونے کا یہ ہے کہ لوگ ایک دن طے کر کے عمدہ اور نفیس کپڑے پہن کر جیسا کہ عید کے دن ہوتا ہے مزار پر جمع ہوں وہاں (ملنگ) رقص بھی کر رہے ہوں اور ساز سے قوالیاں بھی ہوں قبروں پر سجدے بھی ہو رہے ہوں

---

[1] اکمل الفتاویٰ ص ۱۲ [2] فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص ۳۸ کتاب البرزخ ص ۱۹ مؤلفہ نور بخش توکلی مطبوعہ ۱۳۲۹ھ

اور لوگ ان کا طواف بھی کرتے ہوں یہ قسم اجتماع (عرس رائجہ) حرام اور ممنوع ہے بلکہ ان میں سے بعض باتیں کفر کی حد کو چھوتی ہیں یہی محمل ہے ان دو احادیث کا ــــــ تم میری قبر کو عید نہ بنانا ــــ اور ــــ اے اللہ! میری قبر کو بتھان کے درجے میں نہ لانا کہ اس کی عبادت ہونے لگے (اس پر سجدے کئے جانے لگیں) یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ میں موجود ہیں۔

قبورِ شہداء پر سالانہ حاضری کی روایات

مولانا احمد رضا خاں نے ہادی الناس فی رسوم الاعراس میں کچھ ایسی روایات نقل کی ہیں کہ حضورؐ ہر سال شہداء کی قبروں پر دعا کے لیے جاتے تھے۔ یہ روایات زیادہ تر بے سند ہیں اور ان کتابوں میں ہیں جو آخری درجے کی کمزور کتابیں شمار ہوتی ہیں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ان روایات کو تفسیر درمنثور سے روایت کیا ہے اور اس کی شرح میں کہا ہے کہ اس سے مراد ایک دو اشخاص کا بغیر کسی اجتماعی صورت کے قبروں پر جانا ہے۔ یہ اجتماعی شکل میں وہاں جانا جیسا کہ آجکل عرسوں میں ہوتا ہے یہاں ہرگز مراد نہیں۔ اور ہر سال جانے سے مراد بھی ہر سال کسی ایک معین تاریخ پر جانا نہیں نہ اس میں اس تاریخ کا التزام تھا جب جنگ احد لڑی گئی تھی ــــ آج کل اگر کوئی شخص دن مقرر کرے تو چاہیئے کہ وہ تعیین انتظامی ہر سال کے لیے التزامی نہ ہو۔

سوال : شادی کے لیے دن مقرر کرنا، جلسے کے لیے دن مقرر کرنا، سفرِ حج کے لیے ایئر لائنز سے تاریخ مقرر کرنا یا کسی دکان کے افتتاح کے لیے کوئی دن طے کرنا یہ جائز ہیں یا نہیں؟

جواب :۔ دنوں کی یہ تعیین محض انتظامی ہے اعتقادی نہیں۔ ان لوگوں میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ اس دن کی کوئی شرعی اصل ہے۔ محض انتظام کے درجہ میں تاریخ درج کی جاتی ہے اور ان تاریخوں کو کسی کی موت و حیات سے تعلق نہیں ہوتا۔

پھر اس انتظامی تعیین کے بھی دو درجے ہیں۔ اتفاقی اور التزامی ــــ اتفاقی یہ ہے کہ سب کی

مصلحت سے کوئی تاریخ طے کر دی۔ یہ تعیین بس ایک ہی دفعہ کے لیے ہے یہ تاریخ کوئی ضابطہ نہیں بن گئی۔ اور تعیین التزامی یہ ہے کہ وہ آئندہ بھی اسی تاریخ کا التزام کرے۔ مثلاً ایک بیٹے کی شادی ۱۰ ذوالحجہ کو کی ہے تو دوسرے کی شادی میں بھی اسی تاریخ کا التزام کرے اور پھر پورے خاندان میں آئندہ یہی تاریخ طے پا جائے۔ یہ انتظامی تعیین بھی اگر التزامی درجے میں آ جائے تو ممنوع ہو جائے گی۔

سفر اور تعیین میں فرق

کسی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا (یہ نہیں کہ اتفاق سے راستے میں کسی بزرگ کی قبر آگئی تو اس کے پاس سے گزرنے والے نے اس کی زیارت کرلی اور قبروں پر جو سلام کہا جاتا ہے کہہ دیا) جائز ہے یا نہیں؛ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ لیکن کسی نیک کام کے لیے دنوں کی تعیین اور وہ بھی التزامی درجے میں ——— یہ اسلام میں کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔ اسے سب ناجائز سمجھتے ہیں۔ مسئلہ سفر میں تو پھر مت الجھنا چاہیے۔ جب سلف میں کسی مسئلے میں اختلاف ہو گیا تو اس میں ایک دوسرے کو برداشت کرنا چاہیے لیکن دنوں کی غیر شرعی تعیین کو ہرگز برداشت نہ کرنا چاہیے۔ سنی مسلمان اس سے پوری کوشش سے بچتے رہے۔ بدعتی لوگ تو وہ خود اس کے جوابدہ ہوں گے اگر ان کا خاتمہ ایمان پر ہو گیا ——— یہ اگر کی بات ہم نے اس لیے کی ہے کہ بدعتی کا خاتمہ بالخیر بہت خطرے میں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سفر اور تعیین میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

قبور بزرگان کی زیارت کو سفر کر کے جانا مختلف فیہ ہے بعض علماء درست کہتے ہیں اور بعض منع کرتے ہیں یہ مسئلہ مختلفہ ہے اس میں نزاع و تکرار نہ چاہیے۔ مگر روز عرس کے دن زیارت کو جانا حرام ہے۔ فقط۔[1]

زیارت کے لیے جانا ممنوع نہیں اس کے لیے وقتی طور پر کسی دن کا ارادہ کر لیا جائے [illegible] تخصیص [illegible] عرس کے دن زیارت کے لیے جانا [illegible]

[1] فتاویٰ رشیدیہ جلد [illegible] صفحہ [illegible]

بدعات میں اور ان کی ظلمانی مجلسوں میں من وجہ شرکت ہے اور جو شخص کسی قوم کی گنتی کو بڑھائے وہ انہی میں اٹھایا جانے کے خطرہ میں ہے۔

تعیین اعتقادی اور تعیین التزامی

جمعہ کی فضیلت باقی دنوں پر اور رمضان کی فضیلت باقی مہینوں پر اور مسجد کی فضیلت باقی جگہوں پر یہ شرع میں ثابت ہے یہ تعیین اعتقادی ہے اور اس پر مبنی فضیلت شریعت میں ایک درجہ رکھتی ہے۔ لیکن ایصال ثواب کے لیے تیجے، دسویں، اکیسویں اور چالیسویں دونوں کی تعیین کرنا اور انہیں اہم جاننا یا گیارہ تاریخ کو افضل ٹھہرانا اور اس تاریخ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کو ایصال ثواب کرنا یہ ان اوقات کو اعتقادی فضیلت میں لانا ہے جن کے لیے شریعت میں افضلیت وارد نہیں ہوئی۔ اب جو شخص ان اوقات اور دنوں کی تعیین التزامی کرتا ہے وہ دراصل ان اوقات اور دنوں کی فضیلت اعتقادی کا قائل ہے اور یہی بدعت کی تعریف ہے کہ جو چیز دین نہیں اسے دین سمجھا جائے اور جاہلوں میں اسے بطور دین قائم کر دیا جائے۔

تخصیص اوقات اور تخصیص مقامات

جس طرح کسی وقت کی فضیلت بدوں شرع ثابت نہیں ہو سکتی کسی جگہ اور مقام کی فضیلت بھی دلیل شرعی کی محتاج ہے۔ ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم پڑھنا قبر کے پاس ہو یا مسجد میں یا گھر میں ثواب میں سب برابر ہے۔ کسی ایک جگہ پہنچنے کو اعتقاداً افضل جاننا درست نہیں۔

ہاں قبر کے پاس اس لیے پڑھے کہ اس سے میت مانوس ہوتی ہے تو یہ بنا بر اعتقاد سماع موتیٰ جائز ہو سکتا ہے لیکن فضیلتِ اعتقادی اسے بھی حاصل نہیں۔

عرسِ بُزرگان

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

دوم: شریعت نے جو چیز مطلق رکھی ہے اس میں اپنی طرف سے قیود لگالینا بدعت ہے۔

مثلاً شریعت نے زیارتِ قبور کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کیا۔ اب کسی بزرگ کی قبر پر جانے کے لئے ایک وقت مقرر کرلینا اور اسی کو ضروری سمجھنا بدعت ہوگا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے سوال کیا گیا کہ زیارتِ قبور کے لئے دن معین کرنا یا ان کے عرس پر جانا، جو کہ ایک معین دن ہوتا ہے درست ہے یا نہیں؟ جواب میں حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

برائے زیارتِ قبور روز معین نمودن بدعت است، و اصل زیارت جائز ـــــ و تعین وقت در سلف نبود، و این بدعت ازاں قبیل است کہ اصلش جائز است و خصوصیت وقت بدعت ـــــ مانند مصافحہ بعد عصر کہ در ملک توران وغیرہ رائج است ـــــ

قبروں پر جانے کے لئے دن معین کرلینا بدعت ہے۔ اور اصل زیارت جائز ہے ـــــ وقت کا تعین سلف صالحین میں نہیں تھا اور یہ بدعت اس طرح کی ہے کہ اسکی اصل تو جائز ہے مگر خصوصیت وقت بدعت ہے۔ اسکی مثال عصر کی نماز کے بعد مصافحہ ہے جس کا ملک توران

ودروز عرس بر اسئے یاددہانیدن وقت دعار برائے میت اگر باشد مضائقہ ندارد لیکن التزام آں نیز بدعت است از جاں قبیل کہ گذشت (فتاوی عزیزی ص۹۵ ج۱)

وغیرہ میں رواج ہے ـــــ اور اگر میت کے لئے دعار کی یاددہانی کی خاطر عرس کا دن ہو تو مضائقہ نہیں لیکن اس کو لازم کر لینا بھی بدعت ہے اسی قبیل سے جو کہ ابھی گذرا۔

اور آج کل بزرگوں کے عرس پر جو خرافات ہوتی ہیں، اور جس طرح میلے لگتے ہیں اس کو تو کوئی عقلمند بھی صحیح اور جائز نہیں کہہ سکتا ـــــــــــــ

اسی طرح شریعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، بزرگانِ دین اور عام مسلمانوں کے ایصالِ ثواب کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کیا، آدمی جب چاہے ایصالِ ثواب کرسکتا ہے۔ لہٰذا اس کیلئے خاص خاص اوقات اور خاص خاص صورتیں تجویز کر لینا اور انہی کی پابندی کو ضروری سمجھنا بدعت ہوگا۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ سے سوال کیا گیا کہ ربیع الاول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُرفتوح کے ایصالِ ثواب کے لئے اور محرم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت کے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکانا صحیح ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت شاہصاحب لکھتے ہیں ،

برائے ایں کار وقت و روز تعین نمودن و ماہے مقرر کردن بدعت است، آرے اگر وقتے بعمل آرند کہ در آں ثواب زیادہ شود مثل ماہ رمضان کہ عمل بندۂ مومن بہ ہفتاد درجہ ثواب زیادہ دارد مضائقہ نیست۔ زیراکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم برآں ترغیب فرمودہ

اس کام کے لئے دن، وقت اور مہینہ مقرر کرلینا بدعت ہے۔ ہاں اگر ایسے وقت عمل کیا جائے جس میں ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً ماہِ رمضان کہ اس میں بندۂ مومن کا عمل ستر گنے بڑھ جاتا ہے۔ تو مضائقہ نہیں کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی ترغیب فرمائی ہے

اند بقول حضرت امیرالمؤمنین علی مرتضیٰ رضؓ وہر چیزکہ بر آں ترغیب صاحب شرع وتعین وقت نباشد آں فعل عبث است ومخالف سنّت خیر الانام — ومخالف سنت حرام است، ہرگز روا نباشد. واگر دلش خواہد مخفی خیرات کنند درہر روز یکہ باشد تا نمود نشود.

(فتاویٰ عزیزی ص۹۳)

بقول امیرالمؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ. جو چیز کہ صاحب شریعت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسکی ترغیب نہیں دی اور اس کا وقت مقرر نہیں فرمایا وہ فعل عبث ہے، اور خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے مخالف —— اور جو چیز مخالف سنّت ہو وہ حرام ہے، ہرگز روا نہ ہوگی اور اگر کسی کا جی چاہتا ہے تو خفیہ طور پر خیرات کرے، جس دن بھی چاہے. تاکہ نمود ونمائش نہ ہو.

زیارتِ قبور کے لیے سفر

قبروں کی زیارت اور ان پر بجا لائے جانے والے اعمال کا مسئلہ بھی محلِ نزاع ہے۔ اس سلسلہ میں میں اپنے نکتۂ نظر کی وضاحت کے لئے چند امور عرض کر دینا چاہتا ہوں

① جاہلیت کی قبر پرستی سے نفرت دلانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں امت کو قبروں پر جانے سے منع فرما دیا تھا۔ اور جب اس رسم کی بخوبی اصلاح ہوگئی تو آپؐ نے زیارتِ قبور کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها فانها تزهد فی الدنیا وتذکر الآخرة۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۵۴)	میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا۔ اب وہ ممانعت منسوخ کی جاتی ہے، پس انکی زیارت کیا کرو، کیونکہ وہ دنیا سے بے رغبت کرتی ہیں، اور آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔

اس لئے قبرستان میں جانے کی اجازت ہے۔ البتہ دو مسئلوں میں اختلاف ہے ایک یہ کہ یہ اجازت مردوں اور عورتوں سب کو ہے، یا صرف مردوں کو؟ بعض اکابر کی رائے یہ ہے کہ عورتوں کو اجازت نہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے بارے میں خصوصیت سے فرمایا ہے:

لعن اللّٰہ زوّارات القبور۔	اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو قبروں
(مشکوٰۃ شریف ص۱۵۴)	کی زیارت کو جاتی ہیں۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد اجازت سے پہلے کا ہے۔ اور اب مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اجازت ہے۔ صحیح یہ ہے کہ عورتوں کو ممانعت اس بنا پر کی گئی ہے کہ یہ کم صبری اور کم علمی کی بنا پر وہاں جاکر جزع فزع نیز بدعات اور غیر شرعی حرکات کا ارتکاب کرنے سے باز نہیں رہ سکتیں، چونکہ ان کے جانے میں فتنے کا احتمال غالب تھا اس لئے ان کو خصوصیت سے منع کر دیا گیا ہے۔ تاہم اگر کوئی عورت وہاں جاکر کسی بدعت اور کسی غیر شرعی حرکت کی مرتکب نہ ہو تو اس کو اجازت ہے۔ مگر بوڑھی عورتیں جا سکتی ہیں، جوان عورتوں کو نہیں جانا چاہئے۔ (فتاویٰ شامی ص۲۴۲ ج۲ طبع جدید)

دوم یہ کہ صرف اپنے شہر کے قبرستان کی زیارت کے لئے جانا ہی صحیح ہے۔ یا دوسرے شہروں میں اولیاء اللہ اور صالحین کی قبروں کی زیارت کے لئے جانے کی بھی اجازت ہے؟ بعض اکابر کا ارشاد ہے کہ آدمی دوسرے شہر میں گیا ہوا ہو تو وہاں کی قبور کی زیارت بھی کر سکتا ہے۔ مگر صرف زیارتِ قبور کے ارادے سے جانا صحیح نہیں، لیکن امام غزالیؒ اور دوسرے بہت سے اکابر فرماتے ہیں کہ اس کی بھی اجازت ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہاں جاکر کوئی خلافِ شرع کام نہ کرے۔ (حوالۂ بالا)

۲ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ جب آدمی قبرستان جائے تو اہلِ قبور کو ان الفاظ میں سلام کہے:

"السلام علیکم دار قوم مؤمنین۔ انتم لنا سلف ونحن لکم تبع۔ وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔ نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ۔" (مشکوٰۃ شریف ص۱۵۴)

اس کے بعد ان کے لئے دعائے مغفرت کرے، اور کچھ پڑھ کر ان کے

ایصال ثواب کرے۔ احادیث شریفہ میں بعض خاص خاص سورتوں کے خاص فضائل بھی آئے ہیں۔ اسی طرح درود شریف کے فضائل بھی آئے ہیں۔ بہرحال درود شریف سورۂ فاتحہ۔ آیت الکرسی۔ سورۂ اخلاص اور دیگر جتنی سورتیں چاہے پڑھ کر ان کا ثواب بخشے۔ قبر پر دعا، یا تو بغیر ہاتھ اٹھائے کرنی چاہیے۔ یا قبر کی طرف پشت اور قبلہ کی طرف منہ کرکے دعا کی جائے۔ (فتاوی عالمگیری ج۵ ص۳۵۰ کتاب الکراہیۃ)

(۳) زیارتِ قبور کا اہم ترین مقصد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ یہ ہے کہ قبروں کا منظر دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا یقین تازہ ہو۔ آدمی ان سے عبرت پکڑے۔ اپنی موت اور قبر کو یاد کرے اور آخرت کی تیاری کے لئے اپنے نفس کو آمادہ کرے ــــــ دوسرا مقصد اہل قرابت کا حق ادا کرنا اور ان کو دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب سے نفع پہنچانا ہے۔ اور اہل اللہ کی قبروں کی زیارت سے ان کے فیوض و برکات سے خود مستفید ہونا اور جس راستے پر چل کر وہ مقبول بارگاہِ خداوندی ہوئے ہیں اس راستے پر چلنے کا عزم کرنا ہے۔

(۴) شریعت نے قبروں کے معاملے میں افراط و تفریط کو روا نہیں رکھا۔ چنانچہ ان کی بے حرمتی کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ اور ان کی تعظیم میں مبالغہ و غلو کرنے سے بھی ــــ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ کرنے، ان پر قبے تعمیر کرنے اور ان پر بیٹھنے کی ممانعت فرمائی ہے (مشکوٰۃ شریف ص۱۴۸)

ایک حدیث میں ہے کہ نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز پڑھو ــــــ

ایک اور حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص آگ کے انگارے پر بیٹھ جائے جس سے اس کے کپڑے جل جائیں اور آگ اس کے بدن تک پہنچ جائے یہ اس کے لئے بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی قبر پر بیٹھے ــــــ

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ کرنے۔

ان پر کچھ لکھنے، اور ان کو روندنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم صحابیؓ کو قبر سے ٹیک لگاتے ہوئے دیکھ کر فرمایا "قبر والے کو ایذا نہ دے"

(مشکوٰۃ شریف ص۱۴۹)

ان احادیث طیبہ سے واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبروں کی اہانت اور بے حرمتی بھی منظور نہیں۔ اور ان کی بے جا تعظیم بھی ——— البتہ اگر قبر پر کوئی خلاف شریعت حرکت کی گئی ہو تو اس کا ازالہ ضروری ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس مہم پر روانہ فرمایا تھا کہ جس تصویر یا مورتی کو دیکھوں اس کو مٹا ڈالوں، اور جس قبر کو اونچا دیکھوں اسے برابر کر دوں۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۴۸)

ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پختہ قبریں بنانا یا ان پر قبے تعمیر کرنا جائز نہیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں رفقاء (حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی قبور شریفہ بھی پختہ نہیں۔ بلکہ کچی ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۴۹)

(۵) اب ان اعمال کا جائزہ لیجئے جو ہمارے ناواقف عوام اولیاء اللہ کی قبروں پر بجا لاتے ہیں، مثلاً قبروں پر غلاف ڈالنا۔ ان پر چراغ جلانا۔ ان کو سجدہ کرنا۔ ان کا طواف کرنا۔ ان کو چومنا، ان پر پیشانی اور آنکھیں ملنا، ان کے سامنے دست بستہ اس طرح کھڑے ہونا جس طرح نمازی خدا کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ ان کے سامنے رکوع کی طرح جھکنا، ان پر منتیں ماننا اور چڑھاوے چڑھانا۔ وغیرہ وغیرہ اگر آپ کو کبھی بزرگوں کے مزارات پر جانے کا اتفاق ہوا ہوگا تو آپ نے یہ سارے منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوں گے، حالانکہ ہمارے اہل سنت اور ائمہ احناف کی کتابوں میں ان تمام امور کو ناجائز لکھا ہے۔

کفنی یا الفی لکھنے کا بیان

مولانا عبدالرحیم راجپوری لکھتے ہیں

دُعا لکھ کر میت کے سینہ پر رکھنا

سوال:۔ احمد آباد سے ماہنامہ "آب حیات" (گجراتی) شائع ہوتا ہے اس کے موجودہ مہینے کے شمارہ میں ایصال ثواب کے متعلق ایک مضمون ادارے کی طرف سے لکھا گیا ہے اور اس میں میت کے لئے ایک خاص دعا کے متعلق حسب ذیل عبارت لکھی ہے:۔

" کبیری میں لکھا ہے کہ مرنے والے مرد یا عورت کو کفن پہنانے کے وقت ایک پرچہ پر ذیل کی دعا لکھ کر اس کے سینہ پر رکھ کر دفن کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس میت پر اپنی بے حساب رحم و کرم کی بارش کرتے ہیں۔ دُعا یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علی کل شئی قدیر اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ ۱۰ فاقم الصلوٰۃ طرفی النھار وزلفا من اللیل ان الحسنات یذھبن السیات ذالک ذکری للذاکرین افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ فاصبر ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھوداً فقل حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم

اتنا لکھ کر اخیر میں مع بسم اللہ کے پوری سورۂ الم نشرح لکھ کر وہ پرچہ میت کے سینے پر۔

رکھ دیا جائے۔ (کبیری شرح منیہ ص۔۔۔) (مفتاح ایمان باب ص۔۔)

میت کے لئے یہ طریقہ انجام دینا جائز ہے یا ناجائز؟ تفصیل سے جواب دیں؟ جواب پیغام میں شائع کریں۔

جواب :۔ کبیری شرح منیہ میں نہ یہ آیتیں اور دعائیں ہیں نہ اس کی تشریح ہے کہ پرچہ پر لکھ کر میت کے سینہ پر رکھی جائیں صرف یہ ہے کہ "اگر میت کی پیشانی یا پگڑی یا کفن پر عہد نامہ لکھا جائے تو اس کی مغفرت کی امید ہے اس کے ثبوت کے لئے کوئی حدیث پیش نہیں کی بلکہ کسی بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے وصیت کی تھی کہ "میری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دینا" مرنے کے بعد کسی نے ان بزرگ کو خواب میں دیکھا۔ حال پوچھا تو ان بزرگ نے فرمایا کہ عذاب کے فرشتوں نے میری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ تو عذاب سے مامون ہے۔ (کبیری شرح منیہ)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بغیر روشنائی کے یونہی انگلی کے اشارے سے کفن وغیرہ پر عہد نامہ وغیرہ دعائیں لکھی جائیں تو یہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔" فتاویٰ شامی" میں ہے کہ بعض فقہاء نے ہدایت کی ہے کہ جب میت کو غسل دیا جا چکے تو کفن میں لپیٹنے سے پہلے روشنائی کے بغیر محض شہادت کی انگلی سے میت کی پیشانی پر بسم اللہ اور سینہ پر کلمۂ طیبہ لکھ دیا جائے ان ما یکتب علی جبھۃ المیت بغیر مداد بالاصبع المسبحۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم وعلی الصدر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ وذالک بعد الغسل قبل التکفین (شامی ص۔۔۔)

اور "دستور الکبیں" میں ہے کہ "بنویسند بر پیشانی میت بغیر مداد بانگشت" (میت کی پیشانی پر بغیر روشنائی کے انگلی سے لکھ دیں)

اور اگر کبیری کی عبارت کا یہ مطلب لیا جائے کہ روشنائی وغیرہ سے لکھا جائے تو یہ قول معتبر اور صحیح نہیں ہے، علامہ شامی وغیرہ محققین فقہاء اس کے سخت مخالف ہیں۔

شامی میں ہے وقد افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان یکتب علی الکفن یٰسٓ

والنقش ونحوهما حوفا من صديد الميت .... وقد منا قبيل باب المياه عن الفتح انه تكره كتابة القرآن واسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش وما ذاك الا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه اهانة فالمنع هنا بالأولىٰ على مالم يثبت عن المجتهد اوينقل فيه حديث ثابت (ص ۲۴۶ ج ۱)

(ترجمہ) امام ابن صلاح نے فتویٰ دیا ہے کہ سورۂ یٰسٓ اور سورۂ کہف وغیرہ متبرک کلمات کفن پر لکھنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ جان بوجھکر واجب الاحترام کلمات کفن پر لکھنا مردہ کے خون وغیرہ میں آلودہ کرنا ہے ..... اور پہلے ہم فتح القدیر کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ قرآنی آیات اور اسمائے الٰہی دراہم، محراب، دیواروں اور فرش وغیرہ پر لکھنا ممنوع ہے اس ممانعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کلمات و آیات کا احترام ضروری ہے اور یہاں بے ادبی کا خطرہ ہے جو حرام ہے جب دیوار اور محراب پر لکھنا بھی ممنوع ہے تو (کفن یا جسم میت پر لکھنا) تو ضرور ممنوع ہوگا یہاں خطرہ اور زیادہ ہے اور جب تک کسی مجتہد کا فتویٰ نہ ہو یا اس بارہ میں کوئی صحیح حدیث نہ ہو اس کو ممنوع کہا جائے گا۔ شامی ص ۲۴۶ ج ۱)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ قبر میں شجرہ رکھنے کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگان است لیکن ایں را دو طریق است اول اینکہ بر سینۂ مُردہ درون کفن یا بالائے کفن گزارند ایں طریق را فقہاء منع می گویند کہ از بدن مُردہ خون وریم سیلان می کند و موجب سوء ادب با سمائے بزرگان می شود" (ترجمہ، قبر میں شجرہ رکھنا (بعض) بزرگان کا معمول ہے مگر اس کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ مُردہ کے سینے پر کفن کے اندر یا باہر رکھے، اس طرح سے فقہاءؒ نے روکا ہے اور کہا ہے کہ مُردہ کے جسم میں سے خون اور پیپ جاری ہوگا اور بزرگوں کے ناموں کی بے حرمتی ہوگی (فیض عام)

اور "فوائد الفواد" میں ہے " قرآن، دعا بر قبر ہا نمی باید نوشت و بر جامۂ کفن نیز"

(ترجمہ) قرآن اور دعا قبروں پر نہ لکھنی چاہیئے اور کفن پر بھی۔

اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ " فرقہ رضاخانی " کی مشہور و معروف کتاب " بہار شریعت " میں مذکور بیان کے اخیر میں فیصلہ کے طور پر ممانعت کے حکم کی تائید کی ہے کہ " مگر نہلانے کے بعد کفن پہنانے سے پہلے کلمہ کی انگلی سے لکھے . روشنائی سے نہ لکھے " بہار شریعت ص۱۲۲ ج۴)

الحاصل عہد نامہ وغیرہ دعا رمیت کے جسم یا کفن پر روشنائی وغیرہ سے لکھنا تحریر کی بے ادبی اور بے حرمتی کی وجہ سے ممنوع ہے ' ہاں ! حصولِ برکت کے لئے عہد نامہ وغیرہ کوئی دعا کفن پر بسم اللہ پیشانی پر اور کلمہ طیبہ سینہ پر بغیر روشنائی کے محض کلمہ کی انگلی کے اشارے سے اس طرح لکھے کہ حروف کے نشان نہ پڑیں تو جائز ہے ' ممنوع نہیں ہے . مگر اس کو ضروری اور مسنون نہ سمجھ لیا جائے نیز یہ عقیدہ بھی نہ ہو کہ اس سے یقینی مغفرت ہو جاتی ہے ' اس لئے کہ مغفرت کے طریقے سماعی ہیں قیاسی نہیں . لہذا حدیثِ صحیح وغیرہ مضبوط دلیل کے بغیر محض قیاس و خواب کے اعتماد پر عقیدہ یا شرعی حکم نہیں بن سکتا ' ہاں ! نزولِ رحمت اور حصولِ مغفرت کی امید رکھنا اچھا ہے فقط واللہ اعلم بالصواب

تم الجزء الاول من فتاوی رحیمیہ و یلیہ

الجزء الثانی انشاء اللہ

ذکر بالجہر

شریعت نے جو عبادت جس خاص کیفیت میں مشروع کی ہے اس کو اسی طرح ادا کرنا لازم ہے۔ اور اسکی کیفیت میں تبدیلی کرنا حرام اور بدعت ہے۔

مثلاً دن کی نمازوں میں شریعت نے قرأت آہستہ تجویز کی ہے۔ اور رات کی نمازوں میں نیز جمعہ اور عیدین میں جہری قرأت مقرر فرمائی ہے۔ اگر کوئی شخص خوش الحانی کے شوق میں ظہر عصر کی نمازوں میں بھی اونچی قرارت کرنے لگے تو اس کا یہ فعل ناجائز اور بدعت ہوگا۔

یا مثلاً جہری نمازوں میں بھی سبحانک اللّٰھم۔ اعوذباللہ ۔ ——— آہستہ پڑھی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص ان کی بھی جہراً قرأت کرنے لگے تو یہ جائز نہیں، حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نے ان سے دریافت کیا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بلند آواز سے بسم اللہ شریف پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا: بیٹا! یہ بدعت ہے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے وہ بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھا کرتے تھے۔

یا مثلاً نماز ختم ہونے کے بعد احادیث طیبہ میں مختلف اوراد و اذکار اور دعاؤں کا حکم فرمایا گیا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ یہ ذکر اور دعاء باواز بلند نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ ہر شخص اپنے منہ میں پڑھا کرتا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کو ان اوراد و اذکار اور دعاؤں میں یہی کیفیت مطلوب ہے۔ اور امت کو اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس بعض

مساجد میں آپ نے دیکھا ہوگا کر لوگ شہر میں شہر ملاکر اونچی آواز سے کلمہ شریف کا ورد کرتے ہیں، یہ طریقہ نبوی اور مطلوب شرعی کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعت ہے۔

چہارم: جس عبادت کو شریعت نے انفرادی طور پر مشروع فرمایا ہے اس کو اجتماعی طور پر کرنا بدعت ہے۔ مثلاً فرض نماز تو اجتماعی طور پر پڑھی جاتی ہے۔ اور شریعت کو ان کا اجتماعی طور پر ادا کرنا ہی مطلوب ہے۔ مگر نفلی نماز الگ الگ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے نفلی نماز اجتماعی طور پر پڑھنے کو ہمارے فقہاء نے مکروہ اور بدعت لکھا ہے۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

ولذا منعوا عن الاجتماع لصلوٰة الرغائب التی احدثها بعض المتعبدین، لانها لم تؤثر علی هذه الکیفیة فی تلک اللیالی المخصوصة وان کانت الصلوٰة خیر موضوع۔ (رد المحتار ص۲۳۵ ج۲)	اسی بناء پر فقہائے امت نے نماز "رغائب" کے لئے جمع ہونے سے منع کیا ہے، جو کہ بعض متعبدین نے ایجاد کی ہے، کیونکہ ان مخصوص راتوں میں اس کیفیت سے نماز پڑھنا منقول نہیں، اگرچہ نماز بذات خود خیر ہی خیر ہے۔

اسی سے شب برات، شب معراج اور شب قدر میں نمازوں کے لئے جمع ہونے اور ان کو اجتماعی شکل میں ادا کرنے کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔

یا مثلاً شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو عبادت اجتماعی طور پر ادا کی گئی ہے اس کے بعد تو دعاء اجتماعی طور پر کی جائے۔ مگر جو عبادت الگ الگ ادا کی گئی ہو اس کے بعد دعاء بھی انفرادی طور پر ہونی چاہیے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعین سے یہ منقول نہیں ہے کہ وہ سنن و نوافل کے بعد اجتماعی دعاء کرتے ہوں۔ اس لئے ہمارے یہاں جو رواج ہے کہ لوگ

سنتیں نفل پڑھنے کے بعد امام کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ سنن و نوافل سے فارغ ہونے کے بعد امام دعاء کرتا ہے اور لوگ ——— اسپر آمین آمین کہتے ہیں یہ صحیح نہیں ——— اگر اتفاقاً کسی بزرگ کی دعاء میں شریک ہونے کے لئے ایسا ہوجائے تو مضائقہ نہیں مگر اسکی عادت بنا لینا بدعت ہے۔

یا مثلاً نماز کے علاوہ شریعت نے ذکر و تسبیح اور درود شریف وغیرہ اجتماعی طور پر پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ ہر شخص کو الگ الگ جو پڑھنا ہو پڑھے۔ اب ان اذکار کو اجتماعی طور پر مل کر پڑھنا بدعت ہوگا۔

فتاوٰی عالمگیری میں "محیط" سے نقل کیا ہے:

قراءة الکافرون الیٰ الآخر مع الجمع مکروهة لانها بدعة لم تنقل عن الصحابة ولا عن التابعین۔ (ص۲۱۷)	سورۂ الکافرون سے آخر تک مجمع کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ بدعت ہے، صحابہؓ و تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں۔

فتاوٰی بزازیہ میں فتاوٰی قاضی خاں کے حوالے سے نقل کیا ہے:

رفع الصوت بالذکر حرام و قد صح عن ابن مسعود انه سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یهللون و یصلون علیه علیه الصلوٰة والسلام جهرًا۔ فراح الیهم فقال ما عهدنا ذٰلك علی عهده علیه السلام، وما اراکم الا مبتدعین، فما زال یذکر ذٰلك حتی اخرجهم	بلند آواز سے ذکر کرنا حرام ہے، حضرت ابن مسعودؓ سے بسند صحیح منقول ہے کہ آپ نے سنا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہوکر بلند آواز سے کلمہ طیبہ اور درود شریف کا ورد کرتے ہیں۔ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ چیز نہیں دیکھی، میرا خیال ہے کہ تم بدعت

عن المسجد۔

(بزازیہ برحاشیہ فتاوی عالمگیری ص ۳۷۸ ج ۶)

کرتے ہو۔ آپ بار بار یہی بات کہتے رہے یہاں تک کہ انھیں مسجد سے نکال دیا۔

اس سے معلوم ہوا ہوگا آج کل مسجدوں میں زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھنے اور گاگا کر درود وسلام پڑھنے کا جو بعض لوگوں نے رواج نکالا یہ بدعت ہے۔ اور اس سے مساجد کو پاک کرنا لازم ہے۔

اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ العالی

مولانا نعیم الدین مراد آبادی بریلوی کا ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ششم۔ موضا ۱۲ا چوتھے وہ جانور جس نے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو جیسا کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اور جس جانور کو ذبح تو صرف اللہ کے نام پر کیا گیا ہو مگر دوسرے اوقات میں وہ غیر خدا کی طرف منسوب رہا ہو؟ حرام نہیں جیسے عبداللہ کی گائے عقیقے کا بکرا ولیمہ کا جانور یا وہ جانور جن سے اولیاء کو ثواب پہنچانا منظور ہو، اُن کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے مگر ذبح اُن کا فقط اللہ کے نام پر ہو۔ اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال وطیب ہیں، اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو، وہابی جو ذبح کی قید نہیں لگاتے وہ آیت کے معنی میں غلطی کرتے ہیں، اور ان کا قول تمام تفاسیر معتبرہ کے خلاف ہے، اور خود آیت ان کے معنی کو نہیں بننے دیتی کیونکہ مَآ اُھِلَّ بِہٖ کو اگر وقت ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں تو اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ کا استثناء اس کو لاحق ہوگا اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے موسوم رہا ہو وہ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ سے حلال ہوگا۔ غرض وہابی کو آیت سے سند لانے کی کوئی سبیل نہیں انتہٰی بلفظہٖ۔

تنقید مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ جو کچھ تحریر کیا ہے محض اپنے ایک باطل نظریہ کے تحت لکھا ہے، اور اپنی بدعت پسندی کا واضح ثبوت دیا ہے جو چند وجوہ سے مردود ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ اہلال کے معنی عربی زبان میں ذبح کے نہیں بلکہ ذکر نے اور شہرت دینے کے ہیں مشہور لغوی علامہ ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی

الحنفیؒ (المتوفی ۶۱۶ھ) اہلال کا معنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

اھلوا الھلال واستھلوہ رفعوا اصواتھم عند رؤیتہ۔ و استھلال الصبی ان یرفع صوتہ بالبکاء عند ولادتہ الاھلال رفع الصوت لیقول لا الٰہ الا اللہ ومنہ قولہ تعالیٰ وما اھل بہ لغیر اللہ واھل المحرم بالحج رفع صوتہ بالتلبیۃ:۔
(معرب جلد ۲ ص۲۴۳)

یعنی چاند دیکھنے کے وقت جو آواز بلند کی جاتی ہے اس کو اہلال اور استہلال کہتے ہیں اور اسی طرح جب بچہ پیدائش کے وقت آواز بلند کرے تو کہا جاتا ہے استھل الصبی اور اہلال کا معنی ہے بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ پڑھنا اور اسی سے ہے مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہ اور حاجی جب احرام باندھ کر بلند آواز سے لبیک پڑھتا ہے، تو اس کو بھی اہلال کہتے ہیں۔

اِس عبارت سے معلوم ہوا کہ اہلال کے مفہوم اور معنی میں ذبح کی قید ملحوظ نہیں ہے، اور اِس کا اصل معنی ہی آواز بلند کرنا ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ (المتوفی ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

واھلال رفع الصوت برؤیۃ الھلال ثم استعمل لکل صوت وبہ شبہ اھلال الصبی وقولہ تعالیٰ وما اھل بہ لغیر اللہ ای ما ذکر علیہ غیر اسم اللہ وھو ما کان یذبح لاجل الاصنام۔
(مفردات ص۵۶۶ طبع مصر)

چاند دیکھتے وقت جو آواز بلند کی جاتی ہے، اس کو اہلال کہتے ہیں پھر یہ مطلقاً ہر آواز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اسی سے پیدائش کے وقت بچے کے رونے کی آواز کو اہلال کہتے ہیں، اور مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہ کا معنی یہ ہے کہ جس جانور پر غیر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اور وہ اصنام کی خاطر ذبح کیا جائے۔

اِس عبارت میں بھی اِس امر کو آشکارا کیا گیا ہے کہ جس جانور کو غیر اللہ کے لیے شہرت دی گئی ہو اور اصنام کی خاطر جس کو ذبح کیا جائے وہ مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہ

کہلاتا ہے یعنی اہلال کا معنیٰ نہ تو ذبح کے لیے ہے، اور نہ وقت ذبح غیر اللہ کا نام اس پر لینا شرط ہے، ہاں غیر اللہ کے لیے نامزد کرنا، اور شہرت دینا اس میں ملحوظ ہے، یہ یاد رہے کہ اصنام محض اینٹ اور پتھر کے بن گھڑت ٹکڑوں کا نام نہیں۔ بلکہ جو انسانی شکل وصورت پر ہوں انکو اصنام واوثان کہتے ہیں، چنانچہ امام ابن جریر طبریؒ (المتوفی ۳۱۰ھ) اور علامہ علی بن محمد الخازنؒ (المتوفی ۷۴۱ھ) لکھتے ہیں کہ:

والاصنام جمع صنم وهو التمثال الذي يتخذ من خشب او حجارة او حديد او ذهب او فضة على صورة الانسان وهو الوثن ايضاً (تفسير ابن جرير جلد ۷ ص۱۵۰ و تفسير خازن جلد ۲ ص۱۳۲)

اصنام صنم کی جمع ہے اور وہ ایسا مجسمہ ہوتا ہے جو لکڑی یا پتھر، یا لوہے، یا سونے یا چاندی (وغیرہ) سے انسانی صورت پر بنایا جائے اور وثن بھی اسی کو کہتے ہیں۔ (جس کی جمع اوثان آتی ہے)۔

یعنی جن لوگوں نے بتوں کے نام پر بھی نذرانے پیش کئے ہیں تو ان کو اینٹ اور پتھر وغیرہ سمجھ کر نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ ان انسانوں اور بزرگوں کے نمونے اور ان کے مجسمے ہیں جن کے ساتھ ان کی عقیدت ومحبت اور فریفتگی وابستہ ہے، تو عقیدت پتھر وغیرہ سے نہیں بلکہ انسانی ہستیوں سے ہے۔

اور علامہ ابوالفضل محمد بن عمر قرشیؒ لکھتے ہیں کہ:

وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ اى نودى عليه بغير اسم الله واصله رفع الصوت اھ (صراح ص۴۴۹)

وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ کا معنیٰ یہ ہے کہ غیر اللہ کا نام اس پر لیا جائے (یعنی نامزد کیا گیا ہو) اور اہلال کا اصل معنیٰ آواز بلند کرنے کے آتا ہے۔

اور امام ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں:

وانما قيل وما اهل به لانهم

وَمَا أُهِلَّ بِهٖ اس کو اس لیے کہا گیا

كانوا اذا ارادوا ذبح ما قربوه لالهتهم سموا اسم آلهتهم التي قربوا ذلك لها وجهروا بذلك اصواتهم اھ

ہے کہ اہلِ جاہلیت جب اپنے حاجت روا اوں کے تقرب کے لیے جانوروں کو ذبح کرنے کا ارادہ کرتے تو ان جانوروں پر اپنے مشکل کشاؤں کے نام لیتے اور بلند آواز سے اسکی تشہیر کرتے تھے۔

اس عبارت سے بھی یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ وہ لوگ اپنے فرضی الہوں کے نام پر جانوروں کو ذبح تو بعد کو کرتے مگر ان کی تشہیر اور اپنی خوش عقیدتی کی وجہ سے ان جانوروں کو تقرب اور تعظیم کے طور پر ان کی طرف منسوب پہلے کرتے تھے کہ مثلاً یہ فلاں بزرگ کا بکرا اور یہ فلاں ولی کی بھیڑ ہے۔ اور اسی نامزد کرنے کو اہلال کہتے ہیں۔ تفسیر مدارک اور بیضاوی وغیرہ میں اہلال کے معنی رفع الصوت کے کئے ہیں غرضیکہ وَمَا اُہِلَّ کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت خواہ مخواہ کی ضد کا البتہ کوئی علاج نہیں۔ ہاں بعض مفسرین کرامؒ نے عام رواج کے پیشِ نظر ذبح کے وقت غیر اللہ کے ذکر کی مشہور صورت ذکر کر دی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب الحنفی محدث دہلویؒ اپنی تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ :۔

اور اُہِلَّ کو ذبح پر حمل کرنا خلاف لغت اور عرف کے ہے اھلال لغت عرب اور عرف اس ملک میں بمعنی ذبح کے نہیں آیا ہے کسی شعر اور کسی عبارت میں پایا نہیں جاتا بلکہ اہلال لغت عرب میں بمعنی آواز اور شہرت دینے کے ہے جیسے آواز طفل نو اور شہرت چاند اور بمعنی آواز حج اور اس کے سوا معنوں میں مستعمل ہے، اگر کوئی کہے اھللت للہ ہرگز بمعنی ذبحت للہ نہ سمجھا جاوے گا اور نیز اگر اُہِلَّ کو ذبح پر حمل کریں۔ پس ذبح بغیر اللہ مراد ہوگی۔ ذبح باسم غیر اللہ کہاں مراد ہوگی۔ تاکہ مدعیٰ ان آدمیوں کا حاصل ہو۔ پس اس عبارت میں اہلال کو بمعنی ذبح لینا اور پھر بغیر اللہ کو بجائے اسم غیر اللہ کرنا قریب تحریف کلام الٰہی کے پہنچتا ہے۔

(تفسیر عزیزی پارہ سیقول جلد ۲ ص ۳۹ اردو) اور یہی شاہ صاحبؒ اس کی مزید تشریح اور تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ اور مگر وہ چیز کہ آواز دی گئی ہو حق، اس جانور میں بغیر اللہ واسطے غیر خدا کے خواہ وہ غیر بت ہو یا روح خبیث جیسے بھوگ کے نام دیتے ہیں، اور خواہ کسی جن کے نام کہ کسی کے گھر پر مسلط ہوا ہو، بدون لینے جانور کے دست بردار نہ ہوتا ہو اور خواہ پیر و پیغمبر کے نام زندہ جانور مقرر کر دیں کہ سب حرام ہے، اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جانور کو واسطے تقرب غیر خدا کے ذبح کرے وہ شخص ملعون ہے۔ (تفسیر عزیزی جلد ۲ ص ۳۹ اردو) اور حضرت شاہ صاحب موصوفؒ ہی یہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس واسطے کہ جب شہرت کر دی کہ یہ جانور فلانے کے واسطے ہے تو وقت ذبح کے خدا کا نام مفید نہ ہوگا۔ اِس واسطے کہ وہ جانور منسوب بغیرِ خدا ہو گیا، اور اس میں پلیدی ہو گئی اور خبث اس کا مُردار کے خبث سے زیادہ ہے۔ اِس واسطے کہ مردار بغیر ذکر نام خدا کے مر گیا ہے، اور یہ جانور غیر خدا کے نام پر مارا گیا ہے اور یہ عین شرک ہے، اور جب کہ یہ خُبث مؤثر ہوا تو ذکر نام خدا اس کو حلال نہیں کر سکتا جیسے کہ کتا اور سؤر کہ اگر نام خدا لے کر ذبح کیے جائیں حلال نہ ہوں گے، حقیقت اِس مسئلہ کی یہ ہے کہ جان واسطے غیر جان پیدا کرنے والوں کے نام نیاز کرنا درست نہیں ہے اور کھانے پینے کی اور چیزیں اور مال بھی تقرب بغیر اللہ کے واسطے دینا حرام اور شرک ہے (تفسیر عزیزی جلد ۲ ص ۳۸ اردو)

اور یہی حضرت شاہ صاحبؒ دوسرے مقام پر یوں لکھتے ہیں کہ:-

در حدیث صحیح وارد شدہ کہ ملعون من ذبح لغیر اللہ یعنی ہر کہ بذبح جانور تقرب بغیر خدا نماید ملعون است خواہ در وقت ذبح نام خدا بگیرد یا نہ زیرا کہ

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص غیر اللہ کے تقرب کے لیے جانور ذبح کرے وہ ملعون ہے۔ بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لے یا نہ لے کیونکہ جب اس نے اسبات کی تشہیر کر

چوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلاں است ذکر نام خدا بوقت ذبح فائدہ نہ کرد چہ آں جانور منسوب بآں غیر گشت و خبثے دراں پیدا شد کہ زیادہ از خبثِ مردار است و ہرگاہ ایں خبث دروے سرایت کرد دیگر بذکر نامِ خداوند حلال نمی شود مانند سگ و خوک کہ اگر بنامِ خداوند مذبوح شوند حلال نمی گردند۔

(فتاوٰی عزیزی جلد ۱ صفحہ ۵۶)

دی کہ یہ جانور فلاں کے لیے ہے تو ذبح کے وقت اس پر خدا تعالیٰ کا نام لینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ جب وہ جانور بطور تقرب غیر کی طرف منسوب ہوگیا تو اُس میں مردار سے بڑھ کر پلیدی ہوگئی، اور اس میں جب یہ نجاست سرایت کر گئی تو اب اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرنے سے وہ حلال نہ ہوگا جس طرح کتا اور خنزیر کہ اگر ان پر خدا تعالیٰ کا نام لے کر ان کو ذبح کیا جائے تب بھی وہ حلال نہیں ہوتے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) اسی قسم کے ایک سوال کا جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں :-

الجواب :- جو جانور غیر کے نام کا ہو اُس کو اُس ہی نیت سے ذبح کرنا، بسم اللہ کہہ کر بھی حرام ہے، اور جانور حرام ہی رہتا ہے ایسے جانور کو ذبح نہ کرے اور کسی کا بکرا کہنا بوجہ مالک ہونے کے درست ہے مگر کسی کی تعظیم و قربت کا کہنا حرام ہے۔ اگر یہ نیت ہو کہ اس کا ثواب لوجہ اللہ کسی کو پہنچے تو اس میں کچھ حرج نہیں تعظیم غیر پر ذبح سے حرام ہوتا ہے نہ مالک ہونے سے کسی بشر کے دونوں میں فرق ہے۔ فقط بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاوٰی جلد ۲ صفحہ ۱۵ طبع جید برقی پریس دہلی)

اس ساری بحث سے یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ اہلال کے معنی ذبح کے ہرگز نہیں ہیں بلکہ شہرت دینے اور تقرب و تعظیم کے طور پر نامزد کرنے کے ہیں، یعنی جس جانور کو غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم کے لیے شہرت دی گئی ہو، اور

نامزد کیا گیا ہو اس کو اگرچہ بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو وہ حرام ہی رہے گا جس طرح کتا اور خنزیر بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہو سکتے بعینہٖ اسی طرح غیر اللہ کے نام پر تقرب وتعظیم کے لیے نامزد کیا ہوا جانور بھی اس پر تکبیر پڑھ کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہو سکتا۔ رہے وہ جانور جن میں غیر اللہ کی طرف نسبت شرعی اور عرفی ہو تو وہ محلِ نزاع سے خارج ہیں۔ ان کو درمیان میں لانا نری جہالت ہے۔ مثلاً عبد اللہ کی گائے عقیقے کا بکرا ولیمہ کا جانور وغیرہ کیونکہ عبد اللہ کی گائے سے مراد ہے جس کا وہ شرعی طور پر مالک ہے نہ تو اس میں عبد اللہ کا تقرب ملحوظ ہے، اور نہ اس کی وہ تعظیم جو مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں مقصود ہوتی ہے۔ اسی طرح عقیقہ اور ولیمہ کے جانور سے وہ جانور مراد ہے جو شریعت کے حکم کی پیروی میں ذبح کیا جاتا ہے نہ اپنی طرف سے اس کا التزام ہے، اور نہ اس میں نومولود اور دولہا وغیرہ کا تقرب مطلوب ہوتا ہے اور نہ بجز ثواب کے اپنے نفع ونقصان کا کوئی پہلو ہی ان سے وابستہ ہے۔

وثانیاً :- جن مفسرین کرامؒ نے ذبح کے وقت غیر اللہ مثلاً اصنام وغیرہ کا ذکر کیا ہے تو یہ اس لیے نہیں کہ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ صرف اسی میں منحصر ہے، بلکہ انہوں نے اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق صرف ایک شق کا ذکر کر دیا ہے جو بالکل بجا ہے، اور صنم وغیرہ کی قید محض اتفاقی ہے، احترازی نہیں، علاوہ ازیں اگر وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ سے مراد صرف بت ہوں جیسا کہ دیگر اہل بدعت عموماً اور مولوی نعیم الدین صاحب خصوصاً اس پر مصر ہیں تو سورۃ المائدہ میں اسی آیت میں وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کے الفاظ بھی موجود ہیں جس کا معنیٰ یہ ہے۔ اور وہ جانور بھی حرام ہیں جو بتوں کے نام پر ذبح کیے جائیں اگر وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کا بھی یہی مطلب ہو۔ تو واؤ عطف کے ساتھ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کا ذکر بیکار ہو گا اور تکرار بھی لازم آئے گا جو فصاحت کے خلاف ہے۔ چنانچہ

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ :-

قید الصنم لرد المشرکین والا فالمراد غیر اللہ مطلقاً سوٰء کان صنماً او غیرہ ۔ (بحوالہ تفسیر اکلیل ص ۱۵)	صنم اور بُت کی قید مشرکین کے رد کے لیے ہے، ورنہ مراد مطلقاً غیر اللہ ہے صنم ہو یا کوئی اور شے ہو۔

علامہ ابوحیان اثیر الدین محمد بن یوسف الاندلسیؒ (المتوفی ۷۴۵ھ) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کر کے آگے لکھتے ہیں کہ :-

والذی یظھر من الآیۃ تحریم ما ذبح لغیر اللہ فیندرج فی لفظ غیر اللہ الصنم والمسیح و الفخر واللعب وسمی ذلک اھلالاً لانھم یرفعون اصواتھم باسم المذبوح لہ عند الذبیحۃ ثم توسع فیہ وکثر حتی صار اسما لکل ذبیحۃ جھر اولم یجھر کالاھلال بالتلبیۃ صار علماً لکل محرم رفع صوتہ اولم یرفعہ (تفسیر بحر محیط ج ۱ ص ۴۸۹ طبع مصر)	جو چیز اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے جو جانور بھی غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے وہ حرام ہے پس لفظ غیر اللہ میں بت حضرت مسیح علیہ السلام، فخر اور کھیل سبھی شامل ہیں اور اس کو اس لیے اہلال کہتے ہیں کہ وہ لوگ ذبح کے وقت اس شخص کا نام بلند کرتے تھے جس کے لیے جانور ذبح کرتے تھے، پھر اس میں یہ وسعت اور کثرت آگئی کہ ہر ذبیحہ پر اس کا اطلاق ہونے لگا خواہ اس میں آواز بلند ہو یا نہ ہو جیسے تلبیہ کہنے کو اہلال کہتے ہیں اور یہ ہر محرم کی علامت ہے۔ وہ آواز بلند کرے یا نہ کرے (اصل میں آواز کی بلندی اس میں ملحوظ ہے)

اس سے بھی بصراحت یہ معلوم ہوا کہ غیر اللہ کا لفظ صرف صنم وغیرہ کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک کی بزرگ شخصیت بھی شامل ہے، اور جس جانور کو بھی غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے گا، اس طور پر کہ اس میں غیر کا تقرب و تعظیم ملحوظ ہو تو ایسا جانور یقیناً حرام ہے۔ اور اس آیت کریمہ کے حکم میں وہ شامل ہے، اور علامہ آلوسی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ :-

والمراد لغیر الله الصنم وغیرہ کما ھو الظاھر وذھب عطاءؒ ومکحول والشعبی والحسن و سعید بن المسیب الی تخصیص الغیر بالاوّل واباحة ذبیحة النصرانی اذا سمی علیھا باسم المسیح وھذا خلاف ما اتفق علیہ الائمة من التحریم اھ (تفسیر روح المعانی ج ۲ ص ۴۲ طبع مصر)

غیر اللہ سے مراد صنم وغیرہ بت جیسا کہ ظاہر ہے، اور حضرت عطاءؒ، مکحولؒ شعبیؒ، حسنؒ اور سعیدؒ بن المسیبؒ اس طرف گئے ہیں کہ غیر اللہ سے مراد صنم ہے، اور انہوں نے نصرانی کے اس ذبیحہ کو مباح قرار دیا ہے جس پر حضرت مسیح علیہ السلام کا نام لیا گیا ہو اور یہ ائمہ کرامؒ کے اس اتفاق کے خلاف ہے جس میں انہوں نے اس کی تحریم کا فیصلہ کیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ کی اس عبارت سے بھی صاف طور پر یہ معلوم ہوا کہ غیر اللہ صرف صنم کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ بعض حضرات کو یہ وہم ہوا ہے بلکہ اس میں حضرت مسیح علیہ السلام بھی شامل ہیں، اگر جانور پر بجائے صنم کے حضرت مسیح کا نام بھی لیا گیا ہو تب بھی وہ ائمہ کرامؒ کی تصریح سے حرام ہی رہے گا۔

مفسرین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ نے اس امر کی تصریح بھی کی ہے کہ غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے جانور ذبح کرنے سے مسلمان مرتد ہو جاتا ہے، اور وہ جانور حرام ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ زادہؒ فرماتے ہیں کہ:

قال العلماء ولو ذبح مسلم ذبیحة وقصد بھا التقرب الی غیر اللہ تعالی صار مرتدا و ذبیحتہ میتة (اکلیل ج ۱ ص ۸۱)

علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کے تقرب کے لیے جانور ذبح کرے تو ذبح کرنے والا کافر اور ذبح کیا ہوا جانور حرام ہو جائے گا۔

تفسیر نیشاپوریؒ، روح البیان، کبیر اور تفسیر عزیزی میں غیر اللہ کے تقرب اور جانور کے حرام ہونے کی صراحت موجود ہے، اور عزیزی کا حوالہ مفصل پہلے بیان

ہوچکا ہے۔ مشہور حنفی فقیہ علامہ حصکفیؒ (المتوفی ۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں کہ :-

لو ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اُہِلَّ بہٖ لِغَیۡرِ اللّٰہِ وَلو ذکر اسم اللہ علیہ۔

(درمختار ص۳۹۹)

اگر کسی شخص نے کسی امیر اور اسی کی مانند کسی بڑے آدمی کی آمد پر جانور ذبح کیا تو وہ جانور حرام ہوگا۔ کیونکہ وہ اُہِلَّ بہٖ لِغَیۡرِ اللّٰہ کی مد میں ہے، اگرچہ بوقتِ ذبح اس پر بسم اللہ بھی پڑھی گئی ہو۔

جس طرح دور حاضر میں کسی ملک کے سربراہ اور حاکم کی آمد پر اس کے اعزاز واکرام کے لیے توپیں داغی جاتی ہیں، عہد سابق میں ایسے موقع پر بعض خوشامدیوں اور جی حضوریوں کی طرف سے جانور ذبح کئے جاتے تھے، اور آنے والے مہمان اور بادشاہ کی تعظیم و رضا جوئی میں جانور بھینٹ چڑھائے جاتے تھے، اور بوقت ذبح ان پر باقاعدہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ان کو ذبح کیا جاتا تھا، مگر علماءِ اسلام اور خصوصاً فقہاءِ احناف نے ایسے جانوروں کو مَا اُہِلَّ بہٖ لِغَیۡرِ اللّٰہ کی مد میں شمار کیا اور ان کو حرام قرار دیا ہے، حالانکہ بوقت ذبح ان پر بسم اللہ پڑھی جاتی تھی، اور جس کے لیے جانور ذبح کیا جاتا تھا صنم اور بت بھی نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ امیر و رئیس اور بڑا آدمی ہوتا تھا جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے اور مولانا عبدالحی صاحبؒ فتاوی بزازیہ کے حوالہ سے یہ لکھتے ہیں۔

ولو ذبحہ لقدوم الامیر اولقدوم واحد من العظماء لایحل اکلہ وان ذکر اسم اللہ علیہ لانہ ذبح لتعظیم خلق اللہ ولہذا لا یضعہ بین یدیہ اھ

(فتاوی جلد ۲ ص۹۵)

اور اگر اس نے اس جانور کو کسی امیر یا کسی بڑے آدمی کی آمد پر ذبح کیا تو اس کا کھانا حلال نہیں، اگرچہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا گیا ہو کیونکہ وہ تعظیم خلق اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہے۔ اور اسی واسطے وہ اس کے سامنے نہیں رکھا جاتا۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :۔

مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ سے مراد وہ جانور ہے جو بقصد تقرب الیٰ غیر اللہ ذبح کیا جائے ۔ اور مقصود اراقۃ الدم سے تعظیم غیر خدا ہو اور جان دینا خالص غیر کے لحاظ سے ہووے ۔ ایسا جانور حرام ہے ، اگرچہ وقت ذبح کے بسم اللہ اس پر کہی جائے ۔ اھ (فتاوٰی جلد ۱ صفحہ ۶۰) اور جلد سوم میں ایک استفتاء اور اس کا جواب یوں ہے :۔

استفتاء :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے ایک بکرا بنام شیخ سدو پرورش کیا ۔ بعد چندے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کے ذبح کیا وہ حرام ہے یا حلال ۔ صورتِ دیگر یوں ہے کہ اس بکرے کو بنام اللہ پرورش کیا مگر بوقت ذبح شیخ سدو کہہ کے چھری پھیری ، پس یہ ذبیحہ کیسا ہے ۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا ۔

الجواب ھو المصوب :۔ یہ دونوں صورتیں مَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ میں داخل ہیں جس صورت میں تقرب الیٰ غیر اللہ مقصود ہو وہ ذبیحہ حرام ہوگا اگرچہ بوقت ذبح بسم اللہ کہی جاوے ۔ اھ (جلد ۳ صفحہ ۳۱۷)

اور جلد ۲ صفحہ ۹۳ پر ہے کہ غیر اللہ کی نذر و منت حرام ہے ، اور منذور غیر خدا کا شرینی ہو یا فیرینی کھانا ہر امیر و فقیر پر حرام ہے اھ وثالثاً قرآن کریم میں جو الفاظ آئے ہیں وہ لِغَیْرِ اللہ کے ہیں بغیر اللہ کے نہیں ۔ اور عربی کا مبتدی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ لِغَیْرِ اللہ کا معنی یہ ہے کہ وہ غیر خدا کے لیے ہو ۔ اور غیر کے نام پر اس کو شہرت دی گئی ہو ، اور اسی کے لیے وہ تقرب کے طور پر نامزد ہو ، اگر قرآن کریم میں الفاظ بِغَیْرِ اللہ کے ہوتے تو یہ تاویل ایک حد تک سنی جا سکتی تھی کہ بوقتِ ذبح غیر اللہ کا نام لے کر جانور کو ذبح کیا جائے ۔ اور حدیث شریف میں بھی لِغَیْرِ اللہ کے الفاظ آئے ہیں ۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ :۔

لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ (الحدیث | جو شخص غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرے
(مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۶۰ و ادب المفرد | اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔
صفحہ ۵ و موارد الظمآن صفحہ ۲۵۹ نسائی جلد ۲
صفحہ ۱۹۷ و مستدرک جلد ۴ صفحہ ۱۵۳)

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کی سخت تردید فرمائی ہے جو جانوروں کو اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کی قبروں پر لے جاکر ذبح کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

لا عُقر فی الاسلام قال عبد الرزاق | اسلام میں عُقر کا قائل ہی نہیں ہے امام عبد الرزاقؒ
کانوا یعقرون عند القبر | فرماتے ہیں کہ عُقر کا معنی یہ ہے کہ قبر کے
بقرۃً او شیئًا (ابوداؤد جلد ۲ | پاس گائے یا کوئی اور جانور لے جاکر ذبح
صفحہ ۱۰۳ سنن الکبریٰ ج ۴ ص ۵۷) | کیا جائے۔

غرضیکہ لفظ غیر اللہ کو صرف بتوں پر بند کر دینا۔ اور اولیاء اللہ کے لیے جانوروں کے نامزد کرنے کو آیت کے عموم سے نکال دینا نہ صرف علمی جہالت اور خیانت ہے، بلکہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق کتاب اللہ کی تحریف بھی ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، ورالغرض جانور ہو یا کوئی اور شئے ہو جب کسی ولی اور بزرگ کے نام پر اس اعتقاد سے دی جائے کہ اس سے جلب منفعت یا دفع مضرت ہوگی، تو وہ حرام ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور متداول اور مستند کتابوں میں یہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ :-

اعلم ان النذر الذی یقع | تو جان لے کہ وہ نذر و منت جو اکثر
للاموات من اکثر العوام و | عوام مُردوں کے لیے مانتے ہیں، اور جو چیز
ما یؤخذ من الدراھم والشمع | از قسم روپیہ، موم بتی، تیل، اور اس قسم کی

والزيت ونحوه الى ضرائح الاولياء الكرام تقربا اليهم كان يقول يا سيدي فلان ان رد غائبي او قضيت حاجتي فلك من الذهب كذا او من الفضة كذا او من الطعام او الشمع او الزيت كذا باطل وحرام بوجوه منها انه نذر والنذر للمخلوق لا يجوز لانه عبادة ومنها ان المنذور له ميت والميت لا يملك ومنها ظن ان الميت يتصرف فى الامور دون الله تعالى فاعتقاده بذلك كفر اھ

(بحر الرائق ج ۲ ص ۲۹۸ وشامی ج ۲ ص ۱۷۵ واللفظ لہ)

دیگر چیزیں بزرگوں کی قبروں تک ان سے تقرب حاصل کرنے کے لیے پہنچائی جاتی ہیں مثلاً کوئی کہتا ہے کہ اے میرے آقا فلاں اگر میرا گم شدہ آدمی واپس آگیا یا میری حاجت پوری کر دی گئی تو تجھے اتنا سونا، اور اتنی چاندی یا اتنا اناج، یا اتنی موم بتیاں، یا اتنا تیل دوں گا، تو یہ نذر باطل اور حرام ہے۔ اور اس کے بطلان کی کئی وجوہ ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ کارروائی نذر ہے، اور نذر عبادت ہے جو مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کے لیے نذر مانی گئی ہے وہ میت ہے اور نذر کی چیز کو وہ اپنی ملک میں نہیں لے سکتی، اور تیسری یہ ہے کہ نذر ماننے والے کا یہ گمان ہوگا کہ میت اللہ تعالیٰ کے سوا معاملات میں تصرف کرتی ہے سو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔

غور کیجئے کہ حضرات فقہاء کرامؒ نے کس طرح اولیاء کرامؒ کی قبروں تک تقرب کی نیت سے اشیاء لے جانے کو حرام اور باطل کہا ہے۔ اور خود مولوی نعیم الدین صاحب بھی لکھتے ہیں کہ شرع میں نذر عبادت اور قربت مقصودہ ہے۔ (ص ۵۰۴ و ۲۰۶) اور فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر یہ ظن بھی ساتھ شامل ہو جائے کہ صاحب قبر ولی نفع اور ضرر کے امور میں متصرف بھی ہیں تو یہ کفر بھی ہے، حیرت ہے کہ مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے حواری کس دیدہ دلیری سے نصوص صریحہ

کی باطل تاویل کرتے ہیں اور فقہاء کرام کی واضح عبارات کو درخورِ اعتنار نہیں سمجھتے۔ اور پھر غضب بالائے غضب تو یہ ہے کہ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہابی آیت کے معنی غلط کرتے ہیں۔ اور یہ کہ وہابی کو آیت سے سند لانے کی کوئی سبیل نہیں۔ غالباً ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہے کہ ؎

چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے :-

والنذر الذی یقع من اکثر العوام	اور وہ نذر جو اکثر عوام سے واقع ہوتی ہے
بان یأتی الی قبر بعض الصلحاءٗ	مثلاً یہ کہ کسی نیک کی قبر پر جا کر اس کی چادر
ویرفع ستره قائلاً یا سیدی	اور پردہ اٹھا کر یہ کہے اے میرے سردار اگر میری
فلان ان قضیت حاجتی فلك	حاجت پوری ہو گئی تو تجھے مثلاً اتنا سونا دیا
من الذھب مثلاً کذا باطل	جائے گا۔ یہ نذر بالاجماع باطل ہے ہاں
اجماعا نعم لو قال یا اللہ انی	اگر یہ کہے کہ اے اللہ بے شک میں نے
نذرت لك ان شفیت مریضی	تیرے لیے نذر مانی ہے مثلاً اگر تو نے میرے
اونحوه ان اطعم الفقراء الذین	بیمار کو شفا دی تو میں سیدہ نفیسہؒ کے دربار
بباب السیدة نفیسة اونحوھا	پر رہنے والے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا،
او اشتری حصیرًا لمسجدھا او	یا ان کی مسجد کے لیے چٹائی خریدوں گا، یا
زیتاً لوقودھا اودراھم لمن	وہاں (فقراء کے) جلانے کے لیے تیل دوں گا
یقوم بشعائرھا مما یکون فیه	یا جو شخص ان کی خدمت کا حق ادا کرے گا
نفع الفقراء والنذرِ للہ وذکر	اسے دراہم دوں گا، اور ایسی ہی چیزیں جن
الشیخ انما ھو محل لصرف النذر	میں فقراء کا نفع ہو، اور نذر صرف اللہ تعالیٰ
لمستحقه یجوز لکن لا یحل صرفه	کے لیے ہو، اور بزرگ کا ذکر محض اس لیے ہے کہ وہ
الا الی الفقراء لا الی ذی علم	نذر صرف کرنے

بعلمه ولا لماض الشيخ الا ان يكون الماض واحد من الفقراء واذا عرف هذا فما يؤخذ من الدراهم ونحوها وينقل الى ضرائح الاولياء تقربا اليهم فحرام بالاجماع مالم يقصد بصرفها الفقراء الاحياء قولاً واحداً وقد ابتلى الناس بذلك هكذا في النهر الفائق والبحر الرائق انتهى (فتاوٰی عالمگیری ج ۱ ص ۲۲۹ طبع مصر)

کی جگہ ہو تو یہ نذر جائز ہے لیکن اس نذر کو فقط فقراء پر ہی صرف کیا جا سکتا ہے۔ نہ تو کسی عالم پر اس کے علم کی وجہ سے صرف کی جائے، اور نہ وہاں شیخ کے دربار میں رہنے والوں پر، ہاں مگر یہ کہ وہاں رہنے والا کوئی شخص فقیر ہو تو بات جدا ہے، اور جب یہ معلوم ہو گیا تو اس سے سمجھنا چاہیے کہ جو دراہم وغیرہ اولیاء کرامؒ کی قبروں پر ان کے تقرب کے لیے پیش کیے جاتے ہیں تو وہ بالاجماع حرام ہیں جب تک کہ ان دراہم کو زندہ فقراء پر صرف کرنے کا قصد نہ کیا جائے وہ حلال نہیں اس میں صرف ایک ہی قول ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور (افسوس ہے) کہ لوگ اس میں بکثرت مبتلا ہیں۔ ایسا ہی نہر الفائق اور بحر الرائق میں ہے۔

اِس عبارت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضرات اولیاء کرامؒ کے تقرب کے ارادہ سے جو نذر مانی جاتی ہے، وہ بالاجماع حرام ہے اور اکثر عوام اس میں مبتلا ہیں۔ ہاں اگر نذر تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور اولیاء کرامؒ کا نام اس لیے لیا گیا ہو کہ ان کے مزارات پر فقراء رہتے ہیں، اور محل صرف ان کو سمجھ کر وہاں صرف کرتا ہے تو اس میں چنداں مضائقہ نہیں ہے، جن حضرات نے نذر اولیاء کو جائز قرار دیا ہے وہ اسی دوسری صورت کے مطابق ہے جیسا کہ شیخ احمد المدعو بملا جیون الجونپوری الحنفیؒ (المتوفی ۱۱۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ:-

ومن ههنا علم ان البقرة المنذورة للاولياء كما هو الرسم فی زماننا حلال طیب لانه لم یذکر اسم غیر اللہ علیہا وقت الذبح وان کانوا ینذرون لہا لہ۔ (التفسیرات الاحمدیۃ ص۲۹ طبع علی حلی)	اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جو گائے اولیاء کے دربار پر بسنے والے فقراء کے لیے نذر مانی جاتی ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ کا رواج ہے تو یہ حلال وطیب ہے کیونکہ ذبح کے وقت اس پر غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ اس کو وہ اس کے لیے نذر مانتے ہیں۔

اس عبارت سے جن لوگوں نے غلط مطلب لینے کی کوشش کی ہے۔ ان کی تردید کرتے ہوئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کو تفسیر احمدی کی عبارت سے یہ شبہ ہو گیا ہے، اس کا جواب اس کے منہیہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے تاویل ایصال ثواب کی بنا پر حلت کا حکم فرمایا ہے اور بلا تاویل حلال نہیں کہتے جیسا اسی قسم کی تاویل سے نوویؒ نے ابراہیم مروزیؒ کے قول کے بعد رافعیؒ کا قول نقل کیا ہے تو جہاں یہ تاویل یقیناً منفی ہو اس کو کیسے حلال کہا جاوے گا اور عوام کا یہ فعل یقیناً قابلِ تاویل نہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر اس جانور کے بدلے اس کی دونی قیمت کی چیز ان کو دے کر کہا جاوے کہ بجائے اس جانور کے اس چیز سے ایصال ثواب کر دو ہرگز وہ گوارا نہ کریں، اور استبدال میں اندیشہ ناراضی ان بزرگوں کا کریں جس سے فساد نیت یقینی ہے اور یہی مدار تھا حرمت کا خوب سمجھ لو۔ انتہی بلفظہٖ (تفسیر بیان القرآن ج ۱ ص۸۷) ہمارے پاس تفسیر احمدی کا جو نسخہ ہے وہ منہیہ سے خالی ہے لیکن حضرت تھانویؒ کے پیش نظر ضرور کوئی منہیہ والا نسخہ ہے جس کا وہ حوالہ دے رہے ہیں۔ امام نوویؒ کی جس عبارت کا انہوں نے ذکر فرمایا ہے، وہ یوں ہے:۔

واما الذبح لغیر اللہ فالمراد بہ ان یذبح باسم غیر اللہ	اور بہرحال ذبح لغیر اللہ سے مراد یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر اس کو ذبح کیا جائے

تعالى كمن ذبح للصنم او الصليب
او لموسى او لعيسى صلى الله عليهما
او للكعبة ونحو ذلك فكل هذا
حرام ولا تحل هذه الذبيحة سواء
كان الذابح مسلما او نصرانيا او
يهوديا نص عليه الشافعي
واتفق عليه اصحابنا فان قصد
مع ذلك تعظيم المذبوح له غير
الله تعالى والعبادة له كان
ذلك كفرا فان كان الذابح مسلما
قبل ذلك صار بالذبح مرتدا
ذكر الشيخ ابراهيم المروزي من
اصحابنا ان ما يذبح عند استقبال
السلطان تقربا اليه افتى اهل
بخارا بتحريمه لانه مما اهل
به لغير الله تعالى قال الرافعي
انما يذبحونه استبشارا
بقدومه فهو كذبح العقيقة
لولادة المولود ومثل هذا
لا يوجب التحريم والله اعلم
(شرح مسلم جلد ۲ ص ۱۶۱)

جس طرح کوئی شخص بت یا صلیب یا حضرت
موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام یا کعبہ وغیرہ
کے لیے ذبح کرے تو سب حرام ہے اور
یہ ذبیحہ حلال نہیں عام اس سے کہ ذبح کرنے
والا مسلمان ہو یا نصرانی یا یہودی۔ حضرت
امام شافعیؒ نے صراحت سے یہ بیان کیا ہے
اور ہمارے (شوافع) حضرات اس پر متفق
ہیں۔ پس اگر اس کے ساتھ غیر اللہ میں سے
جس کے لیے جانور ذبح کیا ہے، اس کی تعظیم
اور پرستش بھی مقصود ہو تو یہ کفر ہے۔ سو اگر
ذبح کرنے والا اس سے پہلے مسلمان تھا
تو اس ذبح کے ساتھ وہ مرتد ہو گیا اور ہمارے
حضرات میں سے شیخ ابراہیم المروزیؒ یہ کہتے
ہیں کہ جو جانور بادشاہ کی آمد کی خوشی میں تقرب
و تعظیم کے طور پر ذبح کیا جاتا ہے تو علماء بخارا
نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ وہ جانور حرام ہے،
کیونکہ وہ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ
میں داخل ہے۔ امام رافعیؒ (شافعی) فرماتے
ہیں کہ یہ جانور تقرب و تعظیم کے طور پر نہیں بلکہ
محض اس کی آمد کی خوشی پر ذبح کیا جاتا ہے جیسا
کہ بچے کی ولادت کے سلسلے میں عقیقہ کیا جاتا
ہے۔ اور اس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

حضرت امام رافعی الشافعیؒ نے جو تاویل کی ہے وہ تفصیل طلب ہے بایں طور کہ اگر بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کی آمد پر محض اس کی مہمانی اور ضیافت کے لیے بقدرِ ضرورت جانور ذبح کیے جائیں اور تقرب وتعظیم کی نیت بالکل نہ ہو تو بجا ہے (اور سلف صالحین جو روحِ شریعت سے واقف اور اچھے اعتقاد والے ہوتے تھے، اسی نظریہ سے جانور ذبح کیا کرتے تھے، اور خواہ مخواہ اس کو حرام کہنے اور بنانے کی ضرورت بھی نہیں ہے) لیکن اگر یہ جانور اس کی تعظیم وتقرب کی نیت سے ذبح کیے جائیں جس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ نہ تو آنے والا مہمان ان کو کھائے اور نہ ضرورت کے مطابق جانور ذبح کیے گئے ہوں بلکہ تعظیم کے طور پر زائد از ضرورت ہوں جیسے آج کل کسی بادشاہ وغیرہ کی آمد پر توپیں داغی جاتی ہیں اور بعینہٖ اس انداز اور نظریہ سے جانور ذبح کیے جائیں تو اس صورت میں امام رافعیؒ کی تاویل اس حرمت کو ہرگز رفع نہیں کرتی، اور پھر امام مروزیؒ کی عبارت میں تقرب کا لفظ صراحت سے موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بات تقرب کی صورت کی ہو رہی ہے محض ضیافت مہمانی کی نہیں ہو رہی تو اس صورت میں اس بیکار تاویل کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟ فقہاء بخارا اور امام مروزیؒ نے تقرب کی صورت میں حرمت کا جو فتویٰ دیا ہے وہ بالکل بجا اور صحیح ہے، بھلا غور فرمایئے کہ آنے والا تو مرغ و بٹیر کھائے۔ اور اس کی آمد پر بھینسا اور بیل وغیرہ ذبح کیے جائیں تو کون اس سے سمجھے گا کہ یہ اس کی ضیافت کے لیے ذبح ہوتے ہیں یا مثلاً آنے والے کے ساتھ تو دس آدمی ہوں جو مشکل سے ایک دُنبہ کھا سکتے ہوں اور اس کی آمد پر بیسیوں دُنبے ذبح کر دیئے جائیں تو بظاہر یہ صورت تقرب وتعظیم اور بھینٹ ہی کی ہے، اور فقہاء بخارا کا فتویٰ روحِ شریعت کے عین مطابق اور بالکل درست ہے اور امام رافعیؒ کی تاویل اس حرمت کو رفع نہیں کر سکتی یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اس کا عقیقہ پر قیاس بھی درست نہیں ہے کیونکہ وہاں تقرب اور تعظیم تو سرے سے مقصود نہیں کما لایخفیٰ اور نہ محض خوشی

ہوتی ہے بلکہ شریعت حقہ کے ایک مستحب حکم کی تعمیل ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص بچے کی ولادت کے وقت یا ساتویں دن سے پہلے کسی بھی وقت خوشی کرتے ہوئے جانور ذبح کر دے تو یہ عقیقہ نہ ہوگا اگر نری خوشی ہوتی تو ولادت کے وقت یہ کام زیادہ مناسب ہوتا خاصّتاً۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ کیونکہ مَا اُھِلَّ بِہٖ کو اگر وقت ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں تو اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ کا استثناء اس کو لاحق ہوگا، اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے موسوم رہا وہ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ سے حلال ہوگا" یہ محض جہالت کا نتیجہ ہے، اس لیے کہ یہ استثناء سب مذکورہ اشیاء کے ساتھ ملحق نہیں، بلکہ صرف قریب کی چیزوں سے ملحق ہے مثلاً وَمَا اَکَلَ السَّبُعُ وغیرہ اگر سب کے ساتھ ملحق ہو تو ان میں میتہ اور خنزیر کا تذکرہ بھی ہے اور اس اعتبار سے معنیٰ یہ ہوگا کہ مردار جانور جو خود بخود بدون ذبح کے مر چکا ہو وہ حرام ہے مگر ہاں جس مردار کو تم ذبح کر لو وہ حلال ہے اور خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے ہاں مگر جس کو تم ذبح کر لو تو وہ حلال ہو جائے گا۔ (معاذ اللہ) جب جانور مردار ہو چکا ہو تو پھر وہ ذبح کرنے سے کیونکر حلال ہو سکتا ہے؟ اور خنزیر کس طرح ذبح کرنے سے حلال ہو سکتا ہے؟ کیونکہ بقول مولوی نعیم الدین صاحب کے استثناء ان کو بھی لاحق ہوگی۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ یہ ہے فریق مخالف کے مفسر کی قرآن دانی، حقیقت یہ ہے کہ جب انسان خوفِ خدا سے بے نیاز ہو جائے۔ اور بدعات کا شیدائی بن جائے اور من مانی کا روائیوں پہ اتر آئے تو دینی معاملات میں قدم قدم پہ ٹھوکر کھائے گا اور دنیا و آخرت میں عند اللہ و عند الناس رسوا ہوگا (عیاذاً باللہ) دسادساً ایصال ثواب کا مسئلہ صحیح اور حق ہے، لیکن آخر چُن چُن کر بزرگوں کو ہی کیوں اس کے لیے انتخاب کیا جاتا ہے۔ نیز اپنے ماں باپ اور دیگر اعزہ و اقارب کو جو نفس الامر میں ثواب کے زیادہ محتاج ہیں ان کو یہ کیوں راس نہیں آتا، اس کی وجہ کیا ہے؟ اور یہ بات بھی ملحوظ ہے کہ ایصال

ثواب میں تو اپنے کسی کام اور ضرورت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور نہ تقرب لغیر اللہ کا نظریہ ملحوظ ہوتا ہے اور نہ جس کو ایصال ثواب مقصود ہوتا ہے اس سے کسی نفع کی امید رکھی جاتی ہے، بلکہ اُلٹا اس کو نفع پہنچانے کا ارادہ ہوتا ہے، اگر درمیان میں اپنی کسی حاجت کا ذکر ہو تو یہ ایصال ثواب نہ رہے گا، بلکہ نذر اور تقرب کی مد میں چلا جائے گا اور غیر اللہ کے لیے ایسی نذر اور تقرب حرام ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :-

ذبح کردن جانور بنام غیر خدا خواہ پیغمبر باشد، خواہ ولی، خواہ شہید، خواہ غیر ایشاں حرام است: اگر بقصد تقرب بنام انہا ذبح کردہ باشد ذبیحہ آں جانور ہم حرام و مُردار میشود و ذبح کنندہ مرتد میشود توبہ ازیں فعل ممتنع لازم است و در تفسیر کبیر و نیشا پوری و دیگر تفاسیر مرقوم است قال العلما لو ان مسلماً ذبح ذبیحۃً وقصد بذبحها التقرب الی غیر اللّٰہ صار مرتداً وذبیحتہٗ ذبیحۃ مرتد انتہیٰ و اگر ملیدہ و شیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگی بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پزندہ بخورانند مضائقہ نیست البتہ جائز است الخ

(اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر جانور کو ذبح کرنا خواہ وہ غیر پیغمبر ہو یا ولی اور عام اس سے کہ وہ شہید ہو یا کوئی اور ہو حرام اور مُردار ہے اور اگر ان کے نام پر تقرب کے ارادہ سے جانور ذبح کیا جائے تو ذبح کرنے والا (معاذ اللہ) مرتد ہو جائے گا اور اس ممنوع فعل سے اس پر توبہ لازم ہے۔ تفسیر کبیر، تفسیر نیشا پوری اور دیگر تفسیروں میں یہ لکھا ہے کہ علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کوئی جانور ذبح کرے اور اس جانور کے ذبح کرنے سے اس کی مُراد اور قصد غیر اللہ کا تقرب ہو تو ذبح کرنے والا مرتد ہو جائے گا۔ اور اس کا ذبح کیا ہوا جانور مرتد کا ذبیحہ قرار دیا جائے گا (جس کی حرمت پر تمام فقہاء کرامؒ کا اتفاق ہے)

لہ تفسیر کبیر ج ۵ ص۱۶۸ و تفسیر نیشاپوری ج ۲ ص۱۰۲ اور یہ عبارت تفسیر اکلیل ج ۱ ص۴۰۸ میں بھی ہے۔

(بحوالہ زبدۃ النصائح ص۱۳۱)

(از مولانا السید جمال الدین حسن علی الہاشمی)

اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ (المتوفی ۱۲۶۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:-

اگر ایں طور بگوید کہ حاجت من بر آید برائے فلاں ولی یا بنام فلاں ولی ایں قدر طعام یا ایں قدر نقد است پس ایں قسم نذر کردن باطل است باجماع وخوردن طعام حرام است (مائۃ مسائل ص۳۲)	اور اگر اس طرح کہے کہ اگر میری حاجت پوری ہوگئی تو فلاں یا فلاں ولی کے نام پر اس قدر کھانا یا اس مقدار کی نقد رقم ہوگی تو یہ صورت بالاجماع نذر باطل کی ہے۔ اور اس طعام کا کھانا حرام ہے۔

الغرض مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ اور نذر الگ چیز ہے۔ اور اس کا حکم جدا ہے۔ اور ایصال ثواب ایک مستقل شے ہے اور اس کا حکم علیحدہ ہے ان کو ایک کرنا اور ایک سمجھنا کم علمی اور کوتاہ فہمی کا عبرتناک مظاہرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس قسم کی غلط فہمی اور مغالطہ آفرینی سے بچائے۔ آمین

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا

کسی کی تقبیل یعنی بوسہ دینا مختلف اسباب سے ہوتا ہے۔ ایک نفسانی شہوت کے ساتھ بوسہ دینا ہے۔ وہ باتفاق فقہاء بجز اپنی زوجہ یا زرخرید کنیز کے کسی دوسری دوسری عورت یا مرد کے لئے جائز نہیں خواہ ہاتھوں پر ہو یا سر اور چہرہ وغیرہ پر۔ دوسرا سبب اس کا بزرگانہ شفقت ہوتی ہے جیسے والدین کا اپنی اولاد کے سر یا چہرہ وغیرہ پر بوسہ دینا۔ تیسرا سبب اس کا تعظیم و تکریم ہوتا ہے جیسا کہ علماء مشائخ یا سلطان عادل کے ہاتھوں وغیرہ پر بوسہ دینا۔ آخری دونوں صورتیں جائز ہیں اور احادیث و آثار سے ثابت ہیں۔ (ماخوذ جواہر الفقہ ج ۱ ص ۱۸۴/۱۸۵)

تبرکات کی تعظیم کرنا

یہ مسئلہ اور اوپر والا مسئلہ یہ دیوبندیوں اور بریلویوں میں اختلافی نہیں ہیں مفتی احمد یار نے جاء الحق میں ان کو ذکر کیا ہے اس لیے ہم نے بحث کو مکمل کرنے کے لیے ان کو یہاں پر درج کیا ہے۔
ہم تبرکات کی تعظیم کے قائل ہیں مگر شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے۔

چنانچہ چند مواقع

حسب احادیث صحیحہ بدیہ ناظرین ہیں۔ صحیح بخاری پارہ اول ص۱۳۷ میں حضرت محمد بن سیرینؒ سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے (یہ دونوں تابعین ہیں) میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک ہیں جو پہنچے ہیں مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تو فرمایا عبیدہ نے میرے پاس ایک بال بھی ہو جائے تو دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنے سر مبارک کے بال مبارک تقسیم فرمائے۔ امام احمد کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ آپ نے فرمایا ان کو خوشبو میں رکھو۔ اور اس میں تبرک ہونا بالوں مبارک کا ثابت ہوا۔ (فتح الباری) ایضاً پارہ اول ص۱۷۱ و پارہ ۱۷ ص۵۲۵ میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ میں پانی منگا کر اس میں دونوں ہاتھ و رخ مبارک دھویا۔ اور

اس میں کلی کی پھر ابو موسیٰ اور بلال رضی اللہ عنہما سے فرمایا اس میں سے تم دونوں پیو اور اپنے منہ اور سینوں پر چھڑک لو اور خوش رہو دونوں نے پیالہ لے کر تعمیل کی ام سلمہ رضی اللہ عنہا پردہ کے پیچھے سے بولیں میرے لئے بھی چھوڑ دو انہوں نے باقی ام سلمہ کو دے دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو صحابہ غسالہ وضو کو لے کر اپنے بدن پر پھیر لیتے۔ نیز پارہ اول ص۳۱ میں روایت ہے کہ محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کے منہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی فرمائی تھی۔ اور صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غسالہ وضو لینے پر آپس میں لڑتے تھے۔ اور سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے سر پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیرا اور وہ سات برس کے تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غسالہ پانی پیا۔ ایضاً صحیح بخاری پارہ ۵ ص۱۱۶ اور پارہ ۲۵ ص۵۵ میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چادر حاشیہ دار بُن کر لائی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میں نے آپ کے لئے بنی ہے کہ میں آپ کو پہناؤں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرما لیا اور آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ آپ نے اس کا تہ بند بنا لیا۔ پھر ایک شخص نے آپ کو پہنے ہوئے دیکھ کر عرض کیا کہ کیا اچھی ہے یہ مجھے دے دیجئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا پس آپ مکان میں تشریف لے گئے۔ اور چادر اتار کر بھیج دی تو صحابہ نے اس کو ملامت کی کہ تو نے اچھا نہ کیا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چادر کو قبول فرمایا اور آپ ضرورت مند تھے اور تو نے آپ سے سوال کیا اور تو جانتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی سائل کو رد نہیں فرماتے ہیں تو اس نے جواب دیا قسم اللہ کی میں نے پہننے کے لئے نہیں سوال کیا۔ بلکہ میں اس میں برکت کی امید رکھتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہنا ہے اس چادر میں میرا کفن کیا جاوے۔ پس اس کو اسی چادر میں کفنایا گیا۔ ایضاً صحیح بخاری پارہ ۲۳ ص۲۰ مع فتح۔ لباری روایت ہے کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ مبارک تھا جس میں تبرکاً پیا جاتا۔ اور عاصم الاحول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ مبارک اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا اس پیالہ مبارک کو بصرہ میں اور پیا اس سے اور وہ خریدا گیا تھا میراث نضر بن انس رضی اللہ عنہ سے آٹھ سو ہزار کو۔ نیز صحیح بخاری پارہ ۲۴ ص۲۷ میں روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وضو

کا پانی لئے ہوئے تھے اور لوگ لپک لپک کر آپ کے غسالہ وضو کو لے کر منہ پر ملتے تھے۔ اور جسے نہ ملتا وہ دوسرے کے تر ہاتھ سے اپنا ہاتھ تر کر کے منہ پر ملتا۔ ایضاً پارہ ۲۴ ص۸۹۵ میں روایت ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے جب ان کے پاس کوئی بیماری یا کسی حاجت والا آتا تو ان کو پانی میں ہلا کر پانی دے دیتیں نیز صحیح بخاری پارہ ۲۶ ص۹۲۹ میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو کر اٹھے تو انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ کا پسینہ اور بال مبارک جو گرے ہوتے ایک شیشی میں خوشبو کے ساتھ جمع کر لئے تھے اور قریب وفات کے وصیت فرمائی تھی کہ ان کو میرے کفن میں لگانا۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ علی ہذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک تھے وفات کے قریب وصیت کی کہ ان کو میری ناک میں رکھ دینا۔ دیکھو ازالۃ الخفاء مقصد اول فصل پنجم ص۳۸۳

علاوہ بریں ہزاروں واقعات تبرکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث صحیحہ میں وارد ہیں جن کا شمار دشوار در دشوار ہے جو محب سنت ہی کے لئے باعث محبت ہیں چنانچہ مولانا شہید مرحوم صاحب تقویۃ الایمان منصب امامت ص۳۵ میں فرماتے ہیں۔

پس میگوئیم کہ مقامات انبیاء و کمالات ایشان
ہرچند بسیار از بسیار است و خارج از حد
شمار کردہ احصاء آں از عقل مردم کہ از
احاطہ فہم قاصر است بلکہ حضرت محب
ایشاں محب حضرت رب الارباب
است و مبغض ایشاں مبغوض آنجناب
محبت ایشاں باعث مزید درجات
سنیہ نبوی

"پس میں کہتا ہوں کہ مقامات اور کمالات
انبیاء علیہم السلام ہرچند زیادہ سے
زیادہ اور حد شمار سے باہر ہیں اور ہم جیسے
آدمیوں سے کہ فہم سے قاصر ہیں ان کا احاطہ
اور احصاء دشوار ہے۔ ان کا محب حق تعالیٰ
کا محبوب ہے اور ان سے بغض رکھنے والا
حق تعالیٰ کا مبغوض ہے ان کی محبت باعث ترقی
درجات ہے"

پس جبکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بقیہ آب وضو دکلی مبارک فرمانا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس بار مستعمل غسالہ مبارک کو تبرکاً پینا اور جسم پر ملنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا۔ جو مولوی نعیم الدین کے مذہب میں ناپاک نجاست غلیظہ تک ہے چنانچہ کبیری شرح منیۃ المصلی ص۱۵۱ میں مرقوم ہے۔ اما الماء المستعمل فتنجس نجاسۃ غلیظۃ عند ابی حنیفۃ دیکھو

فتاوی رضویہ جلد اول صفحہ ۲۶۴ میں مرقوم ہے۔

ورمارستمل طاہر ہے مطہر نہیں اس سے وضو نہ ہوگا۔ اور پینا مکروہ۔ صحیح یہی ہے کہ اس سے پانی مستعمل ہوجائے گا۔ اور اس سے وضو صحیح نہ ہوگا۔ نہ یہ کہ صرف کراہت ہوتی

اگر تبرک کی حد اعتدال سے بڑھ جاوے گا تو البتہ ممنوع اور شرک تک کی بھی نوبت پہنچ جاوے گی چنانچہ امام بیہقی رح کی شعب الایمان میں عبدالرحمان بن قراد صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضأ یوما فجعل اصحابہ یتمسحون بوضوئہ فقال لہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما یحملکم علی ھذا قالوا حب اللہ ورسولہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سرہ ان یحب اللہ ورسولہ او یحبہ اللہ ورسولہ فلیصدق حدیثہ اذا حدث ولیؤد امانتہ اذا اؤتمن ولیحسن جوار من جاورہ (مشکوٰۃ ص۴۲۴)

وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز وضو فرمایا تو صحابہ نے آب وضو لے کر اپنے بدن پر ملا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم اس کو کس لئے کرتے ہو تو عرض کیا گیا اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے باعث تو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم میں سے جس کو خوش آوے کہ دوست رکھا اللہ اور اس کے رسول کو یا دوست رکھے اس کو اللہ اور اس کا رسول پس سچ بولے جس وقت بولے اور چاہیئے کہ امانت کو ادا کرے جو امانت رکھی جاوے اور چاہیئے کہ نیکی کرے اپنے پڑوس سے جو اس کے پڑوس میں ہو۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد رابع ص۱۲۸ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

یعنی دعوائے محبت خدا و رسول خدا بامثال ایں امور کہ تمسح بآب وضو ہست خلاصہ چنداں معونت ندارد بر نفس شاق نیست و ثابت نمیگردد محمد دراں

یعنی دعوی محبت خدا اور رسول خدا کا بعض ایسی ہی باتوں پر موقوف نہیں ہے کہ غسالہ پانی وضو کا مل لیا جاوے کہ چنداں نفس پر شاق نہیں ہے بہتر اس کے لئے بجا لانا اوامر کا اور

امتثال او امر و نواہی ست خصوصاً این امور کہ صدق حدیث و اداے امانت و حسن جوار است اھ

بچنا نواہی سے ہے خصوصاً یہ امور کہ صدق حدیث اور ادائے امانت اور احسان ہمسایہ کے ساتھ کرنا ہے ۔،

اور مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ البلاغ المبین صنا میں فرماتے ہیں ۔ (نوٹ : ابلاغ المبین شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب ہے ۔

مخفی نماند کہ تعظیم اشیاء منسوبہ بزرگان دفعۃً موجب کفر و اشراک نیست اما رفتہ رفتہ این وا رعضال از حد خود گذشتہ بیماری نفاق پیدا مے آرد و این نفاق آنست کہ چون علماء باللہ چنیں تعظیم کنندگاں را مانع مے آیند ایشاں حیلہ و اعتذار غلبہ محبت بہ نسبت بزرگان دین میکنند و میگویند حرکات ما از بہ سبب غلبہ حال صادر میشود پس گاہی کہ این بیماری از حد میگذارد در دام شرک جلی گرفتار میشوند اھ نیز مشابہت بعضے عبادات کہ در خانہ کعبہ از برائے خدائے تعالیٰ کردہ میشود نسبت بقبور پیران خود با ہتمام بجامے آرند چنانچہ الخ تبرک نمودن غسالہ قبر بجائے آب زمزم ۔

یعنی ،، یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ تعظیم کرنا اشیاءً نسبت کردہ بزرگان کا دفعۃً موجب کفر و شرک نہیں ہے لیکن رفتہ رفتہ یہ وارعضال اپنی حد سے گزر کر مرض نفاق لے آتا ہے اور سبب اس نفاق کا یہ ہے کہ جو علماء ربانیین ایسی تعظیم کرنے والوں کو مانع ہوتے ہیں یہ لوگ حیلہ اور عذر غلبہ محبت نسبت بزرگان دین کے کرتے ہیں اور کہتے ہیں حرکات ہمارے بسبب غلبہ حال کے صادر ہوتے ہیں پس کبھی یہ بیماری اپنی حد سے گزر جاتی ہے تو شرک جلی میں صاف صاف گرفتار ہو جاتے ہیں ،، ،، نیز مشابہت بعضے عبادات میں کہ خانہ کعبہ میں حق تعالیٰ کے لئے کی جاتی ہے نسبت اپنے پیروں کی قبروں کے ساتھ اہتمام سے بجا لاتے ہیں جس طرح تبرک جاننا غسالہ قبر کا بجائے آب زمزم کے ،،

بحث عبدالنبی، عبدالرسول، حسین بخش، پیر بخش علی بخش یا عبدالحسین وغیرہ نام رکھنا

علامہ عبدالحی لکھنویؒ سے اس مسئلہ کے متعلق ایک سوال ہوا تھا انھوں نے جو جواب دیا وہ سوال وجواب ہم یہاں نقل کر رہے ہیں :

سوال : عبدالرسول یا عبدالحسین وغیرہ نام رکھنا درست ہے یا نہیں ؟

جواب ایسا نام رکھنا جس میں عبد کی اضافت غیر خدا کی طرف ہو درست نہیں ہے گو ایسے نام رکھنے سے حکم شرک کا نہ ہو اس احتمال کی وجہ سے کہ عبد سے خادم اور مطیع مراد ہے مگر پھر بھی ایسا نام رکھنا بوئے شرک سے خالی نہیں ہے قرآن اور حدیث اس قسم کے نام رکھنے کی ممانعت پر دال ہیں اور علمائے امت محمدیہ نے بھی جا بجا اسکی تصریح کی ہے تفسیر جلالین میں ہے هو الذی خلقكم من نفس واحدة آدم وجعل خلق منها زوجها حواء ليسكن اليها فلما تغشاها حملت حملا خفيفا هو النطفة فمرت به ذهبت وجاءت لخفته فلما اثقلت بكبر الولد فی بطنها واشفقا ان يكون بهيمة دعوا الله ربهما لئن آتيتنا صالحا سويا لنكونن من الشاكرين فلما آتاهما صالحا جعلا له شركاء فيما آتاهما بتسمية عبد الحارث ولا ينبغی ان يكون عبدا الا لله وليس باشراك فی العبودية لعصمة آدم وروی عن النبی صلى الله عليه وسلم قال لما ولدت حواء طاف بها ابليس وكان لا يعيش لها ولد فقال سميه عبد الحارث فانه يعيش فسمته فعاش فكان هذا من وحی الشيطان وامره رواه الحاكم وقال صحيح والترمذی وقال حسن غريب خدا وہ ہے جس نے تم سب کو ایک ہی ذات یعنی آدم سے پیدا کیا اور اسی سے اسکے جوڑے یعنی حوا کو بنایا تاکہ وہ اس کے ساتھ رہے جب وہ حاملہ ہوئیں اور لڑکے کے بڑے ہونے سے ان کو گرانی محسوس ہوئی تو دونوں ڈرے کہ کہیں جانور نہ ہو تو خدا سے انھوں نے دعا کی کہ اگر تو ہم کو اچھا نیک لڑکا دے تو ہم تیرے شکر گذار ہوں گے لیکن جب خدا نے ان کو نیک لڑکا دیا تو انھوں نے شرک کیا اس طرح کہ اسکا نام عبد الحارث رکھا حالانکہ کوئی خدا کے سوا اور کسی کا بندہ نہیں ہو سکتا حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے سوا عبودیت میں کسی کو خدا کا شریک نہیں بنایا کیونکہ وہ معصوم تھے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب حضرت حوا علیہا السلام کے بچہ ہوا تو ان کے

پاس شیطان آیا حضرت حوا کا کوئی لڑکا زندہ نہیں بچتا تھا شیطان نے اُن سے کہا اگر تم اس لڑکے کا نام عبد الحارث رکھو تو یہ لڑکا زندہ رہے گا حضرت حوا علیہا السلام نے ایسا ہی کیا تو شیطان کا حکم اور اُس کی وحی تھی اُسے حاکم نے روایت کر کے کہا ہے کہ صحیح ہے اور ترمذی نے روایت کر کے حسن غریب کر کے کہا ہے اور جمل کے حواشی جلالین میں ہے ولیس الجعل المذکور باشراک اللہ بل ھو شرک فی التسمیۃ وھذا لا یقتضی الکفر یعنی نام رکھنا خدا کے ساتھ شرک کرنا نہیں ہے بلکہ اس نام میں شرک آیا جو مقتضی کفر نہیں ہے۔ اور شرعۃ الاسلام میں ہے ولا یسمیہ حکیما ولا حکما ولا ابا عیسیٰ ولا عبد فلان یعنی کوئی نام حکیم حکم اور ابو عیسیٰ اور خدا کے سوا کسی اور کی طرف عبد کی طرف اضافت کر کے نہ رکھے۔ اور ملا علی شرح فقہ اکبر میں ہے اما ما اشتھر من التسمیۃ بعبد النبی فظاہرہ کفر الا ان اراد بالعبد المملوک عبد النبی نام رکھنا بظاہر کفر ہے مگر جب عبد سے مملوک مراد ہو۔ اور ملا علی قاری کی شرح مشکوۃ میں ہے ولا یجوز نحو عبد الحارث ولا عبد النبی ولا غیرہ مما شاع بین الناس عبد الحارث عبد النبی وغیرہ کا جو نام لوگوں میں شائع ہے نہ رکھنا چاہیے۔ اور ابن حجر مکی کی شرح منہاج میں ہے ویحرم ملک الاملاک لان ذلک لیس لغیر اللہ وکذا عبد النبی وعبد الکعبۃ او الدار او علی او الحسین لایہام التشریک اور ملک الملک نام رکھنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ خدا کا خاص وصف ہے اسی طرح عبد النبی عبد الکعبہ عبد الدار عبد العلی وعبد الحسین نام رکھنا کیونکہ اس میں ایہام شرک ہے واللہ اعلم۔

سرحد کے علاقہ میں
حیلۂ اسقاط اور دورانِ قرآن

ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ جب کسی گھر میں میت ہو جائے تو دور دراز علاقوں سے رشتہ داروں کو بلاتے ہیں اور میت کو گھر میں ان کے انتظار میں رکھتے ہیں جب تمام اقارب آ جائیں۔ پھر جنازہ اٹھا کر مقبرہ کو لیجاتے ہیں لیکن جنازہ سے آگے گاؤں کا میراثی جاتا ہے کیونکہ اس کے سر پہ تین چار پیڑوں میں چاول گندم، مونگ، نمک اور اوپر کلام پاک ہوتا ہے اور جب وہاں جنازہ پہنچ جائے تو پھر صفیں برابر کرتے ہیں اور ایک شخص آکر میت کے سر کی طرف گز گز کے چار پانچ ٹکڑے کفن سے بچے ہوئے نکال کر ایک اپنے گاؤں کے پیش امام کو دیتا ہے باقی نزدیک گاؤں کے جو ملا صاحبان تشریف لائے ہیں ان کو دیتے ہیں اور جب جنازہ پڑھیں تو عوام بڑے دائرے میں بیٹھ جاتے ہیں۔ پیش امام صاحب اور نزدیک گاؤں کے ملا صاحبان چھوٹا سا دائرہ بناتے ہیں درمیان میں وہی چاول وغیرہ مع کلام پاک ... اور نقد مال رکھ کر پیش امام صاحب ہاتھ رکھ بیٹھتے ہیں اور کہتا ہے۔

کل حق من حقوق اللہ تعالیٰ ... الخ یعنی اللہ تعالیٰ کا جو حق اس میت پر روزے ہوں یا نماز وغیرہ بھی یہ ادا کرنے سے عاجز ہے[1]۔ یہ تمام چیزیں بطور حیلہ اسقاط

---

[1] ملا صاحب یہاں عاجز کا لفظ بولتے ہیں لیکن یہ مردہ جب زندہ تھا تو پھر یہ طوفان میں بلاتے یہاں تک چڑیا مارنا بھی جانتا ہے اور رقاصی وغیرہ وغیرہ خدمت بھی کرتا ہے لیکن بے حد افسوس کہ چارپائی سے دیکھتا ہے کہ ملا صاحبان اس کے مال میں کشمکش دے کر فضیلت وصیت کہتے ہیں یہ کہ یہ بڑا نیک ہے یہ کیوں حالانکہ جب زندہ تھا تو مشغول تھا یہ خدا کے نام پر نہیں دیتا تھا اور چونکہ یہ کہ اس کا مال تقسیم ہو رہا ہے کچھ اختیار نہیں کر سکتا ہے۔ (بینوا توجروا)

آپ کو ہبہ کرتا ہوں۔ (دوسرے امام صاحب کے رانوں پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہیں) پھر وہ دوسرا امام صاحب تیسرے کو ہبہ کرتا ہے۔ پھر امام صاحب وہی وظیفہ پڑھتا ہے۔ اور ھذا البیت۔ جب وظیفہ میں آجائے تو سر کے ساتھ میت کی طرف اشارہ بھی کرتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ اسی میت سے جو ابھی تک میرے پیچھے چارپائی پر آرام فرما ہیں یہ فدیہ دوسرے امام صاحب کو ہبہ کرتا ہوں بہر حال تین مرتبہ ایسا کرتے ہیں پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں اور اسی دوران میں گاؤں کا جو میراثی ہے وہ عوام کے دائرے پر اپنے دامن میں مٹی لے جا کر ان سے فاتحہ پڑھوا کر پھر مٹی کو جمع کرتا ہے اور یہ قبر میں ڈال دیتے ہیں۔ اس کے بعد نقد مال وارث اٹھا لیتا ہے اور چاول وغیرہ بمعہ کلام پاک بڑے دائرے پر شروع کرتے ہیں ایک دوسرے کو ہبہ کرتا رہتا ہے۔ اور وارث جب نقد مال لے جاتا ہے تو اس کے لئے خاص خاص آدمی بلا کر وہاں مجلس شوریٰ میں تقسیم کرنا پاس کرتے ہیں کہ کس طریقہ سے تقسیم کرنا چاہئے۔

مجلس شوریٰ میں فیصلہ کرتے ہیں کہ پیش امام کو دس روپیہ (کیونکہ پھر صدقۃ الفطر وغیرہ بھی ختم ہوا) اور باقی ملا صاحبان کو پانچ پانچ روپیہ اور عوام کو دو دو اور بچوں کو روپیہ یا آٹھ آنہ بہ حال اس کا دارومدار مالدار اور غریب پر ہے جتنی طاقت ہو اور جیسا مجلس شوریٰ نے فیصلہ کیا (البتہ یہاں قطر میں ایک شخص ملا خیر سے سنا کہ ہمارے گاؤں میں پہلے سے یہ فیصلہ ہوا ہے کہ دس روپیہ سے کم نہیں دیں گے خواہ غریب ہے یا مالدار) کسی سے قرضہ لیتا ہے یا زمین میں سرنگ لگا کر پیچھے سے نکال دیتا ہے۔

بہر حال جب اسقاط تقسیم ہو جائے تو اس کے بعد میت کے جنازہ کو اٹھا لیتے ہیں اور دفن کر لیتے ہیں۔ دفن کرنے کے بعد پیش امام صاحب آگے وعظ کر سکتا ہو کرے گا ورنہ دوسرا کوئی کرے پھر دعا کر لیتے ہیں خصوصی پھر دوبارہ دعا عمومی

کر لیتے ہیں ۔

یہ تو ہمارے علاقہ کا رسم ورواج تھا جو میں نے بیان کیا لیکن اس تفصیل سے بعض حضرات مجھ پر ناراض اور خفا نہ ہو جائیں ۔ کیونکہ بعض لوگوں کو یہ طریقہ معلوم نہیں ہوتا کہ استاد کس طریقہ سے لوگ کرتے ہیں کیونکہ بہت سے ایسے علاقے ہوں گے جس میں یہ چیز نہیں جانتے اس لئے میں نے اسے مفصل طور پر بیان کیا ۔ لہٰذا معذرت خواہ ہوں ۔

اور اس طریقہ اور رسم ورواج کو جو شخص نہ کرے اسے ہمارے علاقہ میں وہابی اور پنج پیری کے نام سے یاد کرتے ہیں اور بعض لوگ ان کو قادیانی کا ہم نام جانتے ہیں لیکن تمام القاب کا معنی ایک ہی لیتے ہیں کہ یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے منکر ہے اور میں انشاء اللہ تعالیٰ اس باب میں اس کی حقیقت واضح طور پر بیان کردوں گا کہ

اس طریقہ کا ثبوت ہے یا نہ ۔ اگر نہیں تو کرنے والوں کا کیا حکم ہے اور فتویٰ لگانے والے کیسے ہیں ۔ (وباللہ استعین)

حیلۂ اسقاط
قرآن کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ	آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل
وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ	کیا اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کیا، اور تمہارے
وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ	لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند
دِیْنًا ؎	کیا۔

اس آیتِ کریمہ کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام حلال اور حرام اور احکام و عبادات بیان کر کے دین کو مکمل کیا ہے۔ اور جب دین کامل ہے تو اس میں زیادتی اور کمی کی گنجائش نہیں ہوگی ورنہ پھر تو کامل نہیں رہتا۔ اور اس کامل دین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مالی اور جانی قربانیاں دے کر ہر گوشہ گوشہ تک پہنچایا اور کوئی ایسی عبادت اور دین کا کام نہیں ہوگا کہ انہوں نے خود نہ کیا ہو … یا اس کو ہم سے چھپایا ہو اور جو چیز اور جو عبادات اور امور دینیہ جس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے نہ ہو تو سمجھ لیں کہ یہ دین کا کام نہیں اور نہ یہ عبادات میں بلکہ یہ معصیت اور بے دینی ہے۔

کیونکہ اگر یہ دین کا کام ہوتا یا یہ عبادت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا

؎ سورۂ مائدہ ۳

صحابہ کرامؓ ضرور ہی کیا کر لیتے اور جب انہوں نے نہیں کیا تو عبادت نہیں بلکہ گمراہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ارشاد سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا سو تم پر لازم ہے میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی اور نئی چیزوں سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے جیسا کہ مقدمہ میں مفصل گذر چکا ہے۔

اور دوسرے ارشاد میں فرماتے ہیں کہ

میری امت میں تہتر فرقے ہونگے۔ بہتر فرقے جہنمی ہونگے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ وہ کونسا فرقہ ہے جو جنتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ۔ لہٰذا ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے راستہ پر چلنے میں نجات ہے اور ان کے خلاف چلنے میں جہنم ہے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ دین میں کوئی نیکی کا کام ایسا نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے نہ کیا ہو۔ تو اب ہم یہ بات دریافت کرنے کے حق دار ہیں کہ یہ طریقہ حیلہ اسقاط دین سے سمجھتے ہو یا نہ۔ اگر نہیں۔ تو خیر ما خیر شما۔ اگر دین سے سمجھتے ہو تو یہ ایک دین کا کام تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے نہیں کیا ہے تو ابھی یا دین کو ناقص سمجھیں گے یا ان پر الزام لگائیں گے کہ انہوں نے ہمیں دین نہیں پہنچایا ہے یا مستقل طور پر کرنے والے حضرات نبوت کا دعوی کریں گے کہ ہمارا بھی یہ اختیار ہے۔ کہ کسی چیز کو دینی کام بنائیں اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے ثبوت نہیں۔ یہ تینوں احتمالات تمام کفر اور ارتداد ہیں۔ لہٰذا حیلہ کرنے والوں کو ماننا پڑے گا کہ یہ حیلہ اسقاط دین کے سراسر ہی خلاف

ہے اور ایک نئی چیز کی ایجاد ہے اور حدیث میں گذر چکا ہے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور گمراہی کرنے والے مجرم ہوتے ہیں نہ کہ دین کے ٹھیکیدار۔ لہٰذا اس آیت کے ماتحت یہ حیلہ اسقاط ایک عمل مردود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین کو مکمل کیا اور اس مکمل دین میں یہ چیز نہیں تھی ورنہ ضرور ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے اس کا ثبوت ہوتا .... (دلیل دوم)

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ	جو یتیم بچوں کے مال ناجائز طریقہ سے
اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا	کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ جمع
یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ	کرتے ہیں وہ جلدی جہنم میں داخل
وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا [۱]	ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ جو یتیم بچوں کے مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ جمع کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مہلک چیزیں بیان فرما کر ان سے اجتناب کی تلقین فرمائی ہے۔

وہ یہ ہیں۔ سحر۔ نفس کو قتل کرنا (بلاجرم) سود کا مال کھانا۔ یتیم کا مال کھانا۔ جہاد سے بھاگنا۔ اور مومنہ پاک دامن عورت پر الزام لگانا [۲]

اور یہ حیلہ سبب اور ذریعہ ہے یتیم بچوں کے مال کھانے کا اور یتیم بچوں کا مال کھانا نص سے حرام اور جو حرام کا سبب ہو وہ بھی حرام [۳] لہٰذا یہ حیلہ حرام۔

اور ایک روایت میں آتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوسعید خدریؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ معراج کی رات آپ نے کیا کیا

---

[۱] سورۃ النساء ۱۰ [۲] ابن کثیر ص ۴۵۶ [۳] ابن کثیر ص ۳۲۰ ج ۱

دیکھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ مجھے ایسی مخلوق کی طرف لے گئے۔ کہ ان میں ہر ایک آدمی کا ہونٹ (اتنا بڑا تھا) جیسا کہ اونٹ کا ہونٹ اور اس پر کچھ آدمی مقرر تھے اور ان کے مُنہ کو کھول کر آگ کے پتھر ان میں ڈال دیتے اور وہ نیچے سے نکلتے۔ اور وہ زور زور سے چلاتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ اے جبرئیل! یہ کون ہیں۔ اس نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ناجائز طریقہ سے کھاتے تھے اور یہ اپنے پیٹوں میں آگ جمع کرتے ہیں اور جہنم کو داخل ہونگے[1]

اور اس میں شک نہیں کہ اس حیلہ میں بسا اوقات یتیموں کے مال کو تقسیم کرتے ہیں کیونکہ اس حیلہ کے وقت کوئی پوچھتا نہیں کہ یہ نقد مال وغیرہ جو ہمارے سامنے رکھا ہے اس کا وارث تو یتیم نہ ہوگا بلکہ میں نے خود اپنے وطن میں دیکھا ہے جسے چشم دید واقعہ سے تعبیر کر رہا ہوں کہ

ایک شخص فوت ہوگیا تھا اور اس کے یتیم بچے تھے تو جب پیر بزرگ نے نیا بنایا کہ ہم پانچ پانچ سے کم تقسیم نہیں کریں گے پھر میں نے ایک طریقہ اختیار کیا کہ انہوں نے جو تدبیر کی تھی وہ کامیاب نہ ہوئی۔ تو چونکہ یہ حیلہ اسقاط مروجہ یتیم بچوں کے مال کھانے کے لئے ذریعہ ہے اور حرام چیز کیلئے جو ذریعہ ہو وہ حرام ہے لہٰذا یہ حیلہ مروجہ بھی حرام

---

[1] ابن کثیر ص ۴۵۶ ج ۱

حیلۂ اسقاط

احادیث کی روشنی میں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم العائد فی ھبتہٖ کالکلب یعود فی قیئہٖ لیس لنا مثل السوء[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ھبہ کر کے واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹ لے اور ہمارے لئے بُری مثال مناسب نہیں۔

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ لیس لنا مثل السوء کی تشریح فرماتے ہیں۔

ای لاینبغی لنا معشر المؤمنین ان نتصف بصفة ذمیمة یشابھنا باخس الحیوانات فی اخس احوالہ[2]

ہماری مومن جماعت کے لئے مناسب نہیں کہ ہم ایسی صفت سے موصوف ہو جائیں کہ ہم کو حیوانات میں ایک اخس حیوان اس کی اخس صفات میں سے مشابہ کرے۔

تو اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ ھبہ میں رجوع کرنا ایک قبیح اور بدترین چیز ہے

---

[1] بخاری صفحہ ۱۰۳۲/۲، جلد اول صفحہ ۳۵۲، صفحہ ۳۵۷ میں بھی ہے، ارشاد الساری صفحہ ۱۱۱/۱۰ دیکھ لیں فتح الباری صفحہ ۲۳۵/۵، بذل المجہود صفحہ ۲۱۹/۱۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک میں علماء صاحبان عمیق نظر سے سوچ اور فکر کر کے پھر اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں کہ موجودہ دور میں انبیاء علیہم السلام کے دربار کیلئے اس فعل کو پسند کرتے ہیں۔ [2] ارشاد الساری شرح البخاری صفحہ ۱۱۱/۱۰، دیکھ لیں فتح الباری صفحہ ۲۳۵/۵ صفحہ ۲۳۶/۵۔

یہاں تک کہ کتے سے اس شخص کو مشابہ بنایا اور اس کے رجوع کرنے کو کتے کے چاٹنے سے تشبیہ دیدی۔ گویا کہ جو شخص ہبہ دے کر پھر اس سے واپس رجوع کرنا چاہتا ہو وہ ایسے قبیح بے گرے یا کتے سے مشابہ ہوا۔ چونکہ اس حیلہ اسقاط میں ہبہ دے کر پھر واپس رجوع کر لیتے ہیں لہٰذا یہ حیلہ قبیح چیز پر مشتمل ہے اور جو قبیح پر مشتمل ہو وہ قبیح لہٰذا یہ بھی قبیح اور مسلمانوں کے لئے مناسب نہیں کہ ایک رذیل اور خبیث حیوان کتے جیسے کے ساتھ ایک رذیل صفت میں مشابہ ہو جائے اب بھی جو حضرات اس فعل کو دین سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف کرنے والے بے دین سمجھتے ہیں وہ یہاں اپنا نقشہ اور چہرہ مبارک اس حدیث کے آئینہ میں اچھی طرح بغور دیکھ لیں۔ کہ وہ انسانوں کی سی صفات کے مالک ہیں یا حیوانوں میں سے ایک نہایت خبیث اور پلید حیوان کی سی صفات رکھتے ہیں۔ اور کیا کتے کا فعل جیسے قبیح اور بدترین چیز بھی دین بن سکتی ہے۔ (قاتلهم الله انّی یؤفکون)۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کے بھی منکر ہیں اور دوسروں پر فتووں کی بوچھاڑ۔ کیا ہی عجیب تقاضائے انصاف ہے۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے فرماتے ہیں

قال اسرعوا بالجنازة فان تك صالحةً فخير تقدمونها اليه وان تك غير ذلك فشر تضعونه عن رقابكم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنازہ کے ساتھ جلدی کرو کیونکہ اگر میت نیک ہو تو اس کے حق میں تمہاری یہی بھلائی ہے کہ اس کو بھلائی کی طرف جلدی پہنچا دو اگر

وہ میت اس کے غیر ہے (یعنی بد ہے) تو اس کو اپنی گردنوں سے جلدی رکھو

لہ بخاری ص ۱۷۹ ج ۱ مسلم مع نووی بر حاشیہ ارشاد الساری ص ۲۷ ج ۴ ، ابوداؤد مع عون المعبود ص ۱۹۰ ج ۳۔ کتاب طرح التثریب فی شرح التقریب ص ۲۸۸ ج ۳ تالیف الامام ولی الدین ابی زرعہ متوفی ۸۲۶ھ ۔ والترغیب للمنذری ص ۱۳۱ ج ۴ ، وبذل المجہود ص ۱۴۸ ج ۱ بلمحدث مولانا خلیل احمدؒ

تو اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جنازہ سے جلدی کرنا چاہیے۔ دونوں صورتوں میں خواہ نجات ہو یا بدا اور یہ حیلہ اس کی تاخیر کے لیے سبب اور ذریعہ ہے کیونکہ یہ تین ترتیب میں خواہ نجات ہو یا بدا ور یہ حیلہ اس کی تاخیر کے لئے سبب اور ذریعہ ہے کیونکہ یہ تین تر چکر تو ملا صاحبان دیں گے پھر ساٹھ ستر آدمیوں پر چکر دیں گے۔ اور پھر مجلس شوریٰ میں تقسیم کے متعلق فیصلہ ہوگا اور پھر اسقاط کی تقسیم ہوگی پھر دعا ہوگی وغیرہ۔ چونکہ حدیث میں مطلوب ہے، جلدی کرنا جنازہ سے اور حیلہ میں مطلوب ہے، تاخیر اور دیر کرنا لہٰذا یہ حیلہ حدیث صحیح کے مقابل اور مخالف ہے اور جو عمل اور فعل صحیح حدیث کے خلاف ہو، وہ باطل اور مردود تو یہ حیلہ مروجہ باطل اور مردود۔

حیلۂ اسقاط

فقہاء کی نظر میں

امام شمس الدین السرخسی متوفی ۴۸۳ھ فرماتے ہیں۔

والمراد بالحدیث التنبیه فی معنی الاستقباح و الاستقذار او تری انه شبه بعود الکلب فی قیئه وفعل الکلب یوصف بالقبح لا بالحرمة وبه نقول وانه یستقبح[1]	حدیث سے مراد تنبیہ ہے اس بات پر کہ ہبہ میں رجوع کرنا قبیح اور گندگی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہبہ میں رجوع کرنے والے کی تشبیہ اس کتے سے دی ہے جو اپنی قے چاٹ رہا ہو۔ اور کتے کا فعل قبح سے موصوف ہوتا ہے نہ حرمت سے اور ہم بھی ہبہ میں رجوع کرنے کو قبیح کہتے ہیں۔

[1] المبسوط ص۵۴ ج۱۲۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ علامہ ابن حجر ناقد الرجال متوفی ۸۵۲ھ بحوالہ ابوداؤد فرماتے ہیں کہ امام حضرت قتادہ تابعی کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ قے نہیں ہے مگر حرام۔ فتح الباری ص۲۲۵ ج۵ اور علامہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ ایک آیت کریمہ (ان انکر الاصوات لصوت الحمیر لقمان ۱۹) (بیشک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے) کا ترجمہ

لہٰذا امام زرشؒ جو مجتہد فی المسائل ہیں انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ ہم اس بات کا قول کرتے ہیں کہ ہبہ سے رجوع کرنا قبیح ہے اور حیلۂ اسقاط مروجہ میں بار بار ہبہ کر کے رجوع کرتے رہتے ہیں لہٰذا یہ حیلۂ اسقاط مشتمل بر قباحت ہے اور مشتمل بر قباحت قبیح لہٰذا یہ حیلۂ اسقاط بھی قبیح۔

ابن عابدین متوفی ۱۲۵۳ھ فرماتے ہیں۔

والافضل ان یعجل بتجہیزہ کلہ من حین یموت [1]

بہتر یہی ہے کہ مرنے کے بعد اس کی تمام چیزوں میں جلدی کریں۔

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کی تدفین اور تکفین اور غسل وغیرہ سب چیزوں میں جلدی چاہیے۔ اور حیلۂ اسقاط ذریعہ اور سبب ہے مردہ کی تدفین میں تاخیر کے لیے اور اس غیر افضل کو یہ آخوندگان اور ملا صاحبان لازم سمجھتے ہیں اور فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کوئی فعل مستحب بھی ہو لیکن جب اس کو عوام لازم سمجھیں تو اس کا چھوڑنا لازمی ہے [2] لہٰذا حیلۂ اسقاط کا چھوڑنا بنا بر قول فقہاء لازمی اور ضروری ہے اور جس کا چھوڑنا لازمی ہو اس کا کرنا ناجائز لہٰذا حیلۂ اسقاط کا کرنا ناجائز۔

بقیہ حاشیہ صفحہ۔ کے بعد فرماتے ہیں وھذا التشبیہ فی ہذا بالحمیر یقتضی تحریمہ وذمہ غایۃ الذم لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس لنا مثل السوء ... العائد فی ہبتہ کالکلب یقئ ثم یعود فی قیئہ (ابن کثیر ص ۴۴۶ ج ۳)

آواز کی تشبیہ گدھے کی آواز کے ساتھ یہ مقتضی ہے اس بات کی کہ آواز کو بلند کرنا حرام ہے اور نہایت قبیح اور مذموم ہے۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے لیے بری مثال مناسب نہیں۔ ہبہ میں رجوع کرنے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے اس کو چاٹے۔ تو اس تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت کے قائلین بھی موجود ہیں لیکن اگر حرمت نہ بھی ہو تو بھی قبیح تو ہے اور جو قبیح ہو بھلا وہ دین کیسے بن سکتا ہے۔ [1] رد المحتار ص ۵۹۹ ج ۱ [2] رد المحتار ص ۲۲۳ ج ۳ دوسرا نسخہ ص ۲۲۶ عالمگیری ص ۱۷۷ ج ۵ دوسرا نسخہ ص ۲۶۶ [illegible] ارشاد الساری ص ۱۷۵ ج ۲

علامہ سرخسی عید کی نماز پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس شخص سے نماز عید قضا ہو جائے تو اس کو اکیلا انفرادی طریقہ سے ادا کرنا ناجائز ہے کیونکہ عید کی نماز اگر ثواب ہے تو اس صفت سے جس صفت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کیا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر جماعت ادا نہیں کیا۔ لہٰذا عید کی نماز انفرادی طور پر ادا کرنا ناجائز ہوگا[1]

علامہ قاضیخان عید کی بحث میں فرماتے ہیں کہ عید کے دن منبر بجائے عیدگاہ نہ لیا جائے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے دور میں نہیں لیا گیا تھا[2]

اور شرح العقیدۃ الطحاویۃ میں ایصال ثواب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب جائز سمجھتے ہیں اور بعض لوگ اسے بدعت کہتے ہیں۔ اور جو بدعت کہتے ہیں۔ وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ صحابہ کرام سے اس کی نقل موجود نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ویسے بھی ہر ایک امتی کے تمام اعمال سے اجر ملتا ہے لہٰذا ایصال ثواب بدعت ہے[3]

علامہ ابن نجیم عید کی نماز سے قبل نوافل مکروہ بتاتے ہوئے دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل قبل از نماز عید نہیں پڑھے[4]

اور بہت سے فقہاء کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عدم نقل دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ فلاں چیز ناجائز اور بدعت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل موجود نہیں[5]۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ فقہائے کرام کے ان اقوال سے حیلہ اسقاط کا مروجہ طریقہ کا بدعت ہونا ظاہر سمجھئے،

---

[1] المبسوط ص۹ج۲ ، [2] فتاوی قاضیخان ص۱۸۰ برحاشیہ عالمگیری [3] شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص۵۱۸ ، [4] بحرالرائق ص۱۷۲ج۲ ، [5] دیکھئے کبیری ص۲۹۴ ، المغنی ص۲۵۰ج۲ ، المجموع شرح المہذب ص۵۹۸ج۴ ، الزرقانی علی مواہب اللدنیۃ ص۲۶۳ج۷ ، اعلام الموقعین ص۳۷۰ج۲ ، ہدایہ اولین ص۱۷۳ ، ص۱۷۶ج۱ ، ردالمحتار ص۶۰۷ ،

تنبیہ: دیگر حوالے باب پنجم میں آ رہے ہیں انتظار کیجئے گا

کیونکہ یہ طریقہ حیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے تو خود ثابت نہیں کہ ائمہ مجتہدین اور اصحاب التخریج اور اصحاب الترجیح کسی سے بھی ثابت نہیں لہٰذا یہ حیلہ اسقاط تبصریحات ان اقوال فقہاء کے بدعت در ضلالۃ ہے اور جو حضرات اس طریقہ مخترعہ کو لازم تکمیل سمجھ لیں تو وہ جیسا کہ صحیح احادیث کے منکر ہیں ایسا ہی فقہائے کرام کی تصریحات کے مخالف ہیں۔

حیلہ اسقاط

نقلی و عقلی حیثیت سے

حیلہ اسقاط کا مروجہ کافی مفاسد پر مشتمل ہے۔ اور جو چیز مفاسد پر مشتمل ہو وہ باطل لہٰذا یہ حیلہ مروجہ بھی باطل۔

فساد اوّل: ہمارے علاقہ میں وصیت کی عادت نہیں اور جب وصیت نہ ہو تو تمام ورثاء کی رضامندی اور موجودگی ضروری ہے اور اس میں بسا اوقات بعض وارث غائب اور بعض نابالغ۔ لہٰذا یہ مال تقسیم کرنا ناجائز ہے۔

فساد دوم: اس حیلہ کو لوگ قرضہ کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات اسقاط کے لئے سود پر پیسے لیتے ہیں اور یہ حرام اور ناجائز ہے۔

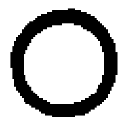
فساد سوم: یہ حیلہ بغیر کسی ضرورت اور بغیر مفلس کے ہر ایک کیلئے کرتے ہیں حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

فساد چہارم: یہ حیلہ اسقاط کو فدیہ شرعی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ فدیہ شرعی نہیں کیونکہ اس میں مقدار شرعی ہوتی ہے اور نماز روزہ وغیرہ کا پورا پورا حساب کرکے دینا ہوتا ہے اور اس میں یہ چیزیں نہیں ہوتی۔

فساد پنجم: فدیہ شرعیہ کا مستحق صرف فقیر اور مسکین ہیں اور اس میں مالداروں کو بھی دیتے ہیں لہٰذا یہ فدیہ شرعیہ نہیں۔

فساد ششم: نذرِ شرعی میں دن کی تعیین نہیں ہوتی جب حساب کریں فقراء کو دے دیں اور اس حیلہ میں تعیین ہے بلکہ اس وقت میت کو دفن نہیں کرنے دیں گے جب جیبوں میں نقد مال سنبھال نہ لیا ہو۔ لہٰذا یہ طریقہ بناء بر تخصیص بدعت ہے۔

فساد ہفتم: یہ ظاہر طور پر مکر و فریب و دغابازی ہے کیونکہ ایک آدمی دس ہزار روپیہ ہبہ کرتا ہے اور پھر اس کو واپس آتا ہے پھر ہبہ کرتا ہے اور دس پندرہ منٹ کے بعد تین ہزار روپیہ ہبہ کرنے والا پانچ روپیہ کو ہاتھ پھیلاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف دغابازی کرتا تھا جو نعل حرام ہے۔



اذان میں انگوٹھے چومنا

بعض لوگ غلط سلط روایات سے بعض بدعات کا جواز ثابت کیا کرتے ہیں، اس لئے وہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیے جو صاحب درِّ مختار نے خیر رملی سے اور ابن عابدین شامی رح نے تقریب سیوطی رح سے نقل کیا ہے کہ کمزور روایت پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں، ایک یہ کہ وہ روایت بہت زیادہ کمزور نہ ہو مثلاً اس کا کوئی راوی جھوٹا یا جھوٹ سے متہم ہو، دوسرے یہ کہ وہ چیز شریعت کے کسی عام اصول کے تحت داخل ہو، تیسرے یہ کہ اس کو سنت نہ سمجھا جائے۔ (ردّ المحتار ص۱۲۸ ج ۱)

بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اذان واقامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنکر انگوٹھے چومتے ہیں اور اس کے ثبوت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی جاتی ہے۔ بدقسمتی سے اس میں مذکورہ بالا تین شرطوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی۔

اوّل تو وہ روایت ایسی مہمل ہے کہ ماہرینِ علم حدیث نے اس کو موضوع اور منگھڑت کہا ہے۔

دوسرے، یہ روایت اصل دین میں سے کسی اصل کے تحت داخل نہیں۔

تیسرے، اس کو کرنے والے نہ صرف سنت سمجھتے ہیں بلکہ دین کا اعلیٰ ترین شعار تصور کرتے ہیں، اور علامہ شامیؒ اور دیگر اکابر نے ایسا کرنے کو افترا علی الرسول قرار دیا ہے۔

جس شخص نے یہ روایت گھڑی ہے اس نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے یہ نہیں سوچا کہ اذان و اقامت دن میں ایک مرتبہ نہیں بلکہ روزانہ دس مرتبہ

دہرائی جاتی ہے۔ اب اگر اذان و اقامت کے وقت انگوٹھے چومنا سنت ہوتا تو جس طرح اذان و اقامت مسلمانوں میں متواتر چلی آتی ہے، اور میناروں پر گونجتی ہے اسی طرح یہ عمل بھی مسلمانوں میں متواتر ہوتا۔ حدیث کی ساری کتابوں میں اس کو درج کیا جاتا۔ اور مشرق سے مغرب تک پوری امت اس پر عمل پیرا ہوتی۔

علمائے امت نے تصریح کی ہے امت کے عملی تواتر کے مقابلے میں صحیح ترین حدیث بھی موجود ہو تو اس کو یا تو منسوخ سمجھا جائے گا، یا اس کی کوئی مناسب تاویل کی جائے گی۔ بہر حال ایک متواتر عمل کے مقابلے میں کسی روایت پر عمل کرنا صحیح نہیں، امام ابو بکر جصاص رازیؒ نے "احکام القرآن" میں اس قاعدے کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اسی بنا پر ہمارے ائمہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر مطلع بالکل صاف ہو تو رمضان اور عید کے چاند کیلئے ایک دو آدمیوں کی شہادت کافی نہیں۔ بلکہ شہادت دینے والی اتنی بڑی جماعت ہونی چاہیے کہ غلطی کا احتمال نہ رہے۔ اس لئے کہ اکا دکا آدمی کی شہادت پر اعتماد کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس علاقے کے لاکھوں انسانوں کو گویا اندھا فرض کر رہے ہیں۔ (احکام القرآن ص)

امام سرخسیؒ کسی روایت کے انقطاع معنوی کی چار صورتیں قرار دیتے ہیں:

اوّل: وہ کتاب اللہ کے خلاف ہو۔

دوم: سنت متواترہ یا مشہورہ کے خلاف ہو۔

سوم: ایسے مسئلہ میں، جس کی ضرورت ہر خاص وعام کو ہے، وہ امت کے تعامل کے خلاف ہو۔

چہارم: سلف میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا، مگر کسی نے اس کا حوالہ نہ دیا۔

(اصول السرخسی ص۳۶۴ ج ۱)

... صورت کے بارے میں لکھتے ہیں:

وكذلك الغريب من اخبار الآحاد اذا خالف السنة المشهورة فهو منقطع فى حكم العمل به. لان ما يكون متواترا من السنة او مستفيضا او مجمعا عليه فهو بمنزلة الكتاب فى ثبوت علم اليقين، ومافيه شبهة فهومردود فى مقابلة علم اليقين (ص۳۶۶)

اسی طرح ایسی خبر واحد، جس کا راوی صرف ایک ہو، جب سنّت مشہورہ کے خلاف ہو تو (وہ صحیح الاسناد ہونے کے باوجود) عمل کے حق میں منقطع تصور ہو گی کیونکہ جو سنّت کہ متواتر، مستفیض اور مجمع علیہ ہو وہ علم الیقین کے ثبوت میں بمنزلہ کتاب اللہ کے ہے۔ اور جس چیز میں شبہ ہو وہ علم الیقین کے مقابلہ میں مردود ہے۔

اس ذیل میں امام سرخسی رہ نے پتے کی بات لکھی ہے۔ اور دراصل اسی کو یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں "فرماتے ہیں:

ففى هذا النوعين من الانتقاد للحديث علم كثير وصيانة للدين بليغة، فان اصل البدع والاهواء انما ظهر من قبل ترك عرض اخبار الآحاد على الكتاب والسنة المشهورة.

روایات کو ان دونوں طریقوں سے پرکھنا بہت بڑا علم ہے۔ اور دین کی بہترین حفاظت — کیونکہ بدعات و خواہشات کی اصل یہیں سے ظاہر ہوئی کہ ان افواہی روایات کو کتاب اللہ اور سنّت مشہورہ سے نہیں جانچا گیا۔

آپ غور کریں گے تو تمام بدعات کا سرمنشا یہی ہے کہ کتاب اللہ، سنّت رسول اللہ اور امّت کے عملی تواتر سے آنکھیں بند کر کے ادھر اُدھر سے گری پڑی باتوں کو اٹھا کر انھیں دین بنا لیا گیا۔ اور پھر کتاب و سنّت کو اس پر چسپاں کیا جانے لگا۔ امام سرخسی لکھتے ہیں:

فان قوما جعلوها اصلاً مع

چنانچہ کچھ لوگوں نے ان شاذ روایات کو

الشبهة فی اتصالها برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و مع انها لا توجب علم الیقین ثم تأولوا علیها الکتاب والسنة المشهورة، فجعلوا التبع متبوعًا، وجعلوا الاساس ما هو غیر متیقن به، فوقعوا فی الاهواء والبدع (ص۳۶۶)

اصل بنا لیا، حالانکہ ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت مشتبہ تھی۔ اور باوجودیکہ ان سے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا تھا، اور پھر کتاب اللہ اور سنت مشہورہ میں تاویلیں کر کے اسپر چسپاں کرنا شروع کر دیا پس انہوں نے تابع کو متبوع اور غیر یقینی چیز کو بنیاد بنا لیا۔ اس طرح اہواء و بدعات کے گڑھے میں جا گرے۔

ٹھیک اسی معیار پر انگوٹھے چومنے کی اس بے اصل روایت کا قصہ بالکل جعلی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کو صحیح سمجھنے اور اسپر عمل کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم صحابہ و تابعین اور بعد کی ساری امت کے تعامل کو جھٹلا رہے ہیں کیونکہ اگر اسکی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہوتی تو ناممکن تھا کہ صحابہ و تابعین کی پوری جماعت دن میں دس مرتبہ اس پر عمل نہ کرتی۔ اور ناممکن تھا کہ تمام کتب حدیث میں اس کو جگہ نہ ملتی

جنازہ کے آگے بلند آواز سے کلمہ پڑھنا

جنازے کیساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا

سوال (۱۷۷۸) جب جنازے کو لے کر چلتے ہیں تو آگے آگے چند آدمی بلند آواز سے کلمۂ طیبہ اور دوسرے دعائیہ الفاظ مثلاً اغفرلی، یا غفور پڑھتے ہیں اور یہ سلسلہ قبرستان تک رہتا ہے، اس طرح بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح جنازہ کی نماز کے بعد فاتحہ پڑھنا اور دفن کے بعد اور پھر چند قدم چل کر اور میت کے گھر واپس آکر فاتحہ پڑھنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب۔ جنازے کے ساتھ ذکر خفی کی اجازت ہے، زور سے پڑھنے کی اجازت نہیں، مکروہ ہے لہذا جنازے کے آگے چند آدمیوں کا آواز ملا کر بلند آواز سے پڑھنے کا طریقہ خلاف سنت اور مکروہ تحریمی ہے عن قیس بن عبادة قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکرھون الصوت عند ثلاث الجنائز والقتال والذکر (البحر الرائق ج۵ ص۸۲، کتاب السیر)

فتاویٰ سراجیہ میں ہے وفی منزل المیت رفع الصوت بالذکر وقراءة القرآن وقولھم کل حی یموت ونحو ذلک خلف الجنازة بدعة (فتاویٰ سراجیہ ص۲۳) (ھکذا فی مراقی الفلاح ص۱۱۸) (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۵۳)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے وعلی متبعی الجنازة الصمت ویکرہ لھم رفع الصوت بالذکر وقراءة القرآن کذا فی شرح الطحاوی وان اراد ان یذکر اللہ یذکرہ فی نفسہ کذا فی فتاوی قاضی خان (ج۱ ص۱۶۲ عالمگیری) البحر الرائق میں ہے ویکرہ رفع الصوت بالذکر وقراءة القرآن وغیرھما فی الجنازة والکراھة فیھما کراھة تحریم ـ الی قولہ ـ وفی الظھیریة فان اراد ان یذکر اللہ یذکرہ فی نفسہ لقولہ تعالیٰ انہ لا یحب المعتدین ای الجاھرین بالدعاء وعن ابراھیم انہ کان یکرہ ان یقول الرجل وھو یمشی معھا استغفروا لہ غفر اللہ لکم (البحر الرائق ج۲ ص۱۹۲)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنازہ کے ساتھ دل دل میں اللہ کا ذکر کیا جائے، جہراً ذکر کرنا مکروہ ہے اور بحرالرائق کی عبارت میں تصریح ہے کہ کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے۔

جنازہ کی نماز بذاتہ اعلیٰ درجہ کی دعا ہے اس کے بعد دوسری اجتماعی دعا ثابت نہیں ہے چلتے چلتے فرادیٰ فرادیٰ دعا کرنے میں مضائقہ نہیں، جنازہ روک کر اجتماعی دعا کا رواج خلاف سنت اور مکروہ ہے لایقوم بالدعاء فی قراءۃ القرآن لاجل المیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ وقبلھا یعنی نماز جنازہ کے بعد اور اس سے پہلے قرآن شریف پڑھ کر میت کے لئے کھڑے ہوکر دعا نہ کرنا چاہئے (خلاصۃ الفتاوی ص ۲۲۵/ج ۱) مزید تفصیل کے لئے فتاوی رحیمیہ اردو جلد اول کتاب الجنائز ملاحظہ ہو۔

دفن سے فارغ ہو کر میت کے لئے کچھ دیر تک مغفرت کی دعا کرنا اور قرآن وغیرہ پڑھ کر بخشنا مسنون اور مستحب ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول اور عمل سے ثابت ہے، سنن ابوداؤد میں ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبرہ وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا اللہ لہ التثبت فانہ الآن یسئل وکان ابن عمر یستحب ان یقرأ علی القبر بعد الدفن اول سورۃ البقرۃ وخاتمتھا وروی ان عمرو بن العاص قال وھو فی سیاق الموت اذا انا مت فلا تصحبنی نائحۃ ولا نار فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمھا حتی استأنس بکم وانظر ماذا اراجع رسل ربی۔ جوھرۃ (شامی ص ۸۳۸/ج ۱)

تدفین کے بعد چند قدم چل کر دعا کرنے کا رواج اور میت کے گھر دعا کرنے کے لئے جمع ہونے کا دستور خلاف سنت ہے شامی میں ہے بل اذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا ویشتغل الناس بامورھم وصاحب البیت بامرہ۔ (شامی ص ۸۴۲/ج ۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

ختم کلام پر اُجرت لینا

ہمارے ملک میں یہ رواج ہے کہ جب کوئی شخص مرجائے تو ان کے گھر والے یا اسی دن یا دو تین دن بعد ملّا صاحبان اور صوفیائے کرام اور گاؤں کے بعض حضرات بلاتے ہیں۔ اور ان حضرات سے ختم کلام برائے ایصال ثواب کراتے ہیں۔ اور پارے تقسیم کرکے پڑھنا شروع کرتے ہیں اور درمیان میں چائے بھی پلاتے رہتے ہیں اور بعض خصوصی حضرات کو انڈے بھی نصیب ہوتے ہیں۔ تو جب کلام پاک کی تلاوت ختم ہو جاتی ہے تو پھر گھر والے چینی یا پانی لاکر ہر ایک شخص سے چف چف کرا کر گھر والوں کو دے دیتے ہیں۔

اور ان حضرات کو نقد پانچ پانچ یا کم و بیش دیتے ہیں اور دعا کرکے چلے جاتے ہیں اور گھر والے بکری یا گائے بحسب التوفیق ذبح کرکے پلاؤ وغیرہ تیار کر لیتے ہیں پھر جنہوں نے ختم کلام پاک کیا ہو ان کو بلا لیتے ہیں اور وہ پلاؤ اور گوشت وغیرہ[1] سے اپنی قسمت حاصل کر لیتے ہیں۔

اور یہ طریقہ ایسا نہیں کہ شاید کوئی نہ کریں یا اس کی تردید کریں تو وہ صحیح رہ جائے گا۔ بلکہ اس پر وہابی کا دھبہ لگ جاتا ہے۔ اور اس پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص ختم کلام پاک نہیں مانتا۔ اور حقیقت کو تو

---

[1] اور کبھی حلوہ شریف اور فروٹ وغیرہ بھی ملتے ہیں اور بعض حضرات اپنے بچوں کیلئے بھی جیبوں میں لیجاتے ہیں ... ناراض نہ ہو جانا یہ حقیقت آشکارا کرکے لکھ دیا ہوں۔

ظاہر نہیں کرتے۔ کیونکہ اس میں شرم ہوتی ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ ہم قرآن کریم پڑھتے ہیں اور اتنی تکلیف کرتے ہیں ہم کو کھانے اور پیسوں سے منع کرتے ہیں۔ کہ ختم کلام پاک برائے ایصال ثواب جب کرتے ہو تو اس پر کھانا اور اجرت نہ لیا کرو۔ کیونکہ یہ بات اگر واضح کریں گے تو پھر عوام سمجھیں گے۔ کہ یہ تو اپنے پیٹ کی خاطر وھابی وھابی کہہ رہے ہیں، یہی ہے حقیقت جو چھپا نہیں سکتے۔ ہم اس باب میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ آیا یہ طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بلکہ ائمہ مجتہدین سے اس کا ثبوت ہے یا نہ۔ اس میں تو شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے تو اس کا کوئی بھی ثبوت نہیں اور نہ ائمہ مجتہدین سے اس کو ثابت کر سکتے ہیں بلکہ قرآن اور احادیث سے یہ طریقہ خلاف ہی ہے۔ لہٰذا میں دلائل تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں انشاءاللہ تعالیٰ پھر جن حضرات کو جہاں سے غلطی لگ گئی ہے اس پر تبصرہ کروں گا۔

(وباللہ التوفیق)

کلام پاک پر اجرت لینا

قرآن کریم کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا ۔ میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی منفعت دنیادی) حاصل نہ کرو۔

حضرت الامام المفسر محمد بن جریر طبریؒ المتوفی ۳۱۰ھ ایک تشریح یہ نقل کرتے ہیں۔

عن ابی العالیۃ لا تأخذ علیہ اجرا[1] ابو عالیہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں آیت کا معنی یہ ہے کہ میری آیتوں پر اجرت نہ لینا۔

اور علامہ عماد الدین ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ[2] اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ متوفی ـــــھ بھی یہی قول نقل کرتے ہیں[3]

اور علامہ ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ بھی اجرت کی حرمت کیلئے اسی آیت کریمہ سے شیخ رجب کا استدلال نقل کرتے ہیں[4]

اور علامہ محمد بن احمد جزیؒ نے بھی لکھا ہے کہ حنفیہ اس آیت کریمہ سے اجرت کی حرمت ثابت کرتے ہیں[5] اور محمد بن احمد قرطبیؒ متوفی ۶۷۱ھ بھی احناف کے استدلال میں یہ آیت کریمہ پیش کیا ہے[6]

---

[1] تفسیر ابن جریر ص ۲۰۰ ج ۱ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۸۳ ج ۱، [3] تفسیر الدر المنثور ص ۶۴ ج ۱ [4] مجموعہ رسائل ص ۱۸۱، [5] کتاب التسہیل لعلوم القرآن ص ۴۶، [6] تفسیر القرطبی ص ۳۳۵ ج ۱

اور یہ آیت کریمہ دوسری جگہ میں آتی ہے تو حضرت علامہ آلوسیؒ متوفی ۱۲۷۰ھ فرماتے ہیں۔

ذھب الحسن البصریؒ الی ان الخطاب للمسلمین وھو الذی ینبئ عنہ کلام الشعبی[1]	حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ خطاب مسلمانوں کو ہے (کہ اجرت نہ لیا کرو) اور امام شعبیؒ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

بہرحال ہر ذی علم جانتا ہے کہ اگرچہ خطاب خاص بھی ہو لیکن پھر بھی حکم عام ہوتا ہے لہٰذا اس آیت کریمہ سے بنا بر تفصیل مذکور اجرت کا عدم جواز معلوم ہو گیا اس لئے تو علامہ ابن عابدین شیخ رجب کا قول نقل کر کے نہایت درد دل سے بڑی حسرت کی بات فرما رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

ثم قال واعلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمی الدنیا جیفۃ ملعونۃ وھل یلیق لامتہ ان یستبدلوا کلام اللہ تعالیٰ بجیفۃ ملعونۃ وای استخفاف یزید علی ھذا وبای وجہ ینظر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم القیٰمۃ[2]	پھر فرمایا ہے (شیخ رجب بن احمد نے) جان لو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا مردار ملعون سے تعبیر کیا ہے۔ کیا اس کی امت کو یہ مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کو اس مردار ملعون کے بدلے دیں اور اس سے زیادہ توہین کیا ہوتی ہے اور قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کس منہ سے دیکھے گا۔

---

[1] تفسیر روح المعانی ص ۱۴۵ ج ۶

[2] مجموعہ رسائل ابن عابدین ص ۱۸۱

ختم کلام پاک پر اُجرت لینا

احادیث کی روشنی میں

حضرت الحافظ ناقد الرجال شیخ ابن حجر متوفی ۸۵۲ھ بحوالہ مسند احمد بن حنبل وابی یعلیٰ فرماتے ہیں۔ کہ عبد الرحمٰن بن شبل ؓ نے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اقرءوا القرآن ولا تاکلوا بہ[1] (وسندہ قوی) — قرآن پڑھتے رہو اور اس سے دنیا نہ کماؤ (یا اس سے کھانا نہ کھایا کرو)

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کی سند قوی ہے۔

اور حضرت علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اسحٰق بن راہویہ اور ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق اور طبرانی تمام نے روایت کیا ہے۔ پھر علامہ ابن عابدین دوسری حدیث اجرت کلام پاک کی تردید کیلئے پیش کرتے ہیں فرماتے ہیں

---

[1] فتح الباری ص ۱۰۱/۹ اسی طرح المبسوط ص ۳۷/۱۶، المغنی مع الشرح الکبیر ص ۱۴۱/۶ میں بھی مذکور ہے اور محمد ناصر البانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کے تمام راوی مسلم شریف کے راوی ہیں سوائے ابو راشد کے لیکن وہ بھی ثقہ راوی ہے کیونکہ اس سے بڑے بڑے ثقہ راویوں نے روایت کی ہے اور ابو زرعہ دمشقی نے اس کو صحابہ کرام کے قریب طبقات علیہ سے شمار کیا ہے ص ۲۶ دار احادیث الصحیحۃ حصہ دوم اور اس حدیث کو بحوالہ مسند احمد ص ۴۲۸/۳ اور شرح معانی الآثار ص ۱۰/۲ طبرانی اوسط ص ۱۴۲/۱ ابن عساکر ص ۴۸۶/۹ ذکر کیا ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ البانی صاحب نے جو ابو زرعہ کا قول نقل کیا ہے وہ تہذیب التہذیب میں دیکھ لیں ص ۹۲ اور وہاں لکھا ہے کہ ابو راشد ثقہ تابعی ہے دمشق میں اس سے افضل کوئی نہیں تھا۔

عن سلیمان بن بریدۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ القرآن یأکل بہ الناس جاء یوم القیامۃ ووجھہ لیس علیہ لحم رواہ البیہقی فی شعب الایمان[1]	سلیمان اپنے باپ حضرت بریدہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن کے پڑھنے پر لوگوں سے کھانا کھائے تو وہ شخص قیامت میں آئیگا جس کے منہ پر گوشت نہیں ہوگا (یعنی ہڈی کا چہرہ ہوگا)

اور ایک دوسری حدیث میں آتا ہے۔

عن عمران بن حصین مرفوعہ اقرؤوا القرآن وسلوا اللہ بہ فانہ من بعدکم قوم یقرءون القرآن یسألون الناس[2]	عمران بن حصین مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ قرآن پڑھتے رہو جو چاہو خدا سے مانگو تمہارے بعد لوگ آئیں گے کہ قرآن پڑھکر لوگوں سے سوال کریں گے

اور علامہ ابن حجرؒ ناقد الرجال دوسری سند سے روایت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عن عبداللہ بن مسعود رضہ سیجیٔ زمان یسأل فیہ القرآن فاذا سألوکم فلا تعطوھم[3]	عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ آئے گا کہ جس میں قرآن (پڑھنے) کے ذریعے لوگوں سے سوال کریں گے پس جب تم سے سوال کریں تو ان کو کچھ نہ دو۔

اور حضرت امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری میں باب باندھتے ہیں۔

باب من رایا بقراءۃ القرآن او تأکل بہ او فخر بہ[4]	یہ باب اس شخص کے بیان میں ہے کہ جس نے دکھانے یا کھانے (یا دنیا کمانے) یا فخر کے لیے قرآن پڑھا

---

[1] مجموعہ رسائل ابن عابدین صفحہ ۱۵۴ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۳ دوسرا نسخہ محقق صفحہ ۶۸۰ [3] [4]

پھر جو احادیث باب میں لاتے ہیں اس میں جزء ثانی یعنی کھانا (یا دنیا کمانا) اس پر دلالت کرنے والی حدیث پیش نہیں کی ہے تو علامہ شہاب الدین قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ۔ علامہ شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ سے سوال و جواب نقل کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔

وقال الکرمانی فان قلت من این دل الحدیث علی الجزء الثانی وهو التاکل قلت لا شك ان القراءة اذا لم تکن لله فهی للمراياة والتاکل ونحوهما [1]

کرمانی فرماتے ہیں کہ اگر تو اعتراض کرے کہ حدیث میں ایسا لفظ نہیں کہ جس سے تاکل دکھانے یا دنیا کمانے کا معنی مستفاد ہو جائے میں کہتا ہوں کہ اس میں شک نہیں کہ جب قرآن کا پڑھنا لِلّٰہ تعالیٰ کے لئے نہ ہوگا تو دکھانے کیلئے ہوگا یا کھانے یا اس کی مانند دیگر کسی اور مقصد کے لئے ہوگا۔

بہرحال اس تفصیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاری یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کا پڑھنا جیسا دکھانے کیلئے حرام ہے تو ایسا کھانے اور دنیا کمانے کے لئے بھی حرام ہے۔

اور حضرت لفیف بحوالہ مسند احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔

یقرء القرآن ثلاثة و الفاجر یتاکل به [2]

قرآن پڑھتے ہیں تین (آدمی) تین مقصد کے لئے) اور جو فاجر ہو وہ قرآن پر کھانا کھایا کرتا ہے (یا دنیا کماتا ہے)

---

[1] ارشاد الساری ص۴۸۶ ج۷ [2] المعجم المفہرس ص۷۵ ج۱

ختم کلام پاک پر اُجرت لینا
فقہاء کی نظر میں

شرح العقیدۃ الطحاویۃ میں فرماتے ہیں۔

واما استئجار قوم یقرؤن القرآن
ویھدونہ للمیت فھذا لم یفعلہ من
السلف ولا امر بہ احد من ائمۃ الدین
ولا رخص فیہ والاستئجار علی نفس
التلاوۃ غیر جائز بلا خلاف وانما
اختلفوا فی جواز الاستئجار علی التعلیم
ونحوہ مما فیہ منفعۃ تصل الی الغیر
والثواب لا یصل الی المیت الا اذا کان
العمل للہ وھذا لم یقع عبادۃ خالصۃ
فلا یکون لہ من ثوابہ ما یھدی الی الموتی
ولھذا لم یقل احد انہ یکتری من
یصوم ویصلی ویھدی ثواب ذلک
الی المیت لکن اذا اعطی لمن یقرأ
ویعلمہ ویتعلمہ معونۃ لاھل القرآن
علی ذلک کان ھذا من جنس الصدقۃ
فیجوز وفی الاختیار لو اوصی لمن

ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھنے پر اُجرت لینا
سلف صالحین میں سے نہ کسی نے کیا ہے اور نہ اجازت
دی ہے اور نہ دین کے ائمہ میں سے کسی نے اس کا
امر دیا ہے، اور نفس تلاوت پر اجرت لینا باتفاق
ناجائز ہے البتہ پڑھانے وغیرہ میں اختلاف ہے
جس میں کسی شخص کا ظاہرا فائدہ ہو اور میت کو
ثواب تب پہنچتا ہے کہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو
اور یہ جو اجرت پر تلاوت کی ہے اس کو خود ثواب
نہیں ملتا تو مُردوں کو کیا بخشے گا اسلئے تو روزہ
رکھنا یا نماز پڑھنا اُجرت دے کر تاکہ میت کو
ثواب بخشے اس پر کسی نے قول نہیں کیا البتہ اگر
قرآن پڑھاتا ہو تو اس کو امداد کے طور پر کچھ دے دیں
تو یہ صدقہ ہو گیا اور یہ جائز ہے، در الاختیار میں
لکھا ہے کہ اگر کسی نے وصیت کی اس
شخص کو
جو

یقرأ القرآن علی قبرہ فالوصیۃ	اس کی قبر پر قرآن پڑھے تو اس کی وصیت
باطلۃ لانہ فی معنی الاجرۃ	باطل ہے کیونکہ یہ اُجرت کا معنی رکھتی ہے
وذکر الشاھدی فی القنیۃ	اور زاھدی نے قنیہ میں ذکر کیا ہے
انہ لو وقف علی من یقرأ	کہ اگر کسی نے اس کی قبر پر پڑھنے والے
القرآن عند قبرہ فالتعین	کو کچھ وقف کیا تو یہ تعین باطل ہے اور
باطل واما قراءۃ القرآن	قرآن پڑھنا بغیر اجرت کا ثواب پہنچتا ہے
واھدا ثمالہ تطوعا	جیسا کہ روزہ اور حج کا ثواب پہنچتا ہے
بغیر اجرۃ فہٰذا یصل	(میت کو)
الیہ کما یصل ثواب الصوم	
والحج[1]	

علامہ ابن عابدین بحوالہ طریقہ محمدیہ تالیف امام فقیہ الشیخ محمد برکوی فرماتے ہیں کہ اس نے فصل سوم میں ان تمام بدعات کا ذکر کیا ہے جو لوگ ان کو عبادات اور ثواب کا کام سمجھتے ہیں حالانکہ وہ بدعات ہیں۔ ان میں سے بڑی بڑی بعض بدعات میں ذکر کرتا ہوں۔

نقد رقم وقف کرنا برائے ختم کلام پاک تسبیح اور تہلیل اور درود پڑھ کر ثواب مردے کو بخشیں۔

وصیت کرنا روٹی کھلانے کی اول دو دن یا چالیس دن یا ہمیشہ قبر کے پاس رہنا یا قبر پر عمارت تعمیر کرنا وغیرہ کو ذکر کرکے فرماتے ہیں۔

کل ھٰذہ بدع منکرات والوقف	یہ تمام چیزیں بدعات منکرہ ہیں اور وقف
والوصیۃ باطلان والماخوذ	اور وصیت ان چیزوں سے باطل ہے لینے
منھما حرام للآخذ وھو عاص	والے کو ان سے لینا حرام اور دنیا کے واسطے

[1] شرح العقیدۃ الطحاویہ ص ۵۱۶

بالتلاوة للقرآن والذكر لاجل حطام الدنیا

قرآن پڑھنے والا اور ذکر اذکار کرنے والے گنہگار رہیں۔

پھر علامہ شامی اس کی دوسری تصنیف ایقاظ النائمین پر حوالہ دیتے ہیں کہ وہاں تحریر فرمایا ہے کہ نماز اور قرآن، تسبیح تہلیل درود شریف وغیرہ پڑھنا یا روزہ رکھنا پھر ان کو اجرت دے کر ان کا ثواب مردہ کو بخشنا۔

لا یجوز فی مذهب من المذاهب الاسلامیة ولا فی دین من الادیان السماویة ولا یحصل منها ثواب اصلا

یہ چیز کسی اسلامی مذہب اور کسی آسمانی دین میں جائز نہیں اور نہ ان سے ثواب ہوتا ہے۔

ثم قال وادلة هذا المطلب عقلا ونقلا اکثر من ان تحصی[1]

پھر کہا کہ اس مقصد کے لئے عقلی اور نقلی اتنے دلائل ہیں کہ شمار نہیں کئے جاتے ہیں

اور پھر عینی شرح ہدایہ سے نقل کر کے نسبت واقعات کی [illegible] کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یمنع القاری للدنیا والآخذ والمعطی آثمان

دنیا کے لیے جو پڑھتے ہیں ان کو منع کیا جائے لینے والا دینے والا دونوں گنہگار ہیں

اور پھر فرماتے ہیں کہ میں نے حاشیۃ المنتہی تالیف شیخ محمد الخلوتی میں دیکھا جس نے خاتمۃ المجتہدین شیخ الاسلام تقی الدین[2] سے نقل کیا جو درج ذیل ہے۔

ولا یصح الاستیجار علی القراءة واهدائها الی المیت لانه لم ینقل عن احد من الائمة

ایصال ثواب کے لئے قرآن کریم پڑھ کر اس پر اجرت جائز نہیں کیونکہ ائمہ میں سے کسی امام سے اس کی اجازت منقول نہیں

---

[1] مجموعہ رسائل شامی ج ۱ ص ۱۷۳ [2] علامہ ابن عابدین اکثر شیخ الاسلام کے لفظ سے کافی جگہوں میں ذکر کیا ہے دیکھیں مجموعہ رسائل ص ۳۱۵، ۲۲۳، ۳۴۲، ص ۳۵۹، ص ۲۶۴۔ کبھی علامہ اکتبہ شیخ الاسلام سے یاد کرتے ہیں جیسا کہ ص ۳۴۳، ص ۱۴۵ میں ہے۔ کبھی علمائے راسخین میں سے شمار کرتے ہیں جیسا کہ ص ۲۴۴ میں ذکر کیا ہے۔ اس کی تفصیل میں نے ارشاد الناظر میں لکھی ہے اور دیکھیں اسعوق المرسلہ ص ۹۴ اور اعلام اقتصت الکفرۃ ص ۲ جلد ۲ کیا ہے۔

الاذن فی ذلک وقد قال العلماء ان القاری اذا قرء لاجل المال فلا ثواب لہ فای شیٔ یھدیہ الی المیت وانما یصل الی المیت العمل الصالح والاستیجار علی مجرد التلاوۃ لم یقل احد من الائمۃ وانما تنازعوا فی الاستیجار علی التعلیم[1]	اور علماء نے کہا ہے کہ جب پیسوں کے لئے پڑھیں تو اس کو خود ثواب نہیں ملتا تو مردہ کو کیا بخشے گا اور میت کو نیک عمل کا ثواب پہنچتا ہے اور نفس تلاوت کی اجرت کا قول کسی امام (ائمہ مجتہدین) نے نہیں کیا البتہ پڑھانے پر اجرت لینے میں اختلاف کرتے ہیں (متقدمین کے نزدیک ناجائز، متاخرین جائز بتاتے ہیں)

اور پھر علامہ ابن عابدین قرآن پر اجرت لینے کو حرام بتاتے ہوئے بحوالہ شیخ رجب فرماتے ہیں کہ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔ یہ چار دلائل ہمارے مدعی پر دال ہیں۔

قرآن کریم سے استدلال ولا تشتروا بایاتی ثمنا قلیلا پیش کرتے ہیں اور حدیث سے اقرؤا القرآن ولا تاکلوا بہ (قرآن پڑھتے رہو اس پر دنیا نہ کماؤ یا روٹی نہ کھایا کرو)

اور اجماع کے متعلق فرماتے ہیں کہ تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ عمل کا دارومدار نیت پر ہے اور یہاں نیت صحیح نہیں۔ تو نہ ثواب ہے اور نہ اجرت۔

اور قیاس کے متعلق فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت عبادت بدنی ہے جیسا کہ نماز روزہ تو جیسا کہ نماز اور روزہ میں اجرت دینا صحیح نہیں تو قراءۃ قرآن پر بھی اجرت صحیح نہیں اور علاوہ یہاں اجرت دینا ثواب لینا ہے اور ثواب معدوم ہے اور معدوم چیز کا (جس کا وجود نہ ہو) بیچنا ناجائز ہے۔

---

[1] مجموعہ رسائل ابن عابدین صـ ۱۷۵ اور مطالعہ کریں کتاب الروح صـ ۱۳۲ لابن قیم

اگر بالفرض وہ ہم نے موجود تسلیم کیا کہ موجود ہے پھر وہ مال نہیں تاکہ پیسوں سے خرید کر سکے اگر مال تسلیم کیا۔ تو پھر اس کا دینا میت والوں کو اس کی طاقت بھی نہیں۔ یعنی جس نے تلاوت کیا ہے اس کی یہ طاقت نہیں کہ ثواب میت کو سپرد کریں کیونکہ انہوں نے نقد رقم دی ہے۔

اگر بالفرض یہ بھی مان لیا کہ یہ سپرد کر سکتا ہے پھر یہ بیع نہیں ہے کیونکہ بیع (فروخت کرنے) کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے کیونکہ اس نے نقد رقم دی۔ تو رقم کے عوض اگر فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو پھر بیع نہ ہوئی ۔۔ اور یہاں فائدہ ثواب ہے گویا کہ گھر والوں نے رقم دی اور انہوں نے ثواب اس کے بدلے دیا۔ تو منفعت جس سے فائدہ اٹھانا ہے لینے والے کو وہ ثواب ہے اور صرف پڑھنا تو نہیں کیونکہ اگر لینے والے کو پتہ لگ جائے کہ ثواب نہیں ملتا تو اس کو قرآن پڑھنے پر ایک پیسہ بھی نہیں دیگا۔ اور ثواب تو یہ سپرد نہیں کر سکتا لہذا اجرت کا مستحق نہیں۔ اور بغیر شرط اجرت دینا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں پڑھتا بلکہ اجرت کے لئے پڑھتا ہے۔ اگر انہوں نے اجرت نہ دی یہ کبھی بھی نہیں پڑھے گا اور اگر یہ قرآن پاک کی تلاوت نہ کریں تو گھر والے ان کو پیسے نہیں دیں گے۔ پھر فرمایا۔

ربما ذکرنا من الادلۃ المنقولۃ عن الاجلۃ ظهر ان ذلك من الامور المحدثة المردودة فکیف تکون عبادۃ وطاعۃ مقبولۃ عند اللہ تعالیٰ وعند رسولہ وقد قال علیہ السلام من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد ای مردود فیکون فاعلھا

ان بڑے بڑے علماء کے دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ تمام امور بدعات مردودہ ہیں تو کس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک عبادت مقبولہ ہوگی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ہمارے دین میں نئی چیز ایجاد کی وہ مردود ہوگی۔ اور کرنے والا اس کا عذاب کا مستحق ہوگا اور

مستحقا للعقاب و تارة کما یخطی خطا — نہ کرنے والا ملامت سے محفوظ ہوگا
عن العتاب فتامل حتی یظہر — فکر کر و حتی کہ تمہیں غلط صحیح سے واضح
لک الخطاء من الثواب ؎۱ — ہو جائے ۔

اور علامہ ابن عابدینؒ نے مجموعہ رسائل میں مستقل اُجرت کی تردید میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام شفاء العلیل ہے اور اس کے صفحہ اوّل میں لکھا ہے کہ میں نے پچاس کتابوں سے استفادہ کیا ہے ۔ لیکن جو چاہتا ہے وہاں دیکھ لے ۔

اور علامہ ابن عابدین رد المحتار میں کافی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں ۔

فاذا علمت ذلک ظہر لک — جب تو نے (دلائل) پہچان لئے تو تجھے
حقیقۃ ما قلنا وان خلافہ — ہماری بات کی حقیقت معلوم ہو گئی کہ
خارج عن المذاہب وعما — کہ جو ان سے مخالف ہو وہ تمام مذاہب
افتی بہ البلخیون وما اطبق — سے خارج ہے اور جس پر بلخ کے علماء
علیہ ائمتنا متونا وشروحا — اور جس پر ہمارے ائمہ کے متن اور شرحیں
وفتاوی ولا ینکر ذلک الا غمر — اور فتاوی متفق ہیں تمام کے مخالف
مکابر او جاہل لا یفہم کلام — ہے اور ان کا منکر یا تو حاسد تکبر کرنے
الاکابر ۔ — والا یا جاہل ہوگا کہ اکابر علماء کی بات کو نہیں سمجھتے ۔

پھر ختم کلام پاک پر اجرت لینا بدعات منکرہ میں شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ لا ینکرھا الا من طمست بصیرتہ ؎۲ — ان سے انکار نہیں کرتا مگر وہ جس کی بصیرت کھو دی گئی ہو ۔

؎۱ مجموعہ رسائل ابن عابدین ص ۱۸۴/۱ ، ؎۲ رد المحتار ص ۳۶/۵ باب الاجارۃ الفاسدۃ
اور فتاوی رشیدیہ میں ص ۴۹ و ص ۲۱۶ میں مولٰنا العلامۃ المحدث رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی تردید فرمائی ہے ۔

ازالۂ وہم

ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرآن اور احادیث کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ قرآن کریم کے پڑھنے پر اجرت لینا ناجائز ہے اور ساتھ ہی فقہائے کرام کی تصریحات بھی بتائیں کہ اس کے جواز اور عدم جواز میں ائمہ مجتہدین سے کوئی اختلاف منقول نہیں بلکہ تمام حضرات کے نزدیک اس پر اجرت لینا حرام اور ناجائز ہے۔ لیکن یہاں اس بات کی وضاحت کریں گے کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اجرت لینے کا مسئلہ اختلافی ہے بعض جواز کے قائل ہیں جیسا صاحب البحر اور عالمگیری۔ اور بعض ناجائز سمجھتے ہیں جیسا کہ شامی وغیرہ... کہ کیا یہ کسی حقیقت پر مبنی ہے یا فضول اور لغو کلام ہے۔ لیکن قبل اس سے کہ ہم اصل حقیقت واضح کریں چند ضروری امور تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ جواب میں دقت بھی نہ ہو اور غلط الزامات لگانے والوں کے لیے اس بات کے چھیڑنے کی گنجائش تک بھی باقی نہ ہو۔ وہ امور مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ امام ناقد الرجال شمس الدین الذہبیؒ متوفی ۷۴۸ھ فرماتے ہیں۔

کل احد یؤخذ من قولہ ویترک الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر ایک شخص کا قول قبول کیا جاتا ہے اگر صحیح ہو اور چھوڑ دیا جاتا ہے (اگر غلط ہو)

۲۔ علامہ ابن القیمؒ متوفی ۷۵۱ھ فرماتے ہیں۔

ان العالم قد یزل ولا بد اذ لیس بمعصوم فلا یجوز	یہ لازمی ہے کہ عالم سے غلطی ہوتی ہے کیونکہ معصوم تو نہیں لہٰذا یہ جائز

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص۱۱۵۴ و ص۱۴۹۷ ج۴

قبول كل ما يقوله ويلزل قوله منزلة المعصوم [1]	نہیں کہ وہ جو بھی کہیں اس کو قبول کریں اور اس کے قول کو معصوم کا قول بنالیں۔

۳۔ علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں

قال الامام ابو عمرو فی اداب المفتی اعلوانه من یفتی بان یکون فتواه او عمله موافقا لقول او وجه فی مسئلة و یعمل بما شاء من الاقوال والوجوه من غیر نظر فی الترجیح فقد جهل و خرق الاجماع [2]	ابو عمرو نے اداب المفتی میں فرمایا ہے جان لو کہ کوئی مفتی بغیر ترجیح کے فتوی دیتا ہے اس بنا پر کہ اس کا قول یا عمل کسی قول یا کسی توجیہ کے موافق ہے۔ تو اس نے خرق الاجماع (اجماع کی مخالفت) اور جہالت کا ارتکاب کیا۔

۴۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں

وقد یتفق نقل قول فی نحو عشرین کتابا من کتب المتاخرین ویکون القول خطاء اخطأ به اول واضع له فیاتی من بعده وینقل عنه وهكذا ینقل بعضهم عن بعض [3]	کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ متاخرین کی بیسں کتابوں میں ایک غلط قول کو نقل کرتے ہیں اور غلطی صرف اول شخص سے ہوئی ہو پھر اس کے بعد یکے بعد دیگرے اس غلط قول کو نقل کرتے رہتے ہیں۔

---

[1] اعلام الموقعین ص۱۷۳ ج۲

[2] مجموعہ رسائل ص۱۱ ؛ [3] مجموعہ رسائل ص۱۳ ج۱

۵- علامہ عبد الحئ متوفی ۱۳۰۴ھ فرماتے ہیں۔

قال علی القاری اقال امامنا الاعظم لا یحل لاحدان یاخذ بقولنا مالم یعرف ماخذہ من الکتاب والسنۃ او اجماع الامۃ اوالقیاس الجلی فی المسئلۃ [1]	ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ہمارے امام اعظمؒ نے فرمایا ہے کہ کسی کو جائز نہیں کہ ہمارے قول پر کسی مسئلہ میں عمل کریں جب تک اس کو قرآن و سنت اور اجماع اور قیاس جلی سے ماخذ معلوم نہ ہو۔

اور پھر مسائل کی تشریح کرکے فرماتے ہیں۔

والخامسۃ التی لم یدل علیہا دلیل شرعی لاکتاب ولاحدیث ولا اجماع ولا قیاس مجتہد جلی اوخفی لابالصراحۃ ولا بالدلالۃ بل ہی من مخترعات المتاخرین الذین یقلدون طرق ابائہم مشائخہم المتقدمین وحکمہ الطرح والجرح [2]	پانچواں مسئلہ وہ ہے جس پر دلیل شرعی قرآن اور حدیث سے موجود نہ ہو۔ اور نہ اس پر دلیل موجود ہو اجماع اور مجتہد کے قیاس سے ظاہر ہو یا پوشیدہ نہ صراحۃً اور نہ دلالۃً بلکہ اسے متاخرین نے ایجاد کیا ہو وہ متاخرین جو اپنے آباء اور شیخ متقدمین کے متقلدین ہوں۔ تو اس کا حکم پھینکنا (رد) اور اس پر جرح کرنا ہے

اس تمہید بعد ہم کہتے ہیں کہ ختم جام پاک پر اجرت بیت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] النافع الکبیر صفحہ ۱۸ مطالعہ کریں، مجموعہ رسائل صفحہ ۲۸، ج ۱، صفحہ ۳۲، ج ۱، صفحہ ۱۳۵، ج ۱

[2] النافع الکبیر صفحہ ۱۹۔

ثابت نہیں اس بات میں تو کوئی مسلمان (جس میں ذرہ ایمان ہو) شک نہیں کرے گا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور نہ ائمہ مجتہدین سے اور نہ سلف صالحین[1] اور نہ خلف[2] سے اور نہ متقدمین اور نہ متاخرین سے[3] لیکن اس کے باوجود بعض علماء نے جو لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ متقدمین حضرات تمام عبادات پر اجرت لینا حرام سمجھتے ہیں اگرچہ قرآن پڑھانا ہو یا فقہ یا دیگر دینی کتابیں پڑھانی ہو یا امامت ہو یا اذان وغیرہ عبادات ہوں تو متاخرین جو مجتہدین فی المسائل ہیں اور اصحاب التخریج اور اصحاب الترجیح ہیں انہوں نے جب اپنے زمانہ کی حالت کو دیکھا کہ لوگ دین کی طرف کم توجہ کرتے ہیں اور بیت المال سے معلمین وغیرہ کو عطیات نہیں ملتے تو دین ضائع ہونے کا خطرہ محسوس ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ قرآن پڑھانے پر اجرت صحیح ہے تاکہ دین ضائع نہ ہو جائے۔ مندرجہ ذیل عبارات ... مطالعہ کیجئے۔

امام شمس الائمہ السرخسیؒ متوفی ۴۸۳ھ فرماتے ہیں۔

ولا یجوز ان یستاجر رجلا لیعلم ولده القرآن او الفقه او الفرائض او شیئا مما یختص بها المسلم فالاستجارة علیها باطل۔	ناجائز ہے اجرت دے کر کسی شخص کو تاکہ اس کے بچے کو قرآن اور فقہ یا اس کی مانند دیگر چیز جس کا تعلق مسلم ہو پڑھائیں سو ان چیزوں پر اجرت لینا باطل ہے۔

---

[1] فقہاء کی اصطلاح میں سلف از امام ابو حنیفہؒ متوفی ۱۵۰ھ تا امام محمدؒ متوفی ۱۸۹ھ

[2] فقہاء کی اصطلاح میں خلف از امام محمدؒ تا شمس الائمہ الحلوانی متوفی ۴۵۶ھ

[3] اور متاخرین از شمس الائمہ الحلوانی تا حافظ الدین محمد بن محمد البخاری متوفی ۶۹۳ھ (الفوائد البہیہ ص ۱۰۵) اور علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ۳۰۰ھ سے قبل متقدمین اور ۳۰۰ھ کے بعد متاخرین (لسان المیزان ص ۱۹ ج ۱) اور ابن عابدینؒ نے بحوالہ ذہبیؒ بھی فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۶۱ مجموعہ رسائل

پھر دلائل احادیث سے بیان کرنے کے بعد میں فرماتے ہیں۔

وبعض أئمة بلخ اختاروا قول اهل المدينة وقالوا ان المتقدمين من اصحابنا بنوا هذا الجواب على ما شاهدوا في عصرهم من رغبة الناس في التعليم ومروة المتعلمين في مجازات الاحسان بالاحسان فاما في زماننا فقد انعدم المعنيين جميعا فنقول بجواز الاستئجار لئلا يتعطل هذا الباب۔

اور بلخ کے بعض ائمہ نے اہل مدینہ کے قول کو پسند کیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے یہ جواب (عدم جواز اجرت) اپنے زمانے کے مشاہدہ پر مبنی کیا ہے کیونکہ لوگ تعلیم میں رغبت کرتے تھے اور معلمین میں بھی یہ مروت تھی کہ احسان کا بدلہ احسان سے دیتے تھے اور ہمارے زمانے میں دونوں چیزیں معدوم ہیں پس ہم (پڑھانے) کی اجرت کے جواز کا قول کرتے ہیں تاکہ یہ (تعلیم کا) دروازہ معطل نہ ہو جائے

اور امام فخر الدین قاضیخان متوفی ۵۹۲ھ فرماتے ہیں۔

وان استاجر رجلا لتعليم القرآن لا تصح الاجارة عند المتقدمين ومشائخ بلخ جوزوا هذا... وقال الشيخ ابوبكر محمد بن الفضل انما كره المتقدمون الاستئجار بتعليم القرآن وكرهوا اخذ الاجرة على ذلك لانه كان للمعلمين عطيات في بيت المال في ذلك

اگر قرآن پڑھانے کیلئے کسی شخص کو اجرت پہ دے دی تو متقدمین کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے اور بلخ کے علماء نے اس کو جائز کہا ہے اور شیخ محمد بن فضل کہتے ہیں کہ قرآن پڑھانا اجرت پر متقدمین کے نزدیک مکروہ ہے اور اجرت کو مکروہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے زمانے میں معلمین کے لیے بیت المال سے عطیات مقرر تھے۔

وكان لهم زيادة رغبة في امر الدين وفي زماننا انقطعت رغائب الناس في امر الآخرة فلو اشتغلوا بالتعليم مع الحاجة الى مصالح المعاش لاختل معاشهم فقلنا بصحة الاجارة ووجوب الاجارة للمعلم .... قال شمس الائمة السرخسيؒ مشائخ بلخ جوزوا الاجارة على تعليم القرآن واخذوا في ذلك بقول اهل المدينة وانا افتي بجواز الاستيجار ووجوب المسمى واجمعوا على ان الاستيجار على تعليم الفقه باطل[1]

اور دینی امور میں وہ زیادہ رغبت رکھتے تھے اور ہمارے زمانہ میں آخرت کے بارے لوگوں کی رغبتیں منقطع ہوگئی ہیں۔ دنیاوی ضروریات کے باوجود اگر وہ (معلمین) تعلیم میں مشغول ہو جائیں تو دنیاوی ضروریات خراب ہو جائیں گی۔ پس ہم اجرت دینے کو صحیح سمجھتے ہوئے پڑھانے والے کو اجرت دینا واجب کہتے ہیں۔ اور امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ بلخ کے مشائخ نے قرآن پڑھانے پر اجرت لینے کو جائز کہا ہے اور اس بات میں اہل مدینہ کے قول پر عمل کیا ہے اور میں بھی اجرت کے جواز اور مسمی کے دینے کے وجوب پر فتویٰ دیتا ہوں اور ان تمام مشائخ کا اس بات پر اجماع ہے کہ فقہ پڑھانے پر اجرت لینا باطل ہے۔

اور حافظ الدین ابن البزازؒ متوفی ۸۲۷ھ فرماتے ہیں۔

---

[1] فتاوی قاضیخان برحاشیہ فتاوی عالمگیری ص ۳۲۳ ج ۲ یہ بار بار دیکھو کہ یہ حضرات پھر بھی فقہ پڑھانے پر اجرت ناجائز کہتے ہیں صرف قرآن پڑھانے پر جائز کہتے ہیں تو ختم شریف پر کہاں سے ۱۱/۰۰ سے

قال محمد بن الفضل کُرِہ	محمد بن فضل کہتے ہیں کہ قرآن پر اجرت
المتقدمون الاستیجار	لینا متقدمین کے نزدیک مکروہ ہے
لتعلیم القرآن وکرھوا	اور اُجرت کے لینے کو اس لئے مکروہ
اخذ الاجرۃ علیٰ لوجُود	کہتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں بیت المال
العطیۃ من بیت المال[1]	سے عطیات (معلّمین کو) ملتے تھے ۔

بہر حال ان اکابر کی عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ متقدمین کے نزدیک تمام عبادات پر اُجرت لینا دینا حرام ہے اور متاخرین جو اصحاب التخریج اور اصحاب الترجیح ہیں انہوں نے ایک عذر کو دیکھتے ہوئے قرآن کریم پڑھانے پر اُجرت کو جائز قرار دیا تاکہ دین ضائع نہ ہو جائے اور اس کے باوجود امامت اور اذان اور فقہ پر یہ حضرات اُجرت جائز نہیں سمجھتے جیسا کہ انہوں نے مفصّل بیان کیا ہے لیکن ان کے بعض دیگر اکابر نے اذان امامت وغیرہ پر بھی بوجہ اسی مجبوری کے جواز کا قول کیا ہے ۔ تو یہ ہے حقیقتِ حال کہ متاخرین حضرات نے پڑھانے پر اجرت کو نہایت مجبوری کی بنا پر جواز کا قول کیا تو محترم ابوبکر علی بن محمد الحدادی متوفی سنہ ۸۰۰ھ نے اس اختلاف کو غلط تصور دے کر فرمایا کہ

مسئلہ اُجرت میں اختلاف ہے لیکن فتویٰ اس پر ہے کہ قرآن کی تلاوت پر اُجرت لینا جائز ہے حالانکہ اکابر نے فرمایا تھا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ قرآن پڑھانے پر اجرت جائز ہے جیسا کہ میں نے مفصّل عبارات ذکر کی ہیں تو حدادی صاحب الجوہرۃ والسراج الوھاج نے پڑھانے سے پڑھنا بنایا ۔ اصحاب التخریج نے نہایت مجبوری کی وجہ سے قرآن کریم پڑھانے پر اجرت کو صحیح قرار دیا اور حدادی صاحب کی مہربانی دیکھئے کہ قرآن پڑھانے

---

[1] فتاویٰ بزازیہ برحاشیہ عالمگیری ص۳۸

کی اجرت سے قرآن پڑھنے کی اجرت کو بھی صحیح قرار دیا اور جب اس کو شہرت لگ گئی تو ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ اس کے قول پر دھوکہ ہو کر اس نے بھی فتوی لگا دیا کہ فتوی اس پر ہے کہ قرآن کی تلاوت پر اجرت لینا جائز ہے اور علامہ عبدالرؤف بن محمد متوفی ۱۰۳۱ھ صاحب الاختیار نے صحیح بات فرمائی ہے کہ قرآن کریم کے پڑھنے پر اجرت جائز نہیں لیکن علامہ ابن نجیم حدادی صاحب کے قول پر دھوکہ ہو گیا اور صاحب الاختیار کی قوی بات کو غیر مختار بنا دیا تو علامہ خیرالدین الرملی متوفی ۱۰۸۱ھ صاحب بحرالرائق کی خوب تردید فرمائی کہ فتوی قرآن پڑھانے کی اجرت پر ہے نہ کہ پڑھنے کی اجرت پر۔

اور علامہ ابن عابدینؒ نے خوب فرمایا تھا کہ ایک مصنف سے غلطی ہو جاتی ہے تو اسی غلط مسئلہ کو بعض کتابوں میں نقل در نقل کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک مسئلہ قرآن کریم پر اجرت لینے کا بھی ہے کہ صاحب السراج الوہاج اور الجوہرہ شرح القدوری والے سے غلطی ہو گئی کہ اس نے پڑھانے پر اجرت سے پڑھنے پر اجرت بنا دیا تو ان کے بعد جو حضرات آئے ہیں انہوں نے اسی غلط مسئلہ کو نقل در نقل شروع کیا حالانکہ یہ بالکل واضح غلطی ہے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ امام محمدؒ تمام عبادات پر اجرت لینے کو حرام سمجھتے ہیں لیکن متأخرین جو اصحاب التخریج والترجیح ہیں انہوں نے شدید ضرورت کی بنا پر پڑھانے اور اذان اور امامت وغیرہ پر اجرت کے جواز کا فتوی دیا تاکہ دین ضائع نہ ہو جائے تو جس جگہ یہ ضرورت ہی نہ ہو تو پھر وہاں کس طرح فتوی صادر کر دیتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے اور قرآن پڑھنے پر اجرت نہ دینے میں دین کا کیا نقصان ہوتا ہے بلکہ الٹا اجرت دینے میں نقصان ہوتا ہے کیونکہ لوگ اللہ تعالی کے لئے کبھی ختم کلام پاک نہیں کریں گے جب تک ان کو اجرت نہ دے دیں بلکہ لوگ قرآن کریم کو ذریعہ معاش بنائیں گے لہذا اجرت لینا قرآن کریم کے پڑھنے پر یہ قبیح ترین چیزوں میں سے ہے۔ اور اس پر منکر ہونا واجب

چیزیں مرتب ہوتی ہیں۔ پھر ابن عابدین فرماتے ہیں

فان کان مافی الجوہرۃ سبق قلم فلا کلام وان کان عن عمد فھو مخالف عن کلام ھم قاطبۃ فلا یقبل وقد اطنب فی ردہ صاحب تبیین المحارم مستندا الی النقول الصریحۃ ..... وقد اغتر بما فی الجوھرۃ صاحب البحر فی کتاب الوقف وقد ردہ الشیخ خیر الدین الرملیؒ فی حاشیۃ البحر حیث قال اقول المفتی بہ جواز اخذ الاجرۃ استحسانا علی تعلیم القرآن لا علی تلاوۃ المجردۃ کما صرح بہ فی التتارخانیۃ حیث قال لا معنی لھذہ الوصیۃ لان ھذا بمنزلۃ الاجرۃ

اگر جوہرہ میں (مؤلف سے) قلم نے سبقت کر لیا ہو، یعنی خطا یہ کام سرزد ہوا ہو تو اس میں کوئی بات نہیں کیونکہ انسان سے غلطی ہوتی ہے، اگر یہ تعمد اور ارادہ سے یہ کیا ہو تو یہ تمام (اکابر) کے اقوال سے مخالف ہے لہٰذا یہ قبول نہیں کیا جائے گا اور اس کی تردید صاحب تبیین المحارم نے علماء کی صریح قول سے فرمائی ہے۔ اور کتاب الوقف میں جوہرہ کی عبارت پر صاحب بحر کو دھوکہ ہوا اور بحر کے حاشیہ میں شیخ خیر الدین نے تردید فرمائی ہے کہ تعلیم القرآن پر اجرت لینے کے جواز پر فتوی از روئے استحسان دیا ہے اور فتوی نہیں کیا ہے، مجرد تلاوت پر جیسا کہ تتارخانیہ میں اس پر تصریح فرمائی ہے کہ وصیت برائے تلاوت کا کوئی معنی نہیں کیونکہ یہ اجرت جیسا ہے،

لہ مجموعہ رسائل ص۱۷۲ دیکھیں تفصیل کے لئے ص ۱۶۷/۱، ۱۶۹/۱، ۱۷۳/۱، ص ۱۷۵/۱، ص ۱۸۲/۱، ص ۱۱۹/۱، ص ۲۲۶/۱، ص ۲۵/۲، ص ۲۶۰/۲

والاجارة فی ذلك باطلة وهی بدعة ولم یفعلها احد من الخلفاء[1]

اور اس میں اجرت باطل ہے اور بدعت ہے اور یہ فعل خلفاء میں سے کسی نے نہیں کیا ہے۔

اور دوسری جگہ میں فرماتے ہیں

والذی یغلب علی ظنی ان الحدادی صاحب الجوهرة اشتبه علیه الاستیجار علی القراءة بالاستیجار علی التعلیم فسبق قلمه و تبعه من تبعه کصاحب البحر والقهستانی[2] و ملا مسکین[3] و یدل علی ذلك قوله وهو المختار

میرا غالب گمان یہ ہے کہ حدادی صاحب جوہرہ پر پڑھنے اور پڑھانے کی اجرت میں اشتباہ ہوگیا ہے جس کی وجہ سے اس کی قلم سے سبقت ہوگیا اور صاحب بحر اور قہستانی اور ملا مسکین بھی (ان سب) اس کی اتباع کی اور اس بات پر دلیل یہ ہے کہ اس نے کہا ہے کہ یہ مختار قول ہے حالانکہ مختار تو چھوڑ کر بلکہ ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ

---

[1] رد المحتار ص ۳۶ ج ۵ [2] مولی شمس الدین محمد خراسانی القہستانی متوفی سنہ ۹۶۲ھ یا سنہ ۹۵۰ھ ہے۔ جامع الرموز کا مصنف ہے جو غیر معتبرہ کتابوں میں شمار ہے اور مصنف شیخ الاسلام ابہروی کے تلامذہ میں سے نہیں تھا اور فقہی معلومات بھی اس کو زیادہ نہیں تھے اور کتابوں کا دلال تھا اسلئے مثل حاطب لیل تھے اور اپنی کتاب میں بغیر تصحیح کے رطب یابس و غث و سمین صحیح و ضعیف اسب کو جمع کیا ہے۔ (الفوائد البہیہ و النافع الکبیر ص ۱۲) [3] ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کتب غریبہ سے شرح الکنز ملا مسکین اور قہستانی کی ہیں کیونکہ ان دو مصنفوں کے احوال معلوم نہیں اور اس طرح قنیہ ہے کہ اس میں اقوال ضعیفہ کو جمع کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ کیلئے مجموعہ رسائل ص ۱۳

الذی اختاروه الا ستيجب على التعلم وهذا ما يقال في زمانه العالم نبهت العالم وبعد سماعك نصوص المذهب لا يجوز لك تقليده ولو فرضنا انه منقول عن احد من اهل المذهب المعتمدين مع مخالفته للمتون ونحوها لا يعول عليه

کہ اس کو صحیح کہا ہو البتہ پڑھانے پر اجرت کو ثنت کہا ہے۔ اسی وجہ سے امثال میں کہتے ہیں کہ ایک عالم کی لغزش دنیا کی لغزش اکیلئے سبب ہے کیونکہ اس کی خطا کی وجہ سے کتنے لوگ خطا قول پر عمل کرتے رہیں گے۔ جب آپ نے مذہب صحیح اقوال سن لئے تو آپ کو اس رد ادنی وغیرہ کی تقلید جائز نہیں۔ اگر بالفرض یہ آیا ایک مذہب کے معتمد آدمی سے کسی نقل ہو پھر بھی جب متون وغیرہ کے مخالف ہو تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا

اور علامہ ابن عابدین صاحب بحر الرائق کی تردید اکابر کے اقوال سے کر کے پھر فرماتے ہیں ۔

والحاصل ان المخالف في ذلك بعد وضوح هذه المسائل اما مكابر منكر للعيان ولو اقام عليه الف برهان لكونه اتخذ القرآن مكتسبا واما جاهل قليل الفهم عديم العلم[1]

حاصل یہ ہوا کہ ان مسئلوں کی وضاحت کے باوجود کوئی مخالفت کر رہا ہو یا تو وہ بغرور صحیح چیز سے انکار کر رہا ہے اگرچہ اس پر ایک ہزار دلیل قائم کر دی جائیں یعنی اس کی عادت انکار کرنا ہے کیونکہ اس نے قرآن کریم کو ذریعہ معاش بنایا ہے یا تو وہ کم عقل اور معدوم العلم جاہل ہوگا کہ

---

[1] مجموعہ رسائل ص ۱۹

يتشبث بجهال اوهام بالية وخيالات عن رائحة العلم خالية ومستند الى عبارات خاوية كبيت عناكب واهية وكل منهما آثم موزور لكون المكابر في الدين او الجاهل بأن اظهر المسلمين غير معذور

بوسیدہ اوہام، وحشت ناک خیالات کی رسی کو پکڑتا ہے۔ اور دلیل میں گری ہوئی مکڑی کے جالے کی مانند کمزور عبارات پیش کرتا ہے۔ ہر ایک ان دونوں میں گناہ کو اٹھانے والا ہے۔ کیونکہ دین میں متکبر اور مسلمانوں کے درمیان جاہل کا عذر مقبول نہیں۔

(پھر دوسری دلیل سے فرماتے ہیں)

ولا ينكر ذلك غبي احمق هو بالبهائم ملحق[1]

(قرآن کریم پڑھنے پر اجرت کی حرمت) سے انکار نہیں کرتا مگر وہ جو بیوقوف اور چوپائے کی طرح ہو۔

حضرات! یہ ہے حقیقت حال۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد نہیں ہوگا اختلاف کا مجال۔ کیونکہ اکابر مثل امام سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، قاضی خان متوفی ۵۹۲ھ اور ابن بزاز متوفی ۸۲۷ھ نے متقدمین کا نظریہ نقل کیا ہے کہ وہ بالکل عبادات پر اجرت کو جائز نہیں کہتے۔ لیکن علامہ سرخسی وغیرہ اکابر نے نہ

---

[1] مجموعہ رسائل ص ۱۸۶ ج ۱۔ عجیب لطیف عبارت کو دیکھیں کہ قرآن کریم کے پڑھنے پر اجرت لینے والے کی تشبیہ حیوانات سے دیدی۔۔۔ جیسا کہ حیوان کو حلال و حرام کی تمیز نہیں ایسا قرآن کریم پڑھنے پر اجرت لینے والوں کو حلال و حرام میں تمیز نہیں۔ کیا ہی سچ فرمایا ہے۔

مجبوری کی وجہ سے پڑھانے وغیرہ پر اجرت کو جائز قرار دیا اور شرح المتقید الطحاوی پر اور صاحب الاختیار متوفی ۶۸۳ھ نے بھی یہ تنبیہ کر دی کہ پڑھنے پر اجرت ناجائز اور باطل ہے تو علامہ حدادی متوفی ۸۰۰ھ نے پڑھانے سے پڑھنا بنا کر غلطی کی اور اکابر کے اقوال کو غلط تصویر دیدی تو ابن نجیمؒ متوفی ۹۷۰ھ بھی اسی پر دھوکہ کھا گئے اور بعض کچھ دیگر حضرات بھی تو علامہ خیر الدین الرملی متوفی ۱۰۸۱ھ نے صاحب البحر کی غلطی واضح کی اور ہم نے اکابر علماء کرامؒ کی عبارات تمہارے سامنے پیش کیں کہ اکابر نے پڑھانے کی اجرت پر فتویٰ دیا ہے نہ کہ پڑھنے کی اجرت پر لہٰذا حدادی صاحب کا قول غلط اور صاحب البحر کا قول اسی غلط قول پر مبنی تھا وہ بھی غلط اور عالمگیری نے تو السراج الوہاج کا حوالہ دیا ہے جو صاحب البحر کی تالیف ہے اور علامہ عبدالحی بحوالہ کشف الظنون کتب غیر معتبرہ کو شمار کرکے فرماتے ہیں ۔

ومن هذا القسم السراج الوهاج شرح القدوری كما قال في كشف الظنون عده المولى البركلي من الكتب المتداولة الضعيفة الغير المعتبرة [1]

ان ضعیف غیر معتبر کتابوں سے قدوری کی شرح السراج الوہاج بھی ہے جیسا کہ کشف الظنون میں کہا ہے کہ اسے (السراج الوہاج) کو غیر معتبر اور ضعیف کتابوں میں شمار کیا ہے ۔

لہٰذا عالمگیری کا ماخذ بھی صاحب بحر کی کتاب ضعیف غیر معتبر ہے اور اس کا ماخذ تو حدادی کا قول تھا وہ غلط لہٰذا السراج الوہاج اور عالمگیری کا قول بھی غلط تو یہ ثابت ہوا کہ اصل حقیقت یہی ہے کہ آیات پر پڑھنا حرام اور پڑھانے پر اجرت

---

[1] النافع الکبیر ص ۲۳

متاخرین احناف کے نزدیک جائز اور اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں اور صرف حدادی صاحب نے غلطی کی ہے اور ہم نے پہلے بتایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر ایک شخص کا قول کبھی قابل قبول اگر صحیح ہو اور کبھی قابل رد اگر غلط ہو لہٰذا حدادی صاحب کا قول غلط اور باطل ہے اور یہ بھی بتایا تھا کہ عالم سے غلطی ہوتی ہے اس کے قول کو معصوم کا قول نہیں بنانا چاہیے۔ لہٰذا حدادی صاحب کے قول کو معصوم کا قول نہیں بنانا چاہیے لہٰذا اس کا قول غلط ہی غلط اور یہ بھی بتایا تھا کہ امام اعظمؒ کا فیصلہ ہے کہ جب قرآن و سُنّت اور اجماع و قیاس سے کسی مسئلہ کا ماخذ معلوم نہ ہو تو اس پر عمل جائز نہیں۔

لہٰذا حدادی صاحب کے قول کا ماخذ قرآن و سنت اور اجماع اور قیاس ائمہ مجتہدین سے تو خود نہیں کہ مجتہدین فی المسائل اصحاب التخریج اور اصحاب الترجیح سے بھی نہیں لہٰذا اس کا قول قابل قبول نہیں ہوگا اور صاحب البحر اور دیگر حضرات کا قول اس پر مبنی ہے وہ بھی غلط اور عالمگیری کا قول صاحب البحر کے قول پر مبنی ہے تو جو غلط پر مبنی ہو وہ بھی غلط۔ تو دینی پابندی کی بات ثابت ہوگئی کہ کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ایک شخص سے غلطی ہوتی ہے اور اس غلط قول کو متاخرین کی بعض کتابوں میں نقل در نقل کرتے رہتے ہیں تو یہاں مسئلہ اجرت میں بھی ایک حدادی صاحب کی غلطی کی وجہ سے کتنے حضرات دھوکہ میں مبتلا ہوگئے۔ تو اس قول فیصل سے یہ معلوم ہوا کہ جو حضرات لکیر کی فقیر کہتے ہیں کہ قرآن پڑھنے کی اجرت میں اختلاف ہے یہ فضول اور لغو بات ہے اس کی کوئی اصل حقیقت نہیں یہ صرف خیالی پلاؤ پکانا اور ہوائی قلعہ کی تعمیر ہے بلکہ قرآن کریم کے پڑھنے پر اجرت بالاتفاق حرام ہے متقدمین اور متاخرین اصحاب التخریج والترجیح تمام کے نزدیک اس پر اجرت حرام اور ناجائز ہے۔ کیونکہ متاخرین نے پڑھانے پر نہایت ضرورت کی وجہ سے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔ اور ختم کلام پر اجرت دینے کے جواز پر فتویٰ نہیں دیا ہے۔ کیونکہ اس میں دین کا کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ اتنا اجرت دینے میں نقصان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے

کوئی شخص قرآن کریم نہیں پڑھے گا جب تک نقد روپیہ یا پائو روپیہ، گوشت، چاول نہ ہو۔ اور درود والا نہ ہو۔ لہٰذا ختم کلام پر اجرت لینے اور دینے کے جواز و عدم جواز میں اختلاف بالکل تمام اکابر دین کے خلاف ہے۔ اور بالکل یہ بدعت ضلالہ ہے کیونکہ پہلے مفصل گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے تو خود ثابت نہیں کہ ائمہ میں سے کسی ایک امام سے اس کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔

اور پھر اس کے باوجود اس بدعت کو لازمی بھی سمجھیں جیسا کہ اشتہار میں لکھا ہے کہ خان بادشاہ ختم کلام پر روٹی کھانے کو ناجائز کہتے ہیں[لے] تو اس سے پھر یہ لوگ ثابت کرتے ہیں کہ خان بادشاہ دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہے (انا للہ وانا الیہ راجعون)

اس بے ایمان اور بے دین کے پاس اس کھانے کے جواز پر کوئی دلیل شرعی ہے کتاب اللہ سے اور نہ سنت سید المرسلین سے اور نہ قول امام ائمہ مجتہدین سے پھر اس کو نہ ماننے والا بے دین ہو تو لمبے ہاں ممکن ہے کہ

ان کا کوئی دوسرا نبی غلام احمد قادیانی سا ہو تو وہ الگ بات ہے کیونکہ ایسے نبیوں کو ہم نہیں مانتے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے دعویدار ہیں اور جو تحلیل و تحریم اپنی جانب سے کرتے ہیں ہم ان کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ کیونکہ تحلیل و تحریم کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو اب دعویٰ کریں اس کو ہم کذاب اور دجال کہیں گے۔

اور اشتہار پر دستخط کرنے والے اخونزدگان کو چاہیئے کہ کم از کم اپنے گھر میں جو رد المحتار شامی اور مجموعہ رسائل ہیں تو اس کا مطالعہ کریں

لے حضرات! یہ حقیقت ہے کہ یہ لوگ کھانے کے عشق کی وجہ سے فتوے لگاتے ہیں یہ نہیں کہتے کہ فلاں حدیث میں اس کو جائز کہا ہے اور خان بادشاہ ایسے نہیں مانتا۔ بلکہ مجنون اور لیلیٰ کے عشق جیسے کھانے کا لفظ نکال دیتے ہیں کہ ہمارے پیٹوں پر بند کرتا ہے۔ ۱۲ منہ

کہ اس میں کیا کیا لکھا ہے۔ کیا انہوں نے پڑھنے پر اجرت لینے کو حرام نہیں کہا ہے اور کیا مجموعہ رسائل میں اُجرت لینے والے کو حیوانات کے مشابہ نہیں کہا۔ اور باقی تحقیقات تو تمہاری قسمت میں ویسے نہیں لیکن کم از کم جو فقہ کی کتابیں ہیں ان کا تو مطالعہ کیا کریں۔ کیا اُجرت کو حرام کہنے والے اور میت کے گھر سے روٹی کھانے والے اور گنبد کو حرام کہنے والے اور قصر الصلوٰۃ کو ناجائز سمجھنے والے اور تخصیصات کو بدعت کہنے والے یہ تمام حضرات پنج پیری ہیں یا دھنیا اور قادیانی ہیں۔

حضرات! ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرآن کریم کے پڑھنے پر اجرت لینے کو قرآن کریم اور سنت سید المرسلین کی روشنی میں واضح کیا اور فقہاء احناف کے اقوال سے تشریح کردی اور ان لوگوں کی (جو اس مسئلہ کو اختلافی بتاتے ہیں) غلطی کا منشأ بتا دیا کہ یہ غلطی کہاں سے ہوئی اور کس طرح ہوئی ہے۔ اور وہ کون تھے۔ یعنی متقلد تھے اور مجتہد بھی نہیں تھے بلکہ متقدین میں اصحاب التخریج والترجیح بھی نہیں تھے۔ تو ان ٹھوس دلائل کے باوجود اگر کوئی نہیں مانتا تو اس کی بدقسمتی ہوگی۔

اور بعض لوگ تو اس لئے انکار کرتے ہیں کہ منافع دنیوی میں نقصان نظر آتا ہے۔ جیسا کہ پہلے زمانہ میں یہودیوں کے بڑے بڑے رئیس تھے وہ جاہل لوگوں سے سالانہ مقرر حصہ لیا کرتے تھے نقد مالوں میں بھی ان کے مقرر حصے تھے اور فصلوں میں بھی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سے اس لیے اعراض کیا

لہ مجموعہ رسائل میں ایک رسالہ مستقل اس کی تردید میں تحریر فرمایا ہے اور پچاس کتابوں کے نام لے کر کہ ان سے میں نے اس رسالہ کے لیے استفادہ کیا ہے۔ ۱۲

کرتے تھے۔ کہ یہ سارا کچھ ختم ہو جائے گا دیکھ لیں حاشیہ [1]۔ تو موجودہ دور میں ان کے نقش قدم پر بعض حضرات چلتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کے خلاف کرتے ہیں۔ اور کامل دین میں اپنی طرف سے جعلی اور بناوٹی عبادتیں داخل کی ہیں اور ضعیف اور صحیح، رطب و یابس اور موضوع وغیرہ میں فرق نہیں سمجھتے بلکہ حاطب اللیل جیسے لکیر کے فقیر ہیں اور اپنے باپ دادا کے طریقے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے طرز عمل کی مانند سمجھتے ہیں اور عوام پر لازم قرار دیتے ہیں۔

(فصبر جمیل و اُفوض امری الی اللہ)

---

[1] تفسیر کبیر ص۴۲ ج۲۔ المدارک ص۱۵۳ ج۱، ابو السعود ص۱۵۶ ج۱۔ مراح اللبید ص۱۲ ج۱ الفتوحات الالٰہیۃ ص۱۴۳ ج۱، کتاب التسہیل لعلوم القرآن ص۶۴ ج۱۔ الخازن ص۵۳ ج۱، البغوی ص۵۳ ج۱، الکشاف ص۲۷۶ ج۱، فتح القدیر شوکانیؒ ص۵۷ ج۱

صلوٰۃ وسلام

شریعت نے ایک چیز ایک موقعہ پر تجویز کی ہے۔ جب ہم محض اپنی رائے اور خواہش سے اس کو دوسرے موقعہ پر تجویز کریں گے تو وہ بدعت بن جائے گی۔ مثلاً درود شریف نماز کی آخری التحیات میں پڑھا جاتا ہے اگر ہم اجتہاد لڑائیں کہ درود شریف کوئی بری چیز تو نہیں اگر اس کو پہلی" التحیات" میں پڑھ لیا جائے تو کیا حرج ہے؟ تو ہمارا یہ اجتہاد غلط ہوگا۔ اور پہلی التحیات میں درود شریف پڑھنا بدعت کہلائے گا۔ فقہاء امت نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص بھولے سے پہلی التحیات میں درود شریف شروع کرے تو اگر صرف" اللھم صل علی" تک پڑھا تھا تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا، کیونکہ یہ فقرہ مکمل نہیں ہوا۔ لیکن اگر" علی محمد" تک پڑھ لیا تو سجدۂ واجب ہو جائے گا۔ اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز دوبارہ لوٹانی ہوگی۔

مثلاً کوئی شخص یہ اجتہاد کرے کہ" الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" روضۂ اقدس پر پڑھا جاتا ہے۔ اگر کوئی اپنے وطن میں بیٹھا یہی پڑھتا رہے تو کیا حرج ہے؟ اس کا یہ اجتہاد بھی" بدعت" کہلائے گا۔ اس لئے کہ فقہائے امت نے ان الفاظ کے ساتھ سلام بھیجنے کا ایک خاص موقعہ مقرر کر دیا ہے۔ اگر اس موقعہ کے علاوہ بھی یہ صحیح ہوتا تو شریعت اس کی اجازت دیتی اور سلف صالحین اس پر عمل کرتے۔

اسی کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت سالم بن عبید صحابی رض کی مجلس میں ایک صاحب کو چھینک آئی تو اس نے کہا" سلام علیکم" آپ نے فرمایا" تجھ پر بھی اور تیری ماں پر بھی" وہ صاحب اس سے ذرا بگڑے، تو آپ

نے فرمایا کہ میں نے تو وہی بات کہی ہے جو ایسے موقعہ پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ کی مجلس میں کسی کو چھینک آتی اور وہ "السلام علیکم" کہتا تو آپ فرماتے "تجھ پر بھی اور تیری ماں پر بھی۔ ارشاد فرماتے کہ جب کسی کو چھینک آئے اسے "الحمدللہ" کہنا چاہیے۔ سننے والوں کو "یرحمک اللہ" کہنا چاہیے۔ اور اسے جواب میں پھر "یغفر اللہ لی ولکم" کہنا چاہیے ——————— (مشکوٰۃ شریف ص۴۰۶)

مطلب یہ کہ "السلام علیکم" کا جو موقعہ شریعت نے تجویز کیا ہے۔ اس سے ہٹ کر دوسرے موقعہ پہ سلام کہنا "بدعت" ہے۔

نماز کے بعد مصافحہ

بعض مساجد میں نمازوں کے بعد مصافحہ کا رواج ہے۔ شریعت نے باہر سے آنے والے کے لئے سلام اور مصافحہ کو مسنون ٹھہرایا ہے۔ مگر مجلس میں بیٹھے بیٹھے لوگ اچانک ایک دوسرے سے مصافحہ و معانقہ کرنے لگیں سلف صالحین میں اس لغو حرکت کا رواج نہیں تھا۔ بعد میں نہ جانے کس مصلحت کی بناء پر بعض لوگوں میں فجر، عصر، عیدین اور دوسری نمازوں کے بعد مصافحہ کا رواج چل نکلا، جس پر علمائے اہل سنت کو اس کے "بدعت" ہونے کا فتویٰ دینا پڑا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ باب المصافحہ میں لکھتے ہیں:

"آنکہ بعضے مردم مصافحہ می کنند بعد از نماز یا بعد از جمعہ چیزے نیست و بدعت است از جہت تخصیص وقت۔"

یہ جو بعض لوگ عام نمازوں کے بعد یا جمعہ کے بعد مصافحہ کرتے ہیں۔ یہ کوئی سنت نہیں، بدعت ہے (اشعۃ اللمعات ج۴ ص۲۰)

علامہ علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

ولهذا صرح بعض علمائنا بانها مكروهة، وحينئذ انها من البدع المذمومة (حاشیہ مشکوٰۃ ص۴۰۱)

اسی بناء پر ہمارے بعض علماء نے صراحت کی کہ یہ مکروہ ہے، اس صورت میں یہ مذموم بدعتوں میں سے ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

وقد صرح بعض علمائنا وغيرهم بكراهة المصافحة المعتادة عقيب الصلوٰت، مع ان المصافحة سنة

اور ہمارے بعض علماء (احناف) اور دیگر حضرات نے صراحت کی ہے کہ نمازوں کے بعد جو مصافحہ کرنے کی عادت ہو گئی

وما ذاك الا لكونها لم تؤثر في
خصوص هذا الموضع۔

(ردّ المحتار ج ۲ ص ۲۳۵)

ہے یہ مکروہ ہے باوجودیکہ اصل
مصافحہ سنت ہے اس کے مکروہ بدعت
ہونے کی وجہ اس کے سوا کیا ہے کہ اس
خاص موقعہ پر مصافحہ سلف صالحین سے منقول
نہیں۔

کونڈے کرنا

اسلام دشمن قوتوں کی سازشوں سے جس قدر غیر شرعی رسومات ہمارے ملک کے مسلمانوں میں رواج پذیر ہوئی ہیں اُن میں سے ایک لایعنی رسم کونڈوں کی بھی ہے جس کے لیے ۲۲ رجب کی تاریخ کا اس قدر اہتمام کیا جاتا ہے کہ اسلامی فرائض کی بجا آوری کے لیے اس کے دسویں حصہ پر بھی اہتمام نہیں ہوتا۔ اس لغو رسم کے لیے عجیب قسم کے افسانے گھڑ کر حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں اور کونڈوں کی ادائیگی کو حاجت روائی اور مشکل کشائی بھی سمجھا جاتا ہے۔

افسانہ تراش کہتے ہیں:

امام جعفر صادقؒ نے خود فرمایا ہے جو شخص ۲۲ رجب کو میرے نام کی نیاز کے حلوے پوری کے کونڈے بھرے اور میرے ذریعے اپنی حاجت مانگے تو ضرور پوری ہوگی۔ اگر پوری نہ ہو تو قیامت کے دن میرا دامن اور اس کا ہاتھ ہوگا۔" خدا کی پناہ۔

حضرت جعفر صادقؒ کی شان تو بہت بلند ہے۔ ادنیٰ مسلمان بھی ایسی لایعنی بات نہیں کہہ سکتا جو شرک و بدعت کو مستلزم ہو۔ کیونکہ ——

نذر و نیاز عبادت ہے جو صرف خدا کا حق ہے غیر اللہ کی نیاز شرک و کفر ہے اور اس کا کھانا حرام ہے

فقہ اسلامی کی تقریباً سب کتابوں میں یہ مسئلہ اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے

بحر الرائق ص ۳۲ ج ۲۔ فتاویٰ عالمگیری ص ۱۱ ج ۱۔ درمختار ص ۱۵۵ ج ۱۔ فتاویٰ شامی ص ۱۳۹ ج ۲۔ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ج ۳ مکتوب ۴۱۔ خلاصۃ الفتاویٰ ص ۳۰ ج ۴ وغیرہ۔

حضرت جعفر صادقؒ سے کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ کفر و شرک کی تلقین کریں گے یہ سب بہتان ہے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے افسانہ گھڑا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی مخلوق میں سے خواہ کوئی امام وقت یا مجدد اور ولی کامل کسی کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا اور اس نیت سے اُن کی فاتحہ دینا۔ کونڈے دینا۔ ان سے مرادیں مانگنا یہ کھلا ہوا شرک ہے۔ کیونکہ نفع ہو یا نقصان۔ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ہر حالت میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ ط وَاِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ انعام - ۱۷

اور اگر اللہ تعالیٰ تمھیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی دُور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تمھیں کوئی فائدہ دینا چاہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

جب تو سوال کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ سے کر اور جب مدد چاہے تو خدا سے مدد مانگ۔ یاد رکھو کہ ساری مخلوق اگر جمع ہو کر تجھ کو کچھ نفع پہنچانا چاہے تو ہرگز تجھ کو نفع نہ پہنچا سکے گی مگر جس قدر کہ اللہ نے تیرے مقدر میں لکھ دیا۔ اِس طرح اگر ساری مخلوق جمع ہو کر تجھے نقصان پہنچانا چاہے تو ہرگز تجھے نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ ہاں اللہ ہی نے تیرے مقدر میں جتنا لکھ دیا۔ وہ پہنچ کر رہے گا۔ (مشکوٰۃ۔ باب التوکل والصبر ص ۴۵۳)

اُوپر آیت کریمہ اور حدیث مبارکہ کا حاصل یہ نکلا کہ نفع ہو یا نقصان۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے مخلوق کے اختیار میں کچھ نہیں۔ جب مخلوق کا اختیار ہی نہیں تو اس کے نام کی نذر و نیاز بھی ناجائز ہے اور اس سے مراد مانگنا بھی حرام ہے جیسا کہ قرآن حکیم، احادیث طیبہ اور فقہاء کرام کے فیصلوں سے یہ بات ثابت ہے۔ غرض حضرت جعفر صادقؒ کے نام پر کونڈوں کی نیاز دینے کا کوئی ثبوت نہیں۔ بلکہ اُن پر بہتان ہے۔ البتہ اگر اس ۲۲ رجب کی تاریخ کو اُن کی ولادت یا وفات ہوتی تو اُن کے ایصال ثواب کا بہانہ بن سکتا تھا۔ ویسے بھی ایصال ثواب کی غرض سے اللہ کے نام کی نیاز دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۲۲ رجب نہ تو حضرت جعفر صادقؒ کی ولادت کی تاریخ ہے نہ وفات کی۔ بلکہ صحیح روایات کے مطابق ان کی ولادت ۸ رمضان المبارک ۸۰ھ یا ۸۳ھ میں ہوئی اور وفات ۱۵ شوال ۱۴۸ھ میں واقع ہوئی۔ ۲۲ رجب کی تاریخ کو حضرت جعفر صادقؒ سے کوئی مناسبت نہیں۔

کاتب وحی حضرۃ امیر معاویہؓ کی وفات پر جشن مسرت

اصل بات یہ ہے کہ ۲۲ رجب کے کونڈوں کی رسم مخالفین و دشمنان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایجاد ہے جو درحقیقت کاتب وحی امیر المؤمنین سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔ کیونکہ ۲۲ رجب حضرت امیر معاویہؓ کی تاریخ وفات ہے

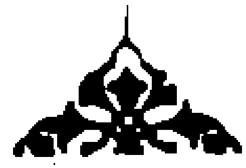
(دیکھو تاریخ طبری۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۳۰/۸ وغیرہ)

دشمنان صحابہؓ (شیعوں) نے اس رسم کو محض پردہ پوشی کے لیے حضرت جعفر صادقؒ کی طرف منسوب کیا ہے

کونڈوں کا تاریخی پس منظر ۱۹۰۶ء میں ریاست رام پور (یوپی) میں امیر مینائی لکھنوی شیعہ کے فرزند خورشید احمد مینائی نے رام پور سے "داستان عجیب" (جو حضرت جعفر صادق کے نام پر گھڑ رکھی تھی) چھپوا کر تقسیم کی۔ نواب رام پور (شیعہ) نے اس من گھڑت افسانے کی اشاعت اور کونڈوں کی ترویج میں گہری دلچسپی ظاہر کی۔ چنانچہ نواب رام پور کی خوشنودی کی خاطر وہاں کے سُنی مسلمانوں نے بھی اس رسم کو اپنانا شروع کیا۔ پھر یہ رسم رام پور سے لکھنؤ پہنچی اور ۱۹۱۱ء تک بڑی تیزی کے ساتھ دوسرے علاقوں میں اس کا پھیلاؤ شروع ہوگیا۔ شروع شروع میں اہلِ سنت کا غلبہ تھا اس لیے شیعہ چھپ چھپ کر شیرینی تقسیم کرتے اور ایک دوسرے کے گھر جا کر کھاتے اور جشنِ مسرت مناتے لیکن جب اس کا چرچا ہوا تو اس لغو رسم کو حضرت جعفر صادقؒ کی طرف منسوب کر کے افسانہ گھڑ لیا اور ان کے ذمے یہ تہمت لگائی کہ ۲۲ رجب انہوں نے اپنی فاتحہ و نیاز دینے کا حکم دیا ہے۔ العیاذ باللہ۔ یہ سب من گھڑت افسانہ۔ بے بنیاد و خلاف شرع رسم اور بدعت ممنوعہ ہے اور سُنی مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور ان میں صحابہؓ دشمنی کے تبرائیہ داخل کرنے کی شاطرانہ چال ہے۔ جو سُنی مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

خلاصۂ کلام: کونڈوں کی رسم ایک نو ایجاد رسم ہے جس کا قطعاً حضرت جعفر صادقؒ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ۲۲ رجب کا آپ سے کوئی تعلق ہے۔ البتہ ۲۲ رجب کو تو کاتب وحی جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امیر معاویہؓ کی وفات ہوئی۔ جن کے ساتھ شیعہ حضرات کو ہمیشہ سے گہرا بغض و عناد رہا ہے تو حقیقت میں شیعہ صاحبان کونڈوں کا نام دے کر ۲۲ رجب کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں جشن منایا کرتے ہیں۔ انہوں نے اس تاریخ کو حضرت جعفر صادقؒ کی طرف منسوب کر کے اپنے اس جشنِ مسرت پر حضرت جعفر صادقؒ کے کونڈے بھرنے کا پردہ محض اس لیے ڈال رکھا ہے تاکہ سُنی مسلمان بھی دھوکے میں آکر غیر شعوری طور پر اس خوشی میں شریک ہو کر ان کا ساتھ دیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ بات کسی طرح بھی جائز نہیں کہ وہ شیعوں کے جھانسے میں آکر حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کی تاریخ کو ان شیعوں کی تقلید میں اپنے یہاں عید جیسی خوشی منائیں۔ بلکہ اس بدعت اور گمراہی کا مٹانا اور دوسرے مسلمانوں کو اس سے باز رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

آخری چہار شنبہ



رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کے آغاز کا دن

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

شیطان مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قسم کھا کر آیا ہے کہ میں ضرور مسلمانوں کو گمراہ کر کے رہوں گا۔ اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ مسلمانوں کو ایسے افعال و اعمال میں مبتلا کر دے جن کا دین و شریعت سے دُور کا بھی واسطہ اور تعلق نہ ہو اور مسلمان اُسے دین و عبادت سمجھ کر کرتے رہیں اور اُنہیں توبہ کی بھی توفیق نہ ہو، اپنا ایمان بھی ضائع کر بیٹھیں اور ہاتھ بھی کچھ نہ آئے خسر الدنیا والآخرۃ،

ع خدا ہی ملا نہ وصال صنم

چنانچہ شیطان اور اس کے انسانی چیلوں چانٹوں نے مسلمانوں میں بہت سی ایسی بے سرو پا باتیں مشہور کر رکھی ہیں جن کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اُنہیں میں سے ایک آخری چہار شنبہ ماہ صفر کا آخری بدھ جو عوام میں سیر بُدھ کے نام سے مشہور ہے۔) بھی ہے اس کے متعلق عوام میں یہ مشہور ہے کہ اس دن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسلِ صحت فرمایا تھا اور سیر و تفریح فرمائی تھی اس لیے اس دن کو ناواقف اور سادہ لوح مسلمان مرد اور عورتیں خوشی کا دن سمجھ کر باغات میں سیر و تفریح کے لیے جاتے ہیں۔ کاروبار بند رکھتے ہیں۔ خوشی کا اظہار کرتے ہیں، شیرینی تقسیم کرتے اور عمدہ قسم کے کھانے پکانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

مسلمان بھائیو! مسلمانوں کے تینوں بڑے فرقے دیو بندی، بریلوی، اہلِ حدیث اس پر متفق ہیں کہ آخری چہار شنبہ (آخری بدھ) کے روز رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کا آغاز ہوا تھا

اوراسی مرض میں آپؐ نے وفات پائی تھی۔

مشہور مؤرخ ابن سعد رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں

"چہار شنبہ ۲۸ صفر ۱۱ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کا آغاز ہوا"۔

(طبقات ابن سعد ص ۲۰۶ ج ۲ طبع بیروت)

(نیز ملاحظہ ہو تاریخ ابن خلدون صفحہ ۸۴۸ ج ۲ طبع بیروت)

(دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی صفحہ ۱۸ ج ۱)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں آپؐ ایک بار شب کو اٹھے اور اپنے غلام ابو مویہبہ کو جگایا اور فرمایا کہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع (قبرستان مدینہ منورہ) کے لیے استغفار کروں۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعۃً مزاج ناساز ہوگیا۔ سر میں درد اور بخار کی شکایت پیدا ہوگئی، یہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن اور بدھ (چہار شنبہ) کا روز تھا"۔

(سیرت المصطفیٰ جلد ۳ صفحہ ۱۵۷)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"۲۸ صفر ۱۱ھ چہار شنبہ (بدھ) کی رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان بقیع غرقد میں تشریف لے جاکر اہل قبور کے لیے دعا مغفرت کی... وہاں سے تشریف لائے تو سر میں درد تھا اور پھر بخار ہوگیا اور یہ بخار صحیح روایات کے مطابق تیرہ روز تک متواتر رہا اور اسی حالت میں وفات ہوگئی۔

(سیرت خاتم الانبیاء صفحہ ۱۳۱)

قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا فتویٰ

"آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں بلکہ اس دن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدت مرض واقع ہوئی تھی تو یہودیوں نے خوشی کی تھی۔ وہ اب جاہل ہندیوں میں رائج ہوگئی"۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۵۰ مطبوعہ کراچی)

بریلوی مکتبۂ فکر کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ

"آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن صحت یابی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض اقدس جس میں وفات ہوئی اس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے"۔

(احکام شریعت ص ۱۸۳ ج ۲)

بریلوی مکتبۂ فکر کے ایک دوسرے عالمِ دین امجد علی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے۔ لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں۔ سیر و تفریح اور شکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں اور نہاتے دھوتے ہیں، خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضورؐ نے اس روز غسلِ صحت فرمایا تھا اور بیرون مدینہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب باتیں بے اصل ہیں، بلکہ ان دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدت کے ساتھ تھا، لوگوں کو جو باتیں بتائی ہوئی ہیں سب خلافِ واقع ہیں۔"

(بہارِ شریعت ص ۲۴۲ ج ۱۶ مطبوعہ شیخ غلام علی لاہور)

قطع نظر ان تمام باتوں کے اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہیے کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کل تیرہ دن بیمار رہے ہیں اور اس پر سب متفق ہیں کہ آپؐ نے سوموار کو وصال فرمایا ہے اس حساب سے اگر دیکھا جائے تو آپؐ کے مرضِ وفات کے آغاز کا دن بدھ ہی بنتا ہے۔ اس طرح کہ بدھ سے دوسری بدھ تک ۸ یوم اور جمعرات سے سوموار تک ۵ یوم ۸ + ۵ = ۱۳ لہٰذا مرضِ وفات کا آغاز بدھ ہی سے ہوا۔

مذکورہ بالا حوالجات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ماہ صفر کا آخری بدھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کے آغاز کا دن تھا نہ کہ صحت یابی کا، درحقیقت بات یہ ہے کہ آخری چہار شنبہ یہودیوں اور ایرانی مجوسیوں کی رسم ہے جو ایران سے منتقل ہو کر ہندوستان میں آئی ہے اور یہاں کے بے دین بادشاہوں نے اسے پروان چڑھایا، حوالہ کے لیے دیکھیے (دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی ص ۱۸، ۱۹ ج ۱)

لہٰذا یہ یہود و ہنود کی خوشی کا دن تو ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کا نہیں۔

مسلمانوں کا اسے بطورِ تہوار و خوشی منانا ناجائز و حرام ہے۔

مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ اس یہودیانہ رسم کو اپنا کر کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات کا جشن تو نہیں منا رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے اور دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے آمین۔

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

قبروں پہ مجاور بننا

اس بارے میں قرآن، سنت، صحابہ کرامؓ تابعین تبع تابعین، سلفِ صالحین آئمہ مجتہدین اور خصوصاً فقہائے احناف سے اس کے متعلق کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی صوفیائے کرام سے اس کے متعلق کچھ ملتا ہے۔

مرنے کے بعد گلی میں تین دن تک دری بچھانا

مفتی اعظم ہند مفتی محمد کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں :

رسم نمبر ۶ میت کے مکان پر اُس کے مرنے کے بعد کچھ دنوں تک بھاری جلسہ رہتا ہے۔ لوگ آتے بیٹھتے۔ کھاتے پیتے ہیں حُقہ بیڑی جانے پان کا شغل رہتا ہے۔ سات آٹھ روز تو اس طرح گزرتے ہیں اُس کے بعد ایک بڑا جلسہ ہوتا ہے جس کو ختم کا جلسہ کہتے ہیں اس میں کچھ لوگ تو ختم پڑھتے ہیں مگر امیر غریب سب قسم کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ مٹھائی تقسیم ہوتی ہے گویا ایک شادی کا مجمع ہے۔ بسا اوقات یہ تمام مصارف ترکہ میں سے ادا کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ بعض وارث چھوٹے بچے یا غیر حاضر بھی ہوتے ہیں نیز کھانیوالے اور مٹھائی لینے والے امراء بھی ہوتے ہیں۔

حکم شرعی اس رسم میں کئی باتیں ہیں۔ اوّل اہل میت کا اپنے مکان پر اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کے لئے آئیں۔ دوسرے لوگوں کا اہل میت کے مکان پر جمع ہونا۔ تیسرے اہل میت کا آنیوالوں کو پان۔ چائے حقہ کھانا وغیرہ کھلانا یا مٹھائی تقسیم کرنا۔ چوتھے سات آٹھ روز کے بعد ختم کا جلسہ کرنا۔ اور اس میں امیروں اور غریبوں سب کو کھانا کھلانا یا مٹھائی تقسیم کرنا۔ پانچویں ترکہ میں سے یہ سب مصارف کرنا۔ ان سب کا حکم جدا جدا بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ اہل میت کی تعزیت کرنا مستحسن ہے جس کا بہتر وقت دفن کے بعد وہی روز دفن۔ یا اگر رات کو دفن کیا جائے تو اس کے بعد کا دن ہے اور اس کے بعد تین دن تک کی اجازت ہے اور اہل میت کا اپنے مکان پر اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کے لئے آئیں۔ یہ بھی صرف تین دن تک جائز ہے مگر بہتر یہی ہے کہ نہ بیٹھے۔ اور اکثر متاخرین اس سے بھی منع کرتے ہیں اور تین دن سے زیادہ بیٹھنا باتفاق فقہاء مکروہ ہے مگر جو شخص سفر سے آیا ہو وہ اس کراہت سے مستثنے ہے کہ اسے تین دن کے بعد بھی تعزیت کرنا جائز ہے اور گھر کے باہر دروازے پر بیٹھنا بھی کرمی۔ بالاتفاق مکروہ ہے اور جو شخص ایک مرتبہ تعزیت کر آئے اس کو دوبارہ جانا مکروہ ہے۔

۲ باس تعزیۃ اھلہ و ترغیبھم فی الصبر وباتخاذ طعام لھم وبالجلوس لہا فی غیر مسجد ثلاثۃ ایام و اولھا افضل و تکرہ بعدھا الا لغائب وتکرہ التعزیۃ ثانیا وعند القبر و عند باب الدار ویقول: عظم اللہ اجرک واحسن عزاءک وغفر لمیتک (در مختار)

یعنی اہل میت کی تعزیت کرنے میں مضائقہ نہیں اور ان کو صبر کی ترغیب دینے میں اور ان کے لئے کھانا بھیجنے میں اور بغرض تعزیت مسجد کے علاوہ کسی مکان میں بیٹھنے میں تین دن تک مضائقہ نہیں۔ تعزیت کیلئے پہلا دن افضل ہے اور تین دن کے بعد تعزیت مکروہ ہے مگر اس کے لئے جو سفر سے آیا ہو۔ اور دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے اور گھر کے باہر دروازہ پر بیٹھنا بھی مکروہ ہے۔ تعزیت میں یہ الفاظ کہے۔ خدا تمہیں اجر عظیم دے اور صبر حسن کی توفیق عطا فرمائے اور تمہاری میت کو بخشے۔

وفی خزانۃ الفتاوی ان الجلوس

خزانۃ الفتاوی میں ہے کہ بوقت مصیبت

للمصيبة ثلاثة ايام رخصة وترکہ حسن کذا فی معراج الدرایۃ	تین دن تک بیٹھنے کی رخصت تو ہے مگر (مأخذی) اس کا ترک بہت بہتر ہے ۔

(۳۲و۳۳) یعنی لوگوں کا اہل میت کے مکان پر جمع ہونا ۔ اور اہل میت کا انہیں پان ۔ چائے ۔ حُرٹ ۔ مٹھائی تقسیم کرنا یا کھانا کھلانا ۔ یہ باتیں بھی مکروہ ہیں ۔ اگرچہ تعزیت کے لئے تین دن تک لوگوں کو جانا جائز ہے اور اتفاقی طور پر وہاں دو چار آدمی جمع ہو جائیں تو مضائقہ نہیں لیکن قصداً جمع ہونا اور اجتماع کی شکل قصداً پیدا کرنا مکروہ ہے اور میت کا لوگوں کو کچھ کھلانا یا کچھ تقسیم کرنا یہ سب مکروہ ہے۔

فی الامداد وقال کثیر من متاخری ائمتنا یکرہ الاجتماع عند صاحب المیت ۔

امداد میں ہے کہ ہمارے آئمہ حنفیہ میں بہت سے متاخرین نے فرمایا ہے کہ اہل میت کے مکان پر لوگوں کا اجتماع مکروہ ہے ۔

ویکرہ لہ الجلوس فی بیتہ حتی یاتی الیہ من یعزی بل اذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا و یشتغل الناس بامورھم وصاحب البیت بامرہ انتھیٰ رد المحتار شامی	اور اہل میت کو گھر میں اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ آئیں اور تعزیت کریں یہ بھی مکروہ ہے بلکہ جب دفن سے فارغ ہو کر واپس آئیں تو چاہئے کہ سب متفرق ہو جائیں لوگ اپنے اپنے کام میں لگ جائیں اور اہل میت اپنے کام میں

یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ روی الامام احمد وابن ماجۃ باسناد صحیح عن جریر بن عبداللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ ۔ یعنی اہل میت کا لوگوں کے لئے کھانے کی دعوت تیار کرنا (جس میں پان چائے ۔ مٹھائی بھی داخل ہے) مکروہ ہے کیونکہ دعوت خوشی

ث ردالمحتار نقلاً عن فتح القدیر)

میں مشروع ہے نہ غمی میں۔ اور یہ قبیح بدعت ہے۔ امام احمدؒ اور ابن ماجہ نے بسند صحیح جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم (یعنی صحابۂ کرام) اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور اہل میت کے کھانا کرنے کو نیاحۃ میں داخل سمجھتے تھے۔

نیاحۃ کے معنیٰ یہ ہیں کہ جاہلیت میں میت کا ماتم کرنے کے لئے عورتیں جمع ہوکر روتی تھیں اور میت کے اوصاف بیان کرتی تھیں شریعت نے نیاحۃ سے منع فرمایا۔ اور اسے حرام قرار دیا ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ یہی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اس اجتماع اور میت کی طرف سے کھانا کرنے کو بھی اسی نیاحۃ ممنوعہ میں داخل سمجھتے تھے یعنی جیسے نیاحۃ ممنوع ہے یہ بھی ممنوع ہے۔

(۴ و ۵) یعنی سات آٹھ روز کے بعد ختم کا جلسہ کرنا اور ترکہ میں سے یہ مصارف کرنا۔ رسم نمبر۳ کے بیان میں ہم فتاویٰ بزازیہ کی عبارت نقل کرچکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والوں کے لئے دعوت تیار کرنا اور قرّاء و صلحاء کو جمع کرنا اور ان سے ختم پڑھواکر انہیں کھانا کھلانا مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ قرأت قرآن ختم پر کھانا کھلانا گویا قرأت کی اجرت ہے۔

دون ما ابتدع فی زماننا من مھللین وقراء ومغنین وطعام ثلثۃ ایام و نحو ذلک ومن فعل ذلک بدون رضا بقیۃ الورثۃ البالغین یضمنہ فی مالہ (ردالمحتار) یعنی تجہیز و تکفین کے مصارف میں یہ داخل نہیں ہے جو ہمارے زمانے میں بطور بدعت اختیار کیا گیا ہے کہ کلمہ طیبہ یا قرآن پڑھنے والے یا نعت گانے والے جمع کئے جاتے ہیں یا تین دن تک کھانا کیا جاتا ہے۔ اور اسی جیسے اور افعال بھی جو ان کاموں میں بغیر رضامندی باقی ورثہ بالغین کے خرچ کرے گا وہ خود ضامن ہوگا۔

وبه ظهر حال وصايا اهل زماننا فان الواحد منهم يكون فى ذمته صلوات
كثيرة وغيرها من زكوة واضاحى وايمان ويوصى لذلك بدراهم يسيرة
ويجعل معظم وصيته لقراءة الختمات والتهاليل التى نص علماءنا على عدم
صحة الوصية بها وان القراءة لشئ من الدنيا لا تجوز وان الآخذ والمعطى آثمان
لان ذلك يشبه الاستيجار على القراءة ونفس الاستيجار عليها لا يجوز
فكذا ما اشبهه كما صرح بذلك فى عدة كتب من مشاهير كتب المذهب
(رد المحتار) اور اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہمارے زمانہ کے لوگوں کی وصیتوں
کا حال کہ بعض لوگ باوجودیکہ ان کے ذمے بہت سی نمازیں اور زکوٰۃ اور
قربانیاں اور قسمیں ہوتی ہیں مگر وہ تھوڑے سے دراہم کی (فدیہ کے لئے) وصیت
کر دیتے ہیں اور اپنی وصیت کا بڑا حصہ کلمہ طیبہ اور قرآن مجید کے ختموں کے لئے خاص
کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ ان ختموں کی وصیت صحیح
نہیں۔ اور یہ کہ کسی دنیاوی غرض سے قرأت جائز نہیں اور دینے والے اور لینے
والے دونوں گناہگار ہیں۔ کیونکہ دینا اور کھانا کھلانا اجرت کے مشابہ ہے اور
قرأت کی اجرت لینا دینا جائز نہیں۔ اسی طرح وہ چیز جو اجرت سے مشابہت رکھتی
ہے اور ہمارے مذہب کی مشہور کتابوں میں سے بہت سی کتابوں میں اس کی
تصریح کی گئی ہے۔ (رد المحتار)

ان عبارتوں سے صاف معلوم ہو گیا کہ کلمہ طیبہ یا قرآن مجید کا ختم کرانے کے
لئے جمع کرنا اور پڑھنے والوں کو کھانا کھلانا مکروہ اور بدعت ہے۔
نیز چونکہ اس قسم کے کھانے میں غریب امیر سب شامل ہوتے ہیں اس لئے
صاف ظاہر ہے کہ اس کھانے سے مقصود صدقہ اور خیرات نہیں ہے۔ ورنہ امراء
کو یہ صدقہ کھلانے کے کیا معنی اور جب صدقہ مقصود نہ ہوا تو ظاہر ہے کہ یہ کھانا

کھلانا اور جلسے کرنا محض ناموری اور شہرت وریا کی وجہ سے ہوتا ہے
اور اس کا مکروہ اور بدعت ہونا پہلے ثابت ہو چکا ہے اور یہ کہنا کہ اہل دعوت
بطور ہدیہ کی ہوتی ہے اور فقرا کی بطور صدقہ کے صحیح نہیں کیونکہ کھانا کرنے والوں
کو اس تفریق کا خیال نہیں ہوتا۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تاہم بقول علامہ
ابن ہمام کے چونکہ یہ دعوت غمی کی ہے اس لئے غیر مشروع اور بدعت ہے۔

اور رد المحتار شامی کی عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ترکہ مشترکہ میں سے
بغیر رضا جمیع ورثہ کے مصارف ادا کرنا بالخصوص جبکہ کوئی وارث نابالغ یا غائب
ہو ناجائز ہے۔ اور جو کرے گا وہ خود ضامن ہوگا۔

خاتمۃ الکتاب

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کتاب کے تینوں حصے مکمل ہوئے۔ اور اکثر مسائل جن میں بریلوی اختلاف کرتے ہیں اس میں یکجا کر دیئے ہیں۔ یہ کتاب جاء الحق کا جواب نہیں بلکہ جس قدر جاء الحق میں مسائل بیان کئے گئے تھے وہ سب اور کچھ ان کے علاوہ بھی ہم نے اپنے مسلک کے مطابق اس میں جمع کئے ہیں۔ جاء الحق کے پہلے حصہ کا جواب محدث اعظم پاکستان مفسر قرآن شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے اپنی مختلف تصانیف میں دے دیا ہے۔ مثلاً بحث علم غیب کا جواب ازالۃ الریب و اظہار الغیب میں بحث حاضر و ناظر کا جواب تبرید النواظر و تفریح الخواطر میں حضور علیہ السلام کو بشر یا بھائی کہنے کی بحث کا جواب تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین و اتمام البرھان حصہ سوم اور عبارات اکابر میں۔

بحث نداء یا رسول اللہ کا جواب تبرید النواظر و گلدستہ توحید۔ تنقید متین میں۔ اولیاء اللہ و انبیاء سے مدد مانگنا کا جواب گلدستہ توحید و اتمام البرھان حصہ اول۔ تنقید متین۔

بحث بدعت۔ کا جواب راہ سنت و باب جنت میں اعتراضات کے جوابات۔

عبارات اکابر میں۔ اس طرح تمام حصہ کا مدلل جواب لکھا ہے۔

ہر شخص یہ کتابیں دیکھ سکتا ہے۔ ہم بھی آخر میں بریلویوں کے کچھ عقائد نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

رضاخانیوں کے عقائد باطلہ

(۱) مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کے ایک پیر بھائی "مولوی برکات احمد صاحب"

کی قبر میں وہ خوشبو آتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر سے (معاذ اللہ منہ) خانصاحب بالقابہم کے ملفوظات حصہ دوم مطبوعہ حسنی پریس بریلی کے صفحہ ۲۵ پر ہے۔

" اعلیحضرت نے ایک طویل کلام کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا، جب انکا (یعنی خاں صاحب کے پیر بھائی برکات احمد صاحب کا) انتقال ہوا اور میں دفن کے وقت ان کی قبر میں اترا مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی مرتبہ روضۂ انور کے قریب آئی تھی۔ انتہی مسلمان ایمانی کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر اپنے قلوب سے فیصلہ لیں کیا یہ الفاظ کسی سچے مسلمان کے زبان وقلم سے نکل سکتے ہیں؟ کیوں مسلمانو۔ کیا مدینہ طیبہ کا وہ بقعہ نور جو آخر الانبیاء خاتم الاصفیاء حضور رسالت پناہ حبیب الہ دو عالم کے شاہ میرے سردار مدینہ کے تاجدار کو آغوش میں لئے فلک الافلاک کو بھی شرمارہا ہے اور حسب تصریح علماء امت عرش الٰہی پر بھی فوقیت رکھتا ہے اسی قابل ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے ایک پیر بھائی کی قبر کو طیب رائحہ (خوشبو) میں اس کے ہمسر کہا جائے کیا وہ روضہ پاک جو نہ صرف عالم انسانی کا قبلہ ہے بلکہ آسمانی مخلوق کی بھی زیارت گاہ ہے اسی لائق ہے کہ چودھویں صدی کے ایک ہندی النسل انسان کے مدفن کو اس کے ہم پلہ بتلایا جائے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آہ خان صاحب نے خوش عقیدہ لوگوں کے لئے اس تاویل کی بھی گنجائش نہ چھوڑی کہ یہ صرف ایک مادحانہ مبالغہ ہے جس کی حقیقت کچھ اور ہے بلکہ صاف فرمادیا مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی الخ

کیوں نہیں آخر تو آپ اسی چودہویں صدی کے مجدد ہیں جس کی مجددیت کا دوسرا دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی ہے آخر اس اشتراک کا کچھ اثر تو ہونا چاہیئے خدانہ کردہ اگر ایسے ہی دو چار مجدد اور پیدا ہو گئے تو پھر قیامت بھی کچھ دور نہیں ہے کیا ہی آپ کے اعلیٰ حضرت عاشق رسول اور چناں وچنیں ہیں۔

> کار شیطاں میکند نامش ولی
> گر ولی ایں است لعنت بر ولی

۲۔ رضا خانیوں کے اعلیٰ حضرت مجدد البدعات فاضل بریلوی نے معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی امامت کی وہ خود فرماتے ہیں کہ ایک جنازہ کی نماز (جس میں بقول ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے) میں نے پڑھائی فاضل موصوف کے ملفوظات حصہ دوم پر ہے ۔

ان کے (یعنی خان صاحب کے) ایک پیر بھائی مولوی برکات احمد صاحب کے ، انتقال کے دن مولوی سید امیر احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارت اقدس حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے گھوڑے پر تشریف لئے جاتے ہیں عرض کی یا رسول اللہ حضور کہاں تشریف لئے جاتے ہیں ۔ فرمایا برکات احمد کے جنازے کی نماز پڑھنے الحمد للہ یہ جنازہ مبارکہ میں نے پڑھایا انتہی ۔

مسلمانو تمہیں حضور سرور عالم حبیب اعظم شفیع اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا واسطہ خدا را تھوڑی دیر کے لئے اپنے اس دل میں جو خدا اور اس کے رسول (جل ذکرہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت ہی کے لئے بنایا گیا ہے انصاف کو جگہ دے کر غور کرو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ان مدعیان عشق کے دعوئ عشق و محبت کی کیا حقیقت ہے ۔

آہ عالم قدس کے جس شہنشاہ نے شب معراج مسجد اقصٰی میں از آدم تا عیسٰے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت کی قدرت نے جس کے سر پر امامت انبیاء کا تاج رکھا فرشتوں نے جس کو امام المرسلین کہہ کے سلامی دی آج بریلی والے خان صاحب اس امام الانبیاء کی امامت کے مدعی ہیں نہ ہوا زمانہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا ورنہ اس چلے ہوئے دماغ کا یہیں علاج ہو جاتا ۔

آج ایک مسلمان اس دار الکفر میں بجز اس کے اور کیا کہہ سکتا ہے خان صاحب نیچے کی چگک کے کھاؤ یہ منہ اور مسور کی دال ۔

۱۳ ۔ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی ناپاک گالیاں دے جن کی نظیر پادریوں پنڈتوں کھلے کافروں مشرکوں کی کتابوں میں بھی نہ پائی جائے ۔ پھر ان سڑی گالیوں میں کسی تاویل و ترجیہ کی بھی گنجائش نہ ہو اور مزید براں یہ کہ ان ناپاک گالیوں سے سرکار دو عالم حبیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اذیت اور دکھ پہنچے دیکھنے سننے والوں کے کلیجے بھی ٹکڑے ٹکڑے اور دل پاش پاش ہوں تو ان رضا خانی صاحبان اور ان کے خان والا شان کے نزدیک ایسا شخص مسلمان ہے اسے ہرگز

کافر نہ کہا جائے اُس کو کافر کہنے والا بے احتیاط سلامتی سے دور اور راہ استقامت سے بھٹکا ہوا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہے۔

توضیح مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی اپنی کتاب "الکوکبۃ الشہابیۃ" میں شہید مرحوم مظلوم اہل بدعت پر تبرا بھیجتے ہوئے اپنے نامہ اعمال کو اس طرح سیاہ فرماتے ہیں

مسلمانو: مسلمانو!! خدارا ان ناپاک شیطانی ملعون کلموں کو غور کرو..... پادریوں پنڈتوں وغیرہم کھلے کافروں مشرکوں کی کتابیں دیکھو.... ان میں بھی اس کی نظیر نہ پاؤ گے...... مگر اس مدعی اسلام بلکہ مدعی امامت کا کلیجہ چیر کر دیکھئے کہ کس جگر سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بے دھڑک یہ صریح سب و دشنام کے لفظ لکھ دیئے۔

مسلمانو! کیا ان گالیوں کی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع نہ ہوئی یا مطلع ہو کر ان سے انہیں ایذاء نہ پہنچی. ہاں ہاں واللہ واللہ انہیں اطلاع ہوئی واللہ واللہ انہیں ایذا پہنچی ...... اور انصاف کیجئے تو اس کھلی گستاخی میں کوئی تاویل کی جگہ بھی نہیں ...... اس خبیث بد دین نے جو ہمارے عزت والے رسول دوجہاں کے بادشاہ بارگاہ عالم پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت یہ لعنتی کلمات لکھے انہوں نے ہمارے اسلامی دلوں پر تیر و خنجر سے زیادہ کام کیا۔ انتہی بلفظہ از کوکبہ شہابیہ ص ۳۰، ۳۱، ۳۳، ۳۴۔

یہ تو خدا خوب جانتا ہے کہ شہید مرحوم کا دامن ان تمام آلودگیوں سے پاک ہے بلکہ یہ سب یاروں کی کارسازی کے کرشمے ہیں لیکن یہاں ہمیں اس سے بحث نہیں اس جگہ ہمارا مقصود یہ ثابت کرنا تھا کہ خان صاحب کے نزدیک شہید مرحوم تمام ان سنگین جرموں کے مرتکب ہیں۔ جن کا ذکر ہم نے عقیدہ کے ذیل میں کیا ہے سو الحمد للہ وہ بتمامہ کوکبہ شہابیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے ثابت ہو گیا۔

اب ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ باوجود ان سنگین جرموں کے خان صاحب شہید مرحوم کو کافر نہیں کہتے بلکہ تکفیر کو خلاف احتیاط مخالف حکم نبوی بتلاتے ہیں اور عدم تکفیر کو مذہب مفتی بہ

قرار دیتے ہیں اسی میں سلامتی بتلاتے ہیں وہی ان کے نزدیک راہ استقامت ہے ملاحظہ ہو

خاں صاحب بالقابہم "تمہید ایمان ص۴۲" پر ارقام فرماتے ہیں۔

اور امام الطائفہ (اسمٰعیل دہلوی) کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے۔

نیز اسی تمہید ایمان ص۴۲ پر ہے۔

"علمائے محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی جواب ہے وہوالجواب وبہ یفتی وعلیہ الفتوٰی وہوالمذہب وعلیہ الاعتماد وفیہ السلامۃ وفیہ السداد یعنی یہی جواب ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے اور اسی پر اعتماد اور اسی میں سلامتی ہے اور اسی میں استقامت۔

خان صاحب کی کل عبارتیں حاضر ہیں نتیجہ صاف ہے کہ خانصاحب کے نزدیک ایسے سنگین جرموں کا مرتکب بھی مسلمان ہے اُسے کافر کہنے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہے سخت بے احتیاط اور ہلاکت میں پڑنے والا ہے۔

حالانکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ جو بدبخت ایسے مجرم کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔

(شفا شریف و بزازیہ)

وفتاوٰی خیریہ وغیرہ میں ہے تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور جو اس کے معذب یا کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے تمہید ص۲۷۔

نیز اس کے ص۲۸ پر ہے۔

مجمع الانہر و درمختار میں ہے جو کسی نبی کی شان میں گستاخی کے سبب کافر ہوا اس کی توبہ کسی طرح قبول نہیں اور جو اس کے عذاب یا کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔

پھر اس کے ص۳۵ پر ہے۔

"نہ کہ ایک کلام تکذیب خدا یا تنقیص شان سید انبیاء علیہم السلام والثنا میں صاف صریح

ناقابل تاویل وتوجیہ ہوا اور پھر بھی حکم کفر نہ ہواب تو اُسے کفر نہ کہنا کفر کو اسلام ماننا ہوگا۔

اور جو کفر کو اسلام ماننے خود کافر ہے ابھی شفا وبزازیہ ودرر بحر ونہر وفتاویٰ خیریہ ومجمع الانہر و درمختار وغیرہ کتب معتمدہ سے سن چکے ہو کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان کرے کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

اب خان صاحب کی پہلی عبارت کو ان تینوں عبارتوں کے ساتھ ملائیے نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ مولوی احمد رضاخان صاحب خود اپنے اقرار سے کافر ہیں ان کے کفر پر ساری امت محمدیہ کا اجماع ہے اب جو ان کے کافر یا معذب ہونے میں شک کرے وہ بھی انہی کے فتوے سے ایسا ہی کافر ہے وبلم جرا ؎

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں　　　لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

۱۵۔ جو شخص قرآن عظیم میں جابجا شرک ملنے وہ مسلمان ہے اُسے کافر کہنا بے احتیاطی اور ہلاکت میں پڑنا ہے۔

۱۶۔ جو بد بخت کہے کہ حضرات انبیاء علیہم السّلام سے بکثرت شرک ہوئے وہ مسلمان ہے الخ۔

۱۷۔ علیٰ ہذا جو ملائکہ کو مشرک بتلائے وہ بھی ان کے نزدیک مسلمان ہے۔ الخ

۱۸۔ جس شخص کے کلام میں شرک کے انبار ہوں وہ بھی ان کے نزدیک معاذ اللہ مسلمان ہے۔

توضیح حضرت شہید مرحوم کے متعلق کوکبۂ شہابیہ صلا پر یوں گہر افشانی فرماتے ہیں۔

ل؎ مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں خان صاحب کے اس فقرہ نے فیصلہ کر دیا کہ کسی کو کافر نہ کہنا اس کے مسلمان سمجھنے کو مستلزم ہے کہیے اب بھی یہ مطالبہ درست ہے کہ کہاں اعلیٰ حضرت نے مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کو مسلمان لکھا ہے اگرچہ خان صاحب کا کفر ثابت ہونے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ شہید مرحوم کو کافر نہ کہیں جیسا کہ ان عبارات سے ظاہر ہے لیکن ہم نے بحمداللہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ خان صاحب حضرت شہید مرحوم کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ منہ غفرلہٗ

۱:۔ جا بجا قرآن عظیم ایک بات فرمائے اور یہ صاف اُسے غلط باطل کہہ جائے۔۔۔۔

۲:۔ اس کے طور پر قرآن عظیم میں جا بجا شرک موجود۔

۳:۔ اس کے نزدیک انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے شرک صادر ہوئے۔

۵:۔ کھلے شرکوں کے بھاری طور سے خود اس کے کلام میں برساتی حشرات الارض کی طرح چپیلے ہیں انتہی۔

لیکن باوجود ان تمام خرافات کے وہ خانصاحب کے نزدیک مسلمان ہی ہیں انہیں کافر کہنا گناہ ہے (دیکھو عبارات مذکورۃ الصدر)

۹:۔ جو بے دین اللہ سبحانہٗ کے علم کو ضروری نہ جانے بلکہ اس کا جاہل رہنا بھی (معاذاللہ منہ) ممکن سمجھے وہ بھی ان کے نزدیک مسلمان ہے اُسے کافر نہیں کہا جا سکتا (استغفراللہ منہ)

توضیح خان صاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق کوکبہ شہابیہ ص۱۱ پر فرماتے ہیں۔

(اس نے) یہاں اللہ سبحانہٗ کے علم کو لازم و ضروری نہ جانا اور معاذاللہ اس کا جہل ممکن مانا؛ لیکن ہیں پھر بھی مسلمان لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللہِ۔

۱۰:۔ جو شیطان تمام امت محمدیہ کو کافر مانے وہ علماء امت کے نزدیک تو یقیناً وقطعاً کافر ہے لیکن رضاخانی صاحبان کے نزدیک مسلمان ہی ہے اس کو کافر کہنا جائز نہیں۔

توضیح موجد رضاخانیت جناب مولوی احمد رضا خان صاحب حضرت شہید مرحوم کے متعلق کوکبہ کے ص۱۲ پر فرماتے ہیں۔

اُس نے" اسی قول میں تمام اُمت کو کافر مانا: لیکن رہے پھر بھی مسلمان (دیکھو عبارات مذکورۃ العصر)

۱۱:۔ جو ملعون علم الٰہی کو قدیم نہ مانے وہ مسلمان ہے ان کے نزدیک اُسے ہرگز کافر نہیں کہا جا سکتا۔

توضیح خان صاحب موصوف حضرت شہید مرحوم کے متعلق "کوکبہ شہابیہ" ص۱۲ پر فرماتے ہیں۔

تو اس کے نزدیک) علم الٰہی قدیم قدیم نہ ہوا۔ لیکن باوجود اس کے خان صاحب کے آخری

فیصلہ کے مطابق وہ مسلمان ہی ہیں جیسا کہ سابقاً معلوم ہوا۔

۱۲:۔ جو مردود صاف اقرار کرے کہ خدائے تعالیٰ کی بات واقع میں جھوٹ ہو جانے میں کوئی حرج نہیں وہ مسلمان ہے الخ

توضیح خانصاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق کوکبہ ص۳۱ پر فرماتے ہیں:۔

یہاں صاف اقرار کر دیا کہ اللہ عزوجل کی بات واقع میں جھوٹ ہو جانے میں تو حرج نہیں لیکن فتویٰ اسی پر ہے کہ علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں ان کو کافر کہنا ہلاکت میں پڑنا ہے (کما سبق آنفاً)

۱۳:۔ جو جہنمی کہے کہ صفات انسانی کھانا پینا سونا پاخانہ پھرنا پیشاب کرنا جلنا ڈوبنا مرنا غرض سب کچھ خدا کے لئے روا ہے وہ بھی رضاخانی مذہب میں مسلمان ہے۔

توضیح خان صاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق کوکبہ شہابیہ ص۱۵ پر فرماتے ہیں:۔

اس میں صاف تصریح ہے کہ جو کچھ آدمی اپنے لئے کر سکتا ہے وہ سب خدائے پاک کی ذات پر بھی روا ہے جس میں کھانا پینا سونا پاخانہ پھرنا پیشاب کرنا جلنا ڈوبنا مرنا سب کچھ داخل ہے۔

لیکن واہ رے رضاخانیوں کے اسلام تیری وسعت کہ پھر بھی وہ مسلمان ہی ہیں جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا۔

۱۴:۔ جو ملعون اللہ تعالیٰ کے جھوٹ کو ممتنع بالغیر اور محال عادی بھی نہ مانے بلکہ صاف اقرار کرے کہ (معاذ اللہ) خدا جھوٹ بولتا رہتا ہے وہ بھی ان کے نزدیک مسلمان ہے اُسے کافر کہنا خلاف احتیاط۔

توضیح۔ خانصاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق اسی کوکبہ شہابیہ ص۱۵ پر فرماتے ہیں

اس میں صاف اقرار ہے کہ اللہ عزوجل کا جھوٹ بولنا ممتنع بالغیر بلکہ محال عادی بھی نہ ہو۔

لیکن فتویٰ وہی ہے "علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں" اللہ رے احتیاط۔

۱۵:۔ جو مردود صراحتہً کہے کہ اللہ عزوجل میں ہر عیب و آلایش کا آنا جائز ہے مگر وہ اپنی بنی رکھنے کے لئے مصلحتہً اس سے بچتا ہے وہ بھی ان کے نزدیک مسلمان ہے اس کے کفر پر حکم نہیں کیا جا سکتا۔

توضیح خان صاحب موصوف حضرت شہید مرحوم کے متعلق کوکبہ شہابیہ ص۱۶ پر فرماتے ہیں۔ اسی قول میں صراحتہً مان لیا کہ اللہ تعالےٰ میں عیب و آلایش کا آنا جائز ہے مگر مصلحتہً ترفع کے لئے اس سے بچتا ہے۔

لیکن فیصلہ وہی ہے کہ میں اسمٰعیل دہلوی کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا الخ (عبارت پہلے گذر چکی ہے)

۱۶:۔ جو شقی ازلی صاف طور پر کہے کہ جن چیزوں کی نفی سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جاتی ہے وہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ میں ہو سکتی ہیں مثلاً سونا اونگھنا بھکنا جورو بیٹا بیٹی والا ہونا بندوں سے ڈرنا کسی کو اپنی بادشاہت میں شریک کر لینا ذلت وخواری کے باعث کسی دوسرے کو اپنا بازو بنا لینا وغیرہ وغیرہ یہ سب کچھ خدا میں پایا جا سکتا ہے وہ مردود بھی ان کے نزدیک مسلمان ہے۔

توضیح، خانصاحب موصوف کوکبہ شہابیہ ص۱۶ پر شہید مرحوم ومظلوم کے متعلق لکھتے ہیں "اس قول میں صاف بتایا کہ جن چیزوں کی نفی سے اللہ تعالیٰ کی مدح کی جاتی ہے وہ سب باتیں اللہ عزوجل کے لئے ہو سکتی ہیں ورنہ تعریف نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے لئے سونا اونگھنا بھکنا جورو بیٹا بندوں سے ڈرنا کسی کو اپنی بادشاہی کا شریک کر لینا ذلت وخواری کے باعث دوسرے کو اپنا بازو بنانا وغیرہ وغیرہ سب کچھ روا ہے"

لیکن واہ رے رضاخانیوں کے اسلام تیری وسعت کہ پھر بھی وہ تیرے آغوش میں ہیں۔

۱۷:۔ جو مردود حضرات انبیاء علیہم السلام و ملائکہ عظام اور قیامت جنت دوزخ غرض تمام ایمانیات کے ماننے سے انکار کرے وہ بھی ان کے مذہب میں مسلمان ہے نہ معلوم ان بزرگوں

کے خیال میں اسلام کس چیز کا نام ہے۔

توضیح خان صاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق کوکبہ شہابیہ ص۱۹ پر فرماتے ہیں:

یہاں انبیاء و ملائکہ و قیامت و جنت و نار وغیرہ تمام ایمانیات کے ماننے سے صاف انکار کیا" لیکن رہے پھر بھی مسلمان (جیسا کہ خانصاحب کی کئی عبارتوں سے معلوم ہو چکا ہے) حالانکہ یہ تمام چیزیں ضروریات دین میں سے ہیں اور جس طرح ضروریات دین کا منکر کافر ہے اسی طرح منکر کو کافر نہ کہنے والا بھی کافر و مرتد ہے۔ خان صاحب موصوف ازالۃ العار ص۶ پر فرماتے ہیں۔

"جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے"

ہمارے ناظرین خود نتیجہ نکال لیں کہ اب خانصاحب اپنے اقرار سے کون ہوئے ہم کچھ کہنا نہیں چاہتے۔

۱۸:۔ جو شخص بہ تصریح کہے کہ بعض لوگ علم میں انبیاء کے برابر و ہمسر ہوتے ہیں فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ انبیاء کو ظاہری وحی آتی ہے انہیں باطنی۔ وہ بھی مسلمان ہے اس کو کافر کہنا نہ چاہیئے۔

۱۹:۔ جو شخص غیر نبی کو نبی بتلائے وہ بھی مسلمان ہے۔

توضیح خانصاحب بالقابہم شہید مرحوم کے متعلق کوکبہ ص۲۲ پر فرماتے ہیں۔

اس قول ناپاک میں اس قول بیباک نے بے پردہ و حجاب صاف صاف تصریحیں کیں بعض لوگ علم میں انبیاء کے برابر و ہمسر ہوتے ہیں فرق اتنا ہے کہ انبیاء کو ظاہری وحی آتی ہے انہیں باطنی وہ انبیاء کے مانند معصوم ہوتے ہیں اسی مرتبہ کا نام حکمت ہے یہ کھلم کھلا غیر نبی کو نبی بتلانا ہے"

لیکن فیصلہ وہی ہے جو ہمارے ناظرین پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں "علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں الخ"

۲۰: ۔ جو خبیث ایسی بات کہے جو بہت سی وجہ سے باجماع اہلسنت یقیناً کفر ہو حتیٰ کہ اس میں نبوت کا دعویٰ ہو وہ بھی مسلمان ہے۔

توضیح. خان صاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق کوکبہ شہابیہ ص۲۳ کے حاشیہ میں ارقام فرماتے ہیں:۔

(اس کا) یہ قول باجماع اہلسنت بہت سی وجہ سے کفر ہے ازاں جملہ یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے بے وساطت نبی احکام شرعیہ ملنے کا ادعا ہے اور یہ نبوت کا دعویٰ ہے:۔

لیکن واہ رے رضاخانیوں کے اسلام کہ تجھ میں دعویٰ نبوت بھی کفر نہیں باوجود اس سنگین جرم کے شہید مرحوم مسلمان کے مسلمان ہیں حضرت شہید تو فی الحقیقت بھی مسلمان ہیں لیکن وائے قسمت کہ خان صاحب کسی گھاٹ کے نہ رہے۔ کیا ہے؟ کوئی بدعتی کہ خان صاحب کو ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی ثابت کر سکے واہ رے شہید تیری کرامت!:۔

مولوی احمد رضا خان صاحب اور ان کی ذریت کے نزدیک مندرجہ ذیل تیس عقیدے اسلامی عقیدے ہیں. ان عقیدوں کا رکھنے والا کافر نہیں مسلمان ہے اُسے کافر کہنے والا بے تحقیقاً سلامتی سے دور اور ہلاکت میں پڑنے والا ہے وہ عقائد ملعونہ یہ ہیں نقل کفر کفر نہ باشد:

۲۱: خدا وہ ہے جسے مکان زمان جہت ماہیت ترکیب عقلی سے پاک کہنا بدعت حقیقیہ کے قبیل سے ہے اور صریح کفروں کے ساتھ شمار کرنے کے قابل ہے۔

(۲۲). خدا کی بات کا اعتبار نہیں۔ (۲۳) خدا کی بات قابل استناد نہیں

(۲۴): اس کا دین لائق اعتماد نہیں (۲۵) خدا وہ ہے جس کا بہکنا غافل ہونا

(۲۶): ظالم ہونا (۲۷) حتیٰ کہ مرجانا

(۲۸): ناچنا (۲۹) تھرکنا (۳۰)، نٹ کی طرح کلا کھیلنا (۳۱)، عورتوں سے جماع کرنا

(۳۲) لواطت جیسی بےحیائی کا مرتکب ہونا (۳۳) حتیٰ کہ خود مخنث کی طرح مفعول بنا۔

سب ممکن ہے (۳۴) کوئی خباثت کوئی فضیحت خدا کی شان کے خلاف نہیں (۳۵) خدا کھانے کا منہ

(۳۶) بھرنے کا پیٹ (۳۷) مردی زنی کی علامت رکھتا ہے اور بالفعل موجود ہیں (۳۸) خدا صمد نہیں جوف دار کھسکل ہے (۳۹) سبوح قدوس نہیں (۴۰) خنثیٰ مشکل ہے (۴۱) خدا وہ جو اپنے آپ کو جلا سکتا ہے (۴۲) خدا وہ ہے جو اپنے آپ کو ڈبو سکتا ہے (۴۳) خدا وہ ہے جو زہر کھا کر یا اپنا گلا گھونٹ کر یا بندوق مار کر خودکشی کر سکتا ہے (۴۴) خدا کے ماں باپ جورو بیٹا سب ممکن ہے (۴۵) خدا ماں باپ سے پیدا ہوا ہے (۴۶) خدا رنڈی کی طرح پھیلتا پھٹتا ہے (۴۷) خدا برہما کی طرح جو لکھا ہے (۴۸) خدا ایسا ہے جس کا کلام فنا ہو سکتا ہے (۴۹) خدا بندوں کے خوف کے باعث جھوٹ بولنے سے بچتا ہے کہ کہیں جھوٹا نہ سمجھیں (۵۰) خدا بندوں سے چرا چھپا کر پیٹ بھر کر جھوٹ بک سکتا ہے۔

توضیح فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب بالقابہم نے اپنے فتاوے کے ص۴۵، ۴۶ پر ان عقائد ملعونہ کو حضرت شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا لیکن باایں ہمہ فیصلہ یہ فرماتے ہیں۔

اور امام الطائفہ (اسمٰعیل دہلوی) کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے۔ تمہید ایمان ص۴۳

دوسروں کے لئے ارشاد ہے۔

علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی جواب ہے یہی مذہب مفتی بہ ہے اسی میں سلامتی اور استقامت ہے۔" تمہید ایمان ص۴۲ (ملخصاً)

مسلمانو! خدارا انصاف جس ظالم مردود کے ایسے خبیث عقیدے ہوں کیا وہ بھی اہل لا الٰہ الا اللہ میں سے ہے کیا ایسے ہی شخص کی تکفیر سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے علیٰ ہذا جو شقی ازلی ان ناپاک ملعون عقیدوں کو اسلامی عقیدے بتلائے ان کے معتقد کو کافر نہ کہے کیا اس کے کفر میں کوئی کلام ہو سکتا ہے۔

اے مالک عرش تو شاہد ہے کہ ہمارے نزدیک ایسے ملعون عقیدوں کا رکھنے والا کافر

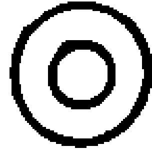
اکفر ہے ہمارا ایمان ہے کہ اُس کا کفر ابوجہل اور ابولہب سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

اے سمیع و بصیر اے علیم و خبیر دیکھئے یہ بھی علم ہے کہ شہید مظلوم اور جملہ اکابر کا دامن ان تمام آلودگیوں سے پاک ہے (سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ) وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ ٥

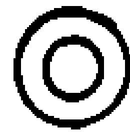
ملحوظ رہے کہ یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ سب خان صاحب کا مسلمہ ہے جس میں کسی بدعتی کو مجال انکار نہیں۔

ردِّ بریلویت پر مشہور کُتب

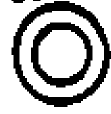
(۱) ازالۃ الریب	(۱۴) ملا علی قاری اور مسئلہ علم غیب و حاضر ناظر	(۲۷) تقدس حرمین
(۲) اظہار العیب	(۱۵) راہ سنت	(۲۸) بریلوی فتوے
(۳) تبرید النواظر	(۱۶) بابِ جنت	(۲۹) ابراھین القاطعہ
(۴) تفریح الخواطر	(۱۷) عبادات اکابر	(۳۰) مجموعہ رسائل چاندپوری
(۵) دل کا سرور	(۱۸) فیصلہ کن مناظرہ	(۳۱) سیف یمانی بر عقائد فرقہ رضاخانی
(۶) راہ ہدایت	(۱۹) حفظ الایمان۔ انجمن ارشاد المسلمین والی	(۳۲) سیف علی
(۷) نور و بشر	(۲۰) الشہاب الثاقب	(۳۳) فیصلہ خصومات از محکمہ دار القضاۃ
(۸) گلدستہ توحید	(۲۱) مطالعہ بریلویت ۲ جلد	(۳۴) المہند علی المفند
(۹) تنقید متین	(۲۲) شاہ اسمٰعیل شہید پر اعتراضات کے جوابات	(۳۵) الحسنیہ لاہل السنۃ
(۱۰) اتمام برہان	(۲۳) شاہ اسمٰعیل شہید	(۳۶) مقامع الحدید
(۱۱) حکم الذکر بالجہر	(۲۴) نماز کا مقام توحید	(۳۷) فتح بریلی کا دلکش نظارہ
(۱۲) اخفاء الذکر	(۲۵) عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے	(۳۸) دلیل الخیرات
(۱۳) درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ	(۲۶) علم جنات و ملائکہ	(۳۹) چراغ سنت



سیفِ نعمان



اس رسالہ میں غیر مقلدین کے اشتہار کا
جواب دیا گیا ہے



جمع و ترتیب

سید مُشتاق علی شاہ

ناشر: مکتبہ فاروقیہ ۸، گوبندگڑھ گوجرانوالہ

تائید الحنفیہ

یعنی

فقہ حنفی

پر

اعتراضات کے جوابات

محترم ناظرین کرام: ہمارے ایک ساتھی نے غیر مقلدین کا ایک اشتہار لاکر دیا۔ یہ اشتہار فوٹو سٹیٹ کروا کر تقسیم کیے گئے ہیں اس میں فقہ حنفی پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں۔ یہ اعتراض اصل میں مولانا یوسف جے پوری غیر مقلد کی کتاب حقیقۃ الفقہ سے سرقہ کیے گئے ہیں۔ اسلیے ہم نے اعتراض نقل کرتے ہوئے حقیقۃ الفقہ کا حوالہ دیدیا ہے تاکہ اصل حقیقت واضح ہو جائے۔

جمع و ترتیب: سیّد مُشتاق علی شاہ

ناشر: مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبندگڑھ گوجرانوالہ

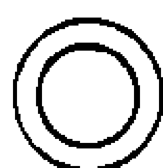
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احادیثِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور

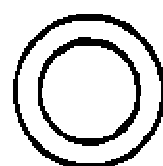
فقہ حنفی

حصہ اول



جمع و ترتیب

سید مشتاق علی شاہ



ناشر

مکتبہ فاروقیہ ۸، گوبند گڑھ گوجرانوالہ

سید مشتاق علی شاہ کی مرتب کردہ کتب کی فہرست

نمبر شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تعارف فقہ پانچ حصے	۱۰۰—۰۰
۲	احادیث نبویؐ اور فقہ حنفی حصہ اوّل	۶—۰۰
۳	احادیث نبویؐ اور فقہ حنفی حصہ دوم	۶—۰۰
۴	بیس رکعات تراویح کا ثبوت	۳—۰۰
۵	سیفِ نعمان	۳—۰۰
۶	تائید الحنفیہ	۱—۵۰
۷	حضرت امام ابوحنیفہؒ پر اعتراضات کے جوابات	
۸	امام ابوحنیفہؒ کا مقام محدثین کی نظر میں	۶—۰۰
۹	تقلید جائز اور ناجائز	۱۵—۰۰
۱۰	معین الفقہ یعنی فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات مع	۱۵—۰۰
۱۱	ابحاث غیر مقلدین	۱۸—۰۰
۱۲	مجموعہ رسائل مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	۵۰—۰۰
۱۳	مجموعہ رسائل مولانا محمد امین اوکاڑی	۷۵—۰۰